

حیر الفوائد

استاذ اعظم حضرت مولانا محمد مسعود جالندھری مدظلہ

و دیگر مہتممان خیر الدار سے

علمی و تحقیقی فتاویٰ کا منتخب مجموعہ

مترجمہ

مولانا مفتی محمد انور زبیر مجید

مکتبہ اقبال دہلی

قین کسٹھ پتال روڈ ملتان پاکستان

جدید کمپیوٹر کتابت کے ساتھ

جَیْرُ الْفَتَاوِی

جلد پنجم

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ
و دیگر مفتیان خیر المدارس کے علمی و تحقیقی فتاوی کا منتخب مجموعہ

باہتمام

حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہ
چاؤمعد جیڑ المذاہن ملتان

مرتبہ

حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہ

ناشر

مکتبہ امدادیہ ملتان، پاکستان

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : **خَيْرُ الْفِتَاوَى** (جلد پنجم)
باہتمام : حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ
مرتب : مولانا مفتی محمد انور صاحب مدظلہ
کل صفحات : ۶۶۰ صفحات

ناشر : **مکتبہ امت اسلامیہ** مستان ۷۲۸
(Phone No. 061-4544965)

لاہور میں ملنے کا پتہ

مکتبہ رحمانیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

کراچی میں ملنے کا پتہ

قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

ضروری گزارش

اس کتاب کی تصحیح کی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔
اگر اس کے باوجود کہیں کتابتی غلطیاں نظر آئیں تو
نشاندہی فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح کی جاسکے۔
فجزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدارین (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

از مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی
رئیس شعبہ تخصص فی الدعوة والايشاد جامعہ خیر المدارس ملتان

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد :

دین اسلام خدا تعالیٰ کا کامل دین ہے اور آخری بھی ہے۔ اور صرف اور صرف ایک ہی دین ہے جو محفوظ ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ احکام شرعیہ کا کلی علم رسول اقدس ﷺ کو عطا فرما دیا گیا۔ ان ہی کلیات کی تعبیر و تشریح اور تفصیل آئمہ مجتہدین نے فرمائی۔ اور دین کی کاملیت کو آفتاب نیروز کی طرح ظاہر و باہر فرما دیا۔ اسلام کی کامل تعبیر و تشریح جو خیر القرون میں ہی مرتب ہوئی اور اسی دن سے آج تک شہرت عام بقائے دوام کی لازوال سعادت سے مشرف ہوئی، اس کا نام فقہ حنفی ہے۔ مشہور اور مسلم مقولہ ہے کہ وبضدھا تتبین الاشیاء چراغ تاریکی میں چمکتا ہے۔ دوسرے ادیان کو دیکھو آپ کو ایک جز بھی طہارت، عبادات، معاملات، سیاسیات، معیشت، معاشرت کی جزئیات پر نہیں ملے گا۔ ہر طرف ظلمات بعضہا فوق بعض کی طرح نہ ختم ہونے والی تاریکی ہے۔ لیکن اسلام میں ایک ایک کتاب کے سینکڑوں صفحات ملیں گے، جن میں ہزاروں جزئیات ہوں گی۔ آپ کوئی ٹیڑھی سے ٹیڑھی اور پیچیدہ سے پیچیدہ صورت مسئلہ بنا کر پیش کریں۔ مفتی صاحبان اصول شریعت سے اس کا حکم آپ کو بتا دیں گے۔

یہ خیر الفتاویٰ کی پانچویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ عبادات سے متعلق نہیں، معاملات سے متعلق ہے۔ اور تمام معاملات بھی نہیں صرف طلاق کے مسائل پر مشتمل ہے، جو معاشرہ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ آپ دنیا بھر کی لائبریریوں کی سیر کر لیں۔ عیسائی، یہودی، ہندو، بدھست، جین مت جیسے دین کے دعوے داروں کے ہاں تلاش کریں۔

اس جلد کا سواں حصہ بھی کسی مذہب میں طلاق کی جزئیات نہیں ملیں گی۔

حضرات مجتہدین اور مفتیان کرام پورے دین کے محافظ اور پورے دار ہیں۔ اور تفصیل و تشریح بھی فرماتے ہیں۔ جامعہ خیر المدارس ایک بین الاقوامی یونیورسٹی ہے۔ جہاں کئی ممالک کے طلباء فیض یاب ہوتے ہیں۔ جامعہ میں صرف تدریس کا شعبہ ہی نہیں، بلکہ عوام کے مسائل کے حل کے لئے دارالافتاء کا اہم شعبہ بھی ہے جس سے ہر سال سینکڑوں فتاویٰ جاری ہوتے ہیں۔ اس جامعہ کے بانی عارف کامل جامع بین الشریعہ والطریقۃ استاد العلماء حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہ کے فتاویٰ کے علاوہ فاضل محقق جامع معقول و منقول حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے فتاویٰ بھی ہیں۔ آج کل اس ادارہ کے رئیس الافتاء عالم اجس، فاضل کامل، پیکر اخلاص حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب لازالت شمس فیوضہم بازغۃ علینا اور ان کے معاونین حضرت اقدس جامع علم و عمل حضرت مفتی محمد انور صاحب مدظلہ، ماہر شریعت حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب مدظلہ، فاضل بے بدل حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب مدظلہ، فاضل نوجوان حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب مدظلہ عوام کے بدلتے ہوئے تمدن کے مسائل پر فتاویٰ جاری فرما رہے ہیں۔

عرصہ تک یہ فتاویٰ غیر مدون رہے۔ جامعہ خیر المدارس کے حالیہ مہتمم صاحب فاضل اجل، واعظ شیریں بیان حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری حفظہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تدوین کا اہتمام فرمایا۔ اور رئیس الافتاء فقیہ العصر دام ظلہم کی سرپرستی میں یہ کام شروع ہوا۔ چار جلدیں پہلے چھپ کر علماء کرام اور مفتیان عظام سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی ترتیب و تدوین ایک اہم مسئلہ تھا۔ اور یہ ایک کٹھن اور مشکل ہے لیکن حضرت اقدس مولانا مفتی محمد انور صاحب کی شبانہ روز محنت، ہمت اور استقامت سے یہ مشکل حل ہو گئی۔ اس سے بھی مشکل ترین کام حوالوں کی تخریج و تصحیح کا تھا۔ اس میں سخت محنت اور عرق ریزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک حوالے کے تلاش کرنے میں کئی دن لگ جاتے ہیں۔ حوالہ تلاش کرنا، عبارت کی تصحیح کرنا، لیکن

حضرت مولانا مفتی صاحب موصوف نے جس دھن اور دھیان، لگن اور لگاؤ، ہمت اور اخلاص سے اس کو نبھایا۔ وہ جب اس کام میں لگ جاتے ہیں تو آرام تو آرام بعض اوقات طعام بھی یاد نہیں رہتا۔ ایک چشم دید گواہ نے بتایا کہ حضرت روزانہ رات کو تین بجے اٹھتے ہیں۔ دوسروں کو چائے پلائی اور کام میں لگ گئے۔ دوپہر کو معمولی کھانا تناول فرماتے ہیں۔ ایک دن دوپہر کو دو کیلے تناول فرمائے، یہی کھانا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے آپ کو مزید ہمت عطا فرمائیں اور جزائے خیر عطاء فرمائیں۔ کتنے لوگ میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب رات کو بھی بیدار ہیں اور ہمارے مسائل کی ترتیب اور تخریج فرما رہے ہیں۔ کھانا کھانے والے سکون سے بیٹھے ہیں کہ کھانا پکانے والے محنت اور ہمت سے کھانا تیار کر رہے ہیں۔ ہم جب چھوٹے ہوتے تھے تو ایک صاحب کھانا کھا کر ان الفاظ سے دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ! کمانے والوں کی خیر، پکانے والوں کی خیر، کھلانے والوں کی خیر اور کھانے والوں کی خیر۔ اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ حضرت مفتی صاحب جنہوں نے یہ دسترخوان ہمارے لئے چن دیا ہے اس سے استفادہ کے وقت ان کو بھی اور جن صاحبان کا کسی درجہ میں بھی اس تدوین میں حصہ ہے اپنی دعاؤں میں فراموش نہ کریں۔ ان ایام میں حضرت مفتی صاحب موصوف سے دو تین دفعہ ملاقات بھی ہوئی۔ ان کے چہرہ پر بھی تھکن اور محنت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائیں۔ انہیں مزید ہمت، استقامت اور اخلاص کی توفیق عطا فرمائیں۔ یہ دعائیہ کلمات بے ساختہ نوک قلم پر آگئے ہیں ورنہ کیا ہم اور کیا ہماری دعا۔ ہم تو رات دن ان حضرات کی دعاؤں اور علمی اور روحانی توجہات کے محتاج ہیں۔ ہمیں تو ان حضرات سے درخواست کرنا ہے کہ ہمارے لئے دعا فرمائیں کہ ہمیں ان علمی جواہرات سے خداوند قدوس استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ اس دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

فقط

پیچمپیز محمد امین صفدر اوکاڑوی

۲۔ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا خِلَافَ لَكُمْ

مِنْ بَعْدِ تِلْكَ ذِكْرِ زَوْجٍ آخَرَ



اجمالی فہرست

خَيْرُ الْفَتَاوَى جلد پنجم

تین طلاق کی مفصل تاریخ از ۳۰ تا ۵۶ —

کتاب الطلاق — از ۵۷ تا ۲۵۰ —

مسئلہ خلع — از ۲۵۱ تا ۲۶۸ —

باب العدت — از ۲۶۹ تا ۲۸۹ —

باب النسب — از ۲۹۰ تا ۳۱۹ —

رسالہ تین طلاق — از ۳۲۰ تا ۴۰۹ —

تین طلاق اور حلالہ — از ۴۱۰ تا ۴۳۸ —

مجلۃ البحوث الاسلامیہ (عربی) از ۴۳۹ تا ۴۶۰ —

فہرست مضامین

”خیر الفتاویٰ“ جلد پنجم

کتاب الطلاق

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۳	پیش لفظ (اسنا: حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر اوکاڑوی -)	
۲۰ ۵۶	تین طلاق کی مفصل تاریخ	
۵۷	۱ کیا طلاق کے لئے لفظ ماضی ضروری ہے۔	
۵۸	۲ عورت کو فسخ کا اختیار دینا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ حاکم کہے میں نکاح کو فسخ کرتا ہوں۔	
۵۹	۳ اگر طلاق کا گواہ لڑکی کا باپ ہو تو گواہی معتبر نہیں۔	
۵۹	۴ جو یہ کہے میں کسی مذہب سے متعلق نہیں اسکی بیوی نکاح سے خارج ہو گئی۔	
۶۱	۵ مطلقہ ثلاث حاملہ من الزنا سے نکاح کیا تو پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائیگی؟	
۶۲	۶ طلاق صرف ایک دیسیکن اخبار کے طور پر کئی آدمیوں سے ذکر کیا تو طلاق ایک ہی رہیگی	
۶۲	۷ اگر عورت طلاق کے اختیار کو اسی مجلس میں استعمال نہ کرے تو خیار ختم ہو جائے گا۔	
۱۲	۸ تین کلنے پھینکے اور زبان سے ایک دفعہ کہا تجھے چھوڑا تو ایک طلاق ہو گئی۔	

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۶۵	طلاق کے بعد مجامعت کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو کس کا قول معتبر ہوگا۔	۹
۶۵	طلاق کی جسٹس میں وقت مقرر نہ ہو اس میں موت سے کچھ پہلے طلاق واقع ہوگی۔	۱۰
۶۷	اختلاف دارین کی وجہ سے خیال فرسخ نہیں ہوگا۔	۱۱
۶۷	سوداوی دوا کے حالات میں طلاق دینا۔	۱۲
۶۹	تیرے پاس آؤں تو اپنی بہن کے پاس آؤں۔	۱۳
۷۰	نکاح والی ڈھیری ڈھائی سے طلاق کا حکم	۱۴
۷۰	شہادت ناقص ہو تو قضاء طلاق نہیں ہوگی۔	۱۵
۷۱	صرف لفظ "طلا" کہنے سے طلاق نہیں ہوگی۔	۱۶
۷۲	میں نے زید کی بیٹی کو طلاق دی اور پھر دعویٰ کرے کہ میری مراد بیوی نہیں تھی۔	۱۷
۷۱	تین طلاق کے بعد اکٹھے رہنے کی صورت۔	۱۸
۷۳	مجنون کی بیوی کیسے تفریق کرائے۔	۱۹
۷۱	بیوی میرے لئے مردار ہے اسے طلاق ہوگئی یا نہیں۔	۲۰
۷۴	معتوہ بحالت افاقہ طلاق دے تو واقع ہو جائے گی۔	۲۱
۷۵	نہ زبان سے طلاق دی نہ لکھی نہ کسی کو وکیل بنایا تو طلاق نہیں ہوئی۔	۲۲
۷۶	جو لڑائی میں مفقود ہوا ہو اس کے بارے میں تاخیر سنین کی ضرورت نہیں۔	۲۳
۷۷	بیوی کی بجائے سالی کا نام لے کر طلاق دی تو طلاق نہیں ہوگی۔	۲۴
۷۷	طلاق رجعی، بائن، مغلظہ دیتا ہوں۔	۲۵
۷۸	دعویٰ رجعت بدول شہادت معتبر نہیں۔	۲۶
۷۹	دو یا تین میں شک ہو تو ڈوسمجھیں۔	۲۷
۷۷	تاک، تاک کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔	۲۸

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۸۰	{ عورت کہتی ہے کہ زوجِ ثانی نے وطی کی ہے، زوجِ مُنکہ ہے تو پہلے کیلئے حلال ہوگی یا نہیں۔	۲۹
۸۱	تعلیق طلاق کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔	۳۰
۸۲	جہاں حسن سلوک کی توقع نہ ہو وہاں نکاح میں طلاق کا اختیار لینے کا حکم۔	۳۱
۸۳	چلو فرض کیا میں نے دوسری بیوی کو طلاق دیدی۔	۳۲
۸۴	مجھ پر عسر طلاق، طلاق بائنہ ہے۔	۳۳
۸۵	مہر کی واپسی کے وعدہ پر طلاق دی تو یہ خلع نہیں بنے گا۔	۳۴
۸۵	دوسرا خاوند تلاش کر لو، بلا نیت طلاق کہا تو طلاق نہ ہوگی۔	۳۵
۸۶	نابالغ کی یمین طلاق منعقد نہیں ہوگی۔	۳۶
۸۷	{ عورت کہتی ہے بیماری میں طلاق دی ہے وارث اس کے خلاف کہتے ہیں تو کس کا قول معتبر ہوگا۔	۳۷
۸۹	جھوٹی گواہی پر عدالت نے عورت کو مطلقہ قرار دیدیا تو طلاق ہوئی یا نہیں۔	۳۸
۹۰	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیار فسخ بالغہ کو دیا تھا یا کہ نابالغہ کو۔	۳۹
۹۱	طلاق نامہ پر انگوٹھا خاوند کے بھائی نے لگایا تو طلاق کا حکم۔	۴۰
۹۲	طلاق کی قسم میں اعتبار حالف کی نیت کا ہوگا۔	۴۱
۹۲	دورانِ تعلیم شاگرد سے طلاق امر آتی ثلاثاً کہلوانے سے طلاق کا حکم۔	۴۲
۹۴	کلمہ تزوجت نفی طالق میں یمین سے پہلے والی منکوحہ داخل نہیں ہوگی۔	۴۳
۹۵	میں نکاح کو فسخ کرتا ہوں کنایات طلاق سے ہے۔	۴۴
۹۶	خاوندِ ثانی کے طلاق نہ دینے کا اندیشہ ہو تو بچنے کا حیلہ۔	۴۵
۹۷	بیوی کے ساتھ برتاؤ سے مراد صرف ہمبستری لینا خلاف ظاہر ہے۔	۴۶

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۹۷	لفظ آزاد سے نیت نہ کی ہو تو طلاق کا حکم۔	۴۷
۹۸	لفظ طلاق مکرر کہنے کی صورت میں عوام کے دعویٰ تاکید کا حکم۔	۴۸
۹۹	ہمارا باہم رہنا دشوار ہے، سے طلاق کا حکم۔	۴۹
۱۰۰	اس شرط پر طلاق دینا کہ تم فلاں سے نکاح نہیں کرو گی۔	۵۰
۱۰۱	ہندوؤں سے جان بچانے کے لئے کہہ دیا کہ میں ہندو ہوں تو بیوی نکاح میں رہی یا نہیں۔؟	۵۱
۱۰۲	مکمل طلاق، طلاق بائنہ ہے۔	۵۲
۱۰۳	بیوی نافرمان ہو اور والدین اصرار کریں کہ طلاق نہ دو تو کیا کرے۔	۵۳
۱۰۴	تیرا میرا معاملہ ختم ہے نیت کے ساتھ طلاق بائنہ ہے۔	۵۴
۱۰۵	بیماری کی حالت میں بیوی کو نقصان پہنچانے کے لئے طلاق دینا۔	۵۵
۱۰۶	مرتدہ کے اسلام لانے کے بعد پہلے خاوند سے تجدید نکاح پر ایک اشکال کا جواب۔	۵۶
۱۰۷	کل حلال علی حرام سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔	۵۷
۱۰۸	خاوند کے صرف شک و شبہ ظاہر کرنے پر عورت لعان کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔	۵۸
۱۰۹	خاوند نے تین طلاق کو نکاح پر معلق کیا، لڑکی والے کہتے ہیں ہم اہلحدیث ہیں اس تعلیق کا کوئی اعتبار نہیں تو نکاح کرے یا نہ۔	۵۹
۱۱۰	میں بیوی سے کبھی رجوع یعنی تعلق نہیں رکھوں گا ایلا رہے۔	۶۰
۱۱۱	خاوند سے دھوکہ سے خلع کے لفظ کہلوا لئے تو بھی خلع ہو جائے گا۔	۶۱
۱۱۲	ظہار کے لئے حرف تشبیہ کا اظہار ضروری ہے۔	۶۲
۱۱۳	اگر میں نے صبح تم کو طلاق نہ دی تو تم کو عسر طلاق۔	۶۳
۱۱۴	ایک دو، تین، جا تو مجھ سے خلاص ہے۔	۶۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۶۵	مطلقہ ثلاث کو بطور بیوی لے کھنے والے کے ساتھ قطع تعلق واجب ہے۔	۱۱۲
۶۶	اگر یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو طلاق، اور خط نہیں بھیجا۔	۱۱۳
۶۷	کسی مصلحت کے تحت طلاق کی جھوٹی خبر دینے کا حکم۔	۱۱۴
۶۸	اگر طلاق دہندہ کو معلوم ہو کہ بدول اضافت طلاق نہیں ہوتی اور مدعی ہو کہ میں نے اسی لئے بلا اضافت کہی تھی تاکہ طلاق نہ ہو۔	۱۱۵
۶۹	ماں بہن کے برابر کہنے سے طلاق کی نیت کرنا۔	۱۱۷
۷۰	حلالہ کے لئے التقارۃ خاتین کافی ہے، انزال ضروری نہیں۔	۱۱۸
۷۱	حضرا لکھی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔	۱۱۹
۷۲	خاوند نے قسم کھائی کہ میں سسرال نہیں آؤں گا اور چار ماہ تک نہ آیا تو یہ ایلاء	۱۲۰
۷۳	نہیں بنے گا۔	۱۲۰
۷۴	خاوند بیوی والے تعلقات ختم کر دینے سے طلاق کا حکم۔	۱۲۲
۷۵	میں نے تم کو تین مرتبہ لفظ طلاق ادا کئے، سے طلاق کا حکم۔	۱۲۳
۷۶	صرف، مجھے کلاما ہے، کہنے سے مبین طلاق منعقد نہیں ہوگی۔	۱۲۳
۷۷	مبین کے جواب میں صرف ہاں کہنے سے مبین منعقد ہو جائے گی۔	۱۲۴
۷۸	طلاق نامہ میں بیوی کے باپ کا نام غلطی سے غلط درج کرایا تو بھی طلاق ہو جائیگی۔	۱۲۵
۷۹	طلاق کی قسم اٹھاتے وقت جو چیز حالف اور مستحلف کے ذہن میں مستثنیٰ ہو	۱۲۶
۸۰	اسکی وجہ سے حاث نہیں ہوگا۔	۱۲۶
۸۱	تو مجھ پر طلاق ہے ایک دفعہ کہنا یا دس دفعہ کہنا برابر کا حکم۔	۱۲۹
۸۲	غیر مدخولہ کو کہا تجھے طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں تو تینوں واقع ہو جائیگی۔	۱۳۰
۸۳	میں بیوی سے رہا، طلاق کنایہ ہے۔	۱۳۰
۸۴	طلاق سے بچنے کے لئے بیوی کے باپ کا نام قصداً غلط لکھو یا تو طلاق نہیں ہوگی۔	۱۳۱

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱۳۲	تجھے بداد دے دیا، طلاق ہے۔	۸۳
"	کیا لفظ فارغ میں ہر حال میں نیت ضروری ہے۔	۸۴
۱۳۳	قسم کھائی کہ ہندہ کے ہاتھ کی روٹی کھائی تو طلاق پھر دھوکے سے کھلا دی گئی	۸۵
۱۳۴	علاج کے لئے کھائی گئی دوا سے نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم	۸۶
۱۳۵	خاوند مبہم طلاق جس پر چاہے واقع کر سکتا ہے۔	۸۷
۱۳۶	دو دفعہ لفظ طلاق کہہ دیا، تیسرا کہنے سے پہلے کسی نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔	۸۸
۱۳۷	ایک کلام کے تنجیز یا تعلیق ہونے کی تحقیق	۸۹
۱۳۸	عدالت جبراً خلع نہیں کر سکتی۔	۹۰
۱۴۰	جتنی بار بھی مشروط کا ارتکاب کرے طلاق ایک ہی ہوگی۔	۹۱
۱۴۱	خاوند بیوی کی مرضی کے بغیر اس کا سامان خلع میں ضبط نہیں کر سکتا۔	۹۲
۱۴۲	عورت کو کہا میں برسوں تیرے قریب نہیں جاؤں گا۔ ایلا ہے اور چار ماہ بعد طلاق بائنہ ہو جائے گی۔	۹۳
۱۴۳	تو جھپٹی میں میں کولوں میں تیکوں چھوڑا طلاق صریح ہے۔	۹۴
۱۴۵	میرے تمہارے راستے جدا ہیں مکمل فیصلہ میری طرف سے آزادی طلاق بائنہ ہے۔	۹۵
۱۴۶	تق، تق، تق سے طلاق نہیں ہوگی۔	۹۶
"	میری دونوں بیویوں کو طلاق ثلاثہ سے دونوں کو تین تین طلاق ہو جائیں گی۔	۹۷
۱۴۷	طلاق ہی سمجھو کو طلاق نہ سمجھیں۔	۹۸
۱۴۸	خاوند بیوی میں وطنی میں اختلاف ہو جائے تو کس کی بات مانی جائے گی۔	۹۹
۱۴۹	خاوند کچھ عرصہ بعد نامرد ہو جائے تو عورت کو فسخ کا حق نہیں۔	۱۰۰

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱۰۱	میں خالہ کی روٹی نہیں پکاؤں گا پھر بیوی نے اسکی اجازت کے بغیر خالہ کی روٹی	۱۵۰
	پکائی تو حانت ہو گا یا نہیں۔	
۱۰۲	غضب کے درجاتِ ثلاثہ میں سے دوسرے درجہ میں دی ہوئی طلاق کا حکم۔	۱۵۱
۱۰۳	عمر قید کی بیوی رہائی کیسے حاصل کرے۔	۱۵۲
۱۰۴	نکاحِ فاسد کو عورت بھی فسخ کر سکتی ہے۔	۱۵۵
۱۰۵	میر تیرا تعلق ختم ہے سے نکاح ختم ہو گیا۔	۱۵۶
۱۰۶	طلاقِ مغلطہ طلاقِ بائنہ ہے۔	۱۵۷
۱۰۷	یمین میں کام خود نہیں کیا بلکہ کسی کو کرنے کا حکم دیا تو بھی حانت ہو جائیگا۔	۱۵۸
۱۰۸	خاوند کی مرضی کے بغیر خلع درست نہیں۔	۱۶۰
۱۰۹	خاوند ظالم ہو تو خلع کرنے میں کوئی عرج نہیں۔	۱۶۱
۱۱۰	والدہ اور بیوی کی خودکشی کی دھمکی سے ڈر کر طلاق صرف لکھ کر دی تو واقع ہوگی یا نہیں۔	۱۶۲
۱۱۱	خاوند متعنت عدالت میں نہ آئے اور عدالت اسکی غیر موجودگی میں اس کے	
	خلاف فیصلہ دے دے تو نافذ ہو گا یا نہیں۔	۱۶۹
۱۱۲	عرضی نوایس کو صرف اتنا کہنا کہ طلاق نامہ لکھ دو اس سے طلاق ہو جائیگی یا نہیں	۱۷۲
۱۱۳	مسئلہ ہذا کی مزید تحقیق۔	۱۷۳
۱۱۴	اکتب طلاق امرہنی اور استکتب طلاقاً میں فرق۔	۱۷۷
۱۱۵	تین الگ الگ کاغذوں پر ایک ایک طلاق لکھی ایک بھیج دیا دو گم	
	ہو گئے تو کتنی طلاقیں ہوئیں۔	۱۸۰
۱۱۶	ایسے جنوں کی طلاق کا حکم۔	۱۸۱
۱۱۷	یونین کونسل کو طلاق نامہ کی اطلاع نہ بھی دی جائے تو بھی طلاق ہو جائیگی۔	۱۸۲
۱۱۸	کل امرأۃ از وجہا فہی طالق میں تعلیق سے پہلے والی کو طلاق نہیں ہوگی۔	۱۸۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱۱۹	تم میرے تن سے جدا ہو طلاقِ بائنہ ہے۔۔۔۔۔	۱۸۴
۱۲۰	دو دفعہ حرام حرام کہہ کر پھر ایک طلاق صریح دیدی۔۔۔۔۔	"
۱۲۱	خلع دیتا ہوں طلاقِ بائنہ ہے۔۔۔۔۔	۱۸۵
۱۲۲	طلاق مکروہ واقع ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔	"
۱۲۳	میری طرف سے جواب ہے طلاق ہے۔۔۔۔۔	۱۸۶
۱۲۴	خاوند نے تین دفعہ حرام کہا کاتب نے تین طلاق لکھ دیں۔۔۔۔۔	"
۱۲۵	بوقت ضرورت طلاق دینے کا حکم۔۔۔۔۔	۱۸۷
۱۲۶	پنجابی میں "طلاق" کہنے سے بلائیت طلاق ہو جائیگی۔۔۔۔۔	۱۸۸
۱۲۷	تو مجھ پر چار مذاہب میں حرام ہے کہنے کا حکم۔۔۔۔۔	"
۱۲۸	طلاق نامہ لکھ کر رکھ لیا تو طلاق کا حکم۔۔۔۔۔	۱۸۹
۱۲۹	لفظ طلاق سے ایک ہی طلاق ہوگی اگرچہ تین کا ارادہ ہو۔۔۔۔۔	۱۹۰
۱۳۰	طلاق نامہ جلا دیا تو طلاق کا حکم۔۔۔۔۔	"
۱۳۱	طلاق قطعی دیدی آج سے مطلقہ آزاد ہے مجھ پر حرام ہے دو طلاق بنتی ہیں۔۔۔۔۔	۱۹۱
۱۳۲	میں ہندو سے جس وقت نکاح کر دوں اسے طلاق تو صرف ایک دفعہ طلاق ہوگی۔۔۔۔۔	۱۹۲
۱۳۳	فلاں تاریخ تک پیسے نہ دیئے تو بیوی کو تین طلاق پھر اسکی جگہ کسی اور نے پیسے دے دیئے۔۔۔۔۔	۱۹۳
۱۳۴	جو بولنے پر قادر ہوا اسکی طلاق تلفظ کے بغیر نہیں ہوگی۔۔۔۔۔	۱۹۴
۱۳۵	تجھے چھٹی ہے" سے وقوع طلاق کا حکم۔۔۔۔۔	۱۹۵
۱۳۶	تین طلاق کے وقوع کے بارے میں مجموعۃ الفتاویٰ کی عبارت سے { دھوکہ نہ کھایا جائے۔۔۔۔۔	۱۹۶

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱۹۸	لفظِ علاق سے طلاق نہیں ہوگی۔	۱۳۷
۱۹۹	ایک گواہ لفظِ طلاق کی گواہی دیتا ہے ایک لفظِ حرام کی۔	۱۳۸
۲۰۰	عذر کی صورت میں عورت خاوند کو طلاق دے سکتی ہے؟	۱۳۹
۲۰۱	دورانِ عدت نکاح کر کے تین طلاق دیدیں تو بدولِ حلالہ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے	۱۴۰
۲۰۱	قتل کی دھمکی دے کر طلاق کے الفاظ کہلوانا۔	۱۴۱
۲۰۱	طلاق کے ساتھ ہی انشاء اللہ کہنا۔	۱۴۲
۲۰۲	غیر مدخولہ کو الگ الگ تین طلاق دینے کا حکم۔	۱۴۳
۲۰۲	جھوڑی کا لفظ تین دفعہ کہا تو تین طلاق ہوں گی۔	۱۴۴
۲۰۲	۱۱۱ طلاق تین طلاق ہیں۔	۱۴۵
۲۰۳	مجھ پر طلاق ہے "کا حکم۔	۱۴۶
۲۰۳	اضافت صریحہ طلاق میں ضروری نہیں۔	۱۴۷
۲۰۴	تین طلاق دینے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری رائے۔	۱۴۸
۲۰۴	تو مجھ سے فارغ ہے طلاق بائنہ ہے۔	۱۴۹
۲۱۰	طلاق کا جھوٹا اقرار بھی طلاق ہے۔	۱۵۰
۲۱۰	جھگڑے کے دوران کہا تم آزاد ہو تمہیں طلاق ہے۔	۱۵۱
۲۱۲	تین طلاق کے بعد غیر مقلدین کے فتویٰ کا ہمارا لینا۔	۱۵۲
۲۱۲	محض طلاق کے تخیل سے طلاق نہیں ہوتی۔	۱۵۳
۲۱۵	صرف "ایک دو تین" کہنے سے طلاق کا حکم۔	۱۵۴
۲۱۶	مذاق مذاق میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	۱۵۵
۲۱۶	بطورِ گالی طلاق کہنے سے طلاق کا حکم۔	۱۵۶

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۲۱۷	جب میں تیرے ساتھ نکاح کروں تو تجھے طلاق۔	۱۵۷
۲۱۸	گوئیگی کی طلاق کیسے ہوگی؟	۱۵۸
"	بیوی کے خاندان کو طلاق دینے سے بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی۔	۱۵۹
۲۱۹	میں نے نکاح توڑ دیا " طلاق بائنہ ہے۔	۱۶۰
"	تازہ زندگی والدین کے گھر رہو " کہنے سے طلاق کا حکم۔	۱۶۱
۲۲۰	میرا ہمیشہ کے لئے بائیکاٹ ہے طلاق بائنہ ہے۔	۱۶۲
"	دو بیویوں والے نے طلاق، طلاق، طلاق کہا تو کس کو طلاق ہوگی؟	۱۶۳
۲۲۱	طلاق، طلاق، طلاق کا حکم۔	۱۶۴
۲۲۲	طلاق دی، دی، دی سے تین طلاق ہو گئیں۔	۱۶۵
"	مطلقہ ثلاث کا دوسرا نکاح فاسد ہو تو پہلے کے لئے حلال نہیں ہوگی۔	۱۶۶
۲۲۳	ارتکاب شرط ناسیاً کیا تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی۔	۱۶۷
۲۲۴	حاملہ پر بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	۱۶۸
"	میں اس گھر میں داخل ہوا تو بیوی کو طلاق پھر غلطی سے داخل ہو گیا۔	۱۶۹
۲۲۵	مجبوری کی طلاق کا حکم۔	۱۷۰
۲۲۶	کنایہ کے بعد صریح الفاظ کہنا۔	۱۷۱
"	ہنسی مذاق میں طلاق دینے کا حکم۔	۱۷۲
۲۲۷	پتھر پھینکنے کے بعد بطور اخبار کہا۔ "ہم نے چھوڑ دی ہے۔"	۱۷۳
۲۲۸	صرف بول چال اور مجامعت چھوڑنے سے طلاق نہیں ہوگی۔	۱۷۴
۲۲۹	طلاق ہونے کے لئے منکوحہ ہونا یا اضافت الی النکاح ضروری ہے۔	۱۷۵
"	دو طلاق کے بعد رجوع کر کے تیسری دیدی تو تین ہو گئیں۔	۱۷۶

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۲۳۰	صرف سر ہلا دینے سے طلاق نہیں ہوگی۔	۱۷۷
۲۳۱	زبان سے طلاق کہا اور انگلی سے اشارہ کیا تو کتنی طلاق ہوں گی۔	۱۷۸
۲۳۱	حال کے صیغہ سے طلاق کا حکم۔	۱۷۹
۲۳۲	بیوی کو جھگڑے کے دوران لفظ طلاق کہا اور دعویٰ کرتا ہے کہ میری مراد دوسری بیوی تھی۔	۱۸۰
۲۳۷	نشر کی حالت میں دی ہوئی طلاق کا حکم۔	۱۸۱
۲۳۸	اگر میں تمہارے قریب آؤں تو سؤر کا بچہ ہوں، ایلا نہیں۔	۱۸۲
۲۳۹	بیوی والدین کو ایذا دیتی ہو تو طلاق کا حکم۔	۱۸۳
۲۴۰	عدالتی نسخ صرف بعض صورتوں میں معتبر ہے۔	۱۸۴
۲۴۰	ایک عبارت کے ایلا یا تعلیق ہونے کی تحقیق۔	۱۸۵
۲۴۱	طلاق کی قسم اٹھوانے کا حکم۔	۱۸۶
۲۴۱	مرتد سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں۔	۱۸۷
۲۴۲	بیوی خاوند کو طلاق دیدے تو ہو جائے گی یا نہیں۔	۱۸۸
۲۴۳	میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو تفریق کی صورت۔	۱۸۹
۲۴۳	مجنوب الحواس کی طلاق کا حکم۔	۱۹۰
۲۴۴	خالی کاغذ دینے سے طلاق نہیں ہوگی۔	۱۹۱
۲۴۵	میں اپنی بیوی سے سات طلاق ہوں " کہنے سے طلاق نہیں ہوگی۔	۱۹۲
۲۴۵	مکرہ نے صرف لکھ کر طلاق دی تو طلاق نہیں ہوئی۔	۱۹۳
۲۴۶	سادے کاغذ پر دستخط کرنے سے طلاق نہیں ہوگی۔	۱۹۴
۲۴۶	مذہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۱۹۵
۲۴۷	میں نے نکاح نہیں کیا " کنایات سے نہیں۔	۱۹۶

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱۹۷	میں اس شہر میں نہیں رہوں گا کہنے کے بعد چلا گیا۔ پھر کبھی کبھی ملنے آئے تو حانت نہیں ہوگا۔	۱۹۷
۲۴۷	بیوی کو ماں بہن کہنا ناجائز ہے مگر طلاق نہیں ہوگی۔	۱۹۸
۲۴۸	تو میری کچھ نہیں لگتی، سے طلاق نہیں ہوگی۔	۱۹۹
۲۴۹	صرف ڈھیلے پھینکنے سے طلاق نہیں ہوگی۔	۲۰۰
۲۵۰	رجوع کے لئے بیوی کا رضامند ہونا ضروری نہیں رجوع قول سے بھی ہو سکتا ہے فعل سے بھی۔	۲۰۱
۲۵۰	مطلقہ غیر مدخولہ سے رجوع کا حکم	(۲۰۲) (ق)
۲۵۱	مسئلہ خلع	(۲۰۲) (ب)
۲۶۹	بَابُ الْعِدَّتِ	
۲۶۹	معتدہ کو دیور سے عصمت کا خطرہ ہو تو مکان چھوڑ سکتی ہے۔	(۲۰۲) (ج)
۲۷۰	حیض میں طلاق دے تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا۔	۲۰۳
۲۷۰	عدت واجب ہونے سے قبل مستقل رہائش والد کے گھر تھی تو عدت بھی وہیں گزارے۔	۲۰۴
۲۷۱	نامرد سے خلوت صحیح ہو جاتے تو عورت پر عدت واجب ہے۔	۲۰۵
۲۷۲	متوفی عنہا زوجہ کی عدت مہینوں سے گزرے گی خواہ اس دوران زنا سے حاملہ ہو جائے۔	۲۰۶
۲۷۲	مسلمان لڑکی کا لاعلمی سے عیسائی کے ساتھ نکاح ہو جائے تو علیحدہ ہونے پر عدت واجب ہوگی یا نہیں۔	۲۰۷

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۲۷۶	بوٹی کے بعد خاوند مُرتد ہو جائے تو عورت پر عدت لازم ہے۔	۲۰۸
۲۷۷	ایک ماہ چھبیس دن میں عدت گزر سکتی ہے یا نہیں۔	۲۰۹
"	نابالغہ کا خاوند فوت ہو جائے تو اس پر بھی عدت وفات لازم ہے۔	۲۱۰
۲۷۸	ہاں دونوں دروازے کھلے ہوں وہاں خلوت صحیح نہیں۔	۲۱۱
۲۷۹	نکاح فاسد میں عدت کا آغاز تارکہ یا تفریق قاضی کے بعد ہوگا۔	۲۱۲
۲۸۰	عدت گزرنے سے پہلے خاوند مر جائے تو عورت وارث ہوگی۔	۲۱۳
۲۸۱	معتدہ وفات مجبوری میں رات بھی باہر گزار سکتی ہے۔	۲۱۴
۲۸۲	جسے ڈھائی سال بعد حیض آتا ہو تو اسکی عدت بھی حیض ہی سے ہوگی۔	۲۱۵
"	طلاق بائنہ کی عدت میں میاں بیوی میں پردہ ضروری ہے۔	۲۱۶
۲۸۳	حج کے موقع پر خاوند فوت ہو جائے تو عدت کہاں گزائے۔	۲۱۷
"	خاوند کے طلاق کے انکار کے باوجود عدت وقت طلاق سے شمار ہوگی۔	۲۱۸
۲۸۴	دورانِ عدت تسلیم کے لئے باہر جانا۔	۲۱۹
"	ایک عرصہ سے بیوی کو چھوڑا ہوا ہو تو بھی طلاق کے بعد عدت واجب ہوگی۔	۲۲۰
۲۸۵	معتدہ موت کو سسرال کے ہاں عصمت کا خطرہ ہو تو منتقل ہو سکتی ہے۔	۲۲۱
"	معتدہ موت معاشی ضرورت کے لئے دن کو باہر جاسکتی ہے۔	۲۲۲
۲۸۶	سارے رشتہ دار دوسرے شہر میں ہوں تو معتدہ وہاں جاسکتی ہے یا نہیں۔	۲۲۳
۲۸۷	گواہوں کے بغیر پڑھے گئے نکاح میں عدت ہوگی یا نہیں۔	۲۲۴
۲۸۸	طلاق نامہ پر پہلے کی تاریخ لکھ کر دیجائے تو عدت کب سے شمار ہوگی۔	۲۲۵
"	معتدہ عدت کے دوران کسی قسم کے زیور نہ پہننے۔	۲۲۶
"	عدت کم از کم کتنے عرصے میں گزر سکتی ہے۔	۲۲۷
۲۸۹	معتدہ خاوند کی قبر پر نہیں جاسکتی۔	۲۲۸

بَابُ النِّسْبِ

۲۹۰

۲۹۰

۲۲۹

وفات کے سارے تین سال بعد پیدا ہونے والے بچہ کا حکم —

۲۳۰

خاوند کے لاپستہ ہونے کی وجہ سے عورت سے نکاح کر لیا، بچے پیدا ہو گئے

"

پھر پہلا خاوند بھی آگیا تو بچوں کا نسب دوسرے سے ہوگا۔ —

۲۹۱

۲۳۱

آٹھ سالہ بچے سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ —

"

نکاح فاسد میں نسب ثابت ہوگا یا نہیں۔ —

۲۳۲

۲۹۲

۲۳۳

ساس سے نکاح کر لیا جاوے اور اولاد پیدا ہو جائے تو نسب کا حکم —

۲۹۳

۲۳۴

زنا سے پیدا ہو نیوالا بچہ والد کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔ —

۲۹۴

۲۳۵

بحالت اغوا پیدا ہو نیوالے بچے کا نسب فراش کی طرف منسوب ہوگا۔ —

"

مزنیہ کے اقرار کے باوجود کہ یہ بچہ زنا کا ہے خاوند سے نسب منتفی نہ ہوگا۔ —

۲۳۶

۲۹۵

۲۳۷

بچہ پیٹ میں سوکھ جانے اور باپ کی وفات کے دس سال بعد پیدا ہو

تو نسب کا حکم — — — — —

۲۹۵

۲۳۸

بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے سالی سے نکاح کیا تو اس سے ہونیوالی

۲۹۶

۲۳۹

اولاد کے نسب کا حکم — — — — —

۲۹۷

۲۴۰

مطلقہ ثلاث سے بدول حلالہ دوبارہ نکاح کر لیا تو ثبوت نسب کا حکم۔ —

۲۹۸

۲۴۱

لا علمی میں حقیقی بہن سے نکاح کر لیا تو اولاد کے نسب کا حکم۔ —

"

موطورہ بالشیبہ کے بچے کا نسب واطی سے ثابت ہوگا۔ —

۲۴۲

۲۹۹

۲۴۳

خاوند کی وفات کے وقت غیر حاملہ تھی چھ ماہ بعد حاملہ ہو گئی تو نسب کا حکم —

۳۰۰

۲۴۴

رسالہ تین طلاق

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۳۲۰	طلاق کی اہمیت اور مسائل طلاق سے لا پرواہی	۲۵۸
۳۲۶	طلاق کے اہم مسائل	۲۵۹
"	طلاق کی تعریف	۲۶۰
"	طلاق کے ارکان	۲۶۱
"	طلاق کا حکم	۲۶۲
"	طلاق کی صفت	۲۶۳
"	شرائط طلاق	۲۶۴
۳۲۸	زبانی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے	۲۶۵
"	کتابت طلاق مکرہا معتبر نہیں	۲۶۶
"	طلاق نامہ لکھ کر پھاڑنے کا حکم	۲۶۷
۳۲۹	ہنسی مذاق کی طلاق بھی معتبر ہے	۲۶۸
"	ڈرامے کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے	۲۶۹
"	طلاق کا حکم	۲۷۰
۳۳۱	طلاق دینے کے طریقے	۲۷۱
"	طلاق احسن	۲۷۲
"	طلاق حسن	۲۷۳
"	طلاق بدعی	۲۷۴

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۳۳۳	قرآن مجید سے طلاق کے احکام	۲۷۵
۳۳۶	احادیث مبارکہ سے طلاق کے احکام	۲۷۶
۳۳۵	آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین	۲۷۷
"	احادیث حضرت عمر بن خطاب	۲۷۸
۳۳۶	احادیث حضرت عثمان بن عفان	۲۷۹
"	حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۲۸۰
۳۳۸	حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۲۸۱
۳۳۹	حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۲۸۲
۳۵۱	حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۲۸۳
۳۵۲	حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص	۲۸۴
"	حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	۲۸۵
۳۵۳	حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۲۸۶
"	حدیث ام المؤمنین حضرت اسمہ رضی اللہ عنہا	۲۸۷
"	حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	۲۸۸ (ا)
۳۵۴	حدیث حضرت عسمران بن حصین رضی اللہ عنہ	۲۸۸ (ب)
"	حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ	۲۸۹
۳۵۵	حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ	۲۹۰
"	حدیث حسن بن علی رضی اللہ عنہ	۲۹۱
۳۵۶	حدیث ابو قتادہ رضی اللہ عنہ	۲۹۲
"	حدیث عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	۲۹۳
۳۵۷	حدیث عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ	۲۹۴

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۳۵۷	آثار تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ -	۲۹۵
۳۶۲	اجماع ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ -	۲۹۶
۳۷۱	سعودی علماء کرام کی سپریم کو نسل کا فیصلہ -	۲۹۷
	اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق۔ {	۲۹۸
۳۷۳	نقل کرنے والے حضرات کے اسماء گرامی - {	
۳۷۵	شبہات کے جوابات -	۲۹۹
۴۰۰	ایک شبہ کا ازالہ -	۳۰۰
۴۰۲	ایک اعتراض کا حل -	۳۰۱
۴۰۳	حلالہ -	۳۰۲
۴۰۷	سنگ سار کیا جائے -	۳۰۳
۴۰۸	تین طلاقوں کے بعد رجعت کا فتویٰ دینے والے {	۳۰۴
	کا حکم -	
۴۰۹	ماخذ رسالہ تین طلاق -	۳۰۵



صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۲۱۰	تین طلاق اور حلالہ	
۲۱۳	خفیت -	۳۰۶
۲۱۴	مسئلہ طلاق -	۳۰۷
۲۱۷	طلاق کا بہترین طریقہ -	۳۰۸
۲۱۸	غیر مقلدین کا قرآن سے اختلاف -	۳۰۹
۲۱۹	غیر مقلدین کی قرآن و حدیث سے بغاوت -	۳۱۰
۲۲۰	حدیث لعان -	۳۱۱
۲۲۰	حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا -	۳۱۲
۲۲۱	حدیث امام حسن بصری رضی اللہ عنہ -	۳۱۳
۲۲۵	غیر مقلدین کی صحابہ کرامؓ تابعینؓ تبع تابعینؓ اور ائمہؓ سے بغاوت -	۳۱۴
۲۳۵	غیر مقلدین کا پہلا خداع -	۳۱۵
۲۳۸	غیر مقلدین کا دوسرا دھوکہ -	۳۱۶
۲۴۵	حلالہ شرعی -	۳۱۷



مَجْلَّةُ الْبَحْثِ الْإِسْلَامِيَّةِ

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۴۵۱	اسماء گرامی حضرات منتظمین مجلس۔	۳۱۸
۴۵۲	اسماء گرامی حضرات شرکاء فیصلہ۔	۳۱۹
۴۵۴	کتاب سنت کی روشنی میں اور کبار علماء و محققین کی تحقیق میں لفظ واحد سے تین طلاق دینے کا حکم۔	۳۲۰
"	ایک جملہ سے تین طلاق دینے کی شرعی حیثیت	۳۲۱
۴۶۰	اس سلسلہ میں مالکی مذہب	۳۲۲
۴۶۴	اس سلسلہ میں شافعی مسلک	۳۲۳
۴۸۱	المذہب الحنبلی	۳۲۴
۴۸۸	کلمہ واحد سے تین طلاق واقع ہونے کے سلسلہ میں تفصیلی دلائل کی بحث۔	۳۲۵
۴۹۱	آیات کی روشنی میں دلائل۔	۳۲۶
۴۹۸	احادیث کی روشنی میں آراء۔	۳۲۷
۵۱۳	تمام مفصل بحث کا خلاصہ۔	۳۲۸
۵۲۶	طلاق ثلثہ کے مسائل کے مآخذ	۳۲۹
۵۲۹	تمام قرآن و حدیث اور فقہی دلائل کی بحث اور ان کے جوابات کے بعد پوری مجلس تحقیق کا متفقہ آخری فیصلہ۔	۳۳۰



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ مَتَىٰ

الْظَّلَامُ مَرَّتَيْنِ

فَامْسَا بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسِرْ إِلَيْهِ بِالْخَيْبِ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خَيْرُ الْفُتَاوَى

کتاب الطلاق

جلد پنجم

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَأَمْسَاكَ
بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٍ بِإِحْسَانٍ آیت نمبر ۲۲۹، البقرة

وَقَالَ تَعَالَى فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ
حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ آیت نمبر ۲۳۰، البقرة



مرتبہ: مفتی محمد انور صاحب مدظلہ

تاریخ طلاق ثلاثہ

از مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی
رئیس شعبہ تخصص فی الدعوة والارشاد جامعہ خیر المدارس ملتان

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ - آمَّا بَعْدُ :

خالق کل کائنات نے رنگا رنگ مخلوق پیدا فرمائی۔

ع اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے۔

ان میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور اس میں دو قسم

کی شہوت رکھ دی۔ ایک شہوت بطن، دوسری شہوت شرم گاہ۔ شہوت بطن بقاء اصل
کے لئے ہے۔ تاکہ انسان کو بھوک لگے۔ وہ کھائے پیئے اور اس مشینری کے چلنے کے

لئے خون کا پٹرول پیدا ہوتا رہے۔ اور شہوت شرم گاہ بقاء نسل کے لئے ہے۔ جس

طرح پہلی شہوت میں انسان کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا گیا کہ جانوروں کی طرح جو چاہے

کھاتا پھرے، بلکہ اس میں حلال اور حرام کی تقسیم فرمادی۔ حلال طریقے سے اس

شہوت کی تسکین کرنے والا خدا کا فرمانبردار کہلاتا ہے۔ اور جو آدمی اس خواہش کو حرام

طریقے سے پورا کرے، شراب پیئے، سود کھائے، کسی ناجائز طریقہ سے کسی کا حق ہڑپ

کر جائے وہ خداوند قدوس کا نافرمان کہلائے گا۔ اور اگر کوئی شخص اس خواہش کو حلال

طریقے سے بھی پورا نہ کرے اور بھوکا مر جائے حالانکہ حلال چیز اس کے پاس موجود تھی

وہ بھی خالق کائنات کا نافرمان کہلائے گا۔

اسی طرح دوسری خواہش کی تسکین کے لئے بھی قادر مطلق نے حلال، حرام کی

تقسیم فرمادی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا :

والذین هم لفروجهم والذین هم لفظون ○ الا علیٰ ازواجهم او

کی جگہ کو تھامتے ہیں۔ مگر اپنی عورتوں پر

یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر۔ سوان پر

ما ملکت ایمانہم فانہم غیر

ملومین ○ فمن ابتغی وراءہ نہیں کچھ الزام۔ پھر جو کوئی ڈھونڈے
 ذالک فاولئک ہم العادون (۵:۲۳) اس کے سوا، سو وہی ہے حد سے بڑھنے والا۔
 یعنی اپنی منکوحہ عورت اور باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا
 ڈھونڈے، وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زنا، لواطت،
 استمناء بالید اور متعہ سب کی حرمت ثابت ہو گئی۔ اور دوسری جگہ فرمایا :

فانکحوا ما طاب لکم من تو نکاح کرلو جو عورتیں تم کو خوش
 النساء مثنی وثلاث وربع۔ فان آویں۔ دو دو۔ تین تین۔ چار چار۔ پھر
 خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو
 ملکتم ایمانکم ذالک ادنیٰ ان لا ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے۔
 تعولوا (۳:۴) اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھٹکے۔

اور نکاح کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا : ان تبتغوا باموالکم
 محصنین غیر مسافحین (۲۴:۴) طلب کرو ان (عورتوں) کو اپنے مال کے
 بدلے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو۔ یعنی جن کی حرمت بیان ہو چکی ان کے سوا سب
 حلال ہیں چار شرطوں کے ساتھ۔ اول یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب و قبول
 دونوں کی طرف سے ہو جائے۔ دوسری یہ کہ مال یعنی مہر دینا قبول کرو۔ تیسری یہ کہ ان
 عورتوں کو اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو۔ محض وقتی طور پر مستی نکال کے ان کو چلتا کر
 دینا مقصود نہ ہو۔ جیسا کہ زنا اور متعہ میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ کے لئے اس کی بیوی
 بن جائے۔ چھوڑے بغیر کبھی نہ چھوڑے۔ چوتھی شرط جو دوسری جگہ مذکور ہے کہ ان
 میں چھپی یاری نہ ہو، بلکہ کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کی گواہ
 ہوں۔ ورنہ نکاح نہ ہوگا۔ زنا سمجھا جائے گا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا :

ومن آیاتہ ان خلق لکم من اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ بنا
 انفسکم ازواجًا لتسکنوا الیہا دیئے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے
 وجعل بینکم مودۃً ورحمة۔ ان جوڑے کہ چین پکڑو ان کے پاس اور

فی ذلک لآیت لقوم یتفکرون ○ رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی۔
 البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں ان کے لئے جو دھیان کرتے ہیں (۲۱:۳۰)
 یعنی اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی میں ایک عجیب محبت و پیار کی کیفیت رکھ دی۔
 اسی بنا پر گھر بھی آباد ہوتا ہے اور اولاد کی تربیت بھی صحیح طریقے پر ہوتی ہے۔ اے
 ایمان والو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے۔ اور اسی
 سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلانے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔ (۱:۴) اسی
 بات کو شیخ سعدیؒ نے بیان فرمایا ہے :

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
 چوں عضوے بدرد آورد روزگار دگر عضوہا را ننماید قرار
 اور ارشاد فرمایا: ”تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں
 سے چاہو (۲۲۳:۲) یعنی مقصود اولاد ہے۔ اس لئے اولاد پیدا ہونے کی جگہ آؤ جس
 طرح چاہو۔

الغرض نکاح ہی پر اس دنیا کی آبادی کا سارا دار و مدار ہے۔ یہ نکاح ہی انسان کی
 عزت اور نسب اور نسل کا محافظ ہے۔ اس لئے اس کی تاکید بھی ہے اور ترغیب بھی۔
 فرمایا رحمۃ اللعالمین ﷺ نے جب بندہ نکاح کرتا ہے تو اس نے اپنا نصف ایمان مکمل
 کر لیا۔ اب باقی نصف میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے (احمد) فرمایا میاں بیوی جب آپس میں
 ہنسی مذاق کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ثواب عطا فرماتے ہیں۔ اور ان دونوں کے
 لئے رزق حلال کا انتظام فرماتے ہیں۔ (ابن لال) فرمایا جس کو مقدور ہو وہ نکاح کرے
 جس سے نظر نیچی رہتی ہے۔ اور شرم گاہ کی حفاظت ہوتی ہے۔ (ن) فرمایا نکاح میری
 سنت ہے۔ جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔ اور نکاح کرو تا کہ میں اپنی
 امت کی کثرت پر فخر کر سکوں (ھ) فرمایا اللہ کے خوف کے ساتھ ساتھ اس دنیا کا سب
 سے قیمتی سرمایہ نیک بیوی ہے۔ اگر خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کو مسرور کر دے۔
 اگر خاوند کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے۔ اگر خاوند کوئی قسم کھالے تو اس کو

پورا کرے۔ اور اگر خاوند پردیس میں ہو تو اس کے مال اور عزت کی محافظ بنے (ھ) بلکہ ایک روایت میں تو ارشاد فرمایا کہ تیرا مسجد کی طرف جانا، اور مسجد سے اپنے گھر والوں کی طرف واپس آنا ثواب میں برابر ہے۔ فرمایا اولاد جنت کی خوشبو ہے۔ فرمایا قیامت کے روز نیکوں کے پلڑے میں سب سے پہلے جو نیکی رکھی جائے گی وہ خرچہ ہو گا جو اس نے اپنے اہل و عیال پر کیا تھا۔ فرمایا جب جوان شادی کرتا ہے تو شیطان چیخ چیخ کر روتا ہے کہ ہائے ہائے اس نے اپنا دین مجھ سے محفوظ کر لیا۔ اور فرمایا شادی شدہ کا دو نفل پڑھنا غیر شادی شدہ کے ستر نفلوں سے افضل ہے۔ اور ایک روایت میں بیاسی نفلوں سے افضل فرمایا۔ اور بعض احادیث میں تو بے نکاحوں کو شرار تک فرما دیا۔ فرمایا نکاح کے بعد دنیا میں اللہ تعالیٰ اولاد اور رزق کی برکت عطا فرماتے ہیں۔ قبر میں اولاد کی دعا سے فائدہ پہنچے گا۔ اور چھوٹے بچے میدان قیامت میں والدین کو پانی پلائیں گے اور ان کی سفارش بھی کریں گے۔ یہ تمام احادیث کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال سے لی گئی ہیں۔ جب نکاح اتنے اہم ترین دینی اور دنیوی فوائد رکھتا ہے تو اس بندھن کو توڑنا جس کو طلاق کہتے ہیں، وہ ان سب دینی اور دنیوی فوائد سے محروم ہو جانے کا ذریعہ ہے۔ وہ کتنی ناپسندیدہ چیز ہوگی۔ اس لئے رحمت کائنات نے فرمایا خداوند قدوس طلاق کو ناپسند اور غلام آزاد کرنے کو بہت پسند فرماتے ہیں۔ اور فرمایا خالق کائنات کے ہاں تمام حلال چیزوں میں سے طلاق سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ فرمایا شیطان اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے شیطانوں کو فتنے برپا کرنے بھیجتا ہے۔ پھر سب سے ان کی کاروائی سنتا ہے۔ جس نے میاں بیوی کے درمیان فتنہ ڈالا ہو اس کو اپنے سب سے زیادہ قریب کرتا ہے۔ اور شاباش دیتا ہے کہ تو ہی ہے تو ہی (کنز العمال ص ۲۸۵-۲۸۶ ج ۹) ان خرابیوں کی وجہ سے تو ضروری معلوم ہوتا تھا کہ عیسائیوں کی طرح طلاق سے بالکل منع کر دیا جاتا۔ لیکن اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لئے وہ خالق کائنات بندوں کی نفسیات سے پورا پورا آگاہ ہے کہ نکاح میں اگرچہ بہت سے فوائد ہیں، لیکن بعض اوقات میاں بیوی کی آپس میں ناراضگی اور عدم مناسبت اتنی

بڑھ جاتی ہے کہ اب ان کا ایک ہی بندھن میں بندھے رہنا ان کے لئے، اولاد کے لئے اور دونوں خاندانوں کے لئے طلاق کی برائیوں سے بھی زیادہ برائیوں کو جنم دیتا ہے۔ اس لئے ان بڑی برائیوں سے بچنے کے لئے اس ناپسندیدہ چیز کو حلال کر دیا گیا۔ اور اس نفع نقصان کے فیصلے کا حق بھی اسی جوڑے پر موقوف کر دیا گیا۔

تورات اور طلاق :

تورات میں ہے : ”اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے۔ اور پیچھے اس میں کوئی ایسی بیہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل جائے تو وہ دوسرے مرد کی ہو سکتی ہے۔ پھر اگر دو سراشوہر بھی اس سے ناخوش رہے اور اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے یا وہ دو سراشوہر جس نے اس سے بیاہ کیا ہو مرجائے تو اس کا پہلا شوہر جس نے اسے نکال دیا تھا، اس عورت کے ناپاک ہو جانے کے بعد پھر اس سے نکاح نہ کرنے پائے۔ کیونکہ ایسا کام خداوند کے ہاں مکروہ ہے۔ (استثناء ۱: ۲۴-۲۵) دیکھئے یہاں نہ طلاق کی تعداد معین ہے اور نہ ہی طلاق کی کوئی عدت ہے جس میں دونوں کو سوچ بچار کا موقع ہو۔ یا برادری و احباب ان کو سمجھا سکیں۔ بلکہ تورات میں تو ہے کہ خدا بھی طلاق دیتا ہے۔ لکھا ہے: ”خداوند یوں فرماتا ہے تیری ماں کا طلاق نامہ جسے میں نے لکھ کر اسے چھوڑ دیا کہاں ہے؟ دیکھو تمہاری خطاؤں کے سبب تمہاری ماں کو طلاق دی گئی (یسعیاہ ۵۰: ۱) اور دوسری جگہ لکھا ہے: ”پھر میں نے دیکھا کہ جب برگشتہ اسرائیل کی زناکاری کے سبب سے میں نے اس کو طلاق دے دی اور اسے طلاق نامہ لکھ دیا تو بھی اس کی بے وفا بہن یہوداہ نہ ڈری (یرمیاہ ۳: ۸) اور کاہنوں کو حکم دیا کہ وہ طلاق والی عورت سے نکاح نہ کریں۔“ وہ (کاہن) کسی فاحشہ یا ناپاک عورت سے نکاح نہ کریں۔ اور نہ اس عورت سے بیاہ کریں جسے اس کے شوہر نے طلاق دی ہو (احبار ۲۱: ۷) یہ

طلاق کے احکام تو رات میں ہیں۔

انجیل اور طلاق :

اور فریسیوں نے پاس آکر اسے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کیا یہ روا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو چھوڑ دے؟ اس نے ان سے جواب میں کہا کہ موسیٰ نے تم کو حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا موسیٰ نے تو اجازت دی ہے کہ طلاق نامہ لکھ کر چھوڑ دیں۔ مگر یسوع نے ان سے کہا کہ اس نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تمہارے لئے یہ حکم لکھا تھا۔ لیکن خلقت کے شروع سے اس نے انہیں مرد اور عورت بنایا۔ اس لئے مرد اپنے باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا۔ اور وہ اور اس کی بیوی دونوں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔ اور گھر میں شاگردوں نے اس سے اس کی بابت پھر پوچھا۔ اس نے ان سے کہا جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے خاوند کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔“ (مرقس ۱۰: ۲-۱۲) جناب یسوع نے طلاق کا جواز ہی ختم کر دیا۔

اسلام اور طلاق :

یہود کے ہاں طلاق پر کوئی پابندی نہیں اور عیسائیوں کے ہاں طلاق جائز ہی نہ تھی۔ اسلام نے طلاق کو نہایت ناپسندیدہ تو فرمایا، بوقت ضرورت اس کو حلال بھی فرمایا۔ مگر یہ پابندی لگا دی کہ مرد کو زیادہ سے زیادہ تین طلاق کا حق ہے۔ جب اس نے تین کی گنتی پوری کر دی تو اب اسے رجوع کا تو حق کیا ہوتا اس عورت سے نکاح کا بھی حق نہیں ہے۔ جب تک وہ عورت کسی اور سے نکاح نہ کرے عدت گزارنے کے بعد۔ اور پھر دوسرا خاوند فوت ہو جائے یا اسے طلاق دے دے تو اب عدت گزارنے کے بعد پہلا خاوند اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ الحمد للہ تمام اہل اسلام نے اس اسلامی حکم کے

سامنے سر جھکا دیا۔ مگر ایک رافضی فرقہ جن کا نسب دینی ابن سبا یہودی سے ملتا ہے، اس نے اسلام کی بجائے یہودی طریقہ کو ہی پسند کیا۔ چنانچہ شیخ المشائخ حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ”شعبی“ (جنہوں نے پانصد صحابہ کرام کی زیارت کی) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رافضیوں کی محبت یہودیوں کی محبت ہے۔ کیونکہ یہودیوں کا قول ہے کہ داؤد علیہ السلام کی اولاد کے سوا اور کوئی شخص امامت کے لائق نہیں۔ اور رافضی کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی اولاد کے سوا دوسرا کوئی بھی امامت کے لائق نہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ جب تک کانے دجال کا خروج نہ ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر زمین پر نہ آجائیں تب تک روا نہیں کہ کوئی آدمی خدا کی راہ میں جہاد کرے۔ یہودی مغرب کی نماز کو دیر کر کے پڑھتے ہیں کہ ستاروں کی روشنی آجاتی ہے۔ اسی طرح رافضی بھی مغرب کی نماز دیر کر کے پڑھتے ہیں۔ یہودی جب نماز پڑھتے ہیں تو ادھر ادھر ہلکتے ہیں، اور رافضی بھی اسی طرح کرتے ہیں..... تین طلاقوں کے دینے میں یہودیوں کے ہاں کوئی حرج نہیں اور رافضی بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں (غنیۃ الطالبین مترجم اردو ص ۱۹۱) یہود میں بھی متعہ کا رواج ہے اور رافضی بھی ان سے پیچھے نہیں۔ بلکہ ان کے ہاں متعہ پر جو ثواب اور درجات ملتے ہیں یہود اس کے تصور سے بھی نا آشنا ہیں۔ افسوس کہ روافض نے جو مسائل یہود سے لئے تھے، ہمارے غیر مقلدین حضرات نے بھی بعض مسائل ان سے لئے۔ مثلاً آپ غیر مقلد کو نماز سے پہلے اور نماز کے بعد دیکھیں تو سکون سے بیٹھایا کھڑا ہوگا۔ مگر جوں ہی نماز میں داخل ہوا بے چارے کے پورے جسم پر خارش شروع ہو جاتی ہے۔ کھڑا ہوا تو ٹانگیں خوب چوڑی کر لیں۔ سجدے میں گیا تو ٹانگیں اکٹھی کر لیں۔ پھر کھڑا ہوا تو پھر ٹانگوں کو چوڑا کرنا شروع کر دیا۔ الغرض وہ پوری نماز میں ہلتا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح تین طلاق دینا اس کے ہاں کوئی حرج نہیں۔ پھر اسی کو یہود کی طرح اور روافض کی تقلید میں گھر رکھ لیتا ہے۔ اور ”متعہ کو تو اہل مکہ کا پاک عمل قرار دیتا ہے“ (ہدیۃ المہدی ص ۸۸، ج ۱) اس لئے اس پر حد یا تعزیر تو کجا زبان سے انکار کا بھی روادار نہیں (ہدیۃ المہدی ص ۱۱۸، ج ۱)

ایک خاص سورت :

ہاں قرآن پاک نے ایک طلاق ایسی بتائی ہے جس کے بعد عورت پر عدت نہیں۔

یا ایہا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فمالکم علیہن من عدۃ تعتدونها فمتعوهن وسرحوهن سراحاً جمیلاً (۴۹:۳۳)

اے ایمان والو! جب تم نکاح میں لاؤ مسلمان عورتوں کو، پھر ان کو چھوڑ دو پہلے اس سے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ۔ سوان پر تم کو حق نہیں عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کرنا۔ سوان کو دو کچھ فائدہ اور رخصت کرو بھلی طرح سے۔

مرد کو جس طرح تین طلاقیں دینے کا حق ہے، ان میں بھی یہ شرط ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے وہ عورت نکاح میں ہو خواہ عدت میں ہو۔ مگر یہ اس عورت کا ذکر ہے جس کا نکاح ہوا، مگر رخصتی سے قبل اسے خاوند نے طلاق دے دی۔ تو ایک طلاق کے بعد ہی آزاد ہو گئی۔ اب اس کو اگر خاوند دوبارہ دوسری طلاق دے تو وہ واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ عدت میں نہیں ہے۔ اس لئے ایسی عورت کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے وضاحت فرمادی کہ ایسی عورت کو اگر خاوند الگ الگ تین دفعہ طلاق دے کہ تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے اور اس سے تین دفعہ طلاق کی بھی نیت کرے تو اسے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ ایک طلاق کے بعد اس پر عدت نہیں۔ اس لئے دوسری اور تیسری طلاق کے وقت وہ محل طلاق ہی نہیں تھی۔ ہاں اگر خاوند یکبارگی کہے تجھے تین طلاق۔ تو چونکہ اس وقت وہ محل طلاق تھی، اس لئے تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی (مصنف ابن ابی شیبہ)

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم :

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابو درداءؓ، حضرت رفاعہ قرظیؓ، حضرت

عبادہؓ کے والد نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دیں تو آنحضرت ﷺ نے اسلامی حکم کے مطابق یہی فرمایا کہ اب تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کریں۔ ایک بھی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کی جاسکتی کہ کسی مدخولہ عورت کو طلاق ہوئی ہو۔ اور اسے تین طلاق کہا گیا ہو اور پھر آنحضرت ﷺ نے اس بیوی کو رکھنے کی اجازت دی ہو جس سے یہود، روافض اور غیر مقلدین کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔

دور صدیقی رضی اللہ عنہ :

رسول رحمت کے بعد پیکر صداقت حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بلا فصل بنے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں بھی ایک واقعہ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا کہ کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کہا ہو تجھے تین طلاق اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم بیوی کو پھر رکھ لو۔

دور فاروقی رضی اللہ عنہ :

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے دوسرے تیسرے سال مسائل شرعیہ کے بارہ میں بھی اعلانات فرمائے۔ آپؓ نے حرمت متعہ کے حکم کا تاکید اعلان فرمایا۔ اور یہ کہ جس عورت کو کہا جائے تجھے تین طلاق وہ تین ہی شمار ہوں گی۔ اور بیس رکعت تراویح باجماعت پر لوگوں کو جمع فرمایا اور کسی ایک تنفس نے بھی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی۔ کتاب و سنت کے ان احکام پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا اور کسی رافضی کو دم مارنے کا موقع نہ رہا۔

دور عثمانی رضی اللہ عنہ :

سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا ہے کہ تجھے سو طلاق۔ فرمایا تین طلاقوں سے وہ حرام ہو گئی اور باقی ۹۷ کا مزید کُناہ ہوا (مصنف ابن ابی شیبہ) پورے دور عثمانیؓ میں کسی نے اس فتویٰ و

اعلان خلافت کی مخالفت نہ کی۔ ایک اور صرف ایک نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو کہا تھا تجھے تین طلاق۔ یا تجھے سو طلاق یا تجھے ہزار طلاق اور حضرت عثمانؓ یا ان کے دور خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم رجوع کرلو۔ وہاں رافضیت کی دال کب گلتی تھی۔

دور مرتضویؒ :

اب اسد اللہ الغالب، باب مدینۃ العلم کا دور خلافت آیا۔ آپ نے بھی یہی اعلانات فرمائے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کہے تجھے ہزار طلاق یا کہے تجھے تین طلاق، طلاق بتہ، طلاق حرج، خلیہ، بریہ، حرام، اونٹ کے بوجھ کے برابر طلاق۔ تو ان سب کے جواب میں تین طلاقوں کو نافذ اور عورت کو حرام فرمایا کہ اب وہ پہلے خاوند سے نکاح نہیں کر سکتی جب تک وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کرے۔ ان سب کے حوالہ جات میرے مضمون میں ہیں۔ اور دور مرتضوی میں ایک بھی نام نہیں لیا جاسکتا کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق یا سو طلاق وغیرہ کہا ہو اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا ان کی خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے۔ تم پھر بیوی کو رکھ لو۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ :

سیدنا امام حسنؒ کی چھ ماہ خلافت جس پر خلافت کے تیس سال مکمل ہونے پر خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہو گیا۔ آپ نے خود اپنی بیوی کو غصہ میں فرمایا کہ تجھے تین طلاق۔ پھر آپ اس پر پریشان ہوئے مگر کوئی مفتی نہ تھا جو یہ فتویٰ دیتا کہ جب آپ دونوں مل بیٹھنا چاہتے ہیں تو دوبارہ نکاح کر لیں۔ الغرض پورے دور خلافت راشدہ میں کوئی مفتی نہ تھا جو اس زنا کے کاروبار کا فتویٰ دیتا کہ تین طلاق کے بعد تم رجوع کرلو۔

دور صحابہ کرامؓ :

اس کے بعد بھی صحابہ کرام کے مفتی حضرات کے فتاویٰ میں اپنے مضمون درج

کر چکا ہوں کہ وہ تین طلاق کے بعد بیوی کو حرام کہتے تھے۔ اور کسی ایک مفتی کا فتویٰ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جو اس حرام کو جواز کی سند دے۔

دور تابعین :

اب خیر القرون کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں بھی تمام تابعی مفتی حضرات کا متفقہ فتویٰ بھی یہی تھا کہ جس کو تین طلاق کہا جائے وہ حرام ہے۔ مگر اس دور میں رافضیوں نے ایک شرارت کی۔ ایک بوڑھے کو کہا کہ تو یہ حدیث لوگوں کو سنایا کر کہ حضرت علیؓ کو رسول اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی دفعہ تین طلاق دے تو اس کو ایک قرار دیا جائے گا۔ وہ بوڑھا خفیہ خفیہ بیس سال تک اس کو بیان کرتا رہا۔ حضرت امام اعمشؒ کو اس کی بھنک لگی تو فوراً اس بوڑھے کے پاس پہنچے تو اس نے اپنی غلط بیانی کا اعتراف کیا۔ اس طرح پہلی صدی میں رافضیت کا ڈنک نہ چل سکا۔ اور کوئی حرام کو حلال نہ کر سکا۔ دور تابعین ۷۰ھ تک ہے۔ اسی دور میں ۱۲۵ھ سے ۱۵۰ھ تک مذہب حنفی مدون ہو گیا۔ جو کتاب و سنت کی پہلی جامع اور مکمل تعبیر و تشریح تھی۔ اور یہ مذہب اس دور میں تواتر سے پھیل گیا۔ اور آج تک متواتر ہے۔ اس میں بھی ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی قرار دیا گیا۔ اور ایک آواز بھی کسی صحابی یا تابعی کی طرف سے اس کے خلاف نہ اٹھی۔ امام محمدؒ کتاب الآثار میں واشگاف الفاظ میں تحریر فرما رہے ہیں: لا اختلاف فیہ۔ اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس زمانہ میں روافض کے حرام کے کاروبار کا تصور بھی محال تھا۔ پورے دور تابعین میں ایک مفتی کا فتویٰ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا جس نے ایسی عورت کو پہلے خاوند سے رجوع کا حق دیا ہو۔

دور تبع تابعین :

یہ دور ۲۲۰ھ تک ہے۔ اس دور میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مذاہب مدون ہوئے۔ ان تینوں مذاہب میں بھی بالاتفاق یہی مسئلہ لکھا گیا کہ ایک مجلس

میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔ وہ عورت اب خاوند پر حرام ہو گئی۔ رجوع کا کوئی حق نہیں۔ بلکہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا، جب تک وہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔ ان چاروں مذاہب کی فقہ کے متون معتبرہ امت میں متواتر ہیں۔ کسی ایک مذہب کے متن متواتر سے کوئی یہ دکھا دے کہ ایسی عورت سے رجوع کا حق ہے تو ہم فی حوالہ ایک ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ اسی خیر القرون میں حدیث کی کتابیں مسند امام اعظم، موطا امام مالک، موطا امام محمد، کتاب الآثار لابن یوسف، کتاب الآثار لامام محمد، کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ، المدونۃ الکبریٰ مالکی، مسند الشافعی، ابوداؤد طیالسی، عبدالرزاق مسند الحمیدی، سنن سعید بن منصور، مسند ابی الجعد، مصنف ابن ابی شیبہ مرتب ہو چکی تھیں۔ ان میں سے ایک بھی حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش نہیں کی جاسکتی۔ نہ مرفوع، نہ موقوف، نہ مقطوع جس سے اس عورت سے رجوع کرنا ثابت ہوتا ہو۔

تیسری صدی :

اب مذاہب اربعہ کا چلن عام تھا۔ اگرچہ اکابر کا صاحب اجتہاد بھی ملتا تھا مگر اس کا اجتہاد اس کی اپنی ذات تک محدود تھا۔ ان چاروں متواتر مذاہب کے مقابلہ میں کوئی اہل سنت ان کی تقلید نہیں کرتا تھا۔ اور کسی غیر مقلد کا تو اس زمانہ میں تصور بھی نہ تھا کہ فلاں ملک میں کوئی ایک شخص ہے جو نہ خود اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے اور نہ ہی مسائل اجتہادیہ میں کسی مجتہد کی تقلید کرتا ہے۔ بلکہ قیاس و اجتہاد کو کارِ ابلیس اور مجتہد کی تقلید کو شرک کہتا ہے۔ اور اپنے آپ کو غیر مقلد کہتا ہے۔ اگر کوئی صاحب ہمت کر کے تاریخ کے کسی مستند حوالہ سے ایسا آدمی تلاش کر دیں تو ہم فی حوالہ ایک ہزار روپے انعام دیں گے۔ اس دور میں بھی مذاہب اربعہ کا ہی چلن تھا کہ ایسی عورت سے رجوع کا کوئی حق نہیں۔ اسی صدی میں مسند امام احمد، دارمی، بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، کتب حدیث مدون ہوئیں۔ ان میں سے کسی ایک محدث نے بھی مذاہب اربعہ کے خلاف رافضیوں کی تائید میں کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اس صدی

تک تذکرۃ الحفاظ میں سات سو اکہتر (۷۷۱) جلیل القدر محدثین کا مفصل تذکرہ علامہ ذہبی نے لکھا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی نہ تو کوئی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ وہ نہ مجتہد تھا نہ مقلد تھا بلکہ غیر مقلد تھا۔ اور نہ ہی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ وہ روافض اور غیر مقلدین کی طرح تین طلاق کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ کے مخالف فتویٰ دیتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری :

اس صدی میں اہل سنت والجماعت میں کوئی مجتہد نہیں ہوا بلکہ سب کے سب اہل سنت مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کرتے تھے۔ جو اس علاقے میں درس و عملاً متواتر ہوتا، خواہ وہ فقیہ ہو یا قاضی، محدث ہو یا مفسر، اس صدی کے تقریباً ۲۰۲ جلیل القدر محدثین کا تذکرہ ذہبی نے کیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک بھی سنی محدث کے بارے میں کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ غیر مقلد تھا۔ اور طلاق ثلاثہ میں مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دیتا تھا۔ اس صدی میں حدیث کی کتابیں مسند ابویعلیٰ، ابن الجارود، الکافی والاسماء للردولابی، طبری، ابن خزیمہ، ابو عوانہ، معانی الآثار طحاوی، مشکل الآثار طحاوی، معاجم ثلاثہ طبرانی، سنن دارقطنی وغیرہ لکھی گئیں۔ کسی نے کوئی ایسا باب نہیں باندھا جو مذاہب اربعہ کے طلاق ثلاثہ کے مسئلہ کو رد کر رہا ہو۔ بلکہ امام طحاوی نے اس مسئلہ پر کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں نہایت مفصل اور فیصلہ کن بحث فرمائی۔

پانچویں صدی :

اس صدی میں بھی اسلامی دنیا میں مذاہب اربعہ کا ہی چلن رہا اور طلاق ثلاثہ میں مذاہب اربعہ کے فتویٰ پر ہی سب کا عمل رہا۔ اس صدی میں بھی اہل سنت والجماعت میں بڑے بڑے فقیہ، محدثین، قضاة، مفسرین وغیرہ ہوئے مگر نہ تو کسی نے تقلید شخصی سے خروج کیا اور نہ ہی طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں روافض کی حمایت میں کوئی فتویٰ دیا۔

امام محمد بن احمد نسفیؒ، امام احمد قدوریؒ، ابو زید دبوسیؒ، حسین ابن علی صمیریؒ، شیخ محمد اسماعیل لاہوریؒ، شمس الائمہ حلوانیؒ، علی بن حسین سفدیؒ، داتا گنج بخش لاہوریؒ، امام بزدویؒ، محمد عبدالحمید سمرقندیؒ، شمس الائمہ سرخسیؒ، محمد بن عبدالحمید المعروف بہ خواہر زادہ، ابوسعید المالینیؒ، البرقانیؒ، اللالکائیؒ، احمد بن علی ابوبکر رازیؒ، ابو نعیم الاصبہانیؒ، ابو طاہر الخراسانیؒ، الصوریؒ، الساحلیؒ، الخلیلیؒ، ابو یعلیٰ القزویؒ، ابن عبدالبر امام ابوبکر البیہقیؒ، ابن مندہ الاصبہانیؒ، الزنجانیؒ، الباجیؒ، الحسکانیؒ، ابن ماکولاؒ، ابن خیرونؒ، محمد بن طاہر البغویؒ، صاحب شرح السنہ اس صدی کے ممتاز علماء میں سے ہیں۔ سب کے سب مذاہب اربعہ میں سے کسی کے مقلد تھے۔ امام بیہقی نے السنن الکبریٰ جلد ہفتم میں تین طلاق کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ لیکن مذاہب اربعہ کے اجماعی مسئلہ طلاق ثلاثہ کے خلاف ایک فقرہ بھی کسی کے زبان و قلم پر نہ آیا۔

چھٹی صدی :

اس صدی میں بھی تمام عالم اسلام کے اہل سنت والجماعت فقہاء اور محدثین مذاہب اربعہ ہی میں سے کسی نہ کسی کے مقلد تھے۔ اس صدی میں کسی غیر مقلد کا وجود کسی مستند تاریخ سے ثابت نہیں۔ جو نہ اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اور نہ تقلید کرتا ہو۔ فقہاء میں امام علامہ عبدالعزیز بن عثمان المعروف بہ فضلیؒ، مفسرین میں علامہ جار اللہ زمخشریؒ، مفتی عبدالرشید صاحب فتاویٰ ولوالجیہؒ، علامہ مسعود حسین مصنف مختصر مسعودیؒ، امام عمر بن عبدالعزیز صدر الشہیدؒ، علی بن محمد سمرقندیؒ، اسبیجانیؒ، عمر بن محمد مفتی الثقلینؒ، امام عثمان بن علی بیکندی بخاریؒ، احمد بن محمد عتابیؒ، صاحب فتاویٰ عتابیہؒ، ابوبکر بن مسعود بن کاسانیؒ، ملک العلماء صاحب البدائع الصنائعؒ۔ ابن عدیم کا بیان ہے کہ میں نے امام ضیاء الحق حنفی سے سنا کہ جب ملک العلماء کاسانی کی وفات ہوئی تو میں ۱۰ رجب ۵۸۷ھ کو ان کے پاس تھا۔ آپ سورت ابراہیم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب آیت کریمہ یشبہ اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت پر پہنچے تو دم ہوا ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ عبدالکریم بن یوسفؒ صاحب فتاویٰ دیناریؒ، امام

حسن بن منصور بن محمود اوزجندی المعروف بہ قاضی خان صاحب فتاویٰ۔ امام احمد بن محمد بن محمود بن سعد الغزنوی صاحب مقدمہ غزنویہ۔ امام علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل بن خلیل بن ابی بکر فرغانی مرغینانی صاحب ہدایہ، امام موفق الدین احمد خطیب خوارزمی۔ امام احمد بن محمد صاحب فتاویٰ حاوی قدسی۔ امام احمد بن موسیٰ صاحب مجموع النوازل۔ امام محمد بن احمد بن ابی احمد سمرقندی صاحب تحفۃ الفقہاء۔ امام محمود صاحب محیط برہانی۔ یہ حضرات آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب تھے اس صدی میں۔ اور محدثین میں امام ابو الفتیان رواسی، امام شجاع بن فارس سروردی، امام محمد بن طاہر مقدسی، امام ابن مرزوق ہروی، امام موتمن بن علی بغدادی، امام ادیب اعمش ہمدانی، امام ابن مندہ اصفہانی، امام ابن مفوز شاطبی، امام فقیہ مجتہد بغوی شافعی، محدث امام شیرویه محدث واسط امام حوزی، محدث بغداد امام ابن السمرقندی، مفید اصفہان امام ابن الحداد، امام سمعانی تمیمی مروزی، امام ابن عطیہ غرناطی اندلسی، محدث امام اسحاق دہان ہروی، محدث قرطبہ محقق شنترنی، امام علامہ عبد ریی اندلسی، امام عبد الغافل نیشاپوری، حافظ کبیر امام طلحی اصفہانی، محدث بغداد حافظ انماطی، امام محدث ابو سعد ابن البغدادی، امام یونارتی اصفہانی، محدث عراق امام محمد بن ناصر سلامی حنبلی، علامہ امام بطروجی اندلسی، قاضی علامہ ابن العربی اشبیلی، شیخ الاسلام امام سلفی اصفہانی، عالم المغرب قاضی عیاض سبستی، محدث ہرات امام قامی، امام ابن دباغ نحوی اندلسی، امام ہجی مروزی، امام مفید کوتاہ اصفہانی، تاج الاسلام امام علامہ سمعانی مروزی، شیخ الاسلام امام ابو العلاء حنبلی، فخرالائمہ حافظ کبیر امام ابن عساگرد مشقی شافعی، شیخ الاسلام امام ابو موسیٰ مدینی، امام زاغولی مروزی، امام ابن بشکوال اندلسی، امام علامہ ابن الجوزی حنبلی بغدادی، امام سہیلی اندلسی، امام عبد الحق اشبیلی، امام ابو الحسن قرشی، محدث اسلام امام حافظ عبد الغنی مقدسی حنبلی، امام باقداری بغدادی، امام مفید ابن الحصری حنبلی۔ میں نے اس صدی کے چند چنیدہ محدثین کے اسماء گرامی لکھے ہیں جو چھٹی صدی کے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی تین طلاق کے اجماعی اور اتفاقی مسئلہ کے خلاف نہ

تھا۔ حالانکہ یہی لوگ کتاب و سنت کے محافظ ہیں۔ اور انہی فقہاء اور محدثین کی محنتوں سے دین کی دولت ہم تک پہنچی ہے۔ اور دین پر خود رائی اور ناقص مطالعے کی بجائے تقلید سلف کے مطابق عمل کرنے سے ہی انسان و ساوس سے بچ سکتا ہے۔

ساتویں صدی :

یہ دور بھی اسلامی ترقی اور عروج کا دور تھا۔ کسی کو خود رائی کی بیماری نہ تھی کہ اپنی ناقص رائے کو قرآن و حدیث کا نام دے کر امت میں انتشار اور افتراق کی آگ بھڑکائی جائے۔ علم و عمل اور اخلاص کا دور دورہ تھا۔ اختلاف، شرارت اور وسوسہ اندازی اسلامی حکومت میں جرم تھا۔ اس صدی میں بھی فقہاء کی گرفت مضبوط تھی۔ امام محمد بن احمد طبری نے فتاویٰ ملخص تصنیف فرمایا۔ امام محمود بن عبید اللہ مروزی نے اسلامی قانون پر عون نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ امام محمود بن احمد نے کتاب خلاصۃ الحقائق تصنیف فرمائی۔ جس کی تعریف میں حافظ قاسم بن قطلوبغا رطب اللسان تھے۔ امام عبدالرحمن بن شجاع بغدادی، ناصر بن عبدالسید صاحب مغرب امام عبدالمطلب بن فضل البلخی، قاضی عسکر بن الابيض (رکن الدین عبید مصنف الارشاد، سعید کندی صاحب شمس المعارف فی الفقہ، صدر الافاضل خوارزمی، محدث عمر بن زید موصلی، صاحب مغنی محمد بن احمد بخاری صاحب فتاویٰ ظہیریہ بدیع قزینی، عیسیٰ بن ملک العادل الخطیب امام محمد بن یوسف خوارزمی سکاکی امام یحییٰ زوادی صاحب منظومہ الفیہ و فصول، امام محمد بن عثمان سمرقندی، صاحب فتاویٰ کامل، امام عبید اللہ بن ابراہیم عبادی صاحب شرح جامع صغیر و کتاب الفروق، امام محمد بن محمود استروشنی صاحب کتاب جامع احکام صغار، امام طریقت قطب الاقطاب خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، امام یوسف بن احمد خاصی صاحب کتاب مختصر فصول۔ امام فاضل فقیہ تبصر محدث کامل محمد بن احمد بخاری حصیری، فقیہ اجل خلف ابن سلیمان قرشی خوارزمی، جامع معقول و منقول شرف الدین داؤد ارسلان، عماد الدین احمد بن یوسف جلبي، شمس الآئمہ محمد بن عبدالستار کردری، فقیہ کامل حسام الدین اخسیکشی۔ آپ نے امام غزالی کی کتاب منحول کا

قاہرہ رد تحریر فرمایا۔ امام کامل مرجع انام علاء الدین محمد بن محمود ترجمانی۔ امام و فقیہ نجم الدین حسین بن محمد رباعی، علامہ شیخ محی الدین محمد اسدی جلی، امام اجل فقیہ کامل علم الدین قیصر بن ابی القاسم، ابوالفضائل رضی الدین حسن بن محمد صفانی، آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے حدیث میں ”مشارق الانوار النبویۃ من صحاح الاخبار المصطفویۃ عرصہ تک شامل نصاب رہی۔ علامۃ العصر بدو الدین محمد بن محمود المعروف بہ خواہر زادہ، امام فاضل فقیہ کامل محدث جید محمد بن احمد بن عباد خلاطی۔ آپ نے مسند الامام الاعظم کی تلخیص کی۔ فقیہ کبیر عارف بصیر نجم الدین بکیر ترکی ناصری، آپ نے فقہ میں کتاب حاوی تصنیف فرمائی۔ اور عقیدہ طحاوی کی شرح النور اللامع والبرہان الساطع تحریر فرمائی۔ عالم فاضل فقیہ محدث ابوالمظفر شمس الدین یوسف بن فرغلی بغدادی صاحب مرآۃ الزمان، فقیہ فاضل محدث کامل ابوالموید محمد بن محمود خوارزمی، امام کبیر سراج الدین محمد بن احمد، ملک الناصر صلاح الدین داؤد بن ملک معظم عیسیٰ کرک صاحب فتاویٰ خیر مطلوب، عالم فاضل شمس الدین امام احمد بن محمد عقیلی شارح جامع صغیر عالم اجل فقیہ فاضل مختار بن محمود زاہدی صاحب فنیہ، فقیہ و محدث عمر بن احمد جلی مؤلف تاریخ حلب، امام محقق، شیخ مدقق محدث ثقہ، فقیہ جید شہاب الدین فضل اللہ بن حسن بن حسین تورپشتی صاحب مطلب الناسک فی علم الناسک، عالم قبحر علی ابن السباک، امام کبیر فقیہ و محدث نجم العلماء علی بن محمد بخاری شارح جامع کبیر، امام فاضل جلال الدین محمد عیدی، ”فقیہ“ محدث مفسر محمد بن سلیمان المعروف بابن النقیب، آپ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر المسمیٰ بالتحریر لاقوال ائمة التفسیر فی معانی کلام السميع البصیر نہایت مفصل تحریر فرمائی۔ فقیہ و محدث محمود بن محمد لؤلؤی بخاری، ”فقیہ قبحر اصولی مناظر شجاع الدین بیۃ اللہ طرازی، عالم جلیل القدر فاضل قبحر عمر کاخشتوانی صاحب ضوء السراج شرح سراجیہ۔ امام فاضل شمس الدین عبداللہ ادرعی، عالم فاضل فقیہ محدث عبدالرحمن کمال الدین جلی، فقیہ محدث مفسر محمود رازی، ابوالفضل مجدد الدین عبداللہ بن محمود موصلی، صاحب ”مختار“

امام فاضل شیخ محقق عماد الدین داؤد بن یحییٰ قحقازی، جامع معقول و منقول عبدالعزیز خوارزمی، حافظ فنون صدر الصدور تقی الدین احمد دمشقی، امام فاضل مفسر محدث فقیہ اصولی متکلم محمد نسفی صاحب عقائد متن شرح عقائد تفتازانی، امام جامع علوم عقلیہ و نقلیہ شیخ برہان الدین محمود بلخی، ابوالمعالی فقیہ مفسر احمد بن ناصر حسینی، عالم فاضل جامع فروع و اصول جلال الدین عمر بن محمد بن عمر خبازی، عالم فاضل فقیہ قبحر معز الدین نعمان بن حسن بن یوسف فطیبی، ابوالفضل حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاری، عالم ماہر فاضل بارع مجدد الدین عبدالوہاب بن احمد بن سحنون الخطیب، ماہر باہر یگانہ زمانہ مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب بعلبکی، عالم دہر فاضل عصر بدر الدین یوسف بن عبداللہ بن محمد اذریعی، امام فاضل فقیہ اجل نظام الدین احمد بخاری حصری، امام کامل علامہ فاضل حسام الدین حسن بن احمد رازی، امام عالم مفسر فقیہ محدث ابو صابر بہاء الدین ایوب نحاس جلی، عالم فاضل جامع فروع و اصول شمس الدین محمد بن سلیمان دمشقی، امام محدث محمود بن ابی بکر شمس الدین فرضی، جب کسی خوبصورت کو دیکھتے تو فرماتے کہ امام بخاری کی شرط پر صحیح ہے۔ امام کبیر علاء الدین شیخ الاسلام سدید بن محمد حناطی، امام جلیل القدر مجتہد یگانہ رکن الدین خوارزمی، فقیہ محدث جامع معقولات و منقولات برہان الاسلام زرنوجی، غواص معانی دقیقہ ابو بکر رکن الدین محمد بن عبدالرشید کرمانی، صاحب جواہر الفتاویٰ و حیرۃ الفقہاء، امام فاضل فقیہ قبحر برہان الآئمہ و شمس الدین محمد بن عبدالکریم خوارزمی، عالم فاضل فقیہ کامل ابوالفضل شرف الدین اشرف بن نجیب کاشغری، شیخ فاضل فقیہ کامل فخر الدین محمد مایمرغی، ابوالفتح جلال الدین محمد بن صاحب ہدایہ، نظام الدین عمر بن صاحب ہدایہ شیخ الاسلام عماد الدین بن صاحب ہدایہ، فارس میدان بحث عدیم النظیر محمد بن عبدالعزیز بخاری، صدر جہاں، فاضل یگانہ محمود بن عابد دمشقی، امام کبیر فقیہ بے نظیر شرف الآئمہ محمود ترجمانی مکی صدر الشریعہ اکبر احمد بن عبید اللہ محبوبی، صدر القراء رشید الآئمہ یوسف خوارزمی، فرید العصر و حید الدہر نظام الدین شاشی صاحب اصول الشاشی، فقیہ ادیب محدث مفسر ابوالقاسم تنوخی، امام فاضل

ابوالمعین میمون بن محمد مکحولی نسفی، ابوالفتح زین الدین عبدالرحیم صاحب فصول
عمادیہ، شیخ فقیہ ظہیرالدین محمد بن عمرو حابازی صاحب کشف الایہام لدفع الاوہام، از
ائمہ کبار اعیان فقہاء ابوالعباس احمد بن مسعود قونوی فقیہ فاضل ابو عاصم قاضی محمد بن
احمد عامری نے تیس جلدوں میں مبسوط لکھی۔ امام کامل رضی الدین عبداللہ بن مظفر۔ یہ
سب حضرات اس صدی میں فقہ کے آفتاب و ماہتاب تھے اور سب کے سب حنفی مقلد
تھے۔ اب اس صدی کے محدثین پر بھی نظر ڈالئے۔ محدث بغداد شیخ عبدالرزاق بن شیخ
عبدالقادری جیلانی حنبلی، جلیل القدر حافظ حدیث محدث جزیرہ امام عبدالقادری بن
عبداللہ رہاوی حنبلی، حافظ حدیث احمد بن ہارون ابن عات نفری شاطبی، شیخ القراء
ابو جعفر احمد بن علی دانی اندلسی، محدث مفید ابواسحاق ابراہیم بن محمد شافعی، امام محدث
جو ال ابو نزار ربیعہ بن حسن شافعی، مقرئ محدث ابو شجاع زاہر بن رستم بغدادی شافعی
، مسند ہمدان ابوالفضل عبدالرحمن بن عبدالرب ہمدانی، امام العربیہ ابوالحسن علی بن
محمد اشبیلی، محدث مسند ابوالفرج محمد بن علی حرانی، حافظ حدیث شرف الدین علی بن
مفضل مفتی اسکندرانی، مسند اندلس ابوالقاسم احمد بن محمد بن مطرف فرضی، شیخ
الحنابلہ ابوبکر محمد بن معالی حلاوی، حافظ حدیث امام ربیعہ بن حسن صفانی، محدث
تلسمان امام ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمن تجیبی مرسی، تاج الامناء احمد بن محمد بن
حسن، شیخ اندلس خطیب قرطبہ ابو جعفر بن یحییٰ حمیری، مسند جلیل ابو غالب بن مندویہ
اصفہانی، مسند موصل مہذب الدین علی بن احمد طیب عمر رسیدہ خاتون عین الشمس بنت
احمد بن ابوالفرج ثقفیہ اصفہانیہ، مفید محدث اصفہان ابو عبداللہ محمد بن مکی حنبلی، امام
مفید ابن القربطی محدث خطیب مالقہ، محدث اندلس امام ابن حوط اللہ، نامور محدث
عزالدین امام علامہ ابن الاثیر جزری، امام ابن خلفون اندلسی، مفید امام العز ابن الحافظ
مقدس، امام ملاحی اندلسی غرناطی، محدث مکین الدین ابو طالب احمد بن عبداللہ کنانی، مسند
ابو سعد ثابت بن مشرف بن ابی سعد ازجی، مقرئ مسند القراء ابو محمد عبدالصمد بلوی، مسند
موصل مقرئ ابوبکر سمار بن عمر، شیخ الیونسیہ یونس بن سعد شیبانی، مفید الشام امام ابن

الانماطی مصری شافعی، محدث شام شیخ السنه امام الضیاء المقدسی، امام ابن قطان کتبی
 قاسی، مسند ابو نصر احمد بن حسین زری مسند ابو الفضل عبدالسلام بن عبداللہ داہری، ابو الرضا
 محمد بن ابو الفتح مبارک بن عبدالرحمن کندی، شیخ العربیہ زین الدین یحییٰ بن عبدالمعطی
 زرادی، خطیب بدرالدین یونس دمشقی، امام ابو موسیٰ بن حافظ عبدالغنی، مسند شام
 محدث حلب امام ابن خلیل دمشقی، محدث اسکندریہ مسند ابو محمد عبدالوہاب ازدی،
 المسند العدل فخر القضاۃ احمد بن محمد بن عبدالعزیز تیمیصری، مسند بغداد محدث ابو محمد
 ابراہیم بن محمود ازجی حنبلی، مسند القاسم علی بن سالم یعقوبی ضریر، فقیہ مفتی ابو عبداللہ محمد
 بن ابو بکر دباس حنبلی، مسند ابو منصور مظفر بن عبدالمالک فہری، محدث عالم مجدد الدین محمد
 بن محمد اسفرائینی صوفی، محدث عراق امام ابن نقطہ حنبلی بغدادی، ابو القاسم احمد بن محمد ابو
 غالب بغدادی، امام نظامیہ ابو المعالی احمد بن عمر بن بکرون نہروانی، قاضی شرف الدین
 اسماعیل بن ابراہیم شیبانی حنفی، امام مسند ابو علی حسن بن مبارک بغدادی حنفی، ابو محمد
 عبدالصمد بن داؤد بن محمد مصری غفاری، ابو محمد عبدالغفار بن شجاع ترکمانی شروطی،
 ابو محمد عبداللطیف بن عبدالوہاب طبری بغدادی، علامہ موفق الدین بن عبداللطیف بن
 یوسف بغدادی، مسند الوقت ابو حفص عمر بن کرم دینوری البغدادی الحنبلی،
 ابو القاسم عیسیٰ بن عبدالعزیز نحسی، امام دبیشی واسطی شافعی، قاضی دمشق شمس الدین
 ابو العباس احمد بن خلیل الاصولی الشافعی، رئیس صفی الدین ابو العلاء احمد بن ابو الیسر
 شاکر بن عبداللہ تنوخی دمشقی، ابو البقاء اسماعیل بن محمد بغدادی، مسند شیراز علامہ علاء
 الدین ابو سعد ثابت بن احمد خجندی اصفہانی، مسند ابو علی حسین بن یوسف منہاجی
 شاطبی، العدل امین الدین ابو الغنائم، قاضی عبدالحمید بن عبدالرشید ہمدانی، مسند
 ابو القاسم عبدالرحمن بن یوسف دمشقی، امام ربوہ ابو محمد عبدالعزیز بن برکات خشوعی، شیخ
 بغداد مقری امام عبدالعزیز بن دلف بغدادی الناسخ، مفید امام ادیب شمس الدین محمد بن
 حسن بغدادی، شیخ تقی الدین محمد بن طرخان سلمی دمشقی، زاہد ابو طالب محمد بن عبداللہ
 سلمی دمشقی، محتسب دمشق رشید الدین ابو المفضل محمد بن عبدالکریم قسبی، فخر الدین

ابو عبد اللہ محمد بن محمد نوتانی، محدث و مؤرخ امام شرف الدین ابوالبرکات مبارک بن احمد امام کلاعی بلنسی محدث اندلس، یحییٰ الدین احمد بن سلطان صلاح الدین ایوبی، ابو محمد اسحاق بن احمد علشی زاہد، محدث مصر وجیہ الدین ابوالیمن برکات بن ظافر انصاری، فقیہ موفق حمد بن احمد بن صدیق حرانی، ابو طاہر خلیل بن احمد جو سقنی صرصری، مسند ابو منصور سعید بن محمد یسین سفار، امام ناصح الدین ابوالفرج عبدالرحمن بن نجم شیرازی حنبلی، فقیہ حران ناصح الدین عبدالقادر بن عبدالقاهر حنبلی، فقیہ شرف الدین بن عبدالقادر بغدادی مصری شافعی، مسند ابو نزار عبدالواحد بغدادی، مسند ابوالحسن علی بن محمد بغدادی، محدث مورخ مسند عراق ابوالحسن محمد بن احمد قطیعی، مسند ابوالحسن مرتضیٰ بن ابوالجود حاتم حارثی، مسند ابوبکر بیہ اللہ عمر حلاج، خاتون ام عبداللہ یاسمین بنت سالم بن علی بن بیطار، حافظ حدیث امام ابن دحیہ کلبی اندلسی، جمال ابو حمزہ احمد بن عمر مقدسی، فقیہ ملک ابوالعباس بن الخطیب محمد بن احمد لنخمی، مسند ام الحیاء زہرہ بنت محمد بن احمد، ابوالربیع سلیمان بن احمد شادعی، مقرئ ابن المغربیل، فقیہ وجیہ الدین عبدالخالق تنیسی، مسند شیخ عبدالرحمن بن عمر دمشقی نساج، خطیب زملکا، عبدالکریم بن خلف انصاری، مسند کبیر ابوالحسن علی بن ابوبکر بن روزبہ بغدادی قلانی، مسند فخر الدین محمد بن ابراہیم اربلی، ابوبکر محمد بن محمد مامونی مقرئ ضریر، مسند ابوالفتح نصر اللہ بن عبدالرحمن انصاری دمشقی، قاضی القضاۃ عماد الدین نصر بن عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر حبیلی، محدث شام امام مفید برزالی، شبیلی ابوالعباس احمد بن علی بن محمد زاہد قسطنطینی، ابوالمعالی سعد بن مسلم بن مکی قیسی دمشقی، محدث ابوالخیر بدل بن ابوالمعمر تبریزی، مسند مقرئ ابوالفضل جعفر بن علی ہمدانی، شیخ اسکندریہ امام کبیر جمال الدین ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبدالحمید صغراوی مالکی، محدث نصیبین شیخ عسکر بن عبدالرحیم عدوی، مسند ابوالفضل محمد بن محمد بن حسن سباک، شیخ الحنفیہ علامہ جمال الدین محمود بن احمد بخاری ابن الحصری، محدث اندلس امام ابن طیلسان قرطبی، صدر تاج الدین احمد، صدر نجم الدین حسن بن سالم، شیخ حاطب بن عبدالکریم حارثی مزنی، محدث

مقری ابوالقاسم سلیمان بن عبدالکریم انصاری دمشقی، مسند ابوالمنصور طافر بن طاہر، شیخ الشیوخ تاج الدین ابو محمد عبداللہ بن عمر جوینی، قاضی عبدالعزیز بن عبدالواحد حبیلی، شیخ قمر بن ہلال قطیفی، نفیس ابوالبرکات محمد بن حسین انصاری حموی ضریر۔ صدر جمال الدین ابوالفضل یوسف بن عبدالمعطی مقید عراق امام ابن النجار بغدادی۔

تاریخ اور اسماء الرجال کی بیسیوں کتابوں میں سے میں نے صرف دو کتابوں حدائق الحنفیہ اور تذکرۃ الحفاظ ذہبی سے ساتویں صدی کے ایک چوتھائی سے بھی کم مشاہیر فقہاء اور محدثین کے یہ نام جمع کئے ہیں۔ یہ تمام محدثین اور فقہاء مذاہب اربعہ کے پابند تھے۔ تین طلاق کے مسئلہ میں ان میں سے کسی نے بھی صحابہ کرام کے اجماع اور ائمہ اربعہ کے اتفاق کی مخالفت نہ کی۔ اسی ساتویں صدی میں ربیع الاول ۶۶۱ھ میں حافظ ابوالعباس احمد ابن تیمیہ حرانی پیدا ہوئے۔ اور ۲۰ ذیقعدہ ۷۲۸ھ کو ان کا وصال ہوا۔ انہوں نے اگرچہ وہ حنبلی کہلاتے تھے مگر کئی مسائل میں اہل سنت والجماعت سے تفرد اختیار فرمایا۔ ان کے شاگرد علامہ ذہبی بھی لکھتے ہیں: ”آپ چند فتوؤں میں منفرد تھے جن کو آپ کی بے حرمتی کا بہانہ بنایا گیا۔ آپ پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ آپ کو پابند سلاسل بنا کر جیل میں ڈالا گیا (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۰۱۹) رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کی زیارت کی نیت سے سفر کو گناہ قرار دیا۔ وسیلے کا انکار کیا۔ روضہ اقدس پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کو ناجائز قرار دیا۔ اور تین طلاق کے مسئلہ میں مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر روافض کی اتباع اختیار کی۔ چونکہ اس وقت حکومت اسلامی تھی، وہ اس انتشار کو سخت ناپسند کرتی تھی۔ اس وقت ان پر کیا گزری، یہ مولانا شرف الدین شاگرد میاں نذیر حسین دہلوی اور نواب صدیق حسن خان غیر مقلدین سے سنیئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے یہ لکھ دیا تھا کہ تین طلاق میں محدثین اور حنفیہ کے مسلک میں اختلاف ہے۔ اس پر مولانا شرف الدین صاحب لکھتے ہیں: ”اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلس واحد کی محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہے، یہ مسلک صحابہ ”تابعین و تبع تابعین“ وغیرہ

ائمہ محدثین متقدمین کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔ یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی کے اخیر یا اوائل آٹھویں صدی میں دیا تھا۔ تو اس وقت کے علماء اسلام نے اس کی سخت مخالفت کی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ایک مجلس کی تین طلاق کے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا۔ شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد ابن قیم پر مصائب برپا ہوئے۔ ان کو اونٹ پر سوار کر کے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی۔ قید کئے گئے۔ اس لئے کہ اس وقت یہ مسئلہ روافض کی علامت تھی۔ ص ۳۱۸ اور سبل السلام شرح بلوغ المرام مطبع فاروقی دہلی ص ۹۸ جلد ۲ اور التاج المکمل مصنفہ نواب صدیق حسن خاں صاحب ص ۲۶۸ میں ہے کہ امام شمس الدین ذہبی باوجود شیخ الاسلام کے شاگرد اور معتقد ہونے کے اس مسئلہ میں سخت مخالف تھے۔ (التاج المکمل ۲۸۸-۲۸۹).... یہ فتویٰ یا مذہب آٹھویں صدی ہجری میں وجود میں آیا اور ائمہ اربعہ کی تقلید چوتھی صدی ہجری میں رائج ہوئی (اس مسلک کو محدثین کا مسلک قرار دینے) کی مثال ایسی ہے جیسے بریلوی لوگوں نے قبضہ غاصبانہ کر کے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت مشہور کر رکھا اور دوسروں کو خارج یا جیسے مولوی مودودی کی جماعت نے اپنے آپ کو جماعت اسلامی مشہور کر دیا ہے، باوجودیکہ ان کا اسلام بھی خود ساختہ ہے جو چودھویں صدی ہجری میں بنایا گیا ہے۔ ولعل فیہ کفایۃ لمن لہ درایۃ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ یسئلونک احق ہو قل ای وربی انہ لحق (ابو سعید شرف الدین دہلوی) (فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۲۰ ج ۲) مولانا شرف الدین نے یہ بات واضح کر دی کہ اسلام کی پہلی سات صدیوں میں کوئی صحابی، تابعی، تبع تابعی، مجتہد، فقیہ اور محدث ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد رجوع کا فتویٰ نہ دیتا تھا۔ بلکہ سات سو سال تک یہ بات مسلم تھی کہ یہ فتویٰ رافضیوں کا ہے۔ آٹھویں صدی

میں دو نام سامنے آتے ہیں۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم۔ لیکن تمام علماء نے اس فتویٰ کو رد کر دیا اور اسلامی حکومت نے ان کو سزائیں دیں۔ اب چودھویں صدی کے غیر مقلدین جو ابن تیمیہ کی تقلید میں اس کو محدثین کا مذہب کہتے پھرتے ہیں، یہ ایسا ہی جھوٹ ہے جیسے بریلویوں کا اپنی بدعات کو سنت کہنا، یا جس طرح مودودی کا اپنے خود ساختہ اسلام کو جماعت اسلامی کا نام دینا اور پھر مولانا قسم کھا کر فرماتے میرے رب کی قسم یہی بات حق ہے۔

آٹھویں صدی :

ابن تیمیہ کے اس تفرد میں ان کے کسی شاگرد نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ ان کے شاگرد ذہبی نے بھی سخت مخالفت کی۔ اور امام فرید عصر حافظ ذوالفقون شمس الدین احمد بن عبدالمہادی نے ان کا قاہرہ رد لکھا۔ البتہ ابن تیمیہ کے شاگرد ابن قیم نے ان کی حمایت کا دم بھرا اور چار جلدوں میں ایک کتاب اعلام الموقعین لکھ ڈالی۔ لیکن وہ اپنے استاد کی حمایت میں بالکل ناکام رہے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم کو جو سزائیں ملیں اس کی بنیاد وہ محضرنامہ تھا جو علماء کے دستخطوں کے ساتھ ان کے خلاف لکھا گیا۔ عربی میں دستخط کو توقع کہتے ہیں۔ اس محضرنامہ کے رد میں جو کتاب لکھی اس کا نام اعلام الموقعین رکھا کہ دستخط کرنے والوں کو خبردار کرنا۔ اس میں امام احمد بن حنبلؒ سے یہ تو نقل فرمایا کہ جو چار پانچ احادیث کا حافظ نہ ہو اسے اجتہاد کرنے اور فتویٰ دینے کا حق نہیں۔ گویا اس کا راستہ تو تقلید ہی ہے۔ ہاں جو ابن تیمیہ جیسا تبصر فی المذہب ہو، اس کو اپنے امام سے اختلاف کا حق ہے۔ مگر ابن قیم یہاں موضوع سے ہٹ گئے۔ انہیں ثابت تو یہ کرنا تھا کہ کیا ایسا شخص خرق اجماع کا حق رکھتا ہے اور ایسے شخص کو چاروں مذاہب چھوڑ کر روافض کی اتباع جائز ہے۔ اس بات کے ثابت کرنے میں وہ سو فیصد ناکام رہے۔ ابن قیم نے اس کتاب میں اجماع پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں سابقہ مجتہدین میں ان مذاہب کو مدد مانا جاتا ہے جن کے مذاہب تواتر اور یقین سے ثابت ہوں۔ اگر کسی مجتہد سے کوئی شاذ قول منقول ہے تو شاذ قراءتوں کی

طرح وہ تواتر اور اجماع سے ٹکر نہیں لے سکتا۔ ابن قیم نے ایسے شواہد کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی اور روافض کی حمایت میں کسی اہل سنت مجتہد کا کوئی شاذ قول بھی پیش نہ کر سکے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن دقیق العید قشیری (۷۰۲ھ) شیخ الاسلام محی الدین نووی (۶۷۶ھ) وہ اس صدی کے تمام فقہاء اور محدثین صحابہ کرام کے اجماع اور ائمہ اربعہ کے اتفاق پر ہی مضبوطی سے قائم رہے۔

نویں تا تیرھویں صدی آٹھویں صدی کے ابتداء میں ابن تیمیہ یا ابن قیم نے اجماع صحابہ کرام اور مذاہب اربعہ سے ہٹ کر روافض کی اتباع میں ایک مجلس کی تین طلاق کے بعد رجوع کا فتویٰ دیا۔ لیکن مذاہب اربعہ کے تمام علماء اور اسلامی حکومت نے اس کو مسترد کر دیا اور ان کی توہین و تذلیل کے ساتھ ساتھ قید و بند کی سزا بھی دی۔ چنانچہ نویں، دسویں، گیارہویں، بارہویں صدی میں ایک مفتی بھی نہیں ملتا جس نے ابن تیمیہ کے اس غلط فتوے کے مطابق فتویٰ دیا ہو۔ اور یہ صدیاں بھی اسلامی عروج کی صدیاں تھیں۔ ایک بھی مستند شخصیت کا نام کسی مستند تاریخ سے پیش نہیں کیا جاسکتا جو غیر مقلد کہلاتا ہو۔ تیرھویں صدی کے وسط میں جب متحدہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے پر پرزے پھیلا رہی تھی تو ایک رافضی عبدالحق بنارس تقیہ کی چادر اوڑھ کر سینوں میں داخل ہوا۔ وہ یمن سے شوکانی زیدی کی کتاب الدرر البہیہ لایا اور اس نے غیر مقلدیت کی بنیاد رکھی۔ یہاں سب اہل سنت والجماعت حنفی تھے۔ اب امام کی تقلید چھوڑنے کے بعد پہلا مسئلہ یہ تھا کہ پہلے مسائل فقہ حنفی سے لیتے تھے۔ اب کس فقہ کے مطابق نماز روزہ ادا ہوگا۔ تو زیدی فقہ الدرر البہیہ کا اردو ترجمہ کر کے اس کا نام فقہ محمدیہ رکھ کر شائع کر دی گئی۔ اور اپنا نام محمدی رکھ لیا گیا۔ یعنی فقہ محمدیہ پر عمل کرنے والے جو یمن کے زیدی شیعوں کی لکھی ہوئی ہے۔ اب اسلامی حکومت کمزور تھی کہ کسی نئے فتنے کو ابھرنے نہ دے۔ البتہ برطانیہ کی ضرورت تھی کہ اسلاف سے بغاوت کر کے نئے نئے فتنے اٹھیں تاکہ مسلمانوں کی قوت آپس میں لڑ کر تباہ ہو۔ انگریز نے اس نو مولود فرقے کی حمایت کی۔ ادھر علماء نے ان کے عقائد و اعمال لکھ کر مکہ مکرمہ اور

مدینہ منورہ کے علماء سے اس نوزائیدہ فرقہ کے بارہ میں فتویٰ طلب کیا۔ چنانچہ ۱۲۵۲ھ میں حرمین شریفین سے پہلا فتویٰ ان کے خلاف آیا جس میں وہاں کے علماء نے بالاتفاق اس فرقہ کو ایک گمراہ فرقہ قرار دیا۔ پھر دوسرا فتویٰ ۱۲۵۶ھ میں اور تیسرا ۱۲۸۴ھ میں حرمین شریفین سے آئے۔ متحدہ ہندوستان کے علماء نے بھی مفصل فتاویٰ تحریر فرمائے۔ نظام الاسلام، تنبیہ الضالین وغیرہ یہ فتاویٰ مولانا منیر احمد صاحب مدظلہ کی مرتبہ کتاب شرعی فیصلے میں موجود ہیں۔ لیکن ابھی تک اس فرقہ کا زور آئین، رفع یدین پر ہی تھا۔ حرام کو حلال کرنے کا کاروبار ابھی شروع نہیں کیا تھا۔ کیونکہ ابھی ان کے سرپرست انگریز بھی پورے اقتدار کے مالک نہ تھے۔ اور ہر دارالافتاء کا مدار شامی اور عالمگیری پر تھا۔ شامی شریف میں بھی یہ لکھا تھا کہ اگر تین طلاق کے بعد کوئی قاضی رجوع کرنے کا فیصلہ دے تو وہ قاضی نہیں شیطان ہے۔ اور اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اور فتاویٰ عالمگیری پر علماء کی اجتماعی کوشش سے مرتب ہوا تھا۔ اس میں تو یہاں تک لکھا تھا کہ اگر تین طلاق کا لفظ بیوی نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے اور کسی قاضی نے رجوع کا فیصلہ دے دیا تو عورت ہرگز ہرگز اس کو اپنے قریب نہ آنے دے۔ اگر بالفرض اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو عورت اس زناکاری سے بچنے کے لئے اگر اسے زہر دے دے تو شرعاً گنہگار نہ ہوگی۔ اس لئے تیرہویں صدی میں غیر مقلدین کے بھی کسی فتوے کا ہمیں علم نہیں جس میں اس حرام عورت کو حلال کیا گیا ہو۔

چودھویں صدی :

اس صدی میں جب اسلامی حکومت ختم ہو گئی اور انگریز اقتدار مضبوط ہو گیا تو مولوی عبدالرحمن مبارک پوری، مولوی شمس الحق ڈیانوی اور مولوی نذیر حسین دہلوی نے پھر اس حرام کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا۔ اب اسلامی حکومت نہیں تھی کہ ان کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو آٹھویں صدی میں ابن تیمیہ اور ابن قیم کے ساتھ ہوا تھا۔ تاہم اس فتوے کو اہل سنت والجماعت تو کجا خود غیر مقلدین نے بھی قبول نہ کیا۔ اور ابو سعید شرف الدین دہلوی غیر مقلد نے اس کا زبردست رد لکھا جو فتاویٰ ثنائیہ

ص ۲۱۶ تا ص ۲۲۰ جلد دوم پر مذکور ہے۔ اس کا جواب الجواب غیر مقلد نہ لکھ سکے۔ پھر ۳ رجب ۱۳۴۲ھ کو مولوی ثناء اللہ نے اجماع صحابہ اور مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دیا۔ اسے بھی غیر مقلدین نے تسلیم نہ کیا۔ چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم جناب عبداللہ روپڑی صاحب نے اس کا رد تحریر فرمایا۔ اس کے بعد غیر مقلدین نے سوچا کہ یہ تو حنفی کو غیر مقلد بنانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین نے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ اور اکثر غیر مقلد اسی وجہ سے بنے ہیں۔ الغرض کسی اسلامی حکومت میں اس فتوے کو کبھی بھی پذیرائی نصیب نہ ہوئی۔ چودھویں صدی کے غیر مقلدین نے اس کا روبرو کو وسیع کیا۔ ان کی کوشش تھی کہ حرمین شریفین سے بھی ان کی تائید ہو جائے، مگر رابطہ عالم اسلامی نے پوری تحقیق اور کوشش کے بعد یہی فتویٰ دیا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایک لفظ سے تین طلاقیں دیں وہ تین ہی واقع ہوں گی۔ اس کے بعد رجوع تو کیا نکاح کا حق بھی نہیں رہتا۔ جب تک وہ عورت دوسرے خاوند سے ہمبستر نہ ہو۔ جناب رسول اقدس ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ جس نے اپنے دین کی حفاظت کرنی ہے وہ شبہ سے بھی بچے۔ لیکن ہمارے غیر مقلد دوست کھلے کھلے حرام میں رات دن کوشاں ہیں۔ خداوند قدوس ہمیں حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔



کیا طلاق کے لئے لفظ ماضی ضروری ہے؟

ایک شخص مندرجہ ذیل عبارت اپنے قلم سے لکھتا ہے۔ بعدہ عبد الرحمن اپنی عورت کو اس وجہ سے طلاق دیتا ہے کہ یہ ہر کام میں مجھے بے عزت کرتی ہے اور میں ہمیشہ اس سے شرمندہ ہوں۔ اب میں تین طلاق دیتا ہوں۔ کیا اس تحریر سے طلاق ہو گئی؟

عبد الحمید منڈی یزمان ضلع بہاول پور

الجواب صورت مسئلہ میں طلاق کا ذکر دو دفعہ ہوا ہے پہلی دفعہ سبب طلاق کے ذکر کے لئے اور دوسری دفعہ تین طلاق کا ذکر ہے لیکن اس لفظ میں معنی حال استعمال ہوا ہے حالانکہ لفظ ماضی سے تعبیر کرنا چاہیے تھا۔ چنانچہ اس طرح کہنا چاہیے تھا کہ تین طلاقیں دی ہیں۔ جبکہ کہا ہے ”میں تین طلاق دیتا ہوں“ جس کے معنی ہو سکتے ہیں کہ میرا ارادہ تین طلاق دینے کا ہے۔ (۲) طلاق کی نسبت عورت کی طرف نہیں کس کو تین طلاق دیتا ہے جب نسبت نہیں تو تین طلاق واقع نہیں ہوئی اور طلاق دہندہ کہتا ہے کہ اس تحریر سے میرا مقصد طلاق دینے کا نہ تھا بلکہ اپنی زوجہ کے خاندان کو ڈرانا مقصود تھا اس واسطے طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ نسبت اور اضافت نہیں۔

الجواب صحیح
واحد بخش عفی عنہ

فقط واللہ اعلم
بندہ حبیب اللہ عفا اللہ عنہ

صدر مدرس مدرسہ فاضل احمد پور شرقیہ

دونوں حضرات علماء نے جو جواب تحریر فرمایا ہے ہمارے نزدیک ان حضرات سے غلطی واقع ہو گئی ہے طلاق کے وقوع کے لئے لفظ حال بھی اسی طرح مؤثر ہے جس طرح لفظ ماضی کا۔ البتہ صیغہ مستقبل سے طلاق واقع نہیں ہوتی لہذا اب میں تین طلاق دیتا ہوں کے لفظ سے تینوں طلاقیں واقع ہو گئیں اور عورت حرام بھرت غلیظہ ہو گئی۔

در مختار جلد دوم ص ۵۹ و شرح میں موجود ہے۔

(قوله وما بمعناها من الصريح) ای مثل ما سید کرہ
من نحو کو فی طالق و اطلق و یا مطلقۃ بالتشدید و
کذا المضارع اذا غلب فی الحال مثل اطلقک اھ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافقاء خیر المدارس ملتان

۱۵ محرم ۱۳۷۶ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفی عنہ

مہتمم خیر المدارس ملتان

**عورت کو فسخ کا اختیار دینا کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ حاکم کے
”میں نکاح کو فسخ کرتا ہوں“**

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ زید نے ہندہ کو نکاح
میں لائے تقریباً بیس سال کا عرصہ گزر گیا لیکن بوجہ نابالغی ہندہ باپ کے گھر رہی زید دس
سال غیر آباد رہا اور اپنی عورت کو آباد نہیں کیا اس اثنا میں زید نے دوسری شادی زینب
سے کر لی جو ابھی آباد ہے اور ملک بنگال میں ہے ہندہ زوجہ زید نے حکومت پاکستان
سے تنگ آکر درخواست کی کہ زید شوہر بیس سال کے عرصے سے مجھے نہ نان نفقہ دے رہا
ہے اور نہ مجھے آباد کرتا ہے میرا کوئی بند و بست کیا جائے حکومت پاکستان نے مقبرہ گواہوں
کی شہادت کے بعد زید کو مطلع کیا کہ تو اپنی زوجہ ہندہ کے بارے میں کیا کرے گا لیکن زید ایسا
چپ چاپ ہے کہ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر حکومت پاکستان والوں نے تنگ
آکر ہندہ کو اجازت دی ہے کہ تو اپنا ثانی نکاح کر سکتی ہے۔ آئندہ زید کوئی حقدار نہیں ہے۔

شرع شریف میں ہندہ کے لئے کیا حکم ہے۔ ہندہ کے پاس نقلیں عدالت کی موجود ہیں۔ الفاظ
نقل یہ ہیں۔ شہادت مدعیہ کی طرف سے پیش کی ہوئی یہ ثابت کرتی ہے کہ مدعی علیہ نے
حق زوجیت ادا کیا اور نہ مہیا کیا کسی قسم کا خرچہ اس کا۔ اس لئے مدعیہ کو تنسخ نکاح کا حق پہنچتا
ہے۔ میں اس کو یکطرفہ ڈگری دیتا ہوں برائے تنسخ نکاح کھلی عدالت میں اعلان کیا گیا۔ ۱۰/۱۲/۱۹۵۱ء

دستخط فاروق احمد سول جج فسط کلاس جہلم

الجواب : صورت مسئلہ میں حج صاحب کے الفاظ شرعی فسخ نہیں اس لیے دوبارہ درخواست دے کر فسخ کروایا جائے۔ حج صاحب کو یہ الفاظ کہنے ضروری ہیں کہ میں اس نکاح کو فسخ کرتا ہوں اختیار دینے کو شریعت فسخ تسلیم نہیں کرتی۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان
بندہ محمد صدیق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ۹/۱۱/۱۴۲۱ھ

۱۸ رمضان المبارک ۱۴۲۱ھ

اگر طلاق کا گواہ لڑکی کا باپ ہو تو وہ گواہی معتبر نہیں۔

ایک شخص کا جبراً گلا گھونٹ کر اور قتل کی دھمکی دے کر طلاق لی گئی۔ وہ شخص منکر ہے اور گواہ کہتے ہیں کہ طلاق دی ہے۔ طلاق کے گواہ صرف لڑکی کا باپ اور چچا ہیں تو کیا اس صورت میں طلاق ہو گئی؟

الجواب : لا تجوز شهادة الوالدین لولدیهما (عالمگیری بالشہادۃ)

چونکہ صورت مسئلہ میں گواہوں میں باپ بھی شامل ہے اور اس کی گواہی بیٹی کے حق میں معتبر نہیں لہذا فیصلہ مرد کی قسم پر ہو گا۔ اگر مرد قسم اٹھالے کہ میں نے طلاق نہیں دی تو عورت اس کے حوالہ کر دی جائے گی۔ اور اگر واقع میں طلاق دے دی تھی تو پھر خاوند اس عورت کو رکھنے میں گناہ گار ہو گا اور زانی ہو گا۔ فقط واللہ اعلم

عبد اللہ غفرلہ مفتی خیر المدارس ملتان
۲۰ ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ

جو یہ کہے ”میں کسی مذہب سے متعلق نہیں“ اس کی بیوی نکاح سے خارج ہو گئی۔

الاستفتاء۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب محمد اقبال جاوید کا سال ڈیڑھ سال گزرانکاح ہوا تھا اس کے بعد اس کے خطوط

سے مجھے اس کے ایمان کے متعلق شبہ ہوا تو اس بنا پر اس کے عقائد کے متعلق استفسار کیا گیا تو اس نے اپنے ایک انگریزی خط میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

میں نے پُر غور اور گہرا مطالعہ تمام مذاہب ان کے اصول اور مختلف جماعتی نظریوں کا شروع کر دیا ہے۔ محض وراثتاً کسی کا مسلمان ہونا میرے نزدیک اسلام کی حقانیت کا ثبوت نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ میرے باپ نے زندگی کی اصلیت کو سمجھنے میں فاش غلطی کی ہو۔ اب میں نے تحقیقات شروع کر دی ہیں اور اس کام کی تکمیل پر میں اپنے اس کام میں چھان بین کا نتیجہ ظاہر کروں گا۔ فی الحال میں مسلمان ہوں نہ خدا کا منکر۔ بلکہ ایک عام آدمی ہوں جس کا کسی مذہب سے کوئی علاقہ نہیں۔ میں خدا اور حضرت پیغمبر صاحب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت آپ سے کوئی بحث کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ کیونکہ مختلف مذاہب کے متعلق اپنا مطالعہ ختم نہیں کیا ہے۔ لیکن چونکہ میری شادی اسلامی رسوم کے مطابق عمل میں آئی تھی اس لیے میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اپنے مستقر کو قرآن اور سنت کے مطابق جائز رکھیں۔ ہر فیصلہ جو قرآن اور سنت کے مطابق ہو گا وہ میرے لیے قابل قبول ہو گا۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا عقائد رکھنے والا آدمی مسلمان ہے یا نہیں۔

(۲) کیا اس کا سابقہ نکاح باقی ہے یا نہیں۔

(۳) تاحال نہ اس لڑکی کی رخصتی ہوئی اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی تو کیا نکاح باقی نہ رہنے

کی صورت میں لڑکی دوسری جگہ بغیر عدت گزارنے کے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟
الجواب: شخص مذکور نے تصریح کر دی ہے کہ میں کسی مذہب سے متعلق نہیں ہوں بلکہ مذاہب کی تحقیقات کر رہا ہوں۔ اس وقت خدا اور رسول کے متعلق کوئی بحث

کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں کیونکہ ابھی تک مطالعہ ختم نہیں کیا ہے اور یہ کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اس تصریح کے بعد اس شخص کو مسلمان ہرگز تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ تقلیدی ایمان معتبر تھا مگر اس نے اس سے بھی انکار کر دیا ہے۔ لہذا اس کا نکاح نہیں رہا۔ اس کی

بیوی قرآن و سنت و فقہ کے مطابق بائٹہ ہو چکی ہے۔ لہذا اسے اختیار ہے کہ جہاں چاہے نکاح کرے۔
فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خادم الافشاء خیر المدارس ملتان

مطلقہ ثلاث حاملہ من الزنا سے نکاح کیا تو پہلے خاوند کیلئے حلال ہو جائیگی۔

ایک عورت اپنے خاوند کے گھر خوش و غرم آباد تھی۔ بوجہ آپس میں ناراضگی اس کو طلاق دے دی گئی۔ بوقت طلاق ہمراہ دو بچے موجود تھے۔ تین سال کے بعد وہ عورت اپنے خاوند کے پاس اپنی خوشی سے آکر آباد ہوئی اور اس کو حمل قرار تھا جو کہ اس وقت تقریباً تین ماہ کا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد اس عورت کے بہنوئی اسے اپنے گھر لے گئے اور وہاں پر حمل کی صورت میں حلالہ کی شرط پوری کر دی۔ بعد ازاں وہ عورت پھر اپنے خاوند کے گھر واپس آگئی ہے۔

(۱) آیا حمل کی صورت میں حلالہ جائز ہے یا نہیں؟
(۲) اگر حلالہ جائز ہے تو کیا عورت اپنے پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے؟ کیونکہ ان دنوں میاں بیوی آپس میں بخوشی نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ شرعاً ان کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب: صورت مسئلہ میں حلالہ درست ہے لیکن پہلے خاوند کے ساتھ بچہ پیدا ہونے سے پہلے نکاح جائز نہیں کیونکہ خاوند ثانی کی عدت وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہونا ہے۔

وعدة الحامل ان تضع حملها الى قوله وسواء كان

الحمل ثابت النسب ام لا ويتصور ذلك فيمن

تزوج حاملاً بالزنا كذا في السراج الوهاج عالمگیری ص ۱۳۵

بندہ اصغر علی غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان

یکم ذیقعد ۱۳۷۵ھ

واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ خیر محمد عفی عنہ

مہتمم خیر المدارس ملتان

طلاق صرف ایک دی لیکن اخبار کے طور پر کئی آدمیوں سے ذکر کیا تو
طلاق ایک ہی رہے گی

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے بیوی کو ایک طلاق دی۔ پھر دوسروں کو اطلاع
دینے کے لئے متعدد مجالس یا ایک مجلس میں بار بار کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہوں
ظاہر ہے کہ فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ ایک ہی طلاق ہوئی لیکن اس کی بیوی اور مفتی بھی اس
کو ایک ہی طلاق قرار دیں گے؟

الجواب: صورت مسئلہ میں اگر یہ یقین ہے کہ بعد میں اخبار اطلاع ہی کی غرض سے
الفاظ طلاق کا تلفظ کیا ہے تو دوسری طلاق واقع نہ ہوگی۔ بیوی اور مفتی کو بھی اس
پر اعتماد کرنا درست ہے۔

رجل قال لامرأته يا مطلقۃ الی قور وان کان لہا زوج
قبلہ وقد کان طلقھا ذلک الزوج ان لم ینوب کلامہ
الاخبار طلقت وان قال عنیت بہ الاخبار دین فیما
بینہ و بین اللہ تعالیٰ وهل یدین فی القضا اختلاف
الروایات فیہ والصحیح انہ یدین اھ (ہندیہ ص ۲۹ ج ۲)

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۴ / ۴ / ۱۴۰۳ھ

اگر عورت طلاق کے اختیار کو اسی مجلس میں استعمال نہ کرے تو اختیار
ختم ہو جائے گا

ایک شخص نے کسی وقت اپنی بیوی کو ایک بائن طلاق دیکر پھر تجدید نکاح کر لیا
پھر اس کو اپنی زندگی میں ایک حادثہ بھی خیال میں گزرتا ہے کہ اس نے بیوی کو طلاق جہی

دی تھی مگر یہ حادثہ شک و ظن کا ہے۔ کامل یقین نہیں ہے کہ اس نے طلاق رجعی دی تھی یا محض شک و ظن ہے۔ پھر کافی عرصہ کے بعد اس نے بیوی کی بعض بد عنوانیوں سے پریشان ہو کر یہ کہا کہ اگر تو میرے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی تو تجھ کو اپنے نفس پر اختیار ہے۔ اگر تو اپنے نفس کو اختیار کرنا چاہتی ہے تو کر سکتی ہے تیری مرضی ہے۔ عورت نے جواباً کہا کہ اس حالت سے تو میں آزادی چاہتی ہوں۔

(ب) خاوند نے کہا کہ جب تو نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا ہے۔ اب تجھ پر طلاق واقع ہو گئی اور تو مجھ سے مغلطہ ہو گئی جب تک تیرے ساتھ دوسرا آدمی نکاح و صحبت نہ کرے اور وہ تجھ کو طلاق دے، پھر تیسری عدت نہ گزر جائے اس وقت تک تو میرے لیے حلال نہیں ہے۔ خاوند نے اس کو یہ اس لیے کہا کہ اس کی نظر میں ایک طلاق بائنہ سابقہ تھی۔ دوسری طلاق رجعی مشکوک اور تیسری عورت کے اپنے نفس کو اختیار کرنے اور آزاد ہونے والی طلاق جنکی مجموعی تعداد تین ہو گئی۔ انشاءً طلاق ثالثہ جدیدہ اس کی نیت نہیں تھی۔ کیا طلاق میں شک کا اعتبار عدد طلاق میں ہو گا یا کالعدم ہو گا نیز خاوند کے کہنے سے وہ مغلطہ ہو جائے گی۔ طلاق ثالثہ جدیدہ کا حکم لکھے گا یا اس کی نیت کے مطابق وہی طلاق بائنہ قدیم و طلاق رجعی مشکوک اور طلاق تخییر یا تفویض کا حکم ہو گا۔ طلاق رجعی مشکوک کا اعتبار کیا ہو گا؟

(۲) خاوند نے اپنی بیوی کو اس کی جان کے بارے میں تخییر کی مرضی دیدی اور کہا کہ اگر تو میرے ساتھ موجودہ حالت میں خوش نہیں ہے تو تو اپنی جان کے بارے میں صاحب اختیار ہے۔ اگر آزاد ہونا چاہتی ہے تو آزاد ہو جا۔ کیونکہ تو نے مجھ کو بہت تنگ کیا ہے۔ کل تک سوچ کر جواب دیدے۔ عورت نے کہا کہ اگر میرے ساتھ انصاف کا معاملہ نہ کیا جائے تو پھر آزاد ہی اچھی ہوں۔ خاوند نے کہا کہ تیرا مطلب کیا ہے۔ عورت نے کہا کہ میرا مطلب جدا ہونا نہیں۔ نہ اپنے نفس کو اختیار کرنا تھا بلکہ یہ کہ میرے ساتھ انصاف کیا جائے حق تلفی نہ کی جائے۔ اب کیا اس سے اختیار نفس مراد لیا جائے گا یا نہ؟ ان الفاظ سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں۔ عورت کہتی ہے کہ میں صاحب اولاد ہوں جدا ہونا کیسے پسند کروں یا جدا ہونے کا مطالبہ کیسے کروں۔ لیکن حکم شریعت کی پابندی بھی ضروری ہے۔

مولوی صبغت اللہ شیرانی ضلع ژوب

الجواب: ان قال لها انت طالق ان شئت فقالت شئت ان كان كذا فهو على وجهين.... اما ان علقت مشيئتها بشئ لم يوجد بعد وفي هذا الوجه لا يقع الطلاق ويخرج الامر من يدها وعن هذا قلنا اذا قالت شئت ان شاء أبي كان ذلك باطلاً وان قال الاب بعد ذلك شئت لا يقع الطلاق هكذا في المحيط (عالمگیری ص ۳۳۰)

جزئیہ بالائے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ عورت نے اپنے اختیار کو آئندہ انصاف نہ کرنے پر معلق کیا ہے کہ اگر میرے ساتھ انصاف کا معاملہ نہ کیا جائے اور بصورت تعلیق اختیار و مشیت طلاق واقع نہیں ہوتی اور اختیار بھی باطل ہو جاتا ہے۔ الحاصل صورت مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اگر یہ سوال اسی عورت کے متعلق ہے جس کا ذکر سوال ۲ میں ہے تو یہ آخری طلاق واقع نہ ہوگی جیسے ابھی ذکر ہوا اور خاوند کا اقرار غلط فہمی پر مبنی ہے لہذا اس سے بھی طلاق مغلطہ واقع نہیں ہوئی۔

ظن انه وقع الثلاث على امرأته بافتاء من لم يكن اهلاً للفتوى وكلف الحاكم كتابتها في الصك فكتبت ثم استفتى ممن هو اهل للفتوى فافتى بانه لا يقع والتطبيقات الثلاث مكتوبة في الصك بالظن فله ان يعود اليها ديانة ولكن لا يصدق في الحكم ۱ شامیہ ص ۴۴۹ ج ۴ مکتبہ المدینہ

پس تغلیظ ثابت نہیں اور اگر یہ الگ واقعہ ہے تو احتیاط پر عمل کیا جائے۔ حلالہ کیے بغیر نہ رکھے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۲۵/۳/۱۳۹۵ھ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

تین کانے پھینکے اور زبان سے ایک کہا "تجھے چھوڑا" تو ایک طلاق ہو گئی

ایک شخص نے اپنی بیوی سے جھگڑے کی صورت میں تین کانے اٹھا کر اس کی طرف پھینکے اور کہا کہ میں نے تجھے چھوڑا ہے۔ اس سے جب اس کی مراد پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ میری مراد اس سے تین طلاق دینا ہے۔ کیا اس صورت میں وہ عورت اک پر کلیتہً حرام ہو گئی ہے یا نہیں۔ مہر کی بابت کیا حکم ہے۔ جہیز کا سامان واپس کرنا ہوگا یا نہیں جو اس میں سے استعمال کر چکی ہے وہ بھی واپس

کرنا ہوگا یا نہیں۔ جو زیور مرد کے ہیں کیا وہ بیوی سے واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

محمد عبداللہ، کنڈیاں، ضلع میانوالی

الجواب: ولولم یقل ھکذا یقع واحدة لفقد النشیۃ ای بان قال انت

طالق و اشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانہ

فانہا تطلق واحدة اخانیۃ: قال القہستانی لانہ کمالا یتحقق

الطلاق بدون اللفظ لا یتحقق عدۃ بدو نہ (الدر المختار علی بائیں رد المحتار)

صورت مسئلہ میں اگر بھی خط کشیدہ الفاظ کہے ہیں تو ایک طلاق رجعی واقع ہونی جیسا کہ جزئیہ بالا

سے ظاہر ہے رجوع کر کے اور بعد از عدت نکاح جدید کر کے رکھ سکتا ہے۔ حلالہ کی حاجت نہیں۔

خاوند کے ذمہ کل مہر ادا کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۲۳/۳/۱۳۹۵ھ | الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

طلاق کے بعد مجامعت کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو کس کا قول معتبر ہوگا۔

طلاق کے بعد میاں بیوی میں باہمی اختلاف ہو گیا۔ خاوند اس بات کا مدعی ہے کہ ہمبستری

نہیں ہوئی۔ بیوی کہتی ہے کہ ہمبستری ہوئی ہے تو شرعاً کس کا قول معتبر ہے؟ بینوا تو جزو

الجواب: بیوی قسم اٹھا کر کہہ دے کہ ہمبستری ہوئی ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا۔

وفی القنیۃ افتراقا قالت افترقنا بعد الدخول فالقول قولہا

لانہا تنکر سقوط نصف المہر اھ (بحر الرائق ص ۳۴۶ ج ۱)

فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

طلاق کی جس مہین میں وقت مقرر نہ ہو انہیں موت سے کچھ پہلے طلاق واقع ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ شہر دریا خان ضلع بھکر چک ۷ چاہ گدار میں علامہ

عبدالستار تونسوی تقریر کے لئے تشریف لے گئے۔ تقریر سے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص

حافظ عبدالغفور نے حیات و ممات کا مسئلہ چھیڑ دیا اور کہا کہ آپ اس مسئلہ میں احمد سعید میناظرہ

کر لیں۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ آپ برائے مہربانی میرے برابر کا آدمی لائیں۔ بات علامہ عنایت اللہ

شاہ پر ٹھہری۔ علامہ صاحب نے فرمایا کہ آپ نہ لاتے تو؛ اس پر اس آدمی نے کہا کہ اگر میں نہ لایا تو میری بیوی کو طلاق۔ اور اگر آپ نہ آئے تو حضرت نے جواب دیا کہ میں نہ آیا تو میری زن بھی طلاق ہے بشرطیکہ ان کی آمد سے مطلع مجھ کو آپ کریں گے اور مناظرہ کی تاریخ اور مقام تم تجویز کرو گے اور پھر مجھ کو پتہ دو گے۔ نوٹ: طلاق کے الفاظ میں گواہوں کے بیانات متضاد ہیں بعض نے طلاق اور بعض نے حرام، بعض تین طلاق کا لفظ بتاتے ہیں۔ بیانات ساتھ ہیں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں شکریہ

الجواب: صورت مسئلہ میں بیانات کے تضاد کی وجہ سے مسئلہ کا جواب علی التبعین نہیں لکھا جاسکتا۔ بہر کیف جواب مسئلہ علی تقدیر الاختلاف یہ ہے کہ صاحب واقعہ عبد الغفور اور حضرت مولینا صاحب نے اگر تین کا لفظ استعمال کیا یا تین کی شرط کو عبد الغفور نے قبول کر لیا۔ (گو کہ زبانی طلاق کا تلفظ نہ کیا ہو) تو حانت ہونے کی صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور حانت ہونے والے کی بیوی مغلطہ ہو جائے گی۔ اور اگر حرام کا لفظ استعمال کیا ہے تو طلاق بائنہ ہوگی۔ بعد تجدید نکاح کے بیوی دوبارہ زوجیت میں آسکے گی اور اگر صرف طلاق کا لفظ کہا ہے۔ تو طلاق رجعی واقع ہوگی اور رجوع کافی ہوگا۔ حانت ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ چونکہ مناظرہ کو لانے کی شرطیں وقت کی تعیین نہیں ہے اس لئے اس کا وقت شرط کرنے والے ہر دو شخص اور مناظرہ (مولینا عنایت اللہ شاہ) کی موت تک ممتد ہوگا۔ پس جب موت واقع ہو جائے تینوں میں سے کسی کی بھی تو موت سے بھٹوڑا پہلے یہ عورت مطلقہ سمجھی جائے گی محض مناظرہ کے انکار کرنے سے حانت نہیں ہوگا۔

وان حلف لیا تین البصرة فلم يأتها حتى مات حنت في آخر
جزء من اجزاء حياته لان البر قبل ذلك مرجو (ہدایہ کتابا میان جلد ۲)
قال في البحر ولا خصوصية للآتيان بل كل فعل حلف انه يفعله في
المستقبل واطلقه ولم يقيد به بوقت لم يحنت حتى تقع اليأس عن
البر مثل ليضربن زيدا أو ليعطين فلانة أو ليطلقن زوجته
وتحقق اليأس عن البر يكون بفوت احدهما فلذا قال في غاية البيان
واصل هذا ان الحالف في اليمين المطلقة لا يحنت مادام الحالف
والمحلوف عليه قائمين لتصور البر فاذا فات احدهما فانه يحنت۔

بحر الرائق کتاب الایمان ص ۳۳۸ ————— وفي المبسوط ولو حلف بطلاق

امراته لیا تین البصرة فمات قبل ذالك طلقت عند الموت

لان بموته فمات شرط البر وهو اتیان البصرة ولا نقول انه

يحنث بعد موته ولكنه كما اشرف على الموت وتحقق عجزه عن

اتیان البصرة حنث اه المبسوط للسرخسی ص ۴ باب القضا فی الیمین

فقط واللہ اعلم الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد النور عفا اللہ عنہ ۱۴/۶/۹۷ھ

اختلافِ ارین کی وجہ سے خیارِ فسخ نہیں ہوگا۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ تقسیم ہند کی کشت و خون میں مسماۃ ہند اپنے والدین کے ہمراہ پاکستان آگئی ہے اور مسماۃ ہند کا زوج مستی زید ہندوستان میں ہے۔ خط و کتابت سے معلوم ہوا کہ زید پاکستان میں آنے کے لئے تیار نہیں۔ سوال یہ ہے کہ قراردادِ مقامِ پاس ہو جانے کے بعد پاکستان اگر دارالاسلام کے حکم میں ہے تو کیا مسماۃ ہند دارالحرب (ہندوستان) میں جانے سے انکار کر سکتی ہے۔ کیا ایسی صورت میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں مع حوالہ تحریریں۔

الجواب: خاوند و بیوی کا ہندوستان و پاکستان میں الگ الگ ہونا موجب فسخ نہیں۔ کیونکہ اختلافِ ارین مسلمانوں کے نکاح پر مؤثر نہیں۔ البتہ خاوند کا آباد کرنے کی کوشش نہ کرنا موجب فسخ ہو سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ خاوند سے طلاق یا خلع حاصل کرنے کی کوشش کی جائے پھر فسخ کے طرق دریافت فرمائے جائیں۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ بندہ محمد صدیق غفرلہ

سوداوی دورے کی حالت میں طلاق دینا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میرے بھائی محمد یامین کو عرصہ سے ایک دورہ پڑا کرتا ہے جس میں وہ بالکل خاموشی بھی اختیار کر لیتا ہے اور بعض اوقات پاگلوں کی طرح داہی

تباہی بھی بکنے لگتا ہے۔ اپنے حالات یہ بتاتا ہے کہ میرے تمام بدن میں آگ لگ رہی ہے۔ اس دورے کی مدت ایک ہفتے سے دس بارہ ہفتے تک ہوتی ہے۔ جس وقت وہ دورے کی حالت میں ہو اس وقت اس کا دماغی توازن قائم نہیں رہتا ہے۔ ۲۵/۴ کو اس کا دورہ شروع ہوا۔ وہ خاموش بھی رہا اور وہی تباہی بھی بکنے لگا۔ ۲۵/۸ کو دورے نے شدت اختیار کر لی اور اب اس کی حالت اتنی خراب ہوئی کہ ہم نے اس سے پیشتر اتنی خراب حالت نہیں دیکھی تھی۔ وہ بار بار یہی کہتا رہا کہ میں مر رہا ہوں۔ انہی الفاظ کو وہ بار بار دہراتا رہا کہ میں مر رہا ہوں میرا دم نکل رہا ہے ایک روز ۲۵/۲۴ کو وہ اسی دورے کی حالت میں اٹھا اور کچھ ہی جا کر عرضی نوایس سے کہا کہ طلاق نامہ کا کاغذ کتنے کو آتا ہے۔ عرضی نوایس نے کہا دس روپے کو۔ اس نے دس روپے کا کاغذ لا کر عرضی نوایس کو دیا کہ طلاق نامہ تحریر کر دے۔ عرضی نوایس نے اس کی بیوی کا پتہ ولدیت اور نام دریافت کیا کہ کتنے بچے ہیں۔ پھر طلاق نامہ تحریر کر دیا۔ تحریر کے بعد اس نے عرضی نوایس سے نہیں سنا کہ طلاق نامہ کا مضمون کیا ہے۔ عرضی نوایس کے کہنے پر کہ دو گواہ ہونے چاہئیں۔ دو گواہ کرا دیں اور خود بھی اپنے دستخط کر دیئے۔ ۲۵/۲۶ کو جب دورے کے اثرات ہمیں کچھ کم معلوم ہوئے ہم نے اس سے پوچھا کہ تو نے اپنی بیوی کا طلاق نامہ کیوں تحریر کرایا تو اس نے برجستہ کہا کہ طلاق زوجہ کا ارادہ مجھے کبھی نہیں ہوا ہے۔ میں نے غیر ارادی طور پر طلاق نامہ تحریر کرایا ہے اور نہ ہی طلاق دینا چاہتا ہوں۔ ۲۵/۲۳ کو وہ اپنی ساس کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اور میری طبیعت بہت ہی خراب ہے۔ تم مہربانی کر کے اپنی بیٹی کو چند روز کے لئے اپنے گھر لے آؤ۔ چونکہ اس کی ساس اس کی حالت سے واقف تھی اس لئے وہ بغیر حیل و حجت کے اپنے گھر لے آئی۔ اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا بیان کے مطابق دس روپے کا اسٹامپ خرید کر طلاق تحریر کرانے سے طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں۔ شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

الجواب: اگر واقعی یہ بیان صحیح ہے تو ایسی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال الشامی فی کتاب الطلاق مطلب طلاق المدہوش فالذی

ینبغی التعویل علیہ فی المدہوش ونحوہ اناطۃ الحکم بغلبۃ

الخلل فی اقوالہ و افعالہ الخارجۃ عن عادۃ و کذا یقال فیمن

اختلف عقلہ لکبراً و لمرضاً و لمصیبة فاجاءتہ فنادام فی حال غلبۃ

الخلل فی الاقوال والافعال لا تعتبر اقواله وان كان يعلمها ويريدھا
 لان هذه المعرفة والارادة غیر معتبرة لعدم حصولها عن ادراك
 صحيح كما لا تعتبر من الصبی العاقل الخ فقط واللہ اعلم بندہ محمود عفا اللہ عنہ ۵ ۱۴۰۵ھ
 صورت مسئلہ میں عورت اور خوشدامن ہر دو کے بیانات سے اس شخص کے مبتلا بالجنون ہونے
 کی تصدیق ہوتی ہے۔ اگرچہ زوجہ کے بیان میں اس متنازعہ فیہا واقعہ میں جنون کے ہونے سے لاعلمی
 ظاہر کی گئی ہے لیکن اس سے قبل نفس جنون کا اقرار ہے۔ اب حکیم عطار اللہ کے بیان سے بھی معلوم
 ہوتا ہے کہ واقعی اس شخص کو خفقان سوداوی کے دورے ہوتے ہیں۔ ان حالات میں اس شخص
 کا قول مع ایمن معتبر ہوگا۔ کیونکہ یہ معاملہ اس کی ذات سے متعلق ہے جس پر عموماً بعض اوقات
 دوسروں کو اطلاع نہیں ہوتی۔ (نوٹ) حلفیہ بیان محمد یامین کے مطالعہ کے بعد جس کی تصدیق
 دستخط کنندگان (مورخہ ۲۵ رجب ۱۴۰۵ھ) نے کی۔ فیصلہ یہ ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔
 بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۲۵ رجب ۱۴۰۵ھ

ہر دو مفتی صاحبان کے فتوے صحیح ہیں کہ صورت مذکورہ میں محمد یامین کی اہلیہ کو طلاق واقع نہیں
 ہوئی۔ لہذا محمد یامین اور اس کی بیوی ہر دو بدستور زن و شوہر کی طرح زندگی بسر کر سکتے ہیں اور
 آئندہ کے لئے متعلقین کو چاہیے کہ محمد یامین کی نگرانی کریں کہ وہ پھر ایسی حرکت نہ کرنے پائے۔
 فقط واللہ اعلم۔ احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ ۲۶ رجب ۱۴۰۵ھ

تیرے پاس آؤں تو اپنی بہن کے پاس آؤں

خدا بخش نے اپنی بیوی کو کہا کہ تیرے پاس آؤں تو اپنی بہن کے پاس آؤں، اس سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟
الجواب صورت مسئلہ میں طلاق نہیں ہوئی لیکن ایسا کہنا بھی درست نہیں۔ توبہ کی جائے آئندہ بچا جائے
 لوقال وان وطئت وطئت اخی فلا شیء علیہ کذا فی غایۃ السروجی (عالمگیری ص ۲۶)
 فقط واللہ اعلم۔
 الجواب صحیح —

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار

عفا اللہ عنہ

۲۳/۴/۱۴۰۱ھ

”نکاح والی ڈھیری ڈھائی“ سے طلاق کا حکم

بکر نے اپنی عورت کو کہا کہ تیرے نکاح والی ڈھیری ڈھائی اس کے ساتھ تین طلاق کا ارادہ تھا آیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہو گئی؟

الجواب ولو قال فسخت النکاح ونوی الطلاق يقع وعن ابی حنیفۃ ان نوى مثلاً فثلاث (۳) ڈھانا ہدم کا ترجمہ ہے۔ ہدم نکاح اور فسخ نکاح کا مفہوم تقریباً ایک ہے پس صورت مسئلہ جرحیہ بالا کی بناء پر شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں، زوجین میں بدوں حلالہ بتجدید نکاح درست نہیں، عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

عبد اللہ عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان

شہادت ناقص ہو تو قضاء طلاق نہیں ہوگی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندر میں مسئلہ کہ مسماۃ ہندہ کو یہ خبر دی گئی ہے کہ تیرے خاوند بکر نے تجھے تحریری طور پر طلاق دیدی ہے تو مسماۃ نے بغرض تحقیق اپنے بھائی کو بھیجا چنانچہ واپسی پر اس نے مدعیہ کو یہ کہا کہ واقعی تجھے طلاق ہو گئی ہے۔ اس پر مدعیہ نے حاکم کے سامنے دعویٰ طلاق دائر کر دیا ہے اور ثبوت دعویٰ میں اپنے دونوں بھائیوں کی شہادتیں پیش کی ہیں اور وہ دونوں ایک ہی مجلس کے شاہد ہیں، ایک بھائی کی شہادت یہ ہے کہ طلاق دہندہ بکر نے ہمارے سامنے اقرار کیا ہے کہ واقعی زید نے مجھ سے لکھوایا ہے اور میں نے اس کے نیچے دستخط بھی کئے ہیں، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مستی بکر (زوج ہندہ) نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کو تین طلاقیں سے چھوڑ دیا ہے اور دوسرے بھائی کی شہادت یہ ہے کہ جب مستی بکر مندرجہ بالا عبارت کو ذکر کرتے ہوئے لفظ ”میں نے اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ کو تین طلاقیں سے“ پر پہنچا تو میرا سر چکر اگیا اس سے آگے میں نے کچھ نہیں سنا اور مدعی علیہ کا بیان یہ ہے کہ میں نے اس قسم کی کوئی تحریر نہیں کی بلکہ اس قسم کی تحریر زید نے میری طرف منسوب کی تھی میں واقعہ سنار ہاتھ لکھا کہ میری طرف زید نے جو اس قسم کی تحریر منسوب کی ہے کہ میں نے مسماۃ کو تین طلاقیں سے چھوڑ دیا ہے وہ غلط ہے اس پر مدعی علیہ اپنے والد اور ماموں کو بطور شاہد پیش کرتا ہے۔ نیز زید بھی اس کا قائل ہے وہ تحریر جعلی تھی بکر سے میں نے کوئی تحریر نہیں کرائی۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا واقعہ میں مدعیہ کی ان شہادوں کے بعد طلاق ہو گئی ہے یا نہ؟ (۲) کیا شہادت ثانیہ تام ہے یا ناقص؟ (۳) بعد از شہادت مدعی علیہ کا

انکار اور اس پر مذکورہ شہادتیں قابل اعتماد ہیں یا نہ جبکہ مدعی علیہ کا ایک شاہد اس کا والد ہے۔۔۔۔۔
(نوٹ) مدعی علیہ کو مدعیہ کے شاہدوں پر کوئی اعتراض جرح نہیں ہے۔ جواب از راہ عنایت مفصل اور لہجہ صاف مع حوالہ کتب تحریر فرمادیں۔ بتینوا تو جروا۔۔۔۔۔

الجواب صورت مسئلہ میں عورت مدعیہ طلاق ہے اور زوج مُنکر ہے۔ زوج سے شہادت لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ مُنکر ہے۔ البتہ مدعیہ کے لئے شاہدوں کی ضرورت ہے۔ اگرچہ بھائی کی شہادت بھائی اور بہن کے لئے معتبر ہے۔ لیکن یہاں شہادت ناقص ہے کیونکہ ایک شاہد نے تصریح کر دی ہے کہ لفظ "میں نے زوجہ مسماۃ ہند کو تین طلاقیں سے" پر میرا سر چکر اگیا اور مجھے معلوم نہیں کہ آگے بکرنے سے کیا الفاظ نکالے لہذا یہ شہادت نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ عبارت جملہ بھی نہیں بنتی بلکہ اس صورت میں اس کو شہادت پر اقدام کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ فی البحر الرائق ص ۱۸۰ تحت قولہ فی اخبار عن مشاہدۃ و عیان لا عن تخمین و حساب قال فی الخانیۃ اذا قرئی علیہ صک ولو یفہم ما فیہ لا یجوز لہ ان یشہد بما فیہ کما فی الحظر والا باحۃ وقال فی الخانیۃ اذا سمع صوت المرأة ولو یرشخصہا فیشہد اثنان عندہا انہا خلانۃ لا یحل لہ ان یشہد علیہا الخ۔ لہذا جب شہادت ایک گواہ کی معتبر نہ ہوئی تو دوسرے کی شہادت پر بوجہ انساب پورا نہ ہونے کے فیصلہ نہیں دیا جاسکتا، لہذا صورت مسئلہ میں قضاء طلاق واقع نہیں ہوگی۔

الجواب صحیح	بندہ خیر محمد عفی عنہ
محمد عبد اللہ غفرلہ خادم دارالافتاء	خیر المدارس ملتان ۱۰/۱۲/۱۴۰۲ھ

صرف لفظ "طلا" کہنے سے طلاق نہیں ہوگی۔

زید نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو مجھے والد سے روکے گی تو میں تجھے دفع کر دوں گا یعنی طلاق دوں گا۔ تو بیوی چپ رہی، اس کے فوراً بعد زید کے منہ سے یہ الفاظ صادر ہوئے کہ ایک، دو، تین طلا۔ اس کے بعد بندہ نے زبان روکی اور کچھ نہیں کہا۔ کیا اس سے طلاق واقع ہوگی۔؟

الجواب صورت مسئلہ میں جب لفظ طلاق سالم زبان سے نہیں نکلا تو طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ وقوع طلاق کے لئے ضروری ہے کہ لفظ طلاق کامل کہا جائے اگرچہ وہ محرف و مصحف ہی کیوں

نہ ہو۔ ویقع بہا ای بھذا الالفاظ وما بمعنا ہا من الصریح ویدخل نحو طلاع وطلاک وتلاک
او ط ل ق (درمختار علی الثانیۃ ص ۲۶ ج ۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہ

۶ / ۱ / ۱۳۷۷ھ

میں نے زید کی بیٹی کو طلاق دی اور پھر دعویٰ کئے کہ میری مراد بیوی نہیں تھی۔

شاہنواز ولد حق نواز نے اپنے سسر یعنی اپنی بیوی کے والد احمد کو کہا کہ میں نے تیری بیٹی تین طلاق سے
چھوڑی تین طلاق سے چھوڑی، گاؤں کے لوگوں نے شاہنواز کو بلایا اور کہا کہ تم نے طلاق دے دی ہے تو اس
اقرار کیا لیکن ساتھ یہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کا نام نہیں لیا لہذا طلاق نہیں ہوئی اب شریعت کا کیا حکم ہے؟
الجواب صورت مسئلہ میں شاہنواز کی بیوی پر قضاء تین طلاق واقع ہو چکی ہیں

و کذا لو قال بنت طالق ذکر اسم المراءاة وامراءتہ بنت فلان
وقال لو أعن بہ امرأتی لا یصدق قضاء وتطلق امرأتہ — ۵۱ (قاضی خان ص ۲۱۵)

فقط واللہ اعلم
احقر محمد النور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد صدیق مدرس جامعہ خیر المدارس
ملتان

تین طلاق کے بعد اکٹھے رہنے کی صورت

بیوی کو طلاق دینے کے بعد کسی صورت میں اپنے گھر میں رکھا جاسکتا ہے جبکہ شوہر بہت بوڑھا ہو اس کے
ساتھ نامحرم جیسا سلوک اختیار کرے۔

الجواب حرمت کے بعد ساتھ رہنے کی اجازت ضرورت شدیدہ کی بناء پر مثلاً بچے بہت چھوٹے
ہیں علیحدگی کی صورت میں وہ کہیں کے نہیں رہیں گے، یا بہت زیادہ بڑھا ہوا اور علیحدگی میں شدید
تکلیف کا اندیشہ ہو تو کچھ گنجائش ہے ایسی بھی یہ خیال رکھیں کہ خلوت میں نہ بیٹھیں۔ نیز اجنبیہ کے جن حصوں
کو دیکھنا جائز نہیں اسے بھی نہ دیکھیں نیز اسے بتا بھی دیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے آپ کو بیوی سمجھ کر آپ کی قیدی بنی
رہے اور حقیقت اس کے خلاف ہو۔

و کأنہ أراء د بنقل هذا تخصیص ما نقله عن المجتبیٰ بہا اذا کانت السکنی

معها الحاجة كوجود اولاد يخنثى ضياعهم ولو سكنوا معاً، أو معها أو كونها كبيوت لا يجدد
هو من يعوله ولا هي من يشتري لها أو نحو ذلك (شامی فصل فی المراء ص ۶۷۲) — فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۲ / ۳ / ۱۴۱۷ھ

مجنون کی بیوی کیسے تفریق کرائے

ایک لڑکا پاگل ہو گیا ہے اس کے نکاح میں ایک لڑکی ہے ابھی تک انکی خلوت صحیحہ ثابت نہیں ہوئی؟
کیا یہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے اور فسخ کرانے کے بعد اس کے والد کے نکاح میں آ سکتی ہے؟ واضح ہو کہ پاگل
اپنے والد کو بھی نہیں مارتا ہے۔

الجواب نکاح فسخ ہو سکتا ہے صورت تفریق یہ ہے کہ زوجہ مجنون قاضی کی عدالت میں درخواست
دے اور خاوند کا خطرناک مجنون ہونا ثابت کرے قاضی واقعہ کی تحقیق کر کے مجنون کو علاج کے لئے ایک سال
کی ہمت دے، بعد اختتام سال زوجہ پھر درخواست کرے اور شوہر کا مرض جنون ہنوز موجود ہو تو عورت کو اختیار
دیدیا جائے اسپر اگر عورت اسی مجلس تخنیر میں فرقت طلب کرے تو قاضی تفریق کر دے۔ (حیلہ ناجہ ص ۵۷۵)
۲۔ والد اپنے بیٹے کی منکوحہ سے نکاح نہیں کر سکتا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ جیسا کہ عالمگیریہ
میں لکھا ہے:۔

حلیۃ الامین وابن الامین وان سفلا دخل بها الامین ام لا۔ (عالمگیریہ ص ۲۷۲)
فقط واللہ اعلم —————
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بیوی میرے لئے مردار ہے طلاق ہوگی یا نہیں؟

ایک شخص اپنی بیوی کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ "میرے واسطے مردار ہو گئی ہے"
کیا ان الفاظ سے طلاق ہو جاتی ہے؟ —————

الجواب ولو قال انت علی الحمار أو الخنزیر أو ما کان محرم العین فهو کقولہ انت
علی حرام — (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۹۶) —————

مذکورہ بالا جزیئہ سے معلوم ہوا کہ طلاق بائنہ واقع ہو گئی ہے۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۲ / ۵ / ۱۳۹۸ ھ

معتوہ بحالت افاقہ طلاق دے تو واقع ہو جائے گی

زید اور بکر آپس میں حقیقی بھائی ہیں۔ زید نے اپنی نابالغ لڑکی ھندہ کا نکاح بکر کے نابالغ لڑکے فاضل سے کر دیا جب دونوں سن بلوغ کو پہنچے تو زید اور بکر نے فاضل میں ازدواجی صلاحیتیں کمزور دیکھیں کہ فاضل سے بعض اوقات افعال فاسدہ صادر ہوتے ہیں مثلاً نماز میں ریح بالصوت خارج ہونا، شلواریں جاکتے ہوئے پاخانہ نکل جانا، برتنوں کو توڑ دینا، ناقابل تصور کام کرنا.... اور بعض اوقات بالکل صحیح سالم رہتا ہے۔ مثلاً باپ کے کہنے پر بازار سے سودا وغیرہ لانا، رشتہ داروں کے ہاں سے ضرورت کی اشیاء وغیرہ لانا، لہذا زید اور بکر نے مشورہ کیا کہ فاضل سے طلاق حاصل کر لی جاوے۔ پس فاضل سے ایک مجلس معتدہ جس میں مفتی وقت شیخ الحدیث مولانا عبد الرحیم صاحب بھی موجود تھے (اور زید اور بکر خود بھی نامی علمیت رکھتے ہیں یہ بھی موجود تھے) اس کے باپ نے مندرجہ ذیل طریقہ سے طلاق دلوانی۔ بکر نے کہا ھندہ تیری بیوی ہے فاضل نے سر کے اشارہ سے جواب دیا ہاں بکر نے طلاق دیدی۔ فاضل نے سر کے اشارے سے ہاں کر دی، بکر دونوں ہاتھوں کے اشارہ سے طلاق دیدی۔ فاضل نے سر اور دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا ہاں دیدی۔ بعد ازاں ھندہ کا نکاح خالد سے کر دیا گیا جس کو تقریباً چار پانچ سال کا عرصہ گزر چکا ہے جس میں ھندہ کی اولاد بھی ہے۔ بکر خاموش رہا، بلکہ اپنے خصوصی رشتہ داروں سے کہتا رہا کہ میرے لڑکے فاضل نے طلاق دے دی۔ لیکن اب چند دنوں سے بکر اس درپے ہو گیا کہ فاضل کی طلاق نہیں ہوئی کیونکہ وہ معتوہ ہے اور ہندہ بمع اس کی اولاد کے فاضل کے حوالے کر دی جاوے لیکن زید کہتا ہے کہ چونکہ فاضل کے افعال صحت غالب ہیں اس لئے وہ معتوہ نہیں ہے اگر بالفرض معتوہ ہو بھی سہی لیکن جس وقت طلاق دی تھی وہ حالت افاقہ تھی اور پورے شعور سے اپنی بیوی سمجھتے ہوئے سر اور ہاتھ کے اشارہ سے فعلاً طلاق دی تھی اور اس فعل کو طلاق سمجھ بھی رہا تھا۔ تو کیا زید اپنی بیٹی ھندہ کو بکر کے کہنے پر فاضل کے حوالے کر دے؟

المستفتی: مولوی محمد شریف مہتمم مدرسہ شمس العلوم ضلع رحیم یار خان

الجواب فاضل کے بارے میں یقینی فیصلہ تو معاہدہ کے بعد کیا جاسکتا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ جب فریقین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فاضل معتوبہ ہے اور طلاق بھی بحالت افاقد دی ہے تو ظاہر ہے طلاق واقع ہوگئی ہے کما فی الجوہرۃ النیرۃ لہذا بکراعاۃ ہندہ کا دعویٰ درست نہیں ہے۔

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۵ / ۶ / ۱۳۹۸ ھ

نہ زبان طلاق دی، نہ لکھی اور نہ کسی کو وکیل بنایا تو طلاق نہیں ہوئی۔

السلام علیکم! آج میری نظروں سے ہفت روزہ "اخبار جہاں" گزرا، اس کے صفحہ ۴۲ پر حافظ مفتی محمد حامد اللہ شرفی صاحب قرآن و سنت کی روشنی میں سوالات کا جواب دیتے ہیں۔ اس میں ایک سوال یہ ہے۔ میں نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف شادی کی۔ جس پر ان کا اصرار تھا کہ میں اپنی بیوی کو چھوڑ دوں۔ کچھ عرصہ قبل والد صاحب نے ایک سادہ کاغذ پر مجھ سے دستخط کرائے کہ فلاں پلاٹ کا مسئلہ ہے۔ والد صاحب کی بات پر یقین کرتے ہوئے میں نے دستخط کر دیئے، انہوں نے اس کاغذ پر طلاق کا مضمون بنا کر میرے سر پر لکھ دیا۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں۔

آپ نے سوال ملاحظہ فرمایا۔ میرے خیال میں طلاق نہیں ہوئی، مگر مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ

«طلاق ہوگئی، انہوں نے مندرجہ ذیل احادیث کا حوالہ دیا (بخاری و مسلم) یہ ہفت روزہ ۹ دسمبر ۱۹۹۱ء کا ہے۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں۔ میں آپ کا بے شک گراں بہہ ہوں گا کیونکہ اس مسئلہ کو پڑھ لینے کے بعد مجھے کچھ شک ہو گیا ہے۔ اُمید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے۔

فقط والسلام محمد اظہار افتخار مکان ۱۲۶ قذافی بازار پیراں منڈی مرید کے

الجواب حامد اومصلیاً۔ طلاق واقع ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ طلاق دہندہ خود اپنی زبان سے طلاق دے۔ قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ فرکن الطلاق هو اللفظ جعل علامۃ علی معنی الطلاق (الی قولہ) واما اللفظ فمثلاً ان یقول فی الکناۃ انت بائن او امنتک او یقول فی الصریح انت طالق او طلقک — (بدائع الصنائع ص ۹۸ ج ۳)

دوسری صورت یہ ہے کہ لکھ کر دے۔ یا کسی سے لکھوا کر دے۔ واما الرسالۃ فہی ان یبعث الزوج

طلاق امرأته الغائبة علی يد النسان فیذهب الرسول الیها۔ و یبلغها الرسالة علی وجهها فیقع علیها الطلاق۔ (بدائع الصنائع ص ۱۲۶ ج ۳) وقال ابن عابدین رحمہ اللہ ولو قال للکاتب اکتب طلاق

امراتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب (رد المحتار ص ۴۲۹ ج ۲)

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنائے۔ تفویضہ (ای الطلاق)

للزوجة او غیرها صریحاً کان التفویض او کنایۃ (الی قولہ) والنواعہ، تفویض و توکیل (رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۵)

لہذا اگر تین صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں پائی گئی تو طلاق نہیں ہوئی۔ آپ کو "اخبار جہاں"

کی جس عبارت سے شبہ ہوا ہے وہ پوری لکھ کر بھیجیں تاکہ تحقیق کر لی جائے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفی عنہ

۱۶/۴/۱۴۱۲ھ

جو لڑائی میں مفقود ہوا ہو اس کے بارے میں تاہیل سنین کی ضرورت نہیں

عمل شاہ گل میرے ساتھ ۱۲/۱۳ کو موپے میں موجود تھا کہ دشمن کا حملہ آگیا، دشمن اور ہم لوگ آپس میں بل گئے، میں دیکھ رہا تھا کہ عمل شاہ گل اپنے موپے سے نکل گیا اور توپ خانہ کی گولیوں میں آگیا،

اور پھر عمل شاہ گل کا کوئی پتہ نہیں چلا، حکومت نے میرے اس بیان پر پینشن بھی جاری کر دی۔ کیا عمل شاہ

گل کی بیوی دوسری جگہ زکاح کر سکتی ہے۔

الجواب صورت مسئلہ میں غالب گمان یہ ہے کہ عمل شاہ گل وفات پا چکا ہے اس کی

بیوی کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور پورا واقعہ عدالت کو بتایا جائے، حاکم کو چاہیے کہ

فیصلہ کر دے کہ عمل شاہ گل وفات پا چکا ہے بعد ازاں اس کی بیوی عدت وفات چار ماہ دس دن گزار کر

دوسری جگہ زکاح کر سکتی ہے۔ (حیلہ ناجرہ ص ۶۳)

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۹/۲/۱۸ھ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفی عنہ

بیوی کی بجائے سالی کا نام لے کر طلاق دی تو طلاق نہیں ہوگی۔

شبیر احمد کی شادی ہوئی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا پانچ سال کے بعد ناچاقی کی صورت آگئی، بیوی شمس النساء اپنے میکے چلی گئی بمع اپنے لڑکے شبیر احمد کے دوسری شادی کے لئے منگنی کی نئی منگنی والوں نے کہا کہ پہلے عورت کو طلاق دو، شبیر کا دل طلاق دینے پر ہرگز نہ تھا۔ دو گواہوں کے سامنے طلاق دینے کو کہا گیا لیکن شبیر گھر سے ارادہ کر کے چلا کہ اول طلاق نہیں دوں گا کیونکہ شرعاً چار عوتیں بھی جائز ہیں۔ تو مجھے کیوں کہا جاتا ہے۔ اگر مجھے مجبور کیا گیا تو میں اپنی عورت کے نام کی بجائے اپنی عورت کی چھوٹی بہن جو فوت ہو چکی ہے اس کا نام لے کر طلاق کا لفظ کہوں گا اور اگر کہا گیا تو لکھ کر بھی دے دوں گا دوسری جگہ منگنی والوں کو بھی پتہ نہیں کہ شبیر کے دل میں کیا خیال ہے شبیر نے اپنے والدین کو کہا کہ یہی کام کیا ہے شبیر نے اپنی عورت شمیم عبد اللہ کی لڑکی کو تین طلاق دیدیں حالانکہ اس کی بیوی کا نام شمس النساء تھا، یا شبیر کی پہلی بیوی شمس النساء کو طلاق ہوئی یا کہ نہیں؟

المفتی مولوی محمد تاج الدین تاج چشتی ضلع کمبل پور

الجواب صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت وقوع طلاق واقع نہ ہوگی ولو قال امرأۃ الحبشیۃ

طالق ولا نية له في طلاق امرأته وامرأته ليست بحبشیة لا يقع علیها وعلى هذا اذا هي

بغير اسمها ولا نية له في طلاق امرأته فان نوى طلاق امرأته في هذه الوجوه طلقت

امراته (عالمگیری ۳۵۸) فقط واللہ اعلم، محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس

الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | الجواب صحیح، محمد شریف، مہتمم
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان | جامعہ خیر المدارس ملتان ۱۶/۳/۱۳۹۸ھ

طلاق رجعی، بائن، منغلظہ دیتا ہوں۔

(طلاق نامہ) میں مسمیٰ مسعود احمد ولد عزیز محمد ساکن راجن پور سلامتی صحت و بدن بخیر نشی اپنی بیوی مسماۃ نیر سلطانہ دختر ملک محمد نواز کو ذاتی جھگڑے کے باعث طلاق رجعی، بائن، منغلظہ دینے کا اعلان کرتا ہوں اور اپنے اوپر حرام حرام کرتا ہوں۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں عدت گزارنے کے بعد مطلقہ جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ میرا کوئی غدر اور اعتراض نہ ہوگا۔ اس واقعہ کی نقل حبیبرین بلدیہ کوروانہ کڑی

ہے میرا کوئی لین دین نہیں ہے۔

مستفتی: مسعود احمد، گواہ غلام عباس، مشکور خان۔

الجواب اگر شخص مذکور نے بائن کے لفظ کے ساتھ دوسری طلاق کی زیت نہیں کی تو صورت مسئلہ میں صرف ایک طلاق واقع ہوئی ہے۔ ویقع بقولہ انت طالق بائن او البتہ... أو اعظمه أو اعظمه واحد

بائنة ان لم ينو. ثلثا الخ (در مختار علی الشامیہ ص ۲۹۹) متعدد طلاقیں اس لئے واقع نہیں ہوں گی کہ طلاق

بائنة کو لاحق نہیں ہوتی۔ کما فی الشامیة الصریح یلحق الصریح و البائن و البائن یلحق الصریح

لا البائن:۔ اس استفتاء کے ساتھ ایک ابطال نامہ بھی تھا جس میں سائل نے کہا کہ میں نے غصہ میں

طلاق دی تھی اب اس پر نادم ہوں اور اپنی طلاق کو منسوخ اور باطل کرتا ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ،

طلاق واقع ہونے کے بعد منسوخ نہیں ہو سکتی، لہذا یہ تحریر شریعت مطہرہ کی نظر میں

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۱۴ / ۱۰ / ۱۴۱۶ھ

کالعدم ہے۔

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفی عنہ

دعوی رجعت بدون شہادت معتبر نہیں

زید نے اپنی بیوی کو بذریعہ ڈاک طلاق نامہ بھیجا جس میں بیوی کو یہ الفاظ تحریر ہیں۔ میں تمہیں آج سے طلاق دیتا ہوں اور آخر میں تحریر ہے کہ آج کے بعد سے تم میری بیوی نہیں رہی۔ طلاق نامہ مورخہ ۶/۳ کو ڈاک نانہ سے رجسٹری کرایا گیا، جبکہ طلاق نامہ پر تاریخ ۱۰/۹ء دانستہ تحریر کی گئی بعد ازاں کوئی الطلاع نہیں آئی۔ کیا عدت گزرنے کے بعد زید کی بیوی زید کے نکاح سے خارج ہوگی اور وہ نکاح ثانی کر سکتی

ہے؟ بیتنوا تو جروا۔

الجواب مطلقہ بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اگر عدت گزرنے کے بعد خاوند

کہے کہ میں نے عدت میں رجوع کر لیا تھا تو اس کا قول بدون شہادت شرعیہ معتبر نہ ہوگا اور خاوند کے پاس

گواہ نہ ہونے کی صورت میں عورت کا حلفاً کہنا کہ ”مجھے رجوع کا علم نہیں“ معتبر ہوگا۔ الحاصل قسم عورت

کی معتبر ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

محمد صدیق غفرلہ

مدرس خیر المدارس ملتان

محمد النور عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

۲۶ / ۴ / ۱۳۹۸ ھ

دو یا تین میں شک ہو تو دو سمجھیں

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید نے حالت غصہ میں اپنی بیوی کو صریح طلاق دی ہے لیکن اس کو یہ یاد نہیں کہ دو دیں ہیں یا تین، اب زید اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہے تو کیا یہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی ہے لیکن اگر عد میں شک ہے کہ دو ہیں یا تین تو دو طلاق سمجھی جائیگی اور دو طلاق صریح میں عدت کے

اندر بغیر زکاح جدید کے رجوع کرنا صحیح ہے۔ اذا طلق الرجل امرأته تطليقة او تطليقتين فنفسه

ان يراجعها رخصت اولم ترض۔ (حدایہ باب الرجعة ص ۳۴۲)

ولو شاء اطلق واحدة او اكثر بنی علی الحق (الدر المختار باب الصریح ص ۶۲۳)

البتہ اگر رجوع نہ کیا گیا ہو تو عورت کو آزاد کر دینا بہتر ہے تاکہ وہ کہیں اور جگہ زکاح کر لے۔

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

۲۲ / ۱۰ / ۱۴۱۶ ھ

تاک، تاک کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس نئی صورت حال سے نپٹنے کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ میں اسے صرف ایک مرتبہ تو اوپنچے سے

طلاق کا لفظ استعمال کروں اور دو مرتبہ صرف تاک، تاک کہ دوں۔ ہماری ناقص فہم کے مطابق صرف

ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور بڑی بیوی کو اطمینان بھی ہو جائے گا، لہذا

جب اس بات پر یعنی فیصلہ دینے پر عمل کا وقت آیا تو میں نے بڑی بیوی کو قدرے فاصلے پر چھوٹے ٹمیز

پر بٹھادیا اور خود چھوٹی بیوی کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا اور دل میں خدا سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے خدا میں صرف ایک مرتبہ طلاق دے رہا ہوں۔ اور پھر میں نے کہا کہ میں نے آپ کو طلاق دی تاکہ تاک دی اور فوراً اٹھ کر ہم دونوں اپنی بڑی بیوی اور میں گھر واپس آ گئے۔ براہ کرم اس سلسلے میں فتویٰ سے نواز دینے کہ واقعی ایسی صورت میں یہ نکاح باقی رہا یا نہیں۔ کیونکہ یہ عمل ہمیں بے انتہا مجبوری کی صورت میں اختیار کرنا پڑا کیونکہ بڑی بیوی کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ ایک طلاق دے گا۔ یہ واقعہ آج سے پانچ دن پہلے کا ہے۔ یعنی ۲۴ ستمبر ۱۹۸۰ء کا ہے۔

الجواب صورت مسئلہ میں ایک طلاق واقع ہوئی ہے۔ مؤخر الذکر لفظ تاک تاک سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ درمختار میں الفاظ مصحفہ یہ لکھے ہیں۔ طلائع، تلاغ، طلاک، تلاک اور علامہ شامی نے دو کا اور اضافہ نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔ تلاق۔ تلال اس کے بعد بطور ضابطہ لکھا ہے کہ ان جملہ الفاظ مصحفہ میں فا اور لام کلمہ کے مقابل عرف میں تبدیلی ہے۔ اور عین کے مقابل ان سب الفاظ میں لام ہی ہے اور صورت مسئلہ میں لام ہرے سے ہے ہی نہیں۔ لہذا ان سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ بالخصوص جبکہ طلاق دینے والے نے بھی طلاق کی نیت نہیں کی۔ وینبغی ان یقال ان فاء الكلمة اما طاء او تاء واللام اما قاف او عین او غین او کاف او لام او اشان فی خمسة بعشرة سبعة منها مصحفۃ ۵ شامی منہج ۲ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۳/۱/۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

عورت کہتی ہے کہ زوج ثانی نے وطی کی ہے زوج منکر ہے تو پہلے کے لئے حلال ہوگی یا نہیں؟

ایک شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دیتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد عورت چاہتی ہے کہ میں اس کے گھر آباد ہوں اور یہ شخص چاہتا ہے کہ عورت میرے گھر آجائے۔ ان عورت اور مرد کے والدین سوچتے ہیں کہ حلالہ کرایا جائے۔ آخر اس عورت کا نکاح طلاق دینے والے شخص کے چھوٹے بھائی کے ساتھ رات ۹ بجے کر دیا جاتا ہے، صبح سات بجے نکاح والا طلاق دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں بالغ ہوں کسی کے کہنے پر نہیں بلکہ خود طلاق دے رہا ہوں۔ عدت گزرنے کے بعد اس عورت کا نکاح پہلے شخص کے ساتھ کر دیا

گیا، کچھ دن گزرنے کے بعد راز کھل گیا کہ حلالہ کرنے والا کہتا ہے کہ ہم نے اس عورت کو اپنی بھابھی سمجھ کر ہمبستری نہیں کی کیونکہ میری والدہ اور میرے بھائی نے روکا تھا۔ جو بیان میں نے پہلے دیئے تھے یہ سب میری والدہ نے سکھائے تھے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ حلالہ جائز ہے کہ نہیں؟ —

خلاصہ آنکہ عورت کہتی ہے کہ میرے ساتھ سویا رہا اور ہمبستری بھی کی ہے۔ جبکہ مرد کہتا ہے کہ مجھے والدہ اور بھائی نے کہا تھا کہ ہمبستری نہ کرنا۔ لہذا میں نے نہیں کی — اس مسئلے میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ عورت کا قول معتبر ہوگا اور بعض کہتے ہیں کہ مرد کا؛ کس کا قول معتبر ہے؟ —

الجواب صورت مسئلہ میں عورت کا بیان معتبر سمجھا جائے گا اور بعد از عدت عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہے اور اس سے نکاح کرنا جائز ہے؛ —

قال الزوج الثاني كان النكاح فاسداً اولوا دخل بها وكذبته فالقول لها الف (در مختار)

وعبارة البوازية ادعت أن الثاني جامعها وأنكر الجماع حلت للأول وعلى القلب

۱۵ شامی ج ۵ — فقط واللہ اعلم —

البواب صحیح

البواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

مدرس خیر المدارس ملتان

مفتی خیر المدارس ملتان

تعليق طلاق نحو ختم نہیں کیا جاسکتا —

کیا فرماتے ہیں علماء کلام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی اپنے والدین کے ساتھ گھر کے کہیں اور جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کے والدین اسے اپنے ساتھ اپنے گھر اسلام آباد لے جانا چاہتے ہیں لڑکی کی ماں فون کر کے اسے ساتھ لے جانے کی مجھ سے اجازت مانگتی ہے۔ میں اسے ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دیتا وہ اس بات پر راضی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ اگر آپ کی بیٹی اسلام آباد گئی۔ میری طرف سے تین طلاقیں ہوں گی۔ لڑکی کی ماں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ کچھ دیر بعد اسلام آباد پہنچنے سے پہلے یا اسلام آباد اپنے گھر پہنچنے سے پہلے وہ پھر مجھے فون کرتے ہیں کہ اجازت دو گے یا نہیں۔ تو میں گواہوں کی موجودگی میں اپنے الفاظ واپس لے لئے اور کہا کہ تم جاسکتی ہو (بیوی نے کہا) میں نے جو اسلام آباد کا کہا تھا حیدر **مطلب** اس والدین کا گھر تھا، مجھے

اس کی تفصیل چاہیے تو اب میں نے جو شرط رکھی ہے وہ واپس لے سکتا ہوں یا نہیں جب میں نے فون پر شرط واپس لی، تو وہ میرے گھر آنے سے پہلے اپنے والدین کے گھر چلی گئی۔ مجھے اس مسئلہ کا تفصیلاً جواب عنایت فرمائیں کہ میری بیوی مجھ پر حلال ہے یا حرام۔

طالب دعا: ایچ اے اعوان نیو عمر دواخانہ ٹینکی والی گلی بالمقابل مسجد حنفیہ مین بازار انکسٹی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً۔ صورت مسئلہ میں بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں بدون حلالہ و تجدید نکاح اس کو گھر آباد نہیں کر سکتے۔ چونکہ آپ نے طلاق کو معلق کیا سلام آباد جانے پر اور یہ تعلیق ہے تعلیق میں رجوع نہیں ہو سکتا، لہذا شرط پائے جانے کی صورت میں از خود طلاق ہو گئی۔ (الیمین)۔

لغة القوة وشرعاً (عبارة عن عقد قوى به عزم الحالف عن الفعل أو الترك) فدخل

التعليق فأندى يمين شرعاً (الدر المختار على رد المحتار ج ۲)۔

وفي رد المختار قال في المحرر وظاهر ما في البدائع ان التعليق يمين في اللغة أيضاً قال لان محمداً

أطلق عليه يميناً وقوله حجة في اللغة (ص ۳۳۳)

لقوله عليه الصلوة والسلام من حلف على يمين وقال انشاء الله فقد بر في يمينه الا انه لا

بد من الاتصال لانه بعد الفراغ رجوع ولا رجوع في الإيمان - (الهداية ص ۲۸۳)

محمد انور عفا الله عنه

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

جہاں حسن سلوک کی توقع نہ ہو نکاح میں طلاق کا اختیار لینے کا حکم

ایک شخص اپنی بیٹی کا نکاح مشروط طور پر کرنا چاہتا ہے کہ اگر زوجین میں حسن سلوک نہ ہو سکے اور پریشانی کا سبب بن جائے تو وہ اس شرط پر نکاح کرتا ہے کہ عرصہ ۴ سال بعد میں خود یا میرا وکیل چار آدمیوں کے سامنے دولہا کے گھر آکر اپنی دختر کو طلاق کر دیگا اس شرط کو نکاح نامہ میں تحریر کرانا ہے تو کیا یہ نکاح عند الشریع جائز ہے؟ شرط قابل عمل ہے؟

(حسین احمد شاہ امام مسجد ریلوے کالونی غانیوال)

الجواب: بوقت ضرورت اور بوجہ اندیشہ فساد نکاح میں اس قسم کی شرائط لگانا جائز ہے۔

بشرطیکہ عقد نکاح سے قبل یہ شرائط لگائی جائیں جیسے کہ آئندہ مثال سے واضح ہو جائے گا۔ بطور مثال ایک شرط نامہ لکھا جاتا ہے —

”منکہ ستمی فلاں بن فلاں اگر مسماۃ فلانہ بنت فلاں سے نکاح کروں تو بعد از نکاح اختلافات کی صورت میں مسماۃ مذکورہ کو یہ حق حاصل ہے کہ اس وقت یا پھر جس وقت چاہے اپنے اوپر طلاق بائنہ واقع کر لے۔“ (کذا فی الحلیۃ الناجزۃ ص ۲۴ دارالاشاعت کراچی) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

چلو فرض کیا میں نے دوسری بیوی کو طلاق دے دی

ایک شخص کی دو بیویاں ہیں ایک بیوی ٹوٹھ کر میسکے چلی گئی جب اس کو وہ لینے گیا تو اس کے بھائیوں نے اصرار کیا کہ تم دوسری کو چھوڑ دو، تب اس کو ناراضگی لگی، باتوں باتوں میں جب اس کو غصہ آیا تو اس نے جواب دیا کہ میں دوسری کو چھوڑ دوں گا، اگر یہ بسنے لگ جائے تب اس نے کہا کہ یہ فلانی بات کرتی ہے اور فلاں بات کرتی ہے۔ اگر یہ کرنی چھوڑ دے تو اس کا اور میرا گزر ہو جائے گا۔ چلو فرض کیا میں نے دوسری کو تین طلاق دیدی تب بھی اس نے کوئی بسنا نہیں۔ اس وقت اس کی حالت غصہ میں تھی وہ شخص کانپ رہا تھا اس وقت اس کا گواہ تو سوائے اللہ تعالیٰ اور ایک سالے کے اور کوئی گواہ نہیں اور اس نے اندر میعاد دوسری عورت مذکور کے ساتھ جماع کر لیا اور اس کی دوسری بیوی کو کوئی عداوت نہیں اور وہ طلاق لینا چاہتی ہے ابھی تک دوسری عورت جس کا شبہ ہے اس کے گھر بستی ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے

الجواب صورت مسئلہ میں شخص مذکور کی کلام (چلو فرض کیا) سے اسکی دوسری بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوئی، لہذا دوسری بیوی بدستور اس کے نکاح میں ہے اور اس کے لئے حلال ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ اصغر علی غفرلہ

اس صورت میں طلاق واقع نہیں کی گئی بلکہ یوں کہا ہے کہ اگر بالفرض دوسری بیوی کو طلاق دوں تو یہ آباد نہ ہوگی۔ آباد نہ ہونے کو معلق بالطلاق کیا گیا ہے۔

والجواب صحیح — بندہ عبداللہ غفرلہ مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

مجھ پر عمر طلاق، طلاق بائنہ ہے۔

کہ زید نے عمر کا ایک برتن ہنسی میں دبا رکھا بعد میں عمر نے زید سے مطالبہ واپس کرنے کا کیا۔
تو زید نے کہا کہ مجھ سے رستم لے لو لیکن برتن نہیں دیتا، عمر نے دو دفعہ اور واپسی کا مطالبہ کیا مگر زید نے
(نہ) دیا اس کے بعد عمر زید کے مکان سے باہر نکلنے کو تیار ہونے لگا تو زید نے عمر کو اس کا برتن واپس کر دیا،
جب برتن لے کر باہر نکلا تو کہنے لگا اگر میں اس مکان پر پھر آؤں تو مجھ پر عمر طلاق ہے اور یہ کہہ کر
چلا گیا کچھ مدت کے بعد وہی عمر اس مکان پر دوبارہ آنے لگ گیا، طلاق اٹھانے والے عمر کی منکوحہ
ابھی غیر مدخولہ اپنے میکے میں ہے۔ آیا شرعاً اس کی منکوحہ پر طلاق رجعی یا بائن یا مغلطہ واقع ہو گئی ہے یا نہیں۔
نیز اس علاقہ میں عمر طلاق کا یہ معنی لیا جاتا ہے کہ یہ عورت مجھ پر ہمیشہ کے لئے حرام اور مطلقہ ہے۔

الجواب عمر طلاق کے لفظ سے ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ کیونکہ مطلقہ غیر مدخولہ ہے اس
کی رضا سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے اور اگر طلاق ہندو کی نیت اس لفظ سے تین طلاق کی تھی تو تین واقع ہو جائیگی
اور بغیر طلاق کے جائز نہ ہوگی فی الدر المختار ولقہ بقولہ انت طالق بائن او البتہ او الفحش الطلاق او طلاق
الشیطان او البدعة او اشتر الطلاق او کالجبل الی قوله واحدة بائنہ ان لو بینو ثلثاً

(شامی جلد دوم باب الطلاق الصریح)

عمر طلاق کا لفظ معنی میں طلاق دائم کے ہے اس لئے اس کے معنی میں بینونت مراد ہوگی۔ چونکہ عورت
غیر مدخولہ ہے اس کو رجعی بھی بائن ہو جاتی ہے بہر حال بائن تو یقینی ہے۔ اور ثلثہ نیت پر موقوف ہے فقط شرعاً
بندہ محمد عبد اللہ غفر اللہ لہ

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہر کی واپسی کے وعدہ پر طلاق دی تو یہ خلع نہیں بنے گا۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فیض بخش کو اس کی زوجہ رشتہ داروں
نے کہا کہ ہماری لڑکی کو طلاق دے دو، ہم وہ مکان جو کہ حق مہر میں ہم نے لیا ہے واپس کر دیں گے تو اس بنا پر
مستمی فیض بخش نے تین طلاقیں دیدیں اب وہ عورت اور اس کے رشتہ دار مکان مذکورہ دینے سے انکاری
ہیں تو مستمی فیض بخش اور اس کے وارث اس مکان کو واپس لے سکتے ہیں یا نہ۔

الجواب فی العالمگیریۃ ص ۱۱۹ امرأۃ قالت لزوجھا اخلعنی علی الف درھو فقال

الزوج انت طالق۔ اختلفوا فيه قال بعضهم هو كلام الزوج يكون جواباً و يتم الخلع وقال بعضهم يقع الطلاق ولا يكون خلعاً والمختار ان يجعل جواباً —

صورت مسئلہ میں لڑکی کے رشتہ داروں کا یہ کہنا کہ ہماری لڑکی کو طلاق دے دو ہم وہ مکان جو حق مہر میں ملا ہے واپس کر دیں گے۔ مطالبہ طلاق اور وعدہ واپسی پر مشتمل ہے۔ لفظ خلع کا ذکر بھی نہیں ہے اور نہ یہ ذکر ہے کہ مہر کے عوض طلاق دو صرف ایک وعدہ ہے کہ ہم مکان واپس کر دیں گے اور خاوند نے بھی جو طلاق دی ہے اس نے بھی یوں نہیں کہا کہ میں طلاق بعوض اس مکان کے دیتا ہوں۔ بلکہ مطلق تین طلاق واقع کر دیں پس اس صورت میں طلاق واقع ہو گئی اور عورت کے رشتہ داروں کو مکان واپس کرنا اخلاقاً ضروری ہے لیکن قضاؤً جب نہیں عالمگیری میں جو صورت ذکر کی ہے اس میں عورت نے صراحۃً لفظ خلع کا ذکر کیا تھا۔ اعلیٰ علی الف درهم اس لئے اس کے جواب میں جو طلاق دی گئی وہ خلع بن گئی برخلاف صورت مسئلہ کے اس میں طلاق بلا خلع واقع ہو گئی۔ واللہ اعلم —

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
۲۰ ربيع الثانی ۱۳۴۶ھ

بندہ محمّد عبد اللہ غفرلہ
خادم الافکار خیر المدارس ملتان ۱۹ ربيع الثانی ۱۳۴۰ھ

دوسرا خاوند تلاش کر لو، بلا نیت طلاق کہا تو طلاق نہ ہوگی۔

میاں بیوی کے درمیان رنجیدہ ماحول میں بیوی نے کہا میرا کھانا ٹلا۔ خاوند نے یہ سمجھا کہ بیوی یہ کہنا چاہتی ہے کہ میری قسمت اچھی ہوتی تو میری تمہارے سے شادی نہ ہوتی۔ اس پر خاوند نے کہا کہ ابھی تم کو غصہ ہے جب غصہ دور ہو جائے تو غور سے سوچنا کہ آپ نے کیا الفاظ کہے ہیں۔ یہاں تک اس مجلس کی بات ختم ہو گئی، دوسرے روز دوپہر کے بعد خاوند نے بیوی کی بات یاد دلا کر کہا کہ میری اس قدر خدمت کے باوجود میرے ساتھ زندگی بسر کرنے پر خوش نہیں ہو تو میں مجبور نہیں کرتا تم دوسرا خاوند تلاش کر کے دیکھ لو اس بیوی رونے لگی اور کہا کہ میری کل کی بات کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے خوش نہیں ہوں بلکہ میرا مطلب یہ تھا کہ میں اپنی بہت کے مطابق آپ کی خدمت کرتی ہوں اور میری اتنی خدمت کے

باوجود خوش نہیں ہو تو میں نے اس زندگی سے مایوس ہو کر یہ کہا تھا کہ میرا کھانا ٹلا اس پر دوسری مجلس ختم ہو گئی اور میاں نے رونے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر بیوی بے مغموم رہی بالآخر رات تک دونوں خوش ہو گئے۔ ان حالات میں اللہ کریم کا حکم کیا ہے۔ اس پر خاوند قسم کھا کر بیان کرتا ہے کہ میرا مطلب طلاق دینے کا نہ تھا بلکہ یہ کہنا تھا کہ اگر (بیوی) میرے ساتھ رہنے کو خوش نہیں ہے تو میں مجبور کر کے رکھنا نہیں چاہتا۔ چونکہ بیوی نے ظاہر کر دیا کہ خوش ہوں مگر اس سے زیادہ مجھ سے خدمت نہیں ہونے پاتی تو اس لئے میں نے مایوس ہو کر یہ الفاظ کہے تھے۔ اب میں خوش ہوں۔

میاں بیوی کے حالات اچھے ہیں۔ اب دونوں ڈرتے ہیں کہ کہیں ان الفاظ سے طلاق نہ ہوئی ہو اگر ہوئی ہے تو کس قسم کی۔ اب ان کو کیا کرنا چاہیے۔

الجواب خاوند کے یہ الفاظ کہ تم دوسرا خاوند تلاش کر کے دیکھ لو۔ کنایات میں سے ہیں بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ پس صورت مسئلہ میں چونکہ خاوند نے طلاق کی نیت نہیں کی اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (عالمگیری ص ۶ ج ۲) وبابتی الا زواج تقع ولحدة بائنة ان ذواها فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ	الجواب صحیح	الجواب صحیح
معین مفتی خیر المدارس ملتان	بندہ محمد عبداللہ غفرلہ	خیر محمد
۱۳۱۴ھ/۲۷	خادم الافکار خیر المدارس ملتان	خیر المدارس ملتان ۱۳۱۴ھ/۲۷

نابالغ کی عین طلاق منعقد نہیں ہوگی۔

ایک گاؤں میں درس تھا ایک باہر کا لڑکا اس گاؤں میں قرآن شریف پڑھتا تھا۔ ایک دن استاد نے اس کو سخت مارا اور غصہ میں آکر کہا اس گاؤں سے چلا جا، آخر لڑکا گھر کی طرف روانہ ہوا، اسٹیشن پر پہنچ گیا، گاڑی کو دیر تھی، لڑکا اسٹیشن پر بیٹھ کر گاڑی کا انتظار کرتا رہا۔ ادھر سے استاد نے لڑکے کو روک رکھا کہ اس کو پکڑ کر لے آؤ، لڑکے اسٹیشن پر پہنچ گئے، اس لڑکے کو کہا کہ واپس چلو لڑکے نے انکار کیا کہ اب میں واپس نہیں جاتا، لڑکے اس کو گھسیٹنے لگے لڑکا انکار کرتا رہا آخر لڑکوں نے کہا کہ طلاق اٹھاؤ میں پھر اس گاؤں میں نہیں آؤں گا اس لڑکے نے طلاق اٹھائی کہ مجھ پر طلاق ہے پھر میں چمک میں نہیں آؤں گا، لڑکوں نے کہا یہ طلاق نہیں ہے اس طرح اٹھاؤ کہ جب بھی میں شادی کروں مجھے پرتین طلاق سے عورت حرام ہے

میں اس گاؤں میں نہیں آؤں گا، لڑکوں کے کہنے کے مطابق اور مجبور ہو کر اور جان چھڑانے کی خاطر یہ قسم کھائی گئی اور لڑکے کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ طلاق کیا چیز ہے اور یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس گاؤں میں شادی ہونی ہے اور کب ہونی ہے۔ سات سال کے بعد اس کی شادی دوسری جگہ ہوئی لڑکی اسی گاؤں کی تھی

الجواب صورت مسئلہ میں اگر لڑکا نابالغ تھا اس کی یمین منعقد نہیں ہوئی بالغ ہونے کے بعد اگر وہ نکاح کرے تو اس صورت میں عورت مطلقہ نہ ہوگی قال فی العالمگیریۃ واما ما یتحضر منہا ضرراً کا لطلاق والعتاق فانه یوجب الاعداء من الاصل فی حق الصغیر والمجنون (۵۹۹)

اور اگر لڑکا بالغ تھا تو اس صورت میں یمین منعقد ہو جائیگی اور بوقت نکاح تین طلاق واقع ہو جائیں گی اگر اس نے صرف یہ لفظ کہے ہوں جب بھی شادی کروں مجھ پر تین طلاق اور بیوی حرام اور اگر اس کے علاوہ اور کوئی لفظ بھی صادر ہوئے ہوں تو الفاظ کے بدل سے حکم متبدل ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
خیر محمد عفی عنہ
خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
مورخہ ۳ رجب ۱۳۸۶ھ

عورت کہتی ہے بیماری میں طلاق دی ہے ، وارث اس کے خلاف کہتے ہیں تو کس کا قول معتبر ہوگا۔

اما بعد، ہم خادمان اہل علم مولوی فیض احمد و پیر حبیب اللہ صاحبان میں اشتباہ واقع ہے کہ ایک عورت دعویٰ دے رہی ہے کہ خاوند نے بیماری میں مجھے بطلاق بائن طلاق کی اور میرے انقضائے عدت سے قبل فوت ہوا مورث کے میراث سے حق کی طلب گار ہوں، مولوی فیض احمد صاحب کی رائے ہے کہ ایسے واقعہ میں گواہ کی ضرورت نہیں صرف اس کے قول کا اعتبار ہے کہ عالمگیری وغیرہ میں تصریح ہے۔

”ادعت انه ابانھا فی مرض موتہ وانه مات وھی فی العدة وقالت الورثة

بل فی الصحة فالقول لھا۔ الخ۔

اور پیر حبیب اللہ جان صاحب کی رائے ہے کہ اس وقت متصور ہے جبکہ ایک دوسرے کے گواہ

نہ ہوں اور جب گواہ ثابت کر دیں کہ مریض مذکورہ فی الجملہ حوائج داخل بیت و خارج بیت مثل جانا بازار کو اور مسجد کو اور سواری کر کے کوسوں تک سفر کرتا رہا۔ پس یہ مریض مثل تندرست کے ہے لہذا میراث کی مستحق نہیں ہو سکتی کیونکہ کتب فن میں تصریح ہے:۔

من عجز عن القيام بجوائجہ خارج البيت كعجز الفقيه عن الاتيان الى المسجد
وعجز السوقي عن الاتيان الى دكانه فاما من يذهب ويحيى ويحم فلا وهو
الصحيح — آه — (البحر الرائق ج ۲)

اور عبارات فتاویٰ بمقابلہ متن مزجوج ہے، لہذا مولوی کی سند نامنظور ہے۔ برائے عنایت و شفقت تصریح بتصویب اور المجیبین معنی والمتخاضمین صورتہ تحریر فرمادیں —
(نوٹ) طلاق دہندہ کچھ علیل تھا بازار جا کر عورت مذکورہ کا طلاق نامہ معنوںہ بصحت بدن تحریر کر دیا۔
بوجہ ناسازگاری روزگار کے، بعد طلاق کے ضلع میانوالی کو برائے علاج گیا اور تین چار میل پیدل سفر بھی کیا
اور بعد آنے والے ایک ماہ تندرست رہا پھر بیمار ہو کر فوت ہوا طلاق اور فوت ہونے کے درمیان تقریباً
۴ ماہ چند یوم زندہ رہا —

الجواب سابقہ فتویٰ سے رجوع کرتے ہوئے تحریر کیا جاتا ہے۔ واقعی عورت مبانہ فی حالتہ للصحة

کا فاؤند اگر عدت میں فوت ہو جائے تو وارث نہیں ہوتی یہ حکم مبانہ فی المرض کا ہے۔ یا طالبة الطلاق
بالطواعیۃ والرضا کا ہے۔ اب ہم اصل سوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے علم میں عالمگیری کی اس
عبارت میں ادعت انه ابانھا فی مرض موتہ و انه مات وھی فی العدة وقالت الورثة بل
فی الصحة فالقول لھا الذی یہ عورت کا قول اسی وقت راجح ہوگا جب کہ ورثہ کے پاس گواہ نہ ہوں اور
اسی طرح عورت کے پاس بھی گواہ نہ ہوں اگر کوئی فریق اپنے قول پر گواہ پیش کر دے تو وہ قول اولیٰ اور اقدم ہوگا
(کما قال صاحب الهدایۃ فی باب التحالف ص ۹۳) واذ اختلف المتبايعان فی البیع (الی قولہ

واقام احدهما البینۃ قضی لہ بھالان فی الجانب الآخر مجرد الدعوی والبینۃ اقویٰ منہا الذی

جن جگہوں میں فریقین کے درمیان اختلاف ہو وہاں کسی ایک فریق کا قول مع الیمین اس وقت معتبر ہوگا جبکہ
کسی ایک کے پاس گواہ موجود نہ ہوں۔ پس صورت مسئلہ میں اگر واثمین میرت بینہ عادل یعنی دُودہ گواہ معتمد حسب الشرائط
شرعی اس امر پر قائم کر دیں کہ متوفی نے طلاق کے بعد صحت میں ایک ماہ کم و بیش کچھ عرصہ گزارا ہے اور مثل تندرست

لوگوں کے اپنا کاروبار کرتا رہا تو وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور عورت محروم ہوگی اور اگر اس قسم کے گواہ وارث قائم نہ کر سکیں تو بصورت اختلاف عورت کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ
خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
بہتم جامعہ خیر المدارس ملتان

جھوٹی گواہی پر عدالت نے عورت کو مطلقہ قرار دے دیا تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مستی نور محمد کی بیوی انور خاتون ناراض ہو گئی اسکے چلی گئی جب نور محمد اس کو اپنے گھر واپس لانے گیا تو اسکے والوں نے خرچ کا اسٹام لکھوانا چاہا، نور محمد خرچ کا اقرار نامہ اسٹام خرید کر کچے نیچے انگوٹھا نیلی سیاہی کا لگا کر اور باقی اسٹام خالی چھوڑ کر میکوں کے حوالے کر کے اپنی عورت کو ساتھ لے گیا۔ کچھ مدت بعد نور محمد نے اور شادی کی، شادی کے بعد یہ انور خاتون اس کے گھر خوش راضی آباد رہی۔ کچھ مدت بعد انور خاتون میکوں کو ملنے آئی میکوں نے خالی اسٹام پڑا دیکھ کر طلاق نامہ کا مضمون لکھوا لیا اور گواہ بھی بنائے بعد میں مسلمان حج کی عدالت میں انور خاتون کے مطلقہ ہونے کا دعویٰ کر دیا، گواہوں نے جھوٹی گواہی دے دی مگر مدعی علیہ نے قرآن کی قسم پیش کی لیکن گواہوں نے قسم نہ اٹھائی، پھر بھی حج نے انور خاتون کو مطلقہ کر دیا، گواہوں نے انگوٹھے اسٹام پر کالی سیاہی سے لگے ہوئے ہیں اسٹام خریدنے والے نور محمد کا انگوٹھا نیلی سیاہی کا۔ ممکن حج نے غور کیا اور انور خاتون کو آزادی کا فیصلہ دے دیا۔ عرض یہ ہے کہ اس مذکورہ بالا حج کا فیصلہ شرع میں نافذ ہو چکا ہے یا نہ وہی گواہ اگر مولوی صاحب کے پاس صحیح گواہی دیں تو کچھ فائدہ ہے یا نہ۔

الجواب

اگر گواہ جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیں عدالت میں۔ تو قضاء حج پر لازم ہے کہ فیصلہ سابق کو بدل دے، چاہے یہ عدالت کسی اور حج کی ہی کیوں ہو اور اگر وہ کسی عالم دین کے سامنے رجوع کر لیں تو ان کے رجوع کی وجہ سے نکاح کرنے سے منع کیا جاسکے گا۔ مگر یہ ممانعت بھی اسی قسم کی ہوگی کہ یوں کہا جائے گا کہ تیرا نکاح عند اللہ نہیں ٹوٹا اگر دوسری جگہ نکاح کرے گی تو زنا میں تمام عمر مبتلا رہے گی وغیرہ وغیرہ، ذکر فی الفتاویٰ

العالم کیویۃ فی باب الرجوع عن الشہادۃ اما شرطہ فان یكون الرجوع عند القاضی —

اور اگر واقع میں یہ گواہ جھوٹے ہیں تو نسخ معتبر نہیں ہے۔ دوسری جگہ عورت کے لئے نکاح حلال نہ ہوگا۔

اور اگر نکاح کر لیا تو ثانی زوج کے لئے وطی حلال نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

۴ ذوالحجہ ۱۳۷۲ھ

الجواب صحیح

خمیر محمد عفی عنہ

مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان ۴ ذوالحجہ ۱۳۷۲ھ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیاری فسخ بالغہ کو دیا تھا یا کہ نابالغہ کو ؟

الجواب واللہ الموفق للصواب۔ شریعت مطہرہ کا یہ قانون ہے کہ جب نابالغی میں لڑکی کا نکاح کر دیا جائے اور بالغ ہونے کے بعد وہ اپنا نکاح ناپسند کرے تو اس کا نکاح حاکم وقت کی اجازت سے فسخ کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک نوجوان لونڈی آپ کے پاس حاضر ہو کر درخواست کرتی ہے کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف کر دیا ہے اور وہ اسے پسند نہیں کرتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیان پر اسے اختیار دیدیا کہ یعنی اگر اپنے خاوند کے پاس رہنا چاہے تو ہے ورنہ کسی دوسری جگہ اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرائے۔ (بحوالہ بلوغ المرام، فتح الباری، نیل الاوطار، سبل السلام، فتاویٰ نذیریہ)۔

اب موجودہ مسئلہ میں لڑکی کو اختیار ہے کہ اگر اپنے خاوند کو پسند کرے تو خاوند کے ساتھ رہے اور اگر

ناپسند ہو تو حاکم کی اجازت سے نکاح فسخ ہوگا عدت وغیرہ قطعاً نہیں ہوگی۔ المجیب مولوی عبدالحکیم د
مولوی فاضل رحمانی ندوی۔

الجواب مجیب نے غلط لکھا ہے والد کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے بغیر طلاق لئے فسخ نہیں ہو سکتا البتہ اگر خاوند بیوی کو آباد نہ کرے اور نہ ہی طلاق دے۔ تو حکومت سے فسخ کرایا جاسکتا ہے جس کے لئے چند شرائط ہیں اور یہ جو مولوی عبدالحکیم صاحب نے روایت نقل کی ہے اس میں اس مولوی صاحب نے خیال نہیں فرمایا کہ یہ عورت جس کا نکاح اس کے والد نے بغیر رضا کے کر دیا تھا بالغ عورت تھی اپنے نفس کی خود مختار تھی اس کا نکاح والد بغیر اجازت کے نہیں کر سکتا اور نابالغہ کا نکاح اگر سوچ سمجھ کر کرے یعنی معروف بسوء الاختیار نہ ہو تو لازم ہو جاتا ہے اور صورت مسئلہ میں جس لڑکی کا نکاح والد نے کر دیا ہے وہ نابالغہ ہے اس لئے اس صورت کو حدیث سے اخذ کرنا غلطی اور نادانی ہے۔

فقط واللہ اعلم ————— بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح، خیر محمد عفی عنہ ۳۰ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

طلاقنامہ پر انگوٹھا خاوند کے بھائی نے لگایا تو طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے اور عورت کو ڈرانے کے ارادے سے اپنے دوسرے بھائی کو کہتا کہ جامیری بیوی کا کاغذ یعنی (طلاقنامہ) لکھوا کر لے آ، کیونکہ میں اپنی بیوی کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ اب اس شخص کا بھائی طلاقنامہ کا کاغذ لکھوا کر لے آتا ہے اور اس پر انگوٹھا بھی خود ہی لگاتا ہے اور اپنے بھائی کو پکڑا دیتا ہے اور وہ اپنی بیوی کو پکڑا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جاتو اپنے میکے چلی جا، اب وہ عورت طلاقنامہ والا کاغذ لے کر میکے چلی گئی، مفتیان شرع سے گزارش ہے کہ آیا یہ طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہ پھر نکاح کرنا پڑے گا یا کہ پہلا ہی نکاح درست ہے۔

الجواب صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت سوال و عبارت مذکورہ بالا جب خاوند نے اپنے بھائی سے کہا کہ طلاقنامہ لکھوا کر لے آ۔ اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی۔

ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب (شامی ص ۴۳۳)
چونکہ خاوند نے تین طلاق کا لفظ نہیں بولا۔ اور نہ ہی وہ کاغذ اسے سنایا گیا اور نہ ہی اس پر اس کے دستخط ہیں بلکہ جو نشان انگوٹھا ہے وہ اس کے بھائی کا ہے (جیسا کہ اس کی زبانی معلوم ہوا) اس لئے ایک ہی طلاق واقع ہوئی چونکہ ابھی تک عدت نہیں گزری (کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے) اس لئے بچہ پیدا ہونے سے قبل دو گواہوں کے سامنے رجوع کر سکتا ہے۔ دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ اگر خاوند رجوع کرے تو وہ عورت اس کی بیوی ہے دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ غلام رسول جامعہ رشیدیہ منٹگمری
اصاب من اجاب محمد عبداللہ غفرلہ
الجواب صحیح ابو النصر منظور احمد عفی عنہ
الجواب صحیح مختار احمد غفر اللہ لہ
مفتی خیر المدارس ملتان

طلاق کی قسم میں اعتبار حالف کی نیت کا ہوگا

زید گروپ اور بکر گروپ میں لڑائی ہوئی زید نے بندوق سے بکر گروپ پر دو فائر کئے جب کہ بکر گروپ کی طرف سے کوئی فائر نہیں ہوا کیونکہ بکر گروپ کے آدمیوں میں سے صرف ایک کے پاس پستول تھا وہ بھی چھپائے ہوئے تھا، لڑائی ختم ہونے کے بعد تھلانے میں رپورٹ درج کرائی گئی دونوں گروپوں نے ایک دوسرے پر پہلے اسلحہ لانے اور پہلے فائر کرنے کا الزام عائد کیا تھا، تھانیدار نے سچ معلوم کرنے کے لئے بکر پر طلاق اٹھانے کی شرط عائد کی اور یہ مضمون دیا گیا جو کہ جمع کے صیغے کے ساتھ تھا کہ بکریوں کہے: —

(۱) ہمارے پاس اسلحہ نہیں تھا۔ (۲) ہم نے کوئی فائر نہیں کیا۔ (۳) زید کی فائرنگ سے پہلے ہمارے پاس اسلحہ نہیں تھا۔ — زید نے طلاق سے بچتے ہوئے یوں کہا: —

(۱) میرے پاس اسلحہ نہیں تھا (۲) میں نے فائر نہیں کیا (۳) میں نے اپنے گروپ میں سے کسی کے پاس اسلحہ نہیں دیکھا۔ — بکر نے جواب میں تمام جگہ مفرد کا صیغہ بولا تاکہ جھوٹ بھی نہ ہو اور طلاق بھی بچ جائے۔ نیز تین طلاق کے ساتھ متصل ان شاء اللہ بھی آہستہ سے کہا۔ کیا طلاق ہو گئی؟ —

— (قاری عبد الرحیم رحیمی خالقہ سراجیہ کنڈیاں شریف)

الجواب

بر تقدیر صحت سوال صورت مسئلہ میں بکر کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ درمختار میں ہے۔

”النية للجلف لول بطلاق او عتاق او في الشامية قال في الخانية رجل حلف
مرجلاً فحلف ونوى غير ما يريد المستحلف ان بالطلاق والعتاق ونحوه يعتبر نية الحالف

اذا لم ينو الحالف خلاف الظاهر ظاهراً كان الحالف او مظلوماً او (ص ۹۹ ج ۳)

فقط واللہ اعلم
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان

دوران تسلیم شاگرد سے طَلَّقْتُ اِمْرَأَتِي ثَلَاثًا کہلوانے سے طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان کہ زید جو کہ ناخواندہ ہے اس کو بکر نے سورۃ ملک پڑھانا شروع کیا

چند دنوں کے بعد دو آدمیوں کے روبرو اسے یہ الفاظ صَلَّقْتُ امْرَأَتِي سَتَانِ ثَلَاثًا تعظیم ایسے لب لہجہ کی تھی کہ پڑھنے والے کو یہ آیت سورۃ نساء کی معلوم ہوتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج کا سبق یہی ہے جب کئی مرتبہ اس نے اس کو دہرایا تو بکر نے خود بھی اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے دو آدمیوں نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا تو نے اپنی عورت ستان کو طلاق دیدی ہے۔ زید مائے تعجب کے حیران ہو گیا، چنانچہ یہی مقدمہ بنا، منکوحہ کے بھائی نے ایک مولوی کے پاس دائر کر دیا، مولوی صاحب نے اس کو اور اپنی دو گواہوں کو (جن کا ذکر اوپر ہوا ہے) بلوا کر ان کے بیانات لئے اور طلاق مغلطہ کا فتویٰ بشکل فیصلہ سنا دیا۔ فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں :-

اس میں شک نہیں کہ مستی زید مذکور ان عربی الفاظ کا معنی نہیں سمجھتا تھا اور اس سے یہ الفاظ دھوکہ دے کر کہلوائے گئے مگر اس کی عورت ستان مطلقہ مغلطہ ہو گئی ہے اور اس کے حق میں نکاح کے ساتھ بھی نہیں آسکتی کیونکہ الفاظ طلاق صریح کے ہیں طلاق صریح نیت پر موقوف نہیں ہے۔

(قال فی العالمگیریۃ - جلد ۱ ص ۳۵)

واذا قال الرجل لامرأته انت طالق ولا يعلم معنى قوله انت طالق يقع الطلاق
وفي الدر المختار ومختاراً بان اراد التكلم بغير الطلاق فجرى على لسانه الطلاق
او تلفظ به غير عالم بمعناه او غافلاً او ساهياً يقع قضاء وهكذا في بهار شریعت (ص ۲۹۱)
وفي العالمگیریۃ واذا قال لامرأته انت طالق ولا يعلم ان هذا القول طلاق طلقت في
القضاء ولا تطلق في ما بينه وبين الله تعالى - ص ۴۸ ج ۲

اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ جب اس جملہ کو قراءۃ تصور کر کے پڑھ رہا ہے اور معنی سے بھی جاہل ہے تو اندریں حالات کیا مولوی صاحب مذکور کا فتویٰ درست ہو کر زید کی عورت کو مطلقہ مغلطہ کر دے گا یا اندریں حالات طلاق واقع نہ ہوگی۔

الجواب مولوی صاحب کا فتویٰ دربارہ وقوع طلاق غلط ہے اور ایسا مولوی جو اس قسم کی فیصلہ سازیوں خلاف شرع انجام دیتا ہے قابل اعتماد بھی نہیں ہے بلکہ قابل تعزیر بھی ہے فتویٰ مذکور اس لئے غلط ہے کہ طلاق صریح اگرچہ محتاج نیت نہیں ہے اور اس میں بلا نیت وقوع طلاق ہو جاتا ہے۔ عامداً ہو یا خطاً؛ لیکن وقوع طلاق کے لئے یہ شرط لازمی ہے کہ اضافت طلاق عورت کی طرف بالقصد ہو اور معنی کا عالم بھی ہو ورنہ لازم آئے گا کہ ایک طالب علم جو فقہ کی کتاب امراۃ طالق کا جملہ پڑھے یا نقل کرے اس کی بیوی مطلقہ ہو جائے۔

قال فی رد المحتار ص ۵۹۳ - ولكن لا بد فی وقوعه قضاءً وديانة من قصد
 اضافة لفظ الطلاق اليها عالمًا بمعناه ولو يصرفه الى ما يحتمله كما افاده
 فی الفتم وحققه فی النهر احترازًا عما لو كرر مسائل الطلاق بحضورها
 او كتب ناقلاً من كتاب امرأتی طالق مع التلفظ او حكي بمين غيره
 فانه لا يقع اصلاً ما لو يقصد زوجته وعما لو كقنته لفظ الطلاق فتلفظ
 به غير عالم بمعناه فلا يقع اصلاً على ما افتمى به مشايخه انتهى.

هذا هو الحق والحق - احق ان يبع
 خير محمد عفا الله عنه
 مهتم مدرسه خير المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم
 بندہ عبد اللہ غفرلہ
 ۲۵/۱۰/۱۳۷۲ھ

”کلمہ تزوجت فہی طالق“ میں مبین سے پہلے والی منکوحہ خصل نہیں ہوگی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین اندر اس مسئلہ کہ زید نے عمرو کے ساتھ تحریری یا
 تقریری عہد کیا ہے کہ میں ہمیشہ تیری مرضی اور منشاء کے مطابق کام کروں گا اور ہمیشہ میرے تمام احوال افعال
 تیری مرضی کے مطابق ہوں گے اگر کوئی میرا فعل یا قول تیری مرضی کے خلاف صادر ہو تو کلمہ تزوجت
 اؤ تزوج فہی طالق اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر زید سے کوئی فعل یا قول عمرو کی مرضی کے خلاف
 صادر ہو جائے تو زید کے لئے وہ منکوحہ عورت جو اس تعلیق سے پہلے منکوحہ ہے حلال ہے یا حرام۔ اور اس
 تعلیق میں منکوحہ سابقہ عورت داخل ہے یا نہ اور اس منکوحہ عورت کی حلت کے لئے کوئی صورت جواز نکل سکتی
 ہے یا نہ اور دوسری عورت کے زکاح کے لئے بھی کوئی صورت جواز نکل سکتی ہے؟ نہایت ہی سوچ کر جواب
 تحریر فرمایا جاوے۔ اور کتب کی مزید تتبع اور تلاش فرمائی جاوے۔ تمام عورتوں کی عدم تزویج کے لئے ایک
 قول فعل خلاف مرضی کافی ہے یا جدید؟ زید کے عسر و کوراضی کرنے کی کیا صورت ہے؟ —
الجواب صورت مسئلہ میں اگر زید خلاف مرضی عمرو کوئی قول و فعل کرے گا تو اس کی موجودہ بیوی پر
 طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ آئندہ بیوی پر واقع ہو سکے گی۔

(کما فی العالمگیریۃ ص ۲۷) ولو قال ان کلت فلاناً فکل امرأۃ تزوجھا فہی طالق

لا يقع الطلاق علی التي تزوجھا قبل الکلام کانت البین مطلقۃ اؤ موقتۃ فان لوی —

وقوع الطلاق علی التي تزوجها قبل الكلام صحت نيته۔۔۔ (کذا فی فتاویٰ قاضی خان)

البتہ اگر زید نے بوقت حلف کلمات زوجت کے لفظ سے سابقہ بیوی مراد لی ہوئی تھی تو اس پر بھی طلاق واقع ہو جائے گی (۲) اگر ایک قول یا فعل بھی عمرو کی رضا کے خلاف کرے گا تو یمن میں حائث ہو جائے گا کیونکہ شرط میں یہ کہا ہے کہ اگر کوئی میرا قول یا فعل تیری مرضی کے خلاف ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

خیبر محمد عفی عنہ

۲/۴/۱۳۴۰ھ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافاق خیر المدارس ملتان

۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۰ھ

میں نکاح کو فسخ کرتا ہوں کنایات طلاق کے،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندر میں مسئلہ کہ چراغ الدین شاہ نامی نے ایک معاہدہ تفسیح نکاح بعد پڑھائے جانے نکاح کے تحریر کر دیا ہے کہ اگر مقرر نکاح خدا نخواستہ دوسری شادی کرے تو منکوحہ حال کا نکاح فسخ سمجھا جائے گا۔ اب نکاح معاہدہ کنندہ نے دوسری شادی کر لی ہے۔ بدیں صورت نکاح اول فسخ سمجھا جائے گا یا نہ؟ اگر فسخ سمجھا جائے گا تو طلاق کس نوعیت کی ہوگی؟ بیتنا تو جروا۔

المستفتی: سعید احمد یزدانی

الجواب صورت مسئلہ میں فسخ نکاح کو معلق کیا گیا ہے دوسری شادی کے وجود پر فسخ نکاح اور نفی نکاح ہر دو کنایات میں شمار کئے گئے ہیں۔ نیت طلاق یا قرینہ کے موجود ہونے کی صورت میں موجب طلاق ہو جاتے ہیں۔ (فتیٰ العالمگیریہ ص ۶۱)۔

ولو قال فسخت النکاح ونوی الطلاق یقع وفي الصفحۃ ۶۲) ولو قال لہلا نکاح بینی و بینک

او قال لم یبق بینی و بینک نکاح یقع الطلاق اذا نوى او في فتاوى قاضى خان ۶۱)

ولو قال لہلا نکاح بینی و بینک او قال لم یبق بینی و بینک نکاح او قال فسخت نکاحک

یقع الطلاق اذا نوى۔

کاہن نامہ میں ایسی تحریرات کے اندر جب لفظ فسخ واقع ہو تو سیاق و سباق کو مد نظر رکھتے ہوئے معنی طلاق ہی ہوتا ہے۔ بناءً علیہ اگر نکاح نے دوسرا نکاح کر لیا ہے تو اس کی پہلی بیوی پر طلاق بائنہ واقع ہوگئی۔ تجدید نکاح

کی حاجت ہوگی نہ حلالہ کی —

(نوٹ) کاہن نامہ میں یہ لکھنا کہ نکاح فسخ سمجھا جائے گا ترجمہ ہے کان النکاح مفسوخاً کیا یفسخ النکاح کا اور فسخت النکاح معروف ہے اور یہ مجہول ہے صیغہ مجہول کے اندر بھی اضافت الی الفاعل معنوی ہوتی ہے اور یہ فسخت النکاح کے معنی میں ہے۔ پس نکاح فسخ سمجھا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافاء خیر المدارس ملتان

مورخہ ۱۱ رجب ۱۳۸۶ھ

الجواب صحیح

خیر محمد عفی عنہ

مدرسہ خیر المدارس ملتان ج ۲۱

خاوند ثانی کے طلاق نہ دینے کا اندیشہ ہو تو بچنے کا حیلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین مسئلہ ذیل میں۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلطہ دیدی اب زید چاہتا ہے کہ دوبارہ اپنی بیوی سے نکاح کروں، اب چونکہ طلاق مغلطہ ہو چکی ہے اب اسے حلالہ کی ضرورت ہے۔ بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہیں ہوتا ہے لہذا وہ زید ایک دوسرے آدمی کو کہتا ہے کہ تو میری بیوی طلاق شدہ سے نکاح کر لے مگر اس شرط کے ساتھ کہ تو ہمبستری کر کے چھوڑ دے وہ آدمی قبول کر لیتا ہے۔ تو آیا اگر یہ طریقہ کیا جاوے تو اسلام میں جائز ہے یا نہیں۔ جواب سے سرفراز فرمادیں اور اگر طریقہ مذکورہ بالا کے ساتھ نکاح کر کے طلاق لے لی گئی ہو تو اب خاوند اول سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ —

الجواب یہ حیلہ اگر ضرورت کی بنیاد پر کر لیا جاوے تو درست ہے حضرات فقہاء نے بوقت ضرورت حیلہ کے استعمال کی اجازت دی ہے، صورت اس کی مناسب یہ ہے کہ خاوند سے یہ اقرار کر لیا جاوے جسے وہ زبان سے کہہ دے کہ جب میں اس عورت سے نکاح کروں اور ایک دفعہ ہمبستری کر چکوں تو اس عورت کو تین طلاق واقع ہوں گی یا اس عورت کو میری طرف سے تین طلاق۔ تو اس صورت میں ہمبستری کے بعد تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ بعد عدت وہ عورت خاوند اول سے نکاح کر سکتی ہے۔ (کذا فی العالجیریم)

الجواب صحیح

خیر محمد عفی عنہ ج ۱

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

مفتی خیر المدارس ملتان

بیوی کے ساتھ برتاؤ سے مراد "صرف ہمبستری لینا" خلاف ظاہر ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص زید کہتا ہے کہ اگر میں اپنی عورت ہندہ کے ساتھ برتاؤ کروں تو مجھ پر تین طلاق ہے۔ یہ الفاظ عرفاً عام ہیں اور زید نے پہلے ایک عالم کے سامنے عام مراد بیان کی ہے کہ میری مراد عام بول چال تھی۔ اب زید کہتا ہے کہ میری مراد مخصوص ہمبستری تھی اور اس بات کا اس نے حلف اٹھا دیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے ان الفاظ کی مراد عام ہوگی۔ جیسے کہ پہلے وہ کہتا تھا ایک عالم کے سامنے اور گواہ بھی موجود ہیں یا یہ مخصوص ہمبستری مراد ہوگی جس پر زید نے حلف اٹھا دیا ہے اگر عام مراد ہو تو عام حیلہ جو کہ متون میں موجود ہے طلاق بانہ کے ساتھ اس پر عمل کر سکتے ہیں یا نہ اور یہ بات بھی ملحوظ رکھیں کہ زید کی طلاق کے وقت عورت موجود نہ تھی روٹھی ہوئی تھی بعد میں منوا کر لے آئے اور پندرہ بیس دن خاوند کے گھر رہی اور ہمبستری نہیں ہوئی اور اگر زید کی مخصوص مراد ہو اور ابھی تک ہمبستری نہ ہوئی ہو تو اس صورت میں بھی کوئی شرعی حیلہ ہے کہ طلاق زائل ہو سکے۔

الجواب اگر میں ہندہ سے برتاؤ کروں تو مجھ پر تین طلاق کہنے کے بعد اگر وہ شخص ہندہ کو گھر لے آیا اور اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا بات چیت کر لی، سلام کلام کر لیا ہو تو اگرچہ جماع کی نوبت نہ آئی ہو تب بھی اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی کیونکہ برتاؤ سے بھی معاشرت اور سلوک عرفاً مراد ہوتا ہے اور یہ شخص گواہوں کے سامنے اقرار بھی کر چکا ہے کہ میری مراد واقعتاً یہی تھی۔ اب اس کا دوسری مراد لینا معتبر نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد اللہ غفرلہ

خادم الافاء خیر المدارس ملتان شہر

لفظ آزاد سے نیت نہ کی ہو تو طلاق کا حکم

مستی زید نے اپنے سسرال کی طرف بدیں مضمون لکھا کہ آپ کی لڑکی باہر سوتی تھی اور میں اندر اور میرے ساتھ سلوک نہیں کرتی تھی۔ (۲) میرے کہنے پر نہ چلتی تھی بلکہ مجھ کو اس نے کہا کہ میں نے تجھ کو نہر بخش دیا ہے کسی قسم کا دعویٰ نہ کروں گی، خاوند دوسرا نہ کروں گی، اب والد کے گھر ہی جینا مرنا ہے۔ تو زید نے تحریر کیا تمہاری لڑکی میری طرف سے آزاد ہے، مختار ہے جو جی چاہے کرے تین دفعہ یہ الفاظ لکھ دیئے

دوسرے دن والد شہر ال آیا اور کہا کہ اب میری لڑکی کو طلاق ہو گئی یہاں اپنے ہاتھ سے لکھ دو کہ تمہاری لڑکی میری طرف سے آزاد ہے مختار ہے جو جی چاہے کرے تو زید نے کہا میری نیت طلاق کی نہیں ہے۔ اگر آپ کا ارادہ طلاق کرانے کا ہے تو میں اپنے باپ سے مشورہ کر کے فیصلہ کا کاغذ دوں گا۔ اب اس صورت میں طلاق کیا یہ ثابت ہے یا نہ؟ —

الجواب صورت مسئلہ میں چونکہ خاوند نے طلاق کی نیت نہیں کی جیسا کہ اس کے مؤخر الذکر قول سے معلوم ہوتا ہے اس لئے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ —

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد صدیق غفرلہ معین مفتی خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

خیر المدارس ملتان ۲۳ صفر ۱۳۷۶ھ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۳ صفر ۱۳۷۶ھ

لفظ طلاق مکرر کہنے کی صورت میں عوام کے دعویٰ تاکید کا حکم

سوال، کیا فرماتے ہیں علماء دین و شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں زید اور ہندہ کا گھر یو کام کاج کے بارے میں دو تین دن سے جھگڑا چل رہا تھا، آخر زید نے غصہ میں آکر دو گواہوں کی موجودگی میں حسب ذیل الفاظ سے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دی۔ میں نے طلاق دی میرے خدا نے طلاق دی۔ یہ الفاظ زید نے چار مرتبہ متواتر کہے اسی رات ہندہ نے اپنے شوہر سے جدائی کر لی اور الگ رہنے لگی، چار پانچ روز کے بعد زید نے اپنی عورت سے رجوع کرنا چاہا تو ایک عالم سے یہ مسئلہ دریافت کیا عالم صاحب نے فرمایا اگر زید نے پہلی طلاق، طلاق کی نیت سے دی ہے اور باقی میں اسی الفاظ کی تاکید کی ہے تو زید کا نکاح فسخ نہیں ہوا۔ تو بہ کر کے رجوع کر سکتا ہے اور آئندہ زید کو دو طلاقیں کا حق باقی ہے۔ —

چونکہ زید مذکور عالم صاحب کے پاس حاضر تھا تو انہوں نے دو مسلمان گواہوں کی موجودگی میں زید سے حلفیہ اس بات کو دریافت کیا تو زید نے خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر ان کے سامنے یہ کہا کہ میں نے غصہ میں آکر طلاق صرف ایک دفعہ دی تھی اور تین دفعہ اس کی تاکید کی تھی میری نیت تین طلاق دینے کی نہ تھی، تو عالم صاحب نے اس سے یعنی زید سے توبہ کرائی اور کہا کہ تمہارا نکاح فسخ نہیں ہوا اور آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا۔ —

الجواب صورت مسئلہ میں قضاء اور دیانۃ تین طلاق واقع ہو چکی ہیں کیونکہ ظاہر حال عوام الناس

اور جہاں کا یہی ہے کہ وہ لوگ تاکید کے معنی کو بھی نہیں جانتے جب اپنی عورت کو تین مرتبہ طلاق دیں تو نیت تین کی ہی ہوتی ہے البتہ اگر ایک عالم (واقف مسئلہ تاکید و تاسیس) جو پہلے سے اس مسئلہ کو جانتا ہے تین مرتبہ اپنی بیوی کو طلاق طلاق کہے اور پھر یہ کہے کہ میری مراد تاکید تھی تو قضائے تین اور دیانتہ ایک واقع ہوگی۔ (در مختار علی الشافعیہ ص ۲۱۶) —

کمر لفظ الطلاق وقع الكل وان لوى التاكيد دين قال في الشرح اى وقع الكل قضاؤه وكذا اذا

اطلق اشباه اى بان لوى بنو استينافا ولا تاكيدا لان الاصل عدم التاكيد۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸ صفر ۱۳۸۷ھ
الجواب صحیح خیرہ محمد عفی عنہ
مدرسہ خیر المدارس ملتان ۲۹ صفر ۱۳۸۷ھ

”ہمارا باہم رہنا دشوار ہے“ سے طلاق کا حکم

میں نے اپنی ساس کو غصہ میں آکر یہ الفاظ کہے کہ اپنی بیٹی کو لے جاؤ ہمارا باہم رہنا دشوار ہے ایسی بیوی سے دستبردار ہونا بہتر ہے تو اس سے طلاق ہوگئی یا کہ نہیں؟

الجواب صورت مسئلہ بر تقدیر صحت واقعہ شخص مذکور کی نیت جب ان کلمات سے طلاق مینے کی نہ تھی تو پھر اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور آئندہ کے لئے احتیاط کرتا رہے۔ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ
الجواب صحیح
خیرہ محمد عفا اللہ عنہ

اس شرط پر طلاق دینا کہ تم فلاں سے نکاح نہیں کرو گی۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد اپنی عورت کو طلاق دیتا ہے اور یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر تم عورت ان دو شخصوں فلاں اور فلاں سے شادی کرو گی تو میری طرف سے تم پر طلاق نہیں ہوگی، اس کے علاوہ تم جس کے ساتھ چاہو نکاح کر سکتی ہو، تو کیا ان دو شخصوں میں سے کوئی ایک اس عورت سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں اور کیا اس طرح طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں۔

مولوی نور نبی کوثر (بلوچستان)

الجواب صورتِ مَحْلُوۃ میں طلاق واقع ہوگئی اور عورت جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح کر سکتی ہے اور اس شخص کا یہ کہنا کہ اگر تو فلاں بن فلاں کے ساتھ نکاح کریگی تو طلاق نہیں ہوگی۔ اس کا کوئی اثر نہیں کیونکہ طلاق کا وقوع پہلے ہو رہا ہے اور شرطِ بعد میں لگا رہا ہے تو یہ تعلیق صحیح نہیں بلکہ اس شرط کا وقوع قبل از طلاق ناممکن ہے لہذا یہ تعلیق اس وجہ سے بھی صحیح نہیں۔

فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علیٰ غفرلہ

الجواب صحیح، بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

فالجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

ہندوؤں کے جان بچانے کے لئے کہہ دیا کہ میں "بندہ ہوں" تو بیوی نکاح میں ہی نہیں؟

جب ہندو پاک میں فسادات شروع ہوئے تو مسیحی بنیائی مکتوحہ مسماۃ چنوں دختر جمال الدین اپنے ماں باپ کے ساتھ کیمپ میں آگئی، پھر اس کا خاوند بنیائی اس کو کیمپ کے لینے کے لئے آیا تو لڑکی والوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے ساتھ نہیں بھیجتے کیونکہ تم ہندو ہو چکے ہو حالانکہ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے کہا کہ میں ہندو ہو گیا ہوں، اس کے ساتھ دو آدمی موجود تھے۔ اس کے بچے ہندوؤں کے گاؤں میں تھے ان ہندوؤں نے کہا اگر تم واپس نہ آئے تو تمہارے بچے قتل کر دینے جائیں گے۔ اسی خطرے کی وجہ سے اس نے ایسے الفاظ صادر کئے اور کہا واپس اپنے گاؤں جاؤں گا اس کو جواب نفی میں ملا لہذا واپس چلا گیا اور جمال الدین وغیرہ پاکستان چلے آئے دو تین ماہ بعد بنیائی بھی کسی طرح موقعہ پا کر پاکستان آ گیا جب وہ جمال الدین کے پاس پھر آیا تو جمال الدین نے جواب دیا کہ ہم نہیں بھیجتے کیونکہ جمال الدین نے کسی مولوی سے سابقہ حال سنا کر معلوم کر لیا تھا کہ وہ متر ہو گیا۔ اس لئے اس نے اپنی بیٹی کا نکاح کسی اور سے کر دیا۔ حالانکہ بنیائی نے جو کچھ کہا تھا وہ محض اپنی جان بچانے کے لئے کہا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا متر ہو گیا یا نہیں۔

الجواب سوال سے معلوم ہوا کہ مسیحی بنیائی نے محض اپنی اور بچوں کی حفاظت کے لئے جو کہ ہندوؤں کے قبضہ میں تھے یہ کہا کہ میں ہندو ہو چکا ہوں، لہذا ایسی صورت میں اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی کیونکہ اگر کوئی شخص جان بچانے کے لئے کلمہ کفر کہہ دے مگر دل میں ایمان ہو تو اسلام سے خارج نہ ہوگا لہذا وہ لڑکا متر نہ ہوا اور نہ اس کی بیوی نکاح سے خارج ہوئی۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

من كفر بالله من بعد ايمانه الا من اكره وقلبه مطمئن بالايمان (النحل)

محمد عبد اللہ غفرلہ

الجواب صحیح خیر محمد عفی عنہ

خادم الافات خیر المدارس ملتان ۱۴۱۱ھ

مہتمم خیر المدارس ملتان

مکمل طلاق، طلاق بائنہ ہے۔

زید اور زینب سفر کر رہے تھے وہیں جھگڑا ہو گیا زینب نے کہا مجھے طلاق دے، زید نے لکھ دیا میں نے نہیں طلاق دی زینب نے کہایوں نہیں بلکہ لکھ دو میں نے تمہیں مکمل طلاق دی، زینب کے اصرار پر زید نے یہی لکھ دیا کہ میں تمہیں مکمل طلاق دی۔ تو اس سے کونسی طلاق واقع ہوئی؟۔

الجواب صورت مسئلہ میں ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی دوبارہ تجدید نکاح کر لیں۔

قال فی البحر الحاصل ان الوصف بما ینبئ عن الزیادة یوجب البینونة ۲۰۵۱

فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

خادم الافات خیر المدارس ملتان ۱۴۱۱ھ

بیوی نافرمان ہو اور والدین اصرار کریں کہ طلاق نہ دو تو کیا کرے۔

استفتاء:- میں نے سسک ۱۹ء میں اپنے ماموں کی لڑکی سے شادی کی، میری ایک ہمیشہ کی شادی میری شادی سے بہت عرصہ پہلے دوسرے ماموں کے لڑکے سے ہوئی ہے۔ میرے پاس ایک لڑکا بعمر ۵ برس اور ایک لڑکی بعمر ۸ ماہ اس وقت زندہ ہیں، کئی مرتبہ میری بیوی مجھ سے گستاخانہ طور پر پیش آئی حتیٰ کہ گالیاں بھی دیں میرے زد و کوب کرنے پر والدین نے بیچ میں پڑ کر مصالحت کرادی، گھر کا سلیقہ بالکل ٹھیک نہیں رکھتی جس پر میں نے انہیں چھوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر والدین نے کہا کہ تم ہماری مرضی کے خلاف چھوڑ کر زندگی خراب کر دو والدین میرے اس اقدام میں اس لئے حائل ہوتے ہیں کہ برادری ٹوٹ جائے گی اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ ضعیف والدین ہمیشہ تو بیٹھے نہیں رہیں گے۔ اگر ان کے بعد میں نے اسے چھوڑ کر اور شادی کی تو دنیا مجھے بے حیا کہے گی کہ والدین کی موجودگی میں تو ٹھیک تھا اب یہ گل کھلا رہا ہے۔ کئی مرتبہ بیوی سے بوجہ ناراضگی بول چال بند کی مگر والدین اسے مجبور کرتے کہ وہ مجھ سے معافی مانگے اور مجھے معافی دینے پر مجبور کرتے۔

اب عرصہ ڈیڑھ ماہ سے میں نے بول چال بند کی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یعنی میری بیوی مجھ سے اور میرے والد سے گت خانہ طور پر پیش آئی۔ میں نے اپنی والدہ کو کہا کہ اگر آپ اسے بھتیجی بنا کر رکھنا چاہیں تو بے شک رکھیں مگر میں نہیں رکھنا چاہتا۔

۱۔ اب عرض ہے کہ میرا اس طرح سے بول چال بند کر دینا ایلا میں شمار ہوتا ہے یا نہیں؟ اور ایلا کو کن مواقع پر کیا جاتا ہے؟

۲۔ میرے یہ الفاظ کہ اپنی بھتیجی کر کے رکھنا چاہیں تو رکھیں مگر میں نہیں رکھنا چاہتا طلاق میں شمار ہوتے ہیں یا نہیں؟

۳۔ والدین میرے طلاق دینے کے ارادے سے متفق نہ ہونے کے باوجود اگر میں طلاق دے دوں تو کیا میرا یہ فعل خلاف شرع ہوگا اور والدین کی نافرمانی میں شمار ہوگا؟

الجواب (۱) بول چال بند کرنے سے ایلا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایلا کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ ۴ ماہ صحبت نہ کرنے کی حلف اٹھائے۔

فی العالمگیرۃ ۱۱۲۔ الایلاء منع النفس عن قربان المنکوحۃ منعاً مؤکداً بالیمن باللہ

ادغیرہ من طلاق مطلقاً ادموتاً باربعۃ اشھر۔

۲۔ میں نہیں رکھنا چاہتا اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

فی العالمگیرۃ ملا اذا قال لا اريدك ولا احبك ولا اشتريک ولا رغبۃ لی فیک فانه لا یقع وان نوى فی قول ابی حنیفۃ (کذا فی البحر الرائق)۔

۳۔ دیکھنا یہ چاہیئے کہ موجودہ بیوی اگر پریشان کن ہے کہ اس کے گھر میں ہونے سے مفسدہ دینی پیدا ہوتا ہے اور والدین کو بھی اس کے طلاق دینے میں چنداں تکلیف نہ ہوگی۔ اگرچہ طبعی تکلیف کچھ ہو اور خاوند سخت مجبور ہے۔ تو ایسی سخت مجبوری میں طلاق دے دینا والدین کی نافرمانی نہ ہوگی، گو اولیٰ پھر بھی یہی ہوگا کہ والدین کی اطاعت کرے اور طلاق نہ دے۔ اور اگر بیوی کے گھر میں ہونے سے کوئی خاص مفسدہ دینی نہیں ہوتا یا والدین کو بیوی کی طلاق سے بوجہ مخالفت برادری کے سخت تکلیف پہنچے گی اور پریشانی ہوگی تو ایسی صورت میں طلاق والدین کی نافرمانی میں داخل ہو کر گناہ کبیرہ بن جائے گی۔

کذا یفہم من التفصیل الواقع فی بہشتی گوھر ۱۴ ضمیمہ تعدیل حقوق الوالدین۔

مشورہ :- حدیث شریف میں آیا ہے کہ عورتیں بائیں پسلی سے پیدا ہوئیں اگر تم انہیں سیدھا کرنا

چاہو گے تو توڑ ڈالو گے اور فرمایا: فاستوصوا بالنساء خيراً — تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہو، اس لئے صبر کرنا بہتر ہے اور روایات میں آیا ہے کہ مبامات میں سے مغفوض ترین چیز طلاق ہے۔ اکابر سے سنا ہے کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی بیوی سخت بد خلق تھی مگر

اپنے صبر کرتے تھے —

فقط واللہ اعلم

بندہ عبد اللہ غفرلہ

الجواب صحیح

خادم الافکار خیر المدارس ملتان ۲۸ شعبان ۱۳۸۶ھ

خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

تیرا میرا معاملہ ختم نیت کے ساتھ طلاق بائنہ ہے۔

(استفتاء) میری عورت اور بندہ کے درمیان کئی وجوہات خاص کی بنا پر نا اتفاقی ہو گئی۔

۱۔ چونکہ ہمیشہ میری نافرمان رہی ہے اور مختار عورت ہے جتنا عرصہ بندہ کے گھر آباد رہی اپنی مرضی اور خود مختاری سے اپنے میکے چلی جاتی معمولی سی بات پر پندرہ بیس دن کے بعد یا مہینہ کے بعد اپنے میکے چلی جاتی اور پھر منانے پر واپس آ جاتی۔ بہر کیف ہر لحاظ سے یعنی بلحاظ دیانت و امانت اور عزت وغیرہ ایک خان عورت ثابت ہوئی پہلے بھی ایک جگہ سے مطلق ہو چکی ہے۔

۲۔ اب کچھ عرصہ سے وہ اپنی عادت کے موافق گھر سے بغیر اجازت خاوند کے روٹھ کر اپنے میکے پہنچ چکی ہے حالانکہ اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی ظلم اور تعدی نہیں ہوئی، گھر سے باہر دو فرلانگ کے فاصلہ پر اس کا خاوند اس کے پیچھے بھاگا اور اسے جا کر کہا کہ کس سے پوچھ کر جا رہی ہو۔ اور کس کے ساتھ جا رہی ہو؟ اکیلی کیوں جا رہی ہو کیا شریعت کا یہی حکم ہے! کہ تم بغیر اجازت میری گھر سے باہر نکل کر اکیلی دو، تین میل کے فاصلے پر چلی جاؤ۔ ان تمام باتوں کا جواب اس نے ایک ہی دیا کہ مجھے سفید گدے اور گھر مل جائیں گے اور ایسے مکانات بھی مل جائیں گے، چنانچہ یہ جواب سن کر بندہ نے جواب دیا کہ آج سے تیرا اور میرا معاملہ ختم، آج کا دن یاد رکھنا میں کبھی تمہارے پیچھے نہیں آؤں گا۔ چنانچہ عورت نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور اپنی گھڑی جو ہاتھ میں لے جا رہی تھی وہ قعر کے اندر کر لی اور بڑبڑ کرتی ہوئی تیزی سے قدم اٹھا کر آگے چلی گئی۔ بندہ واپس آ گیا۔ اب میری عورت طلاق طلب کر رہی ہے اور خرچہ بھی۔ کیا مذکورۃ الصدروا قعات کے ہوتے ہوئے جب خاوند کے ذمہ کسی قسم کا کوئی قصور نہ ہو تو کیا شرعی طور پر خاوند کے ذمہ عورت کا خرچہ ہو سکتا ہے یا نہ؟

الجواب جو عورت اپنے گھر سے بلا اجازت حاصل کئے نکل جاوے وہ ناشزہ ہے اور نان نفقہ کی استحقاق شرعاً نہیں۔ عالمگیری میں ہے: —

وان شترت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزلها والناشزة هي الخارجة عن منزل زوجها

المالعة نفسها منه۔ (الآخر ص ۱۳۳)

باقی رہا معاملہ طلاق۔ سو اس بارے میں آپ کے الفاظ (آج سے تیرا میرا معاملہ ختم) اگر ان میں آپ نے تیرے طلاق کی ہے تو طلاق بائنہ ہوگئی۔ ورنہ عورت کو آباد کرنے پر آمادگی ظاہر کریں اور طلاق دینا شرعاً لازم نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے: —

وفي الفتاوى لم يثبت بيني وبينك عمل وذوي يقع۔ (عالمگیریہ ص ۶۳) فقط والله اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ
خادم الافاء خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح
خیر محمد عفا اللہ عنہ

۲۴ شوال المحرم ۱۳۴۲ھ

بیماری کی حالت میں بیوی کو نقصان پہنچانے کے لئے طلاق دینا۔

۱۔ اگر کوئی بیماری کی حالت میں اپنی منکوحہ کو اس کے حقوق غضب کرنے کے لئے طلاق دے دے تو کیا یہ طلاق ہو جائے گی۔ —

۲۔ اس خاوند کے سرمایہ اور زمین میں اس کا حق بنتا ہے یا نہیں؟ —

الجواب الرجل اذا طلق امرأته طلاقاً رجعياً في حال صحته اذ في حال مرضه برضاها او بغير

رضاها خم مات وهي في العدة فاختصمتا توارثان بالاجماع وبعد اسطر. ولو طلقها طلاقاً

بائناً او ثلثاً فماتت وهي في العدة فكذلك عندنا ترث ولو انقضت عدتها ثم مات

لم ترث (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۵) — وفي التنوير فلو بائناً طالعا وهو كذلك

ومات بذلك السبب ودرشت ہی۔ (ص ۱۹ شامی)

اگر کوئی شخص مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے لیکن اس سے عورت کے استحقاق وراثت پر اثر نہیں پڑتا۔ جبکہ اس کے خاوند کی موت دوران عدت واقع ہو جائے۔

پس صورت مسئلہ میں اگر شخص مذکور نے بحالت مرض اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور دوران عدت مر گیا تو اس کی بیوی میراث کی حق دار ہے، خاوند کی اگر اولاد موجود ہے تو بیوی کو پہلے حصہ کل ترکہ سے ملے گا۔ جبکہ کوئی دوسری بیوی موجود نہ ہو جیسا کہ سوال بالا سے ظاہر ہے

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

خیر محمد عفی عنہ

۲۶ / ۶ / ۱۳۸۳ ھ

مُرتدہ کے سلام لانے کے بعد پہلے خاوند سے تجدید نکاح پر ایک اشکال کا جواب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی مسلمان عورت مذہب عیسائیت اختیار کر لے تو کیا از روئے شریعت اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا یا نہیں۔ کتاب اللہ و سنت نبویؐ اور احکام فقہ کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب یہ عورت بدستور خاوند سابق کے قبضہ میں رہے گی کسی دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں کیونکہ عورت کے مُرتدہ ہو جانے سے نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن جب تک تجدید سلام کر کے تجدید نکاح نہ

کرے اس وقت تک اس کے ساتھ جماع اور دوائی جماع جائز نہیں۔ (کذا فی الحیلة الناجزة ص ۱۱۹)

اس پر اشکال کیا گیا کہ مُرتدہ کا نکاح جب نہیں ٹوٹتا تو پھر تجدید نکاح کی کیا ضرورت ہے نکاح کی تجدید تو ایک دوسری بار نکاح ہے۔ دوسری بار جب ہو کہ پہلا نکاح فسخ ہو۔ پہلا نکاح اگر فسخ نہیں ہوا تو تجدید چہ معنی دارد۔ اگر نکاح میں تجدید درکار ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلا نکاح فسخ ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔

(۱) نکاح ٹوٹ جاتا ہے (۲) نکاح فسخ نہیں ہوتا بدستور سابق شوہر کے نکاح میں رہتی حسب قول مشائخ سمرقند و بلخ و بعض مشائخ۔ (۳) یہ عورت مُرتدہ اپنے خاوند کے پاس بحیثیت کینز رکھی جائے گی۔

ان تینوں اقوال میں اگرچہ کچھ فرق ہے لیکن اس بات میں تمام فقہاء متفق ہیں کہ عورت کو بنا بر ارتداد یہ حق نہ ہوگا کہ وہ اپنے پہلے خاوند سے علیحدہ ہو کر دوسری جگہ نکاح کرے کیونکہ اس سے باب ارتداد مفتوح ہوتا ہے جس کا انداد شرعاً ضروری ہے۔ اب ان تینوں اقوال میں سے ظاہر الروایۃ پر عمل کرنا ہے۔

ہمارے ملک میں جہاں انگریزی قانون رائج ہے مشکل ہے کیونکہ فسخ نکاح کے بعد کوئی قوت عورت کو دوبارہ تجدیدِ سلام پر مجبور کرنے والی نہیں، اس لئے مشائخِ بلخ کے قول پر فتویٰ ہے کہ نکاح نہیں ٹوٹا لیکن اس کے ساتھ ساتھ جماع اور دواعیٰ جماع کے لئے ظاہر الروایت پر نظر کرتے ہوئے تجدیدِ سلام اور تجدیدِ نکاح ضروری قرار دیا گیا۔ یوں سمجھیں کہ ہمارا فتویٰ روایاتِ اولیٰ اور روایاتِ دوم کی رعایت پر مبنی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ ۱۴/۱۱/۵۱

کُلِّ حَلَالٍ عَلَى حَرَامٍ سے طلاقِ بائنہ واقع ہوتی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہے کُلِّ حَلَالٍ عَلَى حَرَامٍ تو اس لفظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں ہوتی ہے تو کون سی؟

الجواب صورتِ مسئلہ میں اگر خاوند نے یہ الفاظ کہے ہیں تو اس سے طلاقِ بائنہ واقع ہوگی جس میں عدت کے اندر اور بعدِ رضامندی طرفین تجدیدِ نکاح ضروری ہے اور عورت بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کرنے کی بھی مجاز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

الجواب صحیح عبد اللہ غفرلہ ۳۰/۱۲/۵۱

خاوند کے شرکِ شبہ ظاہر کرنے پر عورت لعان کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندو بیس سال سے زید کے گھر آباد ہے، آٹھ بچے ہیں چھوٹے بچے کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال ہے۔ دونوں خاندانوں کے اختلاف کافی عرصہ سے چلے آ رہے ہیں۔ اپنے بھائیوں کے بہکاوے میں آکر ہندو طلاق حاصل کرنے اور بچوں سے محروم کرنے کے لئے دعویٰ پیش کرتی ہے کہ خاوند مجھ پر کافی عرصہ سے الزام لگاتا رہا ہے اور بچوں کے نسب پر شک شبہ کرتا ہے خاوند کہتا ہے کہ عورت بالکل جھوٹ بول رہی ہے نہ میں نے کبھی الزام لگایا ہے اور نہ بچوں کے نسب پر شک شبہ کیا ہے کیونکہ مجھے بچوں سے گہری محبت ہے اور بچوں کی تعلیم و تربیت دل لگی سے کر رہا ہوں۔ آیا ان صورتوں میں مرد کا قول معتبر ہے یا عورت کا نیز خاوند کے اظہارِ شک کی بنا پر عورت لعان کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب لعان اس وقت ہوگا جب کہ خاوند بیوی پر صراحتہً زنا کی تہمت لگائے یا ان بچوں کے

نسب کی نفی کرے صرف بلا وجہ شک و شبہ سے جائز نہیں، اگر خاوند نہمت کا اقرار نہ کرے اور عورت کے پاس گواہ بھی نہ ہوں تو محض عورت کے مطالبہ پر لعان نہ ہوگا۔

اونفی نسب الولد وصالبتہ بہ لا عن (در مختار ج ۵۸۶) ای ان اذ بقذفہ او ثبت قذفہ

بالبنیة فلو انکر ولا بینة لھا العیستخلف و سقط اللعان۔ (در مختار علی ہاشم الشامیہ ج ۵۸۷)

واضح رہے کہ لعان کے لئے قاضی کا ہونا شرط ہے۔

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفی عنہ

خاوند نے تین طلاق کو نکاح پر معلق کیا، لڑکی والے کہتے ہیں ہم اہل حدیث ہیں اس تعلیق کا کوئی اعتبار نہیں تو نکاح کرے یا نہ؟

گزارش ہے کہ زید کی منگنی اپنے تایا زاد بھائی کی لڑکی سے طے ہوئی تھی کچھ عرصہ آپس میں کشیدگی کی وجہ سے زید نے یہ لفظ کہے کہ اگر میں اس لڑکی سے شادی کروں تو اس کو تین طلاق اور یہ بھی کہا کہ اگر میں زندگی میں بے مرتبہ اس لڑکی سے شادی کروں تو اس کو تین طلاق۔ زید نے جب یہ لفظ کہے اپنی زبان سے تو اس وقت کوئی آدمی وہاں موجود نہیں تھا اس کے بعد زید نے اپنے والدین سے کہا کہ میں یہاں شادی نہیں کروں گا کیونکہ میرے تایا زاد بھائی اہل حدیث ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان نظریہ کا اختلاف ہے اور میں نے یہ لفظ کہہ دیئے ہیں جو اوپر بتا چکا ہوں اس پر زید کو اس کے والدین نے اسے گھر سے نکال دیا اور کہا کہ جہاں ہم نے تمہارا رشتہ کرنا تھا کر دیا ہے اگر تم کو یہ رشتہ منظور نہیں تو تم سے زندگی بھر کوئی واسطہ نہیں، اب زید عرصہ دراز سے گھر سے باہر ہے اور زید کے والدین اور تایا زاد بھائی کے درمیان تعلقات بہت کشیدہ ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے زید کا رشتہ ہے۔

دریں اثنا وہ لڑکی جس کا رشتہ زید سے ہونا قرار پایا تھا کہتی ہے کہ میرا رشتہ زید کے ساتھ ہی ہو اگر ایسا نہیں ہوتا تو میں ساری عمر کسی اور جگہ شادی نہیں کروں گی اس پر لڑکی کے والدین نے اپنی لڑکی سے کہا کہ ان حالات میں ہم تمہاری شادی زید کے ساتھ کیسے کر سکتے ہیں جبکہ وہ ایک مرتبہ اپنے مسلک کے سخت انکار کر چکا ہے۔ اب اس لڑکی کے والدین نے شادی کے بارے میں پھر سلسلہ جنابی شروع کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اگر ہماری لڑکی کے ساتھ زید کی شادی نہ ہوئی تو ساری عمر کے لئے تعلقات منقطع کر دیئے جائیں گے۔ زید ان

سب حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس لڑکی سے شادی کیلئے رضا و رغبت تیار ہے۔ کیا اس مسئلہ میں کوئی شکل نکل سکتی ہے۔
(ظہور و ایچ ہاؤس - انارکلی لاہور)

الجواب صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ زید مذکور جب بھی اس لڑکی سے شادی کریگا تو وہ فوراً بسہ طلاق حرام بجرمت مغلظہ ہو جائے گی پس صورت مسئلہ میں زید مذکور کے اس کہنے (اگر میں بے مرتبہ اس لڑکی سے شادی کروں اس کو تین طلاق) سے لڑکی مذکورہ سے نکاح کرنے کی گنجائش نہیں ہے ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ لڑکے کا نکاح اس جگہ نہ کیا جائے۔ (بندہ محمد اسحاق غفرلہ)

لڑکی اور لڑکے والدین کو احتیاط کرنی لازم ہے اگرچہ لڑکی کے والدین اہل حدیث ہیں مگر انہیں بھی احتیاط پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ لڑکی کا اصرار بے جا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دو فریقین کو اچھا موقع مہیا کریں گے۔

اور اس وجہ سے اپنے خاندانی تعلقات کو منقطع کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دے۔ آمین۔ والجواب صحیح۔ عبد اللہ غفرلہ

مفتی خیر المدارس ملتان ۲۸/۸/۱۴

میں بیوی سے کبھی رجوع یعنی تعلق نہیں رکھوں گا ایلا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ محمد اسلم اور سلمیٰ میاں بیوی ہیں سلمیٰ (بیوی) محمد اسلم خاوند سے ناراض ہو کر میکے چلی گئی۔ ناراضگی بڑھ گئی۔ تعلقات زیادہ کشیدہ ہو گئے۔ چار ماہ دس دن قبل یعنی یکم اگست ۱۹۷۱ء کو محمد اسلم نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی کہ اب وہ اپنی بیوی (سلمیٰ) سے رجوع نہیں کرے گا۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے متعلق شرعی احکام واضح کریں۔ نیز فتویٰ بھی تحریر کریں۔

۱۔ کیا اس قسم کی وجہ سے اسلم کی بیوی (سلمیٰ) کو طلاق ہو گئی ہے یا نہیں؟
۲۔ طلاق کی صورت میں کس تائید کو طلاق ہوئی؟ کیا وہ طلاق بائن ہوئی یا رجعی؟ ایک طلاق ہوئی یا دو، یا تین۔

۳۔ کیا میاں بیوی کے درمیان ہمیشہ کے لئے رشتہ ٹوٹ گیا۔

۴۔ مہر کے متعلق کیا ارشاد ہے جبکہ ابھی تک خاوند کے ذمہ مہر کی قسم واجب الادا ہے۔

۵۔ نکاح ثانی سے اسلم اور سلمیٰ کا دوبارہ رشتہ ازدواج قائم ہو سکتا ہے یا نہیں۔

۶۔ اگر میاں بیوی اب دوبارہ صلح کرنا چاہیں تو کیا شرعی طریقہ اختیار کریں جبکہ آج مورخہ دس دسمبر ۱۹۶۷ء کو قسم اٹھائے ہوئے پورے چار ماہ اور دس دن گزر چکے ہیں۔ بیٹنوا تو جبروا۔

الجواب

وفی الدرر من الکناية لا امسک۔ لا اتیک لا اقرب فراشک۔ لا ادخل علیک۔ روایات بالا سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ وہ اپنی بیوی سلمیٰ رجوع نہیں کرے گا۔ ایسا ہے۔ پس جب اس کہنے کے بعد چار ماہ گزر چکے ہیں تو اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو گئی ہے جس کا حکم یہ ہے کہ زوجین کی رضامندی سے دوبارہ تجدید نکاح درست ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں ہے اور یہ عورت بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحق عفر لہ

نائب مفتی خیر المدارس (ملتان)

خاوند سے دھوکہ سے خلع کے لفظ کہلوائے تو بھی خلع ہو جائے گا۔

ایک عورت خالہ نے اپنے خاوند سے کہا کہ میری منٹھی میں جو کچھ ہے اس کے عوض میں مجھ سے خلع کر لے جبکہ عورت نے اس کو یہ بھی کہا کہ خلع کا معنی صلح ہے اور خاوند خلع کے معنی سے ناواقف ہے جبکہ گھر بڑا کشیدگی کی وجہ سے عورت اور اس کے والدین نے کئی بار خاوند کو کہا کہ اس کی جان چھوڑ دے لیکن خاوند بار بار انکار کرتا رہا ہے اس کے بعد عورت نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ میری منٹھی میں جو کچھ ہے اس کے عوض مجھ سے خلع خاوند نے جواباً تین بار یہ جملہ کہا کہ جو کچھ تیری منٹھی میں ہے اس کے بدلے میں میں نے تجھ سے خلع کیا۔ اس مجلس میں عورت نے جواباً کہا کہ مجھے متبول ہے، خاوند فوراً سمجھ گیا کہ اس نے مجھ سے کوئی طلاق کے الفاظ کہلوائے ہیں جس کی وجہ سے اس نے کہا کہ میں نے صلح کا لفظ کہا ہے خلع کا نہیں کہا ہاں لاکھ خاوند نے گواہوں کے روبرو عورت کے کہنے پر جواباً تین بار خلع کا لفظ کہا ہے آیا اس صورت میں خلع واقع ہوگی یا نہیں یعنی خلع کی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

الجواب

صورت مسئلہ میں منہات خالہ مطلقہ ہو چکی ہے، عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنے کی شرعاً مجاز ہے الفاظ صریح میں نیت کی حاجت نہیں اور ایسے ہی جہالت بھی عذر نہیں۔ کس روپے بدل خلع بن سکتے ہیں۔ درمنا میں ہے: لا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق بما یصلح لہم ربخو عکس

کلی لصحة الخلع بدون العشرة وبما فی یدھا۔ (الشامیۃ ص ۶۲۲)

الجواب صحیح

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

ظہار کے لئے حرف تشبیہ کا اظہار ضروری ہے !

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی بیوی کو بلا تشبیہ کسی عضو کے مطلق کہا ہے کہ تو میری مال بہن ہے۔ کیا بغیر تشبیہ کے ظہار پڑ جاتا ہے یا کہ نہیں۔ ثانیاً اگر مطلق الفاظ میں طلاق کی نیت ہو، تو طلاق وغیرہ پڑتی ہے یا نہیں؟ بعض کُتب فقہ میں مطلق مال بہن کہنے کے الفاظ کو لغو قرار دیا ہے لکھا ہے۔ جب تک تشبیہ نہ دی جائے ظہار نہیں بنتا اور حدیث پاک میں الفاظ مطلق ہیں تشبیہ کا ذکر نہیں ہے بعض ان الفاظ کو دیکھ کر فقہ کے حوالے کو نہیں ملتے، سلی بخش جواب مطلوب ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب ظہار بننے کے لئے حرف تشبیہ کی تصریح ضروری ہے۔ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے محقق ابن ہمامؒ سے نقل کیا ہے۔ ایک طویل اقتباس کے اخیر میں ہے۔ فعلہ اندہ لا بد فی کونہ ظہاراً من التصریح بأداة التشبیہ شرعاً۔ (شامی ص ۹۳) پس تو میری مال بہن ہے کہنے سے ظہار نہیں ہوگا۔

كما فی الشامیة ناقلاً عن الفتح وفی انتہی لا یكون مظاهراً ویبغی ان یكون مكرهًا

(۹۳/ کذا فی البحر ص ۱۰۰ والہندیۃ ص ۱۲۲) —

فتح القدیر البحر الرائق النہر الفائق فتاویٰ عالمگیری وغیرہ کُتب میں انتہی کا حکم صرف کراہت لکھا گیا ہے اور نیت وعدم نیت کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی۔ اور درمختار میں اس کلمہ کو لغو قرار دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نیت وعدم نیت دونوں صورتوں میں اس کا حکم کراہت ہے۔ ظہار وغیرہ کچھ نہیں۔

پس یہ کلمہ اگر بنیت ظہار بھی کہے گا۔ تب بھی ظہار نہیں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سنا کہ اپنی بیوی کو یا اخیلۃ کہہ کر پکار رہا ہے آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔ اور ایسا کہنے سے وک دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص مذکور سے نہ نیت وعدم نیت دریافت فرمائی۔ نہ ظہار و طلاق وغیرہ کا حکم فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کہنا مکروہ اور لغو ہے۔ كما فی الفتح —

پس اس حدیث سے فقہ کے مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔ آپ کے پیش نظر شاید کوئی حدیث ہے

جو اس جرئت کے خلاف ہو۔

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

۱۰/۲۲ / ۱۳۸۶ھ

فقط واللہ اعلم ،
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
نائب مفتی خیر المدارس ملتان

اگر میں نے صبح تم کو طلاق نہ دی تو تم کو عمر طلاق۔

ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی عورت سے کہا کہ اگر میں نے تجھ کو کل صبح طلاق نہ دی تو پھر تجھے عمر طلاق ہوگی اور صبح کو اس نے طلاق نہیں دی تو اب شرع شریف میں اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

الجواب صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ شخص مذکور کی عورت پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی جس کا حکم یہ ہے عدت کے اندر اور بعد زوجین کی رضامندی سے تجدید نکاح درست ہے۔ محض رجوع کرنا کافی نہیں ہے اور تجدید نکاح کے لئے طلاق کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

كما في العالم كبرية ٢٤ اذا قال انت طالق مثل عدد كذا الشيء لا عدد له كالشمس والعمر وما اشبه ذلك فهي واحدة بائنة عند أبي حنيفة - فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ
مفتی جامعہ خیر المدارس ملتانالجواب صحیح
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

ایک، دو، تین جا تو مجھ سے خلاص ہے،

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا ایک، دو، تین جا تو مجھ سے خلاص ہے، جواب اس مولوی گل صنم صاحب اس کی عورت پر صرف ایک طلاق بائن پڑی کیونکہ پہلے الفاظ میں نسبت نہیں ہے بغیر اضافت کے طلاق واقع نہیں ہوتی اور دوسرے جملہ سے ایک بائن واقع ہوئی۔ جواب از مولوی محمد یوسف صاحب، یہ عورت مغفلہ ہوگئی کیونکہ ایک دو تین کا موصوف طلاق ہے نسبت معنوی موجود ہے اور یہ کافی ہے اور تو خلاص ہے یہ قرینہ ہے اضافت کا اس میں کس کا جواب صحیح ہے۔

الجواب دوسرا جواب جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا تحریر کردہ ہے صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ

مطلقة ثلاث کو بطوبیوی رکھنے والے کے ساتھ قطع تعلق واجب ہے۔

ایک شخص نے اپنی عورت مدخولہ کو طلاق مغلظہ دی جس پر عرصہ دو سال کا ہوا ہے کہ پھر اس مطلقہ سے ایک بچہ تھا وہ اور طالق دونوں مطلقہ مغلظہ کو لے آئے اور طالق بغیر حلالہ کے اُسے زوجین والے حساب سے استعمال کر رہا ہے، اب صریح زنا کر رہا ہے، کئی مسلمان حنفی شاہد ہیں اس پر بس صرف ایک مکان ہے اکیلے جس میں رہتے ہیں اب مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ مطلقہ اس مکان میں نہیں رہ سکتی، کسی دوسرے مکان میں چلی جاوے تو بیکہ حدیث التقومواضع التہو بر عمل کرنے کا حکم فرمایا گیا طالق اب بچہ کو ہمراہ کر کے عورت مطلقہ مغلظہ کے ساتھ تعلقاً جاری کر رہا ہے تو اس کے ساتھ کیا برتاؤ شرعاً کیا جاوے اس کو نماز میں شریک ہونے دیں جو کہ صرف نماز جنازہ رسم کے طور پر پڑھتا ہے، باقی نماز فرض ادا نہیں کرتا، آیا اس کو نماز جنازہ وغیرہ میں کس حد تک رکھ سکتے ہیں؟ وہ شخص تو بے کر لیتا ہے اور عورت کو باہر نکال دیتا ہے۔ ہفتہ کے بعد پھر وہیں آجاتا ہے اور بخوشی اس کو ایک مہینہ رکھا پھر چلی گئی۔ ہفتہ کے بعد پھر آگئی اس کی تو بے بھی ایسی ہے ایک مہینہ میں چار دفعہ ایسا کرتا ہے حلال کو حرام سمجھتا ہے اور اسے استعمال کرنا روا سمجھتا ہے حلالہ نہیں کرواتا، اگر اس کا بچہ اس کو رکھے تو اس مکان طالق والے سے کتنا دور ہونا ضروری ہے تاکہ ملاقات وغیرہ کا مسئلہ نہ آجاوے۔ قرآن و حدیث کا صاف انکاری ہے۔

الجواب صورت مسئلہ میں اگر یہ عورت واقعی مطلقہ مغلظہ ہے تو ایسے شخص مذکور کے ساتھ رہنا ہرگز ہرگز درست نہیں باوجود فہمائش کے اگر یہ شخص اس عورت سے کامل علیحدگی اختیار نہ کرے تو اس سے قطع تعلقات کرنا ضروری ہے۔ اہل اسلام اسے اپنے بیاہ و شادی وغیرہ میں شریک نہ ہونے دیں۔ لڑکا اگر چاہے تو اپنی والدہ کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ الگ مکان میں جہاں اس کے والد کی رہائش نہ ہو مکان کے فاصلہ کا اعتبار نہیں شخص مذکور اور مطلقہ میں کامل علیحدگی ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ
نائب مفتی جامعہ خیر المدارس
ملتان شہر

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
مفتی خیر المدارس ملتان ۱۲/۸/۲۰۱۸

”اگر یہ خط تمہارے پاس پہنچے تو طلاق“ اور خط نہیں بھیجا۔

زید نے بیوی کو لکھا ”اگر یہ خط تیرے پاس پہنچنے کے بعد ایک ہفتہ کے اندر اندر تم میکہ سے سسرال واپس نہ آئیں تو تین طلاق“ لیکن نہ یہ خط مکتوب الیہا کو بھیجا نہ کسی کو علم ہوا بلکہ کئی سال تک چھپائے رکھا اب اس خط کا انکشاف ہوا ہے۔ واضح رہے کہ بیوی سسرال نہیں گئی تو کیا طلاق ہو گئی؟

الجواب مذکورہ تحریر جب تک مکتوب الیہا کو نہیں پہنچے گی مؤثر نہیں ہوگی۔

وان علق طلاقہا بجی الکتاب بان کتبہ اذا جاءک کتابی هذا فانته
طالق فمالم یجی الیہا الکتاب لا یقع کذا فی (فتاویٰ قاضی خان (عالیٰ بی بی ج ۲۸)

فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفی عنہ

کسی مصلحت کے تحت طلاق کی جھوٹی خبر دینے کا حکم :

زید نے اپنے بھائی سے کہا کہ میں اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے چکا ہوں، فلاں رات شاید سو دفعہ طلاق کا لفظ کہہ چکا ہوں اور اس قسم کی اطلاع زبانی اور تحریری طور پر زید نے دوسرے بھائی اور والد کو بھیج دی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اب زید کہتا ہے کہ میرا یہ بیان غلط تھا۔ میں نے جھوٹ ہی کہا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے اب تک ایک دفعہ بھی طلاق کا لفظ زبان سے نہیں نکالا اور نہ ہی طلاق دی۔ مزید کہتا ہے کہ میری سابقہ غلط بیانی کا پس منظر یہ ہے کہ والد صاحب نے میری مرضی کے خلاف ہندہ کو اس کے والدین کے گھر بھیج دیا تھا۔ اس سے ناراض ہو کر میں نے اپنی بیوی ہندہ کو لکھا کہ تمہارا میری اجازت کے بغیر چلے جانا تمہاری آزادی پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا میں تمہیں مکمل آزادی دیتا ہوں۔ اس تحریر سے یہ شہرت ہو گئی کہ میں نے والد صاحب

سے ناراض ہو کر ہندہ کو طلاق دے دی ہے کہ والد صاحب نے ہندہ کو میکے کیوں بھیجا ہے۔ زید کہتا ہے کہ میں اپنی سابقہ غلط بیانی سے ایسا کہنے والوں کو اور والد صاحب کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے، والد صاحب کے فعل سے ناراض ہو کر نہیں کیا۔ تحریر بیوی کو بھی بعد میں بھیجی گئی۔ لیکن یہ تحریر غیر مؤثر اور لغو ہے، کیونکہ طلاق تو پہلے میں ایک رات دے چکا تھا اور شاید سو دفعہ طلاق کا لفظ کہا ہو اور اس رات ہندہ کے بھائی سے جھگڑا ہو گیا تھا جس سے ناراض ہو کر میں نے رات کو طلاق دے دی تھی۔ الغرض یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ میں نے جو کچھ کیا ہے یہ والد صاحب کے فعل سے ناراض ہو کر نہیں کیا بلکہ جو کچھ ہونا تھا وہ پہلے ہو چکا تھا اور اس کا سبب ہندہ کے بھائی کے ساتھ جھگڑا تھا۔ اب قابل دریافت یہ امر ہے کہ زید کی بیوی پر طلاق ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کونسی؟

الجواب :

فی الشامیۃ ص ۵۸۱ / ج ۲ اماما فی اکراہ (الخانیۃ) لو اکرہ ان یقر بالطلاق فافر لا یقع کما اذا قر بالطلاق ہازلّا او کاذبًا فقال فی البحر ان مراده بعدم الوقوع فی المشبہ بہ عدمہ دیانۃ الخ۔ نقل عن البزازیۃ والقنیۃ لو اراد بہ الخبر عن الماضی کذبًا لا یقع دیانۃ وان اشہد قبل ذلک لا یقع قضاءً ایضاً

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر زید نے واقعی یہ خبر (کہ فلاں رات سو دفعہ طلاق کہہ چکا ہوں) اپنے بھائیوں اور والد کو جھوٹ موٹ دی تھی تو دیانتاً یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ لیکن اگر یہ معاملہ حاکم یا عدالت تک پہنچا تو فیصلہ وقوع طلاق کا کیا جائے گا اور حکم بھی طلاق مغلظہ ہونے کا دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر زید کی بیوی کو اس واقعہ کا علم ہو گیا تو اس کے لئے اس کے شوہر کے پاس رہنا جائز نہیں ہوگا۔

لان المرأة كالقاضي قال في الشامية (ص ۵۹۳ ج ۲) والمرأة كالقاضي اذا سمعته او اخبرها عدل لا يحل لها تمكينه وايضا في العالمگیریة (ص ۳۹ ج ۲) المرأة كالقاضي لا يحل لها ان تمکنه اذا سمعت منه ذلك او شهد به شاهد عدل عندها۔

البتہ زید کا اپنی بیوی کو خط لکھنا (کہ تمہارا میری اجازت کے بغیر چلے جانا تمہاری آزادی پر دلالت کرتا ہے، لہذا میں تمہیں مکمل آزادی دیتا ہوں) ”مکمل آزادی دیتا ہوں“ یہاں کے عرف میں طلاق کے معنی میں مستعمل ہے۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاویٰ (ص ۳۷۰ ج ۲) میں آزادی کو طلاق صریح رجعی فرمایا ہے، مگر خط میں چونکہ مکمل آزادی کا لفظ ہے جو بدوں طلاق بائنہ کے حاصل نہیں ہوتی، لہذا خط کی تحریر سے زید کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی، جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر یا بعد میں زوجین میں تجدید نکاح درست ہوگی اور تجدید نکاح کے بغیر زید کے لئے اپنی بیوی ہندہ کو گھر رکھنا جائز نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

اگر طلاق دہندہ کو معلوم ہو کہ بدوں اضافت طلاق نہیں ہوتی اور مدعی ہو کہ میں نے اسی لئے بلا اضافت کہی تھی تاکہ طلاق نہ ہو :

جناب عالی! قصہ اس طرح شروع ہوا کہ میرے خاوند کچھ دوا لے کر آئے تھے اور پلانے کے بعد کہا کہ دیکھ تیرے بھائی نے میری لڑکی کو گالیاں دی ہیں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ اس پر میں نے کہا غلط ہے، لڑکی نے جھوٹ کہا ہے۔ وہ لڑکی کو گالیاں نہیں

دے سکتا۔ وہ آئیں گے تو پوچھ لینا۔ تھوڑی دیر بعد بھائی آگئے۔ تو انہوں نے پوچھا تو بھائی نے کہا کہ میں نے لڑکی کو اس طرح نہیں کہا، تو ان میں تھوڑی دیر بعد ہاتھ پائی ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے مجھے کہا کہ تم اب چلو میں ابھی کار لاتا ہوں۔ میں نے کہا اچھا۔ لیکن دیگر لوگوں نے کہا کہ دیکھو چار دن کا بچہ ہے (اور عورت زچہ ہے) جانا ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے کہا وہ غصہ میں ہیں، پھر ان کو سمجھاؤ۔ وہ اتنے میں کار لے کر آگئے۔ اور کہا کہ چلو۔ لیکن دیگر لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ اچھا نہیں ہے اور میں خاموش رہی کہ اچھا چلتی ہوں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ اچھا اگر تم ایسے کہتی ہو (یعنی کہتی ہو کہ طلاق دینا جرم ہے وغیرہ سائلہ کا زبانی بیان) تو میں کہتا ہوں ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق اور چلے گئے۔ اور عورت زچگی میں اس وقت چار دن سے تھی۔ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟

نوٹ : بعد میں خاوند کا خط آیا جس کے الفاظ یہ ہیں کہ میں طلاق دے کر نہیں آیا، میرے الفاظ صرف یہ تھے جو میں نے کہے تھے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق۔ یہ تو نہیں کہا کہ کیسے طلاق اور کس کو طلاق۔ یہ میں نے سوچ لیا تھا۔ مسئلہ کے متعلق مجھے پتہ تھا کہ اس طرح طلاق نہیں ہوتی۔ الخ۔

الجواب :

بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئلہ میں اگر شخص مذکور کو واقعی یہ مسئلہ معلوم تھا کہ جب تک طلاق کی اضافت عورت کی طرف نہ کی جائے اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوتی اور مسئلہ مذکور کو ملحوظ رکھتے ہوئے شخص مذکور نے اپنی عورت کی طرف نسبت کئے بغیر ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق کہا تو پھر اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبد اللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

ماں بہن کے برابر کہنے سے طلاق کی نیت کرنا :

ایک شخص اپنی زوجہ کو میکے جانے سے روکتا ہے۔ اگر میکے گئی تو ناک کاٹوں گا۔ اگر رکھوں تو میری بہن ہے۔ اس کے بعد یہ الفاظ تحریر کئے: اقرار کرتا ہوں کہ یہ آئندہ کے لئے میری ماں بہن کی طرح برابر ہے۔ اس کاغذ کے عنوان میں شروع میں طلاق نامہ لکھا ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ یہ رسیدگی طلاق نامہ ہے۔

نوٹ : ماں بہن کے الفاظ کہے ہوئے سال ہو چکا ہے، اور طلاق نامہ دیئے ہوئے ایک ماہ ہوا ہے۔ کیا ایسے الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے، اور کیا دوسری جگہ نکاح کرنا درست ہے؟

الجواب :

وفی الدر وان نوی بابت علی مثل امی او کامی و کذا لو حذف علی خانیة برأ او ظہار او طلاقاً صحت نیتہ وقع مانواہ لانہ کنایۃ وفی الشامیۃ علی قول الدر (لانہ کنایۃ) ای من کنایات الظہار والطلاق قال فی البحر واذانوی بہ الطلاق کان بائنا کلفظ الحرام (ص ۷۹۴ ج ۲)۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور کے اس کلمہ سے (کہ یہ میری بیوی بہن کے برابر ہے) ایک طلاق بائن ہو گئی۔ حکم اس کا یہ ہے کہ طرفین کی رضامندی سے تجدید نکاح درست ہے۔ اور عدت کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ اور یہ اس وقت سے مطلقہ تصور ہوگی جب سے اس کے خاوند نے تحریری طلاق نامہ دیا ہے۔

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

عبداللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس ملتان

حلالہ کے لئے التقاء ختائین کافی ہے، انزال ضروری نہیں :

(۱) حلالہ کرنے کے لئے جب دوسرے شخص سے عورت کا نکاح کر دیا اور دوسرا اس سے صحبت بھی کر لے تو اس صحبت میں تکمیل شہوت یعنی انزال بھی ضروری ہے، یا صرف ایلاج کافی ہے۔ کیا صرف ایلاج کے بعد اگر دوسرا شخص طلاق دیدے تو سابق خاوند کے لئے بعد از عدت عورت مذکورہ حلال ہوگی؟

(۲) حدیث میں جو محلل اور محللہ پر لعنت آئی ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ تحلیل کا فعل جس صورت میں بھی پایا جاوے موجب لعنت ہے یا یہ موجب لعنت اس وقت ہے جب بوقت نکاح دوسرے شخص سے یہ وعدہ لیا جاوے کہ تم بعد میں طلاق دو گے۔ اگر محلل اور محللہ کے ارادے میں تو یہی ہے کہ عورت سابق خاوند کے لئے حلال ہو جاوے، لیکن بوقت نکاح اس کا کوئی تذکرہ نہ کیا جاوے تو حدیث بالا کے بموجب پھر بھی یہ فعل موجب لعنت ہے؟

الجواب :

(۱) صرف ایلاج کافی ہے، انزال ضروری نہیں۔ ویشترط ان یکون الایلاج موجبا للغسل وهو التقاء الختائین هکذا فی العینی شرح الكنز اما الانزال فلیس بشرط للاحلال (عالمگیری ص ۳۷۳ ج ۱)

(۲) محلل پر لعنت تب ہے کہ وہ اس پر اجرت لے کر آمادہ ہو۔ اگر اس کی نیت اصلاح کی ہے تو پھر اگرچہ اس سے وعدہ بھی لیا گیا ہو تب بھی موجب لعن نہ ہوگا۔

اما اذا اضمردک لا یکره وکان الرجل مأجورا لقصد الاصلاح وتأویل اللعن اذا شرط الاجر ذکره البزازی (شامیہ ص ۵۸۷ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

ہزلاً لکھی گئی طلاق واقع نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے پہلے نکاح کیا ہوا تھا اور اس نکاح کی اہلیہ بھی زندہ تھی کہ میں نے دوسری جگہ اور نکاح بھی کر لیا۔ تو اہلیہ اول میرے اس ثانی نکاح سے ناراض ہوئی اور مجھے کہنے لگی کہ اپنے بال بچے سنبھال، میں جاتی ہوں، کیوں تم نے نکاح ثانی کیا۔ ادھر میں نے حج کی درخواست دے رکھی تھی۔ حسن اتفاق سے وہ بھی منظور ہو گئی۔ تو جیسے میرے حج پر جانے کے دن قریب آنے لگے، اہلیہ اول کا تقاضا زیادہ اصرار سے سامنے آنے لگا۔ تو میں نے خیال کیا کہ زیارت بیت اللہ کا موقع کہاں ہر دن نصیب ہوتا ہے۔ لہذا اس کے لئے جانا ضروری ہے۔ باقی رہا اہلیہ اولیٰ کا معاملہ تو اس کا کسی کے کہنے کے موجب یہ تدبیر و علاج کیا گیا کہ یہ راضی بھی ہو جائے اور کام بھی بن جائے۔ تو میں نے محرر طلاق سے جا کر کہا کہ میں اپنی ثانی اہلیہ کو حقیقتاً ہرگز طلاق نہیں دینا چاہتا۔ فقط اہلیہ اولیٰ کو راضی کرنے کے لئے طلاق لکھوانا چاہتا ہوں۔ تو محرر موصوف نے مجھے دوبارہ کہا کہ واقعی طلاق نہیں دینا چاہتے، محض اہلیہ اولیٰ کو راضی کرنے کے لئے لکھوانا چاہتے ہو؟ میں نے کہا ہاں، ایسا ہی کرنا مطلوب ہے، نہ کہ حقیقی طلاق علیٰ ہذا۔ اس نے تین دفعہ مجھ سے پوچھ کر پھر مجھے اپنے پاس سے ہٹا دیا اور دوسرے شخص کو بلا کر اس سے پوچھ کر کہ طلاق کس نے دینی ہے، کس کو دینی ہے تو اس ثانی شخص نے میرا نام لے کر کہا کہ اس نے فلاں کو طلاق دینی ہے۔ تو محرر نے ایک طلاق لکھ کر اسی ثانی شخص کا انگوٹھا اس پر ثبت کرا کر مجھے دیدیا۔ میں نے پہلی اہلیہ کو جا کر پکڑا دی کہ دیکھ اسے پڑھا لے۔ وہ پڑھا کر راضی ہو گئی۔ بس میں بغیر خوف کے حج پر چلا گیا۔ اب واپسی ہے تو چونکہ ہمارا خیال ہے کہ یہ چونکہ حقیقی طلاق ہی نہ تھی، لہذا میں اپنی اہلیہ ثانی کو اپنی بیوی تصور کر کے طلاق کو واپس کرنا چاہتا ہوں۔ تو اس بارے میں میرے لئے کیا شرعی حکم ہے؟

الجواب :

ہزل و اکراہ ایک باب سے ہیں : کما نقل الشامیٰ وفی التلویح و کما انه یبطل الاقرار بالطلاق والعتاق مکرہا کذا لک یبطل الاقرار بهما ہازللاً لان الهزل دلیل الکذب کالاکراہ الخ (ص ۵۷۲ ج ۲) اور اکراہ میں صرف کتابت سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ پس ہزل میں بھی بشرط ثبوت ہزل کتابت طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور شامی کے ایک جزئیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ بدون نیت کے کتابت طلاق سے دیانتاً طلاق نہیں ہوتی۔ ولا یحتاج الی النیۃ فی المستبین المرسوم ولا یصدق فی القضاء انه عنی تجربة الخط بحر۔ و مفومہ انه یصدق دیانتاً فی المرسوم رحمتی (شامی ص ۵۸۹)

اور صورت مسئلہ میں سائل نے کاتب کو طلاق ہزل لکھنے کا حکم کیا۔ یعنی اس سے اس کی خواہش ظاہر کی تو اگر سائل خود طلاق ہزل لکھتا تو واقع نہ ہوتی دیانتاً کما مر۔ پس اس کے وکیل کاتب کے لکھنے سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عبداللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس ملتان

۵۸۱/۵/۲۹

خاوند نے قسم کھائی کہ میں سسرال نہیں آؤں گا، اور چار ماہ تک نہ آیا تو یہ ایلاء نہیں بنے گا :

زید نے بیوی سے کہا اگر اب تو میرے ساتھ نہ گئی تو میں پھر کبھی بھی یہاں نہیں آؤں گا۔ بیوی نے کہا کہ قسم کھا کہ پھر نہیں آئے گا۔ میں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اگر

تو اب میرے ساتھ نہ گئی تو میں پھر کبھی بھی یہاں نہیں آؤں گا۔ آخر کار ساس نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے کہا کہ اب بیوی کو لے جانا۔ دوسرے دن واپسی کا پروگرام بنا۔ اچانک میرے برادر نسبتی نے بلاوجہ مجھ سے جھگڑا کیا۔ اس نے میری بیوی کو روک لیا اور میں واپس آ گیا۔ دو مہینے کے بعد سسرال نے مجھے واپس بلایا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہماری لڑکی کو طلاق دیدو۔ میں نے چھ مہینے کی مہلت مانگی اور واپس چلا آیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ سسرال والوں نے مشہور کر دیا ہے کہ ہماری لڑکی کو طلاق واقع ہو گئی ہے۔ کیونکہ آج سے چار مہینے پہلے اس نے قسم کھائی تھی کہ میں نہیں آؤں گا۔ اور اس نے چار مہینوں کے اندر اندر رجوع نہیں کیا۔ کیا واقعی طلاق ہو گئی ہے؟

الجواب:

صورت مسئلہ میں سائل کے قسم کھانے سے ایلاء شرعی متحقق نہیں ہوا، کیونکہ مولیٰ وہ ہوتا ہے جسے وطی کرنے پر جزاء لازم آئے۔ فی الدر المختار والمولیٰ هو الذی لا یمکنہ قربان امرأته الا بشئ مشق یلزمہ اھ (شامیہ ص ۵۹۲ ج ۲)

اور سائل اگر قسم مذکور کھانے کے بعد بیوی سے مجامعت کرتا تو کچھ لازم نہ آتا، کیونکہ حاث نہ ہوا۔ اس لئے کہ اس نے فی الحال قسم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ نیز ”کبھی یہاں نہ آنا“ عدم وطی کو مستلزم نہیں۔ نیز سائل کی نیت بھی ایلاء کی نہیں۔ الحاصل ایلاء شرعی نہیں ہوا۔ بدستور نکاح باقی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبد اللہ غفر اللہ لہ

۱۳۹۲ / ۲ / ۲۰ھ

خاوند بیوی والے تعلقات ختم کر دینے سے طلاق کا حکم :

ولایت خان نے اپنی بیوی مسماں مقبول بنت ابراہیم کے بارے میں روبرو گواہان یہ الفاظ کہے کہ: ”میں نے اس سے بایں وجہ کہ یہ اپنی نانی سے گفتگو رکھتی ہے عرصہ ایک سال سے خاوند بیوی والے تعلقات ختم کر دیئے ہیں۔ کیا ان الفاظ سے طلاق ہو گئی؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں عبارت خط کشیدہ کنایات کی قسم ثالث سے ہے۔ ای مالا یحتمل السب والرد ویحتمل الجواب۔
فقط اس صورت میں طلاق بغیر نیت کے صرف حالت مذاکرہ طلاق یا حالت غضب میں واقع ہوتی ہے۔ لہذا ان الفاظ سے ایک طلاق واقع ہو گئی، اگر حالت مذاکرہ طلاق کی تھی۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خیر محمد عفی عنہ

۵۷۰/۴/۲۹

”میں نے تم کو تین مرتبہ لفظ طلاق ادا کئے“ سے طلاق کا حکم :

زید نے اپنی بیوی کے سامنے یہ الفاظ کہے میں نے تم کو یعنی مقصودہ بنت محمد شفیع کو تین مرتبہ لفظ طلاق، طلاق، طلاق ادا کئے۔ کچھ عرصہ کے بعد میں نے پھر یہ کہا تم میرے پر حرام ہو چکی ہو اور میں تم کو طلاق طلاق طلاق دے چکا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ اوپر کے الفاظ میں طلاق دی کی بجائے لفظ طلاق ادا کئے۔ چونکہ ان الفاظ میں طلاق کے وقوع کا ذکر نہیں۔ تو کیا ان الفاظ سے یہ گنجائش نکل سکتی ہے کہ زید اپنی بیوی کو بدوں حلالہ اپنے گھر آباد رکھے۔

الجواب :

ادا کئے کے لفظ میں اگر کوئی احتمال و ابہام تسلیم بھی کر لیا جائے تو نیت سے ایقاع کا احتمال متعین ہو جاتا ہے اور خط کشیدہ الفاظ دال علی النیۃ ہیں کہ زید نے پہلے الفاظ سے ایقاع ہی کا ارادہ کیا تھا۔ پس صورت مسئلہ میں زید کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ لہذا بدوں حلالہ کے زوجین میں تجدید نکاح جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

۱۴ / ۲ / ۹۴ھ

صرف ”مجھے کما ہے“ کہنے سے یمین طلاق منعقد نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے خالد کو کہا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا ہے۔ اس پر خالد نے زید کو کہا کہ مجھے کما ہے میں نے یہ کام نہیں کیا۔ کیا ایسی صورت میں یمین منعقد ہو جائے گی یا نہیں؟

المستفتی : محمد طاہر بلوچستانی، متعلم دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

الجواب :

صورت مسئلہ میں صرف اتنے لفظ ”مجھے کما ہے“ کہنے سے یمین منعقد نہیں ہوگی، تاوقتیکہ مکمل لفظ کما تزوجت فہی طالق نہ کہے۔

فتاویٰ شامی ص ۴۶۵ ج ۲ میں ہے : قال فی نور العین الظاہر انہ لا یصح الیمین لما فی البزازیۃ من کتاب الفاظ الکفر انہ قد اشتہر فی رساتیق شروان ان من قال جعلت کما او علی کما انہ طلاق ثلث معلق و ہذا باطل و من ہذیانات العوام، اھ۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

یمین کے جواب میں صرف ہاں کہنے سے یمین منعقد ہو جائے گی؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ہے مثلاً عمر۔ اس کو ایک اجنبی عورت پکڑتی ہے اور زنا پر مجبور کرتی ہے۔ عمر ابتداء میں تو مجبور کیا گیا، لیکن بعد میں خوشی سے اس عورت کے ساتھ زنا کیا۔ بعد میں وہ عورت عمر کو چار صد (۴۰۰) روپیہ دیتی ہے اور کہتی ہے تو میرے پاس تیسرے چوتھے روز ضرور آیا کر۔ اگر تو نہ آیا تو تجھ پر کلما کی طلاق ہے۔ اور عمر اس وقت کہتا ہے ہاں ٹھیک ہے۔ وہاں سے چلا آتا ہے۔ بعد میں عمر کو دل میں خوف خدا آتا ہے اور عورت کے پاس بالکل نہیں گیا۔ اور عورت نے جو الفاظ کہے تھے کہ اگر تو نہ آیا تو تجھ پر کلما کی طلاق ہے، عمر نے اس کی تائید تو کی مگر دل سے نہ تو کوئی ارادہ کیا اور نہ کوئی مراد لی۔ تو اب اس کا کیا حکم ہے طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ اگر واقع ہو جائے تو اس بیوی کا کیا حکم ہے جو اس سے پہلے عمر کے نکاح میں ہے۔ اور اس رقم کو کہاں خرچ کیا جائے، اور عمر کو نسا کام کرے کہ اس کا یہ گناہ معاف ہو جائے۔

الجواب :

محض ہاں کر لینے سے یہ یمین منعقد نہیں ہوگی۔ اس لئے عورت کے پاس نہ جانے سے عمر کی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ پچھلے گناہ سے توبہ اور صدق دل سے استغفار کرتا رہے۔ بیوی حرام نہیں ہوئی محض ہاں کرنے سے، جبکہ اس کے ساتھ کوئی ارادہ یا مراد نہ ہو۔ اس سے یمین منعقد نہیں ہوگی۔

کذا فی الہندیۃ فصل فی تحلیف الظلمۃ۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

عبداللہ عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مفتی خیر المدارس ملتان

۱۰ / ۴ / ۱۳۸۴ھ

طلاق نامہ میں بیوی کے باپ کا نام غلطی سے غلط درج کرایا تو بھی طلاق ہو جائے گی :

حسب ذیل فتویٰ بموجب احکام شرع محمدی دیا جائے : (۱) کہ میں نے غصہ میں اپنی زوجہ منکوحہ مسماۃ مانن دختر الہی بخش کی طلاق بروئے طلاق نامہ بمورخہ (۲۸/۵/۶۰) کو لکھائی، مگر طلاق نامہ میں مسماۃ مانن کے والد کا نام غلط درج کیا ہے۔ (۲) گواہان کے رو برو سہ بار طلاق نہیں دی۔ سہ بار وٹہ جات طلاق نہیں پھینکے۔ (۳) گواہان کے دستخط طلاق نامہ پر نہیں ہوئے، صرف طلاق نامہ لکھا گیا ہے۔ (۴) طلاق ہونے کے روز مسماۃ مانن سے میں نے ہمبستری کی تھی، اب تک عورت مرد کے پاس ہے۔ عورت کو میں نے تین بار طلاق نہیں کہی۔ برادری کے جھگڑے پر فرضی طور پر طلاق نامہ ہوا ہے۔ آیا شرعاً طلاق ہو گئی یا نہیں؟

تنقیح : طلاق نامہ میں باپ کے نام کا غلط اندراج لاعلمی کی وجہ سے ہوا یا قصداً ایسا کیا۔ اور شق ثانی میں اس غلط اندراج کرانے سے کیا مقصود تھا۔ ذرا تفصیل لکھئے۔ نیز فرضی طور پر طلاق نامہ لکھنے کا کیا معنی ہے؟ واقعہ کی تفصیل مطلوب ہے۔

جواب تنقیح : طلاق نامہ میں باپ کا نام غصے کی حالت میں غلط اندراج کرایا۔ ویسے اس کے باپ کا نام درست جانتا ہے۔ مراد اپنی بیوی تھی۔ فرضی طور پر طلاق دینے کا مطلب یہ تھا کہ میری دو بیویاں تھیں۔ میں چھوٹی کو رکھنا چاہتا تھا اور بڑی کو طلاق دینا چاہتا تھا، مگر میرے والدین کہتے تھے کہ دونوں کو رکھو یا دونوں کو طلاق دیدو۔ تو میں نے دونوں کے بارے میں الگ الگ طلاق نامے تحریر کرائے۔ لیکن چھوٹی کے بارے میں میرا یہ ارادہ تھا کہ اس کو واپس کر لوں گا بخلاف بڑی کے۔ بس فرضی طلاق دینے سے میری مراد واپس کر لینا ہے۔

الجواب :

صورت مسئلہ میں شخص مذکور کی بیوی مانن پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ عدت کے اندر یا بعد میں زوجین میں برضائے طرفین تجدید نکاح جائز ہے۔ بدوں تجدید نکاح مسماں مانن اس کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ بعد از انقضائے عدت عورت جہاں چاہے نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ باپ کے نام کا غلط اندراج مانع وقوع طلاق نہیں جبکہ مراد اپنی بیوی ہی ہو۔

کما فی الہندیۃ ص ۵۱ ج ۲ قال امرأتہ عمرۃ بنت صبیح طالق وأمرأتہ عمرۃ بنت حفص ولا نية له لا تطلق..... وان نوى امرأتہ فی هذه الوجوه طلقت امرأتہ فی القضاء وفيما بينه وبين الله تعالى كذا فی خزائن المفتين۔

نیز طلاق دیتے وقت رجوع کر لینے کی نیت سے بھی وقوع طلاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بہر حال ایک طلاق بائن واقع ہو گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

طلاق کی قسم اٹھاتے وقت جو چیز حالف اور مستحلف کے ذہن میں مستثنیٰ ہو، اس کی وجہ سے حاث نہیں ہوگا :

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ مثلاً زید ایک مدرسہ کا طالب علم ہے۔ مدرسہ میں ایک مرتبہ چوری ہو جاتی ہے جس کی تحقیق کے لئے مدرسہ کی انتظامیہ اور اساتذہ کرام نے طلبہ سے کلمات کی قسم اٹھوائی۔ اس مذکورہ بالا چوری کے ساتھ ایک دوسری برائے نام چوری مثلاً عام حالات کے مطابق طلباء کا ایک کمرہ سے بلب نکال کر دوسری جگہ

استعمال کرنا، اس کو بھی کلمہ کی قسم کے تحت رکھا گیا۔ جب قسم اٹھوائی جا رہی تھی تو اسی دوران تینوں فریق مذکورہ بالا میں سے ہمارے ایک فریق نے بلب کی برائے نام چوری کو کلمہ کی قسم سے مستثنیٰ کرنے کو کہا۔ جبکہ دوسرے دونوں فریق اس پر خاموش رہے۔ قسم اٹھانے کی زید کی باری آئی تو اس نے فریق اول جنہوں نے بلب کی برائے نام چوری کو مستثنیٰ کرنے کے لئے فرمایا تھا ان کی اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف مذکورہ بالا اصل چوری کے متعلق کلمہ کی قسم اٹھائی۔ فتویٰ اس بات کا چاہیے کہ زید نے کلمہ کی قسم اٹھائی۔ کیا اس قسم کا اس پر اطلاق ہو گا یا نہیں، جبکہ سائل انہیں حضرات میں سے ہے جنہوں نے بلب ایک کمرہ سے نکال کر دوسری جگہ استعمال کیا۔ ساتھ میں یہ قسم بھی اٹھائی جس کی تفصیل مذکور ہو چکی ہے۔ بندہ نے صرف اصل چوری کی قسم کھائی نہ کہ بلب کے متعلق۔ قسم کے الفاظ یہ تھے: میں نے اگر چوری کی ہو یا اس کے متعلق علم تک بھی ہو تو میں جو بھی بیوی کروں گا وہ مجھ پر حرام ہوگی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ سائل نے جبکہ نکاح اس قسم کے بعد کیا ہے، کیا اس کی زوجہ پر طلاق پڑے گی یا نہیں، اور طلاق پڑ جانے کی صورت میں اب اس کے لئے نکاح اور شادی کی کیا شرعی صورت ہو سکتی ہے؟

جواب تنقیح : محترم المقام حضرت مفتی صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بعد ازاں آپ نے مستحلف کے اس بلبوں کے استثنیٰ کو برقرار رکھنے یا برقرار نہ رکھنے کے متعلق دریافت فرمایا ہے۔ محترم اس سلسلہ میں بندہ خود ان کے پاس جا کر اس کی تحقیق کر کے آیا ہے اور ساتھ ان کی طرف سے رقعہ مؤکدہ ساتھ لایا جو آپ کی طرف ارسال کیا جا رہا ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ فرما کر فتویٰ دیں۔ باقی آپ نے کلمہ کے الفاظ کے متعلق دریافت فرمایا، وہ آپ کو بندہ نے جیسے تحریر کر دیا ہے وہی الفاظ ہیں۔ باقی دوسری صورت میں مستحلف اپنے الفاظ اگر واپس نہ لے بلکہ بلبوں والی بات کو برقرار رکھنا چاہتا ہو تو اس صورت میں کیا فتویٰ ہوگا۔ ان دونوں صورتوں سے آگاہی فرمائیں۔

خیر اندیش : مختار احمد

جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

عرصہ دراز کی بات ہے کہ جامعہ عربیہ چنیوٹ میں ایک طالب علم کی چوری ہو گئی اور اساتذہ کرام جامعہ عربیہ نے تمام طلبہ سے حلف اٹھوایا اور کہا کہ جو طالب علم بھی چور ہو گا وہ ”طلاق اضافی“ کا مستوجب ہو گا۔ دوران حلف برداری مدرسہ کے بلبوں کی چوری ہو گئی۔ وہ بھی اس حلف میں شامل کر دی گئی۔ ایک استاد مولانا عبدالحق صاحب نے فرمایا کہ اسے مستثنیٰ رکھا جائے۔ تو میں نے کہا کہ چلو ٹھیک ہے۔ طلباء قسم اٹھاتے گئے اور چوری کی بات اصل میں صرف طالب علم کی چوری تھی۔ لہذا بلبوں والی بات کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

خیر اندیش : حافظ شیر محمد عفا اللہ عنہ، جامعہ عربیہ چنیوٹ

الجواب :

اگر مستحلفین اور زید نے بلب کی چوری کو مستثنیٰ کر کے قسم کھائی تو متنازع فیہ چوری سے بری ہونے کی صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی (اگر بلب مستثنیٰ نہ ہو یا دوسری قسم میں زید جھوٹا ہو تو صورت مسئلہ میں نکاح کرنے کے بعد صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ بعد ازاں اسی عورت سے اور دیگر عورتوں سے نکاح درست ہے، طلاق واقع نہ ہوگی۔

حتیٰ لو قال ای امرأۃ اتزوجہا فہی طالق لا یقع الا علی امرأۃ
واحدۃ کما فی المحيط بخلاف کل امرأۃ اتزوجہا (اھ شامی
ص ۶۸۸، ج ۲)

سوال میں مذکور الفاظ ”کما“ معروف کے لفظ نہیں ہیں، بلکہ وہ ای امرأۃ کا
مصدق ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

محمد انور

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱۳۹۹/۱۱/۲۳ھ

تو مجھ پر طلاق ہے ایک دفعہ کہنا یا دس دفعہ کہنا برابر ہے کا حکم :

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ مسمی زید نے اپنی منکوحہ کو تلخ کلامی کے دوران یہ الفاظ کہہ دیئے ہیں کہ ”تو مجھ پر طلاق ہے جیسے ایک دفعہ کہنا یا دس دفعہ کہنا برابر ہے“ اس لفظ کا کیا حکم ہے؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں، کیونکہ طلاق کو تشبیہ دے رہا ہے ایک دفعہ کی طلاق سے یا دس دفعہ کی طلاق سے اور دونوں تشبیہ سائل کے نزدیک برابر ہیں، کوئی فرق نہیں۔ تو اس صورت میں تین طلاقیں واقع ہوں گی۔

وتدل علیہ عبارة العالمگیریہ واذا قال لها انت طالق
کعدد الالف او کعدد ثلث او مثل عدد ثلث فہی ثلث فی القضاء
وفیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ الخ (ص ۵۸ ج ۲) فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

الجواب صحیح

خادم الافقاء خیر المدارس ملتان

خیر محمد عفا اللہ عنہ

یکم ذی قعدہ ۸۳ھ

غیر مدخولہ کو کہا ”تجھے طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں“ تو تینوں واقع ہو جائیں گی

کیا فرماتے ہیں علماء دین و دریں مسئلہ کہ زید نے اپنی منکوحہ غیر مدخولہ مسماۃ ہندہ کو کہا کہ میں تجھے طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں، بلکہ یہی الفاظ لکھ کر دیئے۔ اب مسماۃ مذکورہ زید کے نکاح میں بغیر حلالہ کے آسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں زید کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں۔ بدوں حلالہ زوجین میں تجدید عقد نکاح جائز نہیں۔ الفاظ مذکورہ انت طالق ثلثا کے مشابہ ہیں،

کہ مجموعہ کا ایقاع ایک ہی لفظ آخر (دیتا ہوں) سے ہو رہا ہے۔ پس تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

عبداللہ غفر اللہ لہ

۱۳۸۰/۱/۱۸ھ

خادم دارالافتاء خیر المدارس ملتان

میں بیوی سے رہا طلاق کنایہ ہے :

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی تھی۔ زید اپنی عورت سے لڑتا جھگڑتا تھا۔ آخر عورت تنگ آکر اپنے باپ عمر کے گھر چلی گئی۔ ایک دن داماد (زید) اور سر (عمر) کی آپس میں لڑائی ہوئی، جس کی وجہ سے زید نے عمر سے کہا کہ میں تیری لڑکی سے رہا رہا اور لکھی لکھی لکھی۔ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر ہو جاتی ہے تو کوئی طلاق ہوئی۔

الجواب :

صورت مسئلہ میں زید کا عمر کو یہ کہنا کہ ”میں تیری لڑکی سے رہا“ کنایہ طلاق ہے۔ از قسم ثالث۔ التی لا یحتمل الرد والسب وهو کقولہ فارقتک وفیہ یقع الطلاق فی حالة الغضب وحالة المذاكرة (ملخصاً عن الشامیة ج ۲، ص ۵۰۴) اور صرف تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔ حلالہ کی حاجت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایک طلاق بائن واقع ہوئی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

خادم الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۳۷۲/۱/۲۲ھ

طلاق سے بچنے کے لئے بیوی کے باپ کا نام قصداً غلط لکھوایا تو طلاق نہیں ہوگی

مسی لعل محمد کو اپنی زوجہ مسماٹ پٹھانی دختر گلاب کو طلاق دینے کے لئے کہا گیا۔ لعل محمد مذکور کچھ رقم لے کر طلاق دینے پر آمادہ ہوا۔ فریقین طلاق نامہ لکھوانے کے لئے محرر کے پاس پہنچے۔ فریق ثانی نے محرر کو طلاق نامہ لکھنے کے لئے کہا۔ اس نے لکھنا شروع کیا۔ لعل محمد مذکور نے مضمون تحریر میں کچھ نہ کہا، فقط ان سوالوں کا جواب دیا تیرے باپ کا کیا نام ہے؟ تیری بیوی کا کیا نام ہے؟ اور اس کے باپ کا کیا نام ہے؟ البتہ آخری سوال کا جواب اس نے قصداً غلط دیا اور سر کا نام بہادر لکھوایا، کیونکہ طلاق لکھوانے والوں کو سر کے نام کا صحیح پتہ نہیں تھا۔ اشام کی تحریر کے بعد زبانی طلاق کے لئے لعل محمد مذکور کو طے شدہ رقم سے آدھی رقم دے کر طلاق کا اصرار کیا تو اس نے توریہ کے رنگ میں یوں طلاق دینے کا ارتکاب کیا۔ دبی زبان میں قصداً زوجہ کا نام ایک دو دفعہ پٹھان پٹھان کہنے پایا تھا اور تلفظ طلاق کی نوبت نہیں آئی تھی کہ مستطلق نے ٹوک کر کہا کہ سمجھ کر کہہ۔ اس پر لعل محمد مذکور نے کہا میں نے بہادر کی لڑکی چھوڑ دی اور قصداً بیوی کے باپ کا نام غلط لیا اور صرف جملہ مذکورہ تلفظ کیا۔ جب رقم وصول ہو گئی تو لعل نے فریق ثانی کو کہا کہ نہ میں نے صحیح طور پر طلاق کہی ہے اور نہ ہی مجھ پر طلاق واقع ہوئی ہے۔ طلاق واقع ہو گئی یا نہ؟

الجواب :

طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کما یقسم من الرد (ص ۶۳۲، ج ۲) و کذا (یقع الطلاق علی امرأته) لو نسبها الی امها او اختها او ولدھا وھی كذلك۔ قید کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر طلاق نامہ میں یہ الفاظ ہوں کہ میری بیوی فلاں بنت بہادر کو طلاق ہو تو ان الفاظ سے بھی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال امرأته طالق ولم یسم ولہ امرأۃ معروفۃ طلقت (تنویر) قال

الشامی فی شرحہ امالو سماھا باسمھا فکذلک بالاولیٰ ویقع علی
التی عنانھا ایضاً لو کانت زوجتہ (شامی ص ۴۹۹ ج ۲) تو قید اخیر سے یہ مفہوم
ہوا کہ اگر اس نام و نسب والی اس کی زوجہ نہ ہو تو طلاق نہیں ہوگی، اگرچہ پہلے امرأتہ
کی اضافت موجود ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفی عنہ

خیر محمد غفرلہ

بندہ عبداللہ غفراللہ لہ

تجھے بدادادے دیا، طلاق ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ناراضگی میں آکر اپنی بیوی
کو کہہ دیتا ہے کہ میں نے تجھے بدادادیا۔ تین دفعہ یہی لفظ کہہ دیتا ہے۔ ایسے شخص کی
بیوی کا از روئے شرع کیا حکم ہے؟

(نوٹ: بدادوا پنجابی میں طلاق کا نام ہے)

الجواب :

اگر شوہر کو معلوم ہے کہ بدادوا طلاق کو کہتے ہیں اور وہاں کے اطراف میں بھی
یہی معروف ہے تو صورت مسئلہ میں عورت پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔ بغیر حلالہ
شرعی کے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

کیا لفظ فارغ میں ہر حال میں نیت ضروری ہے؟

حضرات مفتیان کرام! السلام علیکم! صورت مسئلہ کے جواب میں تحریر
فرمایا گیا ہے اگر طلاق دہندہ نے بہ نیت طلاق تین دفعہ فارغ ہے، فارغ ہے، فارغ ہے
اپنی زوجہ کو کہا ہے تو اس صورت میں طلاق بائن واقع ہو گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ

جب خاوند نے فارغ ہے، فارغ ہے، فارغ ہے کے الفاظ کے ساتھ ساتھ ایسے لفظ بھی کہہ دیئے ہیں جن سے مزید اس کی نیت دریافت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، مثلاً اس نے کہہ دیا کہ تو جہاں چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے اور عورت کے وارث کو بھی کہا ہے کہ عورت مجھ سے فارغ ہے۔ اس کا جہاں بھی چاہے نکاح کر دو۔ اب جواب میں نیت کو مشروط کرنا چہ معنی دارد۔

الجواب :

ان کلمات سے یقیناً یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ مندرجہ بالا کلمات طلاق کی نیت سے کہے گئے تھے۔ اس لئے نیت معلوم کرنے کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

البحر الرائق اذہبی و تزوجی لا يقع الطلاق الا بالنية وان نوى فہی واحدة بائنة كذا فی الذخيرة ولو قال اذہبی فتزوجی وقال لم انوی الطلاق لم يقع شیء لان معناه ان امکنك كذا فی شرح الجامع الصغير لقاضیخان (ص ۳۲۶ ج ۳) كذا فی الشامیة !
جزئیہ ہذا سے ظاہر ہے کہ صورت مسئلہ میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔

فالجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

۹۰/۵/۸ھ

قسم کھائی کہ ہندہ کے ہاتھ کی روٹی کھائی تو طلاق۔ پھر دھوکے سے کھلا دی گئی

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میں نے طلاق اٹھائی ہے کہ اپنی بھانج کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی نہیں کھاؤں گا، مگر ایک دفعہ مجھے کہا گیا کہ تیری ماں کی پکی ہوئی

روٹی ہے۔ حالانکہ بعد میں پتہ چلا کہ بھانج کی پکی ہوئی روٹی تھی۔ اس لاعلمی میں کھا بیٹھا۔ اب سوال یہ ہے کہ مجھ پر طلاق لازم آئے گی یا نہیں۔

الجواب :

ولو الحالف مكرها او مخطئا او ذاهلا او ساهيا او ناسيا.....
فی اليمين او الحنث الخ كذا فی الدر المختار (شامی ص ۵۳ ج ۳)
جزئیہ بالا سے ظاہر ہے کہ اگر لاعلمی میں بھی کام کر لیا ہے تو بھی حانث ہو جائے گا۔ پس صورت مسئلہ میں سائل کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

علاج کے لئے کھائی گئی دوا سے نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم :

ایک شخص کی طبیعت خراب تھی تو اس نے اپنی بیماری دور کرنے کے لئے دوائی کھائی تو اس دوائی کی وجہ سے اس کو نشہ سا ہو گیا، یعنی اس کا دماغ الٹ پلٹ ہو گیا۔ جب وہ گھر آیا تو اس نے بیوی کو تین بار طلاق دی۔ یہ طلاق اس نے دوائی کے اثر کی وجہ سے دی۔ جب اس کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو اس نے کہا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں نے کیا کہا۔ ڈاکٹروں سے معلوم کرنے کے بعد پتہ چلا کہ یہ طلاق اس نے دوائی کے اثر سے دی ہے۔ واقعی اس دوائی میں اس قسم کا اثر تھا کہ جس سے مرد کو کوئی پتہ نہیں چلتا کہ میں نے کیا کہا ہے۔ بتائیں کہ مذکورہ عورت کو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب :

بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئلہ میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ لو زال عقله بالصداع او بمباح لم يقع۔ وفي الشامية تحت قوله او بمباح كما اذا سكر من ورق الرمان فانه لا يقع طلاقه الخ۔
(رد المحتار ص ۴۶۰ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔
بندہ محمد اسحاق غفرلہ

خاوند مبہم طلاق جس پر چاہے واقع کر سکتا ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ محمد بخش ولد رمضان کی دو عورتیں ہیں۔ پہلی زوجہ مہر اور دوسری آمنہ (۱/۳/۱۹۵۰) کو مولانا عبدالرحیم قاضی گرد آور لیہ کے سامنے موضع نوشہرہ تحصیل لیہ میں دعویٰ پیش کیا گیا کہ زوج محمد بخش کے باپ مسمیٰ رمضان نے اپنے لڑکے کی پہلی عورت مسماٹ مہر کے ساتھ زنا کیا ہے۔ بعد از سماعت کے مولانا مذکور نے عدم حرمت مصاہرہ کا فیصلہ کیا۔ کمی ثبوت کی وجہ سے لیکن بوجہ عام شہرت کے عورت کی علیحدگی کا حکم جاری فرمایا۔ اسی مسئلہ پر قاضی لیہ مولوی غلام نبی صاحب نے دستخط فرمائے۔ (نمبر ۲) پھر (۱۵/۷/۵۰) کو موضع تھند کلاں میں مولانا محمد موسیٰ صاحب اور مولوی غلام نبی مذکور اور مولانا شیخ کلیم اللہ کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا گیا۔ ان سہ حضرات نے حرمت مصاہرہ ثابت کر کے پہلی زوجہ مسماٹ مہر کو نکال دینے کا حکم دیا۔ یہ فیصلہ تسلیم کر کے زوج نے پھر بھی قطع تعلقی نہ کی۔ اب وہ پہلی زوجہ مسماٹ مہر فوت ہو چکی ہے۔ (نمبر ۳) اب گزارش یہ ہے کہ زوجہ ثانیہ مسماٹ آمنہ کا باپ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد بخش ولد محمد رمضان مذکور نے جو میری لڑکی آمنہ کے گھر والا ہے ۵۰/۳/۲۹ فیصلہ اول کے وقت قاضی عبدالرحیم صاحب کے سامنے اپنے باپ رمضان کی صفائی کرتے ہوئے بیان کیا کہ اگر میں کاذب ہوں تو میری عورت تین طلاق کے ساتھ مطلقہ ہے۔ یہ حلف اٹھایا۔ یہ حلف انہوں نے ۵۰/۳/۲۰ کو نوشہرہ میں پہلے فیصلے کے وقت اٹھایا تھا۔ زوجہ ثانیہ مسماٹ آمنہ کے باپ مدعی کا بیان۔ تین طلاق اور حلف اشہد کہہ کر بیان کیا کہ جہاں محمد بخش نے تین طلاق عورت کا لفظ کہا ہے، اس وقت کے گواہان نہیں ہیں۔ دیگر حلفا بیان کر کے محمد بخش مجھ کو منت سماجت کر رہا تھا کہ فیصلہ کیا جائے۔ تین طلاق عورت کا لفظ میں نے کہا ہے۔ مگر مسماٹ مہر زوجہ پہلی کو کہا ہے، مسماٹ آمنہ زوجہ ثانیہ کو نہیں کہا ہے۔ باقی مدعی کے چار گواہ اس بات پر متفق ہیں کہ محمد بخش سے ہم نے سنا ہے کہ اس نے طلاق کا لفظ کہا ہے، لیکن پہلی عورت مسماٹ مہر کے متعلق نہ

کہ زوجہ ثانیہ مسماۃ آمنہ کے متعلق۔

مدعا علیہ کا بیان : محمد بخش ولد رمضان نے اشد پڑھ کر اور تین طلاق حلفاً اٹھا کر بتلایا کہ میں نے تین طلاق کا لفظ نہیں کہا۔

الجواب :

صورت مسئلہ میں اول تو ثابت نہیں کہ محمد بخش نے اپنی بیوی کے متعلق تین طلاق کے الفاظ کہے ہوں، کیونکہ سب گواہ محمد بخش کے اقرار کے ہیں اور محمد بخش اس سے منکر ہے۔ علی تقدیر الشبوت طلاق مبہم کے درجہ میں ثابت ہیں جس کی تفسیر خاوند کے الفاظ سے ثابت ہے کہ میرے الفاظ اپنی بیوی مسماۃ آمنہ کے متعلق نہ تھے۔ لہذا مسماۃ آمنہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ (عالمگیری ص ۵۱ ج ۲)

ولو قال امرأته طالق وله امرأتان كلتا هما معروفتان كان له ان يصرف الطلاق الى ایتھما شاء كذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد صدیق غفرلہ	الجواب صحیح	الجواب صحیح
نائب مفتی خیر المدارس	بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہ	خیر محمد
	خادم الافاء خیر المدارس	بانی و مہتمم خیر المدارس

۱۳۷۱/۶/۲۷ھ

دو دفعہ لفظ طلاق کہہ دیا، تیسرا کہنے سے پہلے کسی نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ تجھے طلاق ہے کے الفاظ کہے۔ تیسری مرتبہ کہنے سے پہلے مرد کے باپ نے اس کے منہ پر ہاتھ دیدیا۔ پوچھنے پر مرد نے کہا کہ میرے دل سے لفظ طلاق آیا تھا، ابھی منہ سے ادا نہیں ہوا تھا۔ اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوئیں یا تینوں واقع ہو چکی ہیں۔ ہاتھ ہٹانے کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا۔ بیوی مدخولہ ہے۔ مستفتی : محمد عارف، ساکن احسان پور

الجواب :

صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ اگر ہاتھ ہٹانے کے بعد واقعتاً خاموش رہا، کچھ نہیں کہا تو اس کی بیوی پر دو طلاق ہی ہوئی ہیں۔ عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے اور عدت کے بعد عورت کی رضا کے ساتھ تجدید نکاح کر سکتے ہیں۔ محض دل سے لفظ طلاق نکلنے سے طلاق نہیں ہوتی جب تک تلفظ نہ ہو۔ ولو مات الزوج او أخذ احد فمه قبل ذكر العدد..... لان الوقوع بلفظه لا بقصدہ (در مختار علی الشامیہ ص ۴۹۵ ج ۲) وقعتا رجعتین لو مدخولا بها كقوله انت طالق انت طالق (در مختار علی الشامیہ ص ۴۶۸ ج ۲) فقط والله اعلم۔

احقر محمد انور

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

ایک کلام کے تنجیز یا تعلیق ہونے کی تحقیق :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو جھگڑا کرنے کی بناء پر کہا کہ مجھ پر طلاق ہے۔ تجھے یہاں نہیں بیٹھنے دوں گا۔ دو دفعہ کہا یکے بعد دیگرے۔ اور ایک بار یہ کہا کہ مجھ پر عمر بھر طلاق ہے۔ تجھے یہاں نہیں بیٹھنے دوں گا۔ جہاں میں رہوں گا تجھے نہیں رکھوں گا۔ پھر وہ عورت اس جگہ اور اس مکان سے نکل گئی۔ مرد مذکور کہتا ہے کہ میری نیت تعلیق کی تھی۔ مگر بعض علاقہ کے مولوی صاحبان اس کو تنجیز بنا کر مغلطہ طلاق کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اس صورت میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب :

بظاہر تعلیق مفہوم ہوتی ہے۔ وقد تعورف فی زماننا فی الحلف

الطلاق يلزم مني لا افعل كذا يريد ان فعلته لزوم الطلاق ووقع (شامي ص ۲۳۳ ج ۲) فقط والله اعلم۔

الجواب صحیح

محمد انور عفی عنہ مفتی خیر المدارس

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۴۰۷/۱۲/۲۹ھ

عدالت جبراً خلع نہیں کر سکتی :

ایک عورت نے تنبیخ نکاح کا عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ شوہر کسی قیمت پر طلاق دینے پر رضامند نہیں ہے اور نہ ہی عورت کا یہ دعویٰ کسی معقول بناء پر مبنی ہے۔ بلا وجہ عدالت نے خلع کا فیصلہ صادر کر دیا۔ آیا شرعی اعتبار سے عدالت کا یہ فیصلہ درست ہے یا نہیں؟ اور عدالت کے فیصلہ سے خلع واقع ہوگی یا نہیں؟

المستفتی : محمد یسین، قاسم بیلہ ملتان

الجواب :

خلع ایک ایسا عقد ہے جس کا تحقق بدون رضامندی فریقین نہیں ہو سکتا، جیسے کہ خود معاملہ نکاح بھی یہی حیثیت رکھتا ہے۔ حاکم خواہی نہ خواہی خاوند پر خلع کو لازم نہیں کر سکتا۔ قرآن و حدیث سے اس سلسلہ میں واضح ہدایات ملتی ہیں۔ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: فان خفتم ان لا یقیمہا حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ (الآیہ) اور اس آیت میں خاوند کو بدل خلع قبول کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور قبول و رد اختیاری معاملات میں ہوتا ہے۔ اگر خاوند پر خلع جبری طور پر لازم ہو جائے تو اس کے قبول کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے۔ (نمبر ۲) اس آیت میں خلع کو افتداء سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ فریق مخالف کو کسی چیز پر رضامند کیا جائے۔ اگر عورت یا حاکم جبری طور پر خاوند سے علیحدگی حاصل کر سکے تو اس میں افتداء کی پوری حقیقت نہیں پائی جائے گی۔ علامہ ابن القیم زاد المعاد (ص ۲۳۸) میں لکھتے ہیں: وفی تسمیۃ صلی اللہ علیہ

وسلم الخلع فدية دليل على ان فيه معنى المعاوضة ولهذا اعتبر فيه رضا الزوجين اهـ۔ آنحضرت علیہ السلام کا خلع کو فدیہ سے تعبیر کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ اس میں رضاء زوجین ضروری ہے۔

بخاری شریف ص ۷۹۴ ج ۲ اور نسائی میں حضرت جلیلہ رضی اللہ عنہا کے خلع کا ذکر ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند کو فرمایا کہ بدل خلع لے کر طلاق دے دو۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ طلاق خاوند ہی دے گا۔

امام ابو بکر جصاص رازیؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر خلع کا حق حاکم کو ہوتا تو آنحضرتؐ کو خاوند سے یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ طلاق دے دو یا خلع کرلو (احکام القرآن، ص ۳۶۸ ج ۱) امام شافعیؒ اپنی مشہور کتاب، کتاب الام میں ارشاد فرماتے ہیں: وعلمنا ان لا خلع الا بايقاع الزوج (ص ۱۹۸ ج ۵) کہ ہماری معلومات کی حد تک خلع خاوند کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ نیز اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خلع طلاق ہے۔ (بدایۃ المجتہد ص ۶۹ ج ۲، عالمگیری ص ۵۱۵ ج ۲) اور آنحضرت علیہ السلام کا طلاق کے مسئلہ میں واضح فیصلہ ہے کہ الطلاق لمن اخذ بالساق (الحدیث)

خلاصہ یہ کہ خاوند کی رضامندی کے بغیر عدالت خلع کو خاوند پر مسلط نہیں کر سکتی، اور اگر کہیں بلا وجہ عدالت ایسا کر دے تو وہ عورت خاوند کے نکاح سے خارج نہیں ہوگی۔ ہاں خاوند کے متعنت ہونے کی صورت میں عدالت کو تفریق کا حق حاصل ہے اور یہ تفریق شرعاً بھی معتبر ہوگی۔ صورت مسئلہ میں اگر واقعاً بلا وجہ عدالت کی طرف سے خلع کرایا گیا ہے تو یہ عورت خاوند کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ محمد صدیق

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مدرس خیر المدارس

۱۳۹۹/۴/۳ھ

جتنی بار بھی شرط کا ارتکاب کرے، طلاق ایک ہی ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے شادی سے پہلے کہا کہ میں نے اگر فلاں کام کیا تو میری پہلی بیوی جس سے میں نکاح کروں اس کو طلاق۔ پھر اس نے وہ کام کر لیا، پھر شادی ہو گئی۔ شادی کے بعد اس عورت کو تو طلاق ہوئی، پھر اس سے نکاح کر لیا اور آباد بھی کیا۔ اس کے بعد پھر کہا کہ میں فلاں کام کروں تو میری بیوی کو طلاق۔ پھر اس نے وہ کام چند بار کر لیا۔ تو کیا اس کی بیوی کو ایک طلاق ہوگی یا دو یا تین؟

المستفتی : مولوی عبد الحمید، خطیب جامع مسجد کرنا لوی، بھکر

الجواب :

پہلی طلاق چونکہ نکاح کے ساتھ ہی قبل الدخول واقع ہو گئی، لہذا بائنہ ہو گئی۔ البتہ اس کے بعد جو نکاح کے بعد واقع ہوگی وہ رجعی ہوگی۔ متعدد دفعہ کام کا ارتکاب کرنے سے طلاق ایک بار واقع ہوگی، لیکن اس دوسری طلاق ہو جانے کے بعد اب وہ عورت صرف ایک طلاق سے مغلطہ ہو جائے گی، خواہ ایک طلاق نئی تعلیق کے ذریعہ ہو یا بلا تعلیق۔ خلاصہ یہ کہ تاحال ایسے شخص کی بیوی پر صرف دو طلاق واقع ہوئی ہیں، خواہ کتنی بار فعل کا ارتکاب کیا ہو اور عدت کے اندر رجعت بھی درست ہے۔

والفاظ الشرط ان واذا ما و كلما ومتی ومتی ما وفيها
تنحل اليمين اذا وجد الشرط مرة الا في كلما اه (تنوير الابصار
على الشامية ص ۲۸۸ ج ۲) فقط والله اعلم۔

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس

مفتی خیر المدارس

۱۳۹۹/۵/۲۳ھ

خاوند بیوی کی مرضی کے بغیر اس کا سامان خلع میں ضبط نہیں کر سکتا :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کی بیوی زینب اپنے میکے چلی گئی اور تقریباً ایک ہزار کے زیور بھی ساتھ لے گئی۔ والدین نے اس کو خاوند کے ہاں واپس کرنے سے کلیۃً منع کر دیا اور وہ خود بھی والدین کی بات پر راضی ہے۔ غرضیکہ تین سال کا عرصہ ہونے والا ہے، وہ بھی واپس نہیں کرتی۔ اب قابل سوال بات یہ ہے کہ دریں صورت زینب کے کپڑے اور برتن وغیرہ تقریباً ۷۰۰/- روپے کا سامان ہے۔ کپڑے بوسیدہ اور برتن وغیرہ زنگ آلود ہوتے جا رہے ہیں۔ دریں اثناء زید کا خیال یہ ہے کہ زینب کو طلاق دیدے اور بچہ کو واپس کر لے اور مذکورہ سامان بھی ضبط کر لے۔ علاوہ ازیں جتنا مال بھی زینب کے والدین کا کسی بھی صورت میں ہاتھ آجائے خلع کے نظریہ سے ضبط کر لے (طلاق کے عوض میں) لیکن صورت حال یہ ہے کہ جب مذکورہ بات کچھ ان کے سامنے ذکر کی گئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ ہم طلاق لینا نہیں چاہتے بلکہ گھر بٹھائے رکھیں گے۔ البتہ زینب کے والدین کے طرز عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ زید کے دوسری شادی کرنے کے بعد قانونی طور پر قانونی کارروائی سے طلاق لینا چاہتے ہیں۔ برادرانہ پنچائتی فیصلہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ غرضیکہ آپ جملہ صورت حال سامنے رکھتے ہوئے واضح فرمائیں۔ دریں اثناء نزاع میں کیا کرنا چاہئے؟ کپڑے اور برتن وغیرہ جو کہ بوسیدہ اور زنگ آلودہ ہوتے جا رہے ہیں زید زینب وغیرہ کی اجازت کے بغیر استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں مذکورہ بالا صورت جو زیر بحث ہے (یعنی خلع وغیرہ) مکمل واضح فرمائیں شرعی رو سے کیا کرنا چاہئے۔ بینوا تو جبروا۔

الجواب :

خلع ایک عقد ہے۔ دیگر عقود کی طرح دونوں فریقوں کا اسے تسلیم کرنا

ضروری ہے۔ جب تک مسامت زینب مذکورہ سامان دے کر طلاق لینے پر آمادہ نہ ہو اس وقت تک آپ اس کے سامان میں کوئی تصرف کرنے کے شرعاً مجاز نہیں۔ اور بدون قبولیت کے طلاق دینے کی صورت میں یہ طلاق بغیر مال ہوگی۔ مسامت زینب جو زیور اپنے ساتھ لے گئی ہے اگر وہ زیور اسے والدین کی طرف سے دیئے گئے تھے یا آپ نے بطور مہر دیئے تھے یا شادی کے بعد بنوا کر اس کی ملکیت کر دیئے تھے تو پھر وہ ان کی مالک ہے، آپ کا اس میں کوئی حق نہیں۔ اور اگر وہ زیور آپ کے مملوک تھے تو پھر واپس لینے کے آپ حق دار ہیں۔ اس کے عوض میں بیوی کے سامان کو ضبط کر سکتے ہیں۔ جبکہ زیور کی وصولی ممکن نہ ہو۔ ہدایہ میں ہے: وان شرط الالف علیہا توقف علی قبولہا (ص ۳۸۹ ج ۲) طلاق دینے کی صورت میں خالد سات سال کی عمر تک اپنی والدہ یا نانی کے پاس رہے گا۔ اس کے بعد آپ لے سکتے ہیں۔ ہندیہ میں ہے: والام والجدۃ احق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین (ص ۱۴۱ ج ۲) طلاق کی بجائے صلح کی کوشش کرنی چاہیے۔ بیوی کی جائز شکایات کا ازالہ کر دیا جائے تو ان شاء اللہ طلاق تک نوبت نہ آئے گی۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۴۰۸/۱/۱۱ھ

عورت کو کہا میں برسوں تیرے قریب نہیں جاؤں گا، ایلاء ہے اور چار ماہ بعد طلاق بائنہ ہو جائے گی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے ناجائز تعلق کر لیا اور پہلی بیوی سے کہہ دیا کہ میں تیرے پاس چھ مہینے کیا برسوں بھی مقاربت نہیں کروں گا کیونکہ میں تیرے سے ہمبستر نہ ہونے کی قسم کھا چکا ہوں۔ چنانچہ وہ شوہر نہ اس کے پاس گیا اور نہ ہمبستر ہوا۔ تقریباً ایک برس کا عرصہ گزر گیا۔ اس عورت کے عزیزوں نے اس کے

شوہر سے عورت مذکورہ کے آباد کرنے کے لئے کہا۔ مگر اس نے آباد نہیں کیا اور کہا کہ میں تو اس سے بیزار ہوں اور بری ہوں۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ کیا ایسی صورت میں عورت پر طلاق واقع ہو سکتی ہے یا نہیں۔

الجواب :

جب خاوند نے چھ ماہ سے زائد مدت تک اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تو یہ ایلاء ہو گیا۔ کیونکہ چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک عدم مقاربت کی قسم کھانے سے ایلاء ہو جاتا ہے۔ (ہدایہ ص ۳۷۶ ج ۲) میں ہے: واذا قال لامرأته واللہ لا اقربک او قال لا اقربک اربعة اشهر فهو مول۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خاوند چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ جائے تو چار ماہ گزرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے۔ پس صورت مسئلہ میں اس شخص کی بیوی پر چار ماہ گزرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ اب عدت گزر جانے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ محمد صدیق غفرلہ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

معین مفتی خیر المدارس ملتان

خادم الافاء خیر المدارس ملتان

۹/۸/۷۰ھ

توں چھٹی ہیں میں کولوں، میں تیکوں چھوڑا، طلاق صریح ہے :

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف و فضلاء اشراف اس مسئلہ میں جو تحریر مفصل ذیل ہے۔ غلام قاسم بیان کرتا ہے کہ میرا اپنی عورت مسامت بخت بی بی اور نوہ کے بارے میں تنازع ہوا کہ تم دونوں دانے ضائع اور خراب کرتی ہو۔ اسی اثناء کے اندر میری نوہ کا بھائی مسمیٰ غازی خان میرے گھر آگیا۔ میں نے غازی خان کو کہا کہ تیری بہن مسامت بانو بی بی میری عورت کا پکا ہوا نہیں کھاتی، اور میری عورت تیری بہن کا پکا ہوا

نہیں کھاتی۔ میں کیا کروں؟ یہاں پر میرا اور غازی مذکور کا جھگڑا ہو گیا۔ غازی خان نے کہا جب تیری عورت بڑی ہے اور میری بہن کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتی تو میری بہن کس طرح تیری عورت کے ہاتھ کا پکا ہوا کھاوے۔ حتیٰ کہ میں نے ایک مٹھ دانوں کی بھر کر اپنی عورت کی طرف بھکادی، یعنی پھینک دی۔ اور زبان سے یہ کہا: کہ ہک ڈو ترائے ونج توں چھٹی ہیں میں کولوں۔ پھر میں نے غازی کو کہا کہ تو ونج ہون خوش ہیں۔ میرے گھر کولوں پرے تھی۔ یہ بیان ہے غلام قاسم خان کا اور غازی خان کہتا ہے کہ مجھے پتہ نہ تھا کہ میرے ماموں اور مامی اور میری بہن کا جھگڑا ہے۔ میں تو ماموں کے گھر دانے سنبھالنے کے واسطے گیا تو ان کا آپس میں جھگڑا تھا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک دوسری کے ہاتھ کا پکا ہوا نہیں کھاتیں، اور میرا اور ماموں کا بھی تنازع ہو گیا۔ حتیٰ کہ میرے ماموں نے ایک مٹھ دانوں کی بھر کر اپنی عورت مسامت بخت بی بی کی طرف پھینک دی۔ اور کہا کہ ہک ڈو ترائے ونج توں میں کولوں چھٹی ہیں۔ پھر مجھے کہا کہ جا میرے گھر سے نکل جا اب تو خوش ہے۔ یہ بیان غازی خان نے کیا ہے۔ اور اسی واقعہ کو ایک اور شخص بھی سن رہا تھا۔ وہ بھی کہتا ہے کہ غلام قاسم نے ایک مٹھ دانوں کی بھر کر اپنی عورت کی طرف پھینک دی۔ اور کہا کہ ایک دو تین تیکوں چھوڑا ہے۔ پھر غازی کو کہا کہ بہن توں راضی ہیں۔ یہ بیان مرگل نے کیا ہے، اور پھر بخت بی بی اپنے بھائیوں کے گھر چلی گئی۔ فقط بینوا تو جروا۔ عورت غلام قاسم مطلقہ بالثلاث ہوئی یا نہ؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں عورت مذکورہ مطلقہ بسہ طلاق ہو گئی۔ ”توں چھٹی ہیں میں کولوں“ اور ”میں تیکوں چھوڑا“ ہر دو لفظ عرفاً صریح طلاق میں استعمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ شامی نے لفظ سرحتک کے متعلق تحقیق فرمائی ہے کہ اصل میں کنایہ ہے، لیکن عرف میں صریح طلاق بن چکا ہے۔ (کذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

الجواب صحیح

خادم الافقاء خیر المدارس ملتان

خیر محمد، مہتمم خیر المدارس ملتان

۱۷ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ

۱۸ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ

میرے تمہارے راستے جدا ہیں، مکمل فیصلہ میری طرف سے آزادی، طلاق

بائٹہ ہے :

خاوند نے بیوی کی طرف لکھا کہ یہ خط میں نہایت سکون اور سوچ سمجھ کر اصولی فیصلہ کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ خط کے آخری الفاظ یہ تھے کہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم ڈیرہ میں رہو گی مکمل طور پر۔ یہ الفاظ میں نے پہلی بار بھی لکھے تھے، لیکن وہ غصے میں لکھے تھے۔ لیکن اب یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر لکھ رہا ہوں۔ اگر تم ملتان آئی تو میرے اور تمہارے راستے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہوں گے، یعنی مکمل فیصلہ میری طرف سے آزادی ہوگی۔ کیا ان الفاظ کے لکھنے سے طلاق واقع ہوگئی ہے۔ اگر طلاق واقع ہوگئی تو طلاق کی کونسی قسم ہے بائن، رجعی یا مغلظہ۔ جو بھی صورت ہو تحریر فرمائیں۔ کیا یہ طلاق یہاں ڈیرہ اسماعیل خان میں واقع ہوگی یا کہ میری بہن جب ملتان جائے گی تو واقع ہوگی۔

الجواب :

بر تقدیر صحت سوال ان الفاظ کو تحریر کرنے والے کی مذکورہ بیوی جب ملتان آئے گی اسے طلاق ہو جائے گی۔ لکھنے والے نے تین کی نیت کی ہو تو تین، وگرنہ ایک بائن۔ ایک کی صورت میں تجدید نکاح کر سکتے ہیں جب چاہیں جہاں چاہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفی عنہ مفتی خیر المدارس

تق‘ تق‘ تق سے طلاق نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ غلام عباس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میرے کپڑوں کو صاف کریں اور دھولیں۔ تو بیوی نے گذارش کی کہ کل دھوؤں گی، آج نہیں ہو سکتا۔ تو خاوند نے مندرجہ ذیل الفاظ کہے ‘تق‘ تق‘ تق‘ تق‘ میں نے دی۔ تو یہ الفاظ بیوی کو کہے۔ باقی زبان سے کچھ نہیں بولا۔ نیز غلام عباس کا والد بھی موجود تھا۔

نوٹ : یہ عورت آٹھ ماہ سے حاملہ بھی ہے۔ تو خاوند کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی، صرف مذاق کرتا تھا۔

الجواب :

صورت مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لما فی الہندیۃ وان حذف اللام فقط فقال انت طاق لا یقع وان نوی (ص ۵ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ
الجواب صحیح
محمد عبد اللہ غفرلہ

۴ صفر ۱۴۳۳ھ

میری دونوں بیویوں کو طلاق ثلاثہ سے دونوں کو تین تین طلاق ہو جائیں گی :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمیٰ محمد اشرف نے میرے متعلق کچھ دوستوں سے کہا کہ فلاں نے مجھے ماں کی گالی دی ہے۔ اور کہا کہ اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو میری دونوں بیویوں کو طلاق ثلاثہ اور مسجد میں کلمہ پڑھ کر کہا کہ فلاں نے مجھے ماں کی گالی دی ہے۔ حالانکہ ایک لڑکا موقع کا گواہ ہے کہ فلاں نے فلاں کو کوئی گالی نہیں دی۔ تو اس صورت میں کیا طلاق ہو گئی یا نہیں؟ اسے اپنی بیویوں سے علیحدگی

اختیار کرنی چاہئے یا نہیں۔

الجواب :

اگر واقعی سائل نے محمد اشرف کو گالی نہیں دی تو محمد اشرف کی دونوں بیویوں پر تین تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ ولو قال لثلث نسوة له انتن طوالق ثلاثا او طلقتن ثلاثا يقع علی کل واحدة ثلث ولا ینقسم۔ عالمگیری (ص ۵۳ ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

۲۲ صفر ۱۴۳۳ھ

”طلاق ہی سمجھو“ کو طلاق نہ سمجھیں :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اندریں مسئلہ کہ رخصتی ہونے کے بعد بیوی مروجہ طور پر تین دن کے بعد اپنے میکے واپس آئی تو مروجہ طور پر لے جانے سے انکار کر دیا۔ لڑکی کے والد نے لڑکے کے والد کو بلوا کر کہا کہ یہ میری لڑکی تمہاری ہے، تم اس کو اپنے گھر لے جاؤ۔ اس نے جواب دیا ہم اس تیری لڑکی کو تھوک نہیں مارتے۔ مگر لڑکی کے والد نے لڑکی کو خود بخود اس کے گھر بھیج دیا۔ دو دن کے بعد اس لڑکی کا خاوند سسرال کے ہاں آیا اور کہنے لگا کہ تم اپنی لڑکی لے آؤ۔ سسرال نے کہا کہ اگر میری لڑکی نالائق ہے تو اس کو مار کر سمجھاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ تھوک نہیں مارتے۔ سسرال نے کہا کہ تیرے باپ نے بھی یہی الفاظ کہے ہیں اور تم بھی یہی الفاظ کہتے ہو۔ شاید یہ تمہارا لفظ طلاق نہ بن جائے۔ تو اس نے جواب دیا کہ طلاق ہی سمجھ لو۔ اب لڑکی کو اس گفتگو کے بعد پورے دو سال اپنے میکے بیٹھے ہوئے گزر گئے ہیں۔ کیا شرعاً یہ طلاق ہو گئی یا نہ؟

الجواب :

امراة قالت لزوجها مرا طلاق بده۔ فقال الزوج داده گيرو کرده گیر۔ ان نوى يقع ويكون رجعيًا وان لم ينو لم يقع ولو قال لها داده انگار لا يقع وان نوى۔ (عالمگیری ص ۶۳ ج ۲) طلاق ہی سمجھو داده انگار کے مشابہ ہے۔ لہذا عورت مذکورہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی، بلکہ بدستور اپنے خاوند کے نکاح میں ہے۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عبد اللہ غفر اللہ لہ

۱۴/۱۲/۹۷ھ

مفتی خیر المدارس ملتان

خاوند بیوی میں وطی میں اختلاف ہو جائے تو کس کی بات مانی جائے گی؟

زوج ثانی سے ایک عورت کا نکاح بطور حلالہ کے ہوا۔ طلاق دینے کے بعد زوج ثانی گواہوں کے سامنے منکر ہے کہ عورت نے صحبت نہیں کرنے دی اور عورت کا بیان ہے کہ اس نے صحبت کی اور غسل کے لئے پانی بھی میں نے ہی دیا ہے۔ شرع میں کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب :

فی الدر المختار ونفیل قول الفاسق والکافر والعبد فی المعاملات وشرط العدالة فی الدیانات کالخبر عن نجاسة الماء ویتحرى فی خبر الفاسق وخبر المستور ثم یعمل بغالب ظنه وفی ردالمحتار تحت قوله ولو اخبر عدل بطهارة وعدل بنجاسة الخ مانصه فقد اعتبروا التحری بعد تحقیق المعارض بالتساوی بین الخبرین۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر مرد و عورت میں ایک عادل ثقہ اور

دوسرا غیر عادل و غیر ثقہ ہو تو عادل و ثقہ کا قول معتبر ہو گا خواہ وہ شوہر ثانی ہو یا عورت ہو۔ اور اگر دونوں عادل یا دونوں غیر عادل یا دونوں مجہول الحال ہوں تو دونوں کے قول میں تحری کرے۔ جس طرف قلب شہادت دے، مگر اس شہادت میں نفسانی غرض نہ ہو۔ خود بخود جس طرف دل جھکتا ہو اور جو سچا معلوم ہوتا ہو اس کے قول پر عمل کرے، کیونکہ حلت و حرمت دیانات میں ہیں اور دیانات کا یہی قاعدہ اوپر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ، ص ۳۸۳، ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

محمد اسحاق غفرلہ

محمد عبداللہ غفرلہ

خاوند کچھ عرصہ بعد نامرد ہو جائے تو عورت کو فسخ کا حق نہیں :

ایک آدمی تقریباً عرصہ بیس سال سے شادی شدہ ہے اور اس کے چھ بچے ہیں۔ اب وہ آدمی تقریباً چار سال سے نامرد ہے اور اس نے علاج وغیرہ بھی کیا ہے، مگر وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ اس کی بیوی اس کے پاس رہنا نہیں چاہتی اور وہ طلاق بھی نہیں دینا چاہتا۔ اس عورت کو شرعاً اختیار فسخ حاصل ہو گا یا نہیں؟

المستفتی : عطاء الرحمن وہاڑی

الجواب :

اس عورت کو فسخ کا حق نہیں ہے۔ طلاق لے لے یا اس کی رضامندی سے خلع کر لے۔ کما فی الہندیۃ ولو وصل الیہا مریۃ ثم عجز لاخیار لہا کذا فی التبیین (عالمگیری ص ۵۲۴، ج ۱) فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۴۰۳ / ۸ / ۷ھ

میں خالد کی روٹی نہیں پکاؤں گا، پھر بیوی نے اس کی اجازت کے بغیر
خالد کی روٹی پکائی تو حانث ہو گیا نہیں؟

زید کا اپنے بھائی خالد سے جھگڑا ہوا۔ اس نے قسم کھائی کہ مجھ پر میری عورت تین طلاق سے حرام ہے اگر میں نے تیری روٹی پکائی۔ پھر زید کی بیوی نے خالد کی روٹی پکائی۔ گواہ کہتے ہیں کہ اس وقت زید گھر میں موجود تھا اور چپ رہا۔ بیوی کو روٹی پکاتے دیکھا اور اسے منع نہیں کیا۔ تو کیا زید حانث ہو گیا اور اس کی بیوی پر طلاق ہو گئی؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں زید حانث نہیں ہوا، کیونکہ اس نے روٹی پکائی اور نہ بیوی کو روٹی پکانے کا کہا۔ پس عورت کا یہ فعل زید کی طرف منسوب نہیں ہوگا، خواہ زید اس پر راضی بھی ہو۔ جیسے کہ کنزالدقائق میں ہے: لا یخرج فاخرج محمولاً بامرہ حنث وبرضاه لا اھ وفي العینی حلف لا یخرج فاخرج محمولاً بامرہ حنث وبرضاه لا بامرہ لا یحنث علی الصحیح لان الفعل انما ینتقل بالامر ولم یوجد فی الہدایۃ فی کتاب الایمان ومن حلف لا یخرج من المسجد فامرا نسانا فحملہ فاخرجه حنث لان فعل المأمور مضاف الی الامر فصار کما اذار کب دابة فخرجت ولو اخرجه مکرھا لم یحنث لان الفعل لم ینتقل الیہ لعدم الامر اھ۔ اور شامی کتاب الایمان میں ہے: وحنث فی لا یخرج ان حمل واخرج مختاراً بامرہ وبدونہ لا یحنث ولو راضیاً بالخروج فی الاصح فی العینی وهذه العلة فی مسئلة حيلة تزوج من (علق الطلاق) بکلمة کلما وهناك موجود ان کان برضاه لا بامرہ لا یحنث قال الشامی فی تفصیل هذه الحيلة وینبغی ان یجئى الی عالم ویقول له ما حلف

واحتياجه الى نكاح الفضولى فيزوجه العالم امرأة ويجيز بالفعل فلا يحنث وكذا اذا قال لجماعة لي حاجة الى نكاح الفضولى فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقد لي عقد فضولى يكون توكيلاً (ص ۳۹۷ ج ۲) - واللہ اعلم بالصواب -

کتبہ محمد موسیٰ الجواب صحیح الجواب صحیح
مفتی خانقاہ تھل کروڑ بندہ محمد عبداللہ غفرلہ خیر محمد مستم خیر المدارس
خادم الافاء خیر المدارس ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ

غضب کے درجاتِ ثلاثہ میں سے دوسرے درجہ میں دی ہوئی طلاق کا حکم :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری طبیعت میں غصہ رہتا ہے۔ میں نے اپنی کافی بڑی عمر میں (تقریباً ۳۷ سال) شادی کرائی۔ قریباً چار سال کے عرصے میں لڑکی باوجود میری پریشانیوں کے بہت تھوڑا عرصہ میرے پاس رہی۔ گزشتہ سال جبکہ بچہ پیدا ہونے والا تھا میری بیوی اپنے میکے چلی گئی۔ رشتہ داروں کے مجبور کرنے پر میں نے اس کو جانے دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ جائے۔ میں نے اسے منع کیا، مگر وہ بغیر میری اجازت اور اطلاع چلی گئی۔ بچہ پیدا ہو گیا اور مر گیا۔ سنا ہے کہ لڑکی بیمار تھی اس لئے نہ آسکی۔ میں نے کئی خطوط لکھے کہ لڑکی بھیج دو مگر لڑکی کے والدین نے بھیجنے کا نام نہ لیا۔ چونکہ مجھے اپنی طبیعت کے خلاف دوسرے رشتہ داروں کے ہاں کھانا کھانا پڑتا تھا، میری طبیعت کا غصہ اور جنون بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ میں جن رشتہ داروں کی بہت عزت کرتا تھا بعض اوقات غصہ کی حالت میں ان کو صلواتیں سنا دیتا۔ گو کچھ وقت گزارنے کے بعد میں اپنے ہوش و حواس میں ہوتا تو مجھے اپنے کئے پر سخت پشیمانی ہوتی اور بے چینی بھی۔ پشیمانی بڑھتی تو طبیعت میں دوبارہ گرانی، غم و غصہ میں پھر

وہی حالت ہو جاتی۔ چونکہ میرے سسرال والے مجھے معقول جواب بھی نہ دیتے تھے، میں بعض اوقات غصے کی حالت میں اپنے کو قابو میں نہ پاتا تھا۔ اول فول جو منہ میں آتا بکتا۔ یہاں تک کہ فحش گالیاں بھی باواز بلند غائبین اور بعض اوقات حاضرین کو بھی دے دیتا۔ ایسے ہی موقع پر جبکہ میری تکالیف اور پریشانیاں میرے خیال کے مطابق حد سے تجاوز کر گئیں، غصہ کی حالت میں گالی گلوچ کرتے کرتے میں نے اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کر دیئے۔ ”میں اس بیوی کو نہیں رکھوں گا، میں اس کو طلاق دوں گا۔ میں نے اس کو طلاق دی، دل سے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق۔ میرا اس کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں۔ اور بہت برا بھلا کہا۔ میرے ایک رشتہ دار جن کی میں قریباً پندرہ سال سے بہت عزت اور احترام کرتا ہوں، اور ان کی بات خلاف مزاج بھی تسلیم کر لیتا ہوں، بیٹھے تھے، مجھے منع کرتے رہے کہ ایسا نہ کہو۔ مگر میں ہوش میں کہاں تھا۔ غصہ سے تڑپ رہا تھا، کانپ رہا تھا اور جنون کی سی حالت تھی۔ میری زبان سے نہ جانے کیا کیا نکلا۔ جب یہ حالت دور ہوئی تو اس رشتہ دار کے کہنے پر جو کہ میرا پھوپھی زاد بھائی ہے، مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی اور پشیمان ہوا۔ پریشانی کی زیادتی سے مجھ پر اسی جنون کے دورے پڑنے لگے ہیں۔ میرے رشتہ دار کہتے ہیں کہ میں نے ظلم کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ مجھے تمام عمر پریشانی آئے گی۔ اور بقایا زندگی خراب ہوگی۔ براہ کرم احکام شریعت مطہرہ سے آگاہ فرمائیں۔

طالب دعا : سعید (۵۱/۹/۳)

میں عرصہ قریباً بیس سال سے سعید صاحب کو جانتا ہوں، ہمیشہ سے طبیعت میں غصہ، دوسروں کو حقارت سے دیکھنا اور بعد میں پریشان ہونا، زیادہ غصہ کی حالت میں جنون کی سی حالت پیدا ہونا۔ یہاں تک کہ نہ بڑے کا لحاظ نہ چھوٹے کا پاس۔ یہ امور منج ہوئے اس بات پر کہ اپنی بیوی کے متعلق ایسے الفاظ کہہ دیئے۔ میرے نزدیک اس کے زیادہ غصہ میں فتور عقل کے باعث ایسی حالت ہو گئی تھی جیسے کہ ایک پاگل کی ہوتی

(دستخط عبدالرحمن ولد حافظ رقم الہی مرحوم)

ہے۔

میں محمد سعید صاحب کو عرصہ پندرہ سال سے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ محترمی عبدالرحمن صاحب نے جو رائے ظاہر کی ہے مجھے اس سے اتفاق ہے۔ (دستخط محمد طاہر)

الجواب :

باسمہ تعالیٰ۔ واضح رہے کہ غضب کے تین درجات ہیں: (۱) ابتدائی درجہ میں کوئی تغیر نہیں آتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے، سمجھتا ہے۔ اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (۲) اعلیٰ درجہ غضب کا جس میں بے ہوش ہو جائے، حتیٰ کہ جو کچھ منہ سے نکلے اس کو سمجھ نہ سکے۔ اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ (۳) درمیانی درجہ غضب جس میں مثل مجنون کے تو نہیں ہوا، لیکن پہلے درجہ سے متجاوز ہو گیا۔ تو اس صورت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس تیسرے درجہ میں ابن قیم حنبلی کا اختلاف ہے۔ لیکن حنابلہ کے نزدیک بھی اور ہمارے نزدیک بھی اس میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کما فی الدر المختار لکن اشار فی الغایۃ الی مخالفتہ فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافاً لابن القیم اھ۔ وهذا الموافق عندنا الخ۔ اس تمہید کے بعد اب قابل غور بات یہ ہے کہ مسمی محمد سعید کو جو صورت پیش آئی وہ ان تین صورتوں میں کونسی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غضب کا اعلیٰ درجہ جو جنون اور مدہوش کے ساتھ ملحق ہے نہیں تھا۔ اس لئے کہ جو کچھ الفاظ غصہ کی حالت میں سرزد ہوئے ہیں وہ پوری طرح یاد ہیں۔ پس ہمارے نزدیک غضب کا درمیانی درجہ ہے۔ اس صورت میں ہر سہ طلاق واقع ہو گئیں۔ حلالہ کی ضرورت ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح والحبیب مصیب

خیر محمد عفا اللہ عنہ مہتمم خیر المدارس ملتان

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

۲۱ ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ

عمر قید کی بیوی رہائی کیسے حاصل کرے :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمیٰ خادم حسین کا پانچ سال سے مسماۃ عائشہ سے مسماۃ کے والد نے شرعی نکاح کر دیا۔ نکاح کے تین سال بعد مسمیٰ خادم نے ایک آدمی کو قتل کیا ہے، جس کی وجہ سے وہ قید ہو گیا ہے۔ اپیل پر ایک سال اور اضافہ ہو گیا ہے۔ اب پندرہ برس کے لئے وہ قید ہو گیا۔ لڑکی اس وقت چودہ سال کی ہے جو کہ پوری بالغ ہے، ناکح کو نوٹس دیا گیا کہ تم طلاق دے دو۔ اس کے عوض تجھے دوسری لڑکی نکاح میں دی جائے گی۔ اس نے انکار کر دیا ہے۔ والد بیچارہ فتنے کے خطرہ سے سخت پریشان ہے۔ علماء دین سے دریافت ہے کہ اس صورت میں کوئی فسخ نکاح کی صورت ہو سکتی ہے یا نہ؟ بینوا تو جروا

الجواب :

صورت مسئلہ میں عورت مذکورہ زوجہ غائب غیر مفقود الخبر ہے۔ اس کی رہائی کی صورت اول تو یہ ہے کہ اس کے خاوند کو خلع پر راضی کیا جائے۔ اگر وہ خلع پر راضی نہ ہو تو بصورت مجبوری مالکیہ کے مذہب پر قاضی کی عدالت میں درخواست دے کر گواہوں کے ذریعے سے اس غائب کے ساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کرے۔ پھر یہ ثابت کرے کہ وہ مجھ کو نفقہ نہیں دے گیا۔ اور نہ ہی اس نے وہاں سے نفقہ بھیجا اور نہ ہی یہاں کوئی انتظام کیا اور نہ میں نے معاف کیا۔ اور وہ اس واجب میں کوتاہی کر رہا ہے۔ ان باتوں پر حلف بھی کرے۔ اس کے بعد اس غائب کے کسی عزیز وغیرہ نے نفقہ اپنے ذمہ لے لیا تو خیر۔ ورنہ قاضی اس شخص کے پاس حکم بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کا حق ادا کرو، یا بلا لو، یا وہیں سے کوئی انتظام کرو۔ ورنہ اس کو طلاق دے دو۔ اور اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی نہ کی تو ہم خود تم دونوں میں تفریق کر دیں گے۔ اس پر بھی اگر خاوند کوئی صورت قبول نہ کرے تو قاضی ایک مہینہ انتظار کا حکم دے۔

اس مدت میں بھی اگر شکایت رفع نہ ہو تو عورت کو اس غائب سے جدا کر دے۔ (کذا فی الحیلة الناجزة ص ۱۷۶) واضح رہے کہ عمر بھر قید والے کے متعلق حیلہ ناجزہ میں لکھا ہے: اگر پتہ معلوم ہو تو غائب غیر مفقود کے حکم میں ہے، ورنہ مفقود کے حکم میں ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ غفرلہ

خیر محمد عفا اللہ عنہ

خادم الافاء خیر المدارس

مفتی خیر المدارس ملتان

ملتان

۱۲ شوال ۱۳۷۰ھ

نکاح فاسد کو عورت بھی فسخ کر سکتی ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء اس میں کہ ایک عورت شادی شدہ مطلقہ بطلاق مغلطہ ہوئی۔ جس وقت اس کو طلاق ملی اس وقت اس کو حیض تھا۔ ایک یہ حیض جس میں طلاق دی گئی اور ایک دوسرا گزار کر تیسرے حیض کے اندر جبکہ وہ ختم نہیں ہوا تھا اس عورت کا نکاح پڑھا گیا تھا۔ عورت کی اجازت سے۔ بعد میں تحقیق کی گئی تو وہ نکاح عدت کے اندر پڑھا گیا تھا جو زید کے ساتھ پڑھا گیا تھا۔ علماء دین نے حکم دیا تھا کہ یہ نکاح باطل ہے۔ دوبارہ نکاح پڑھا جائے۔ عدت گزار کر جب عورت نے یہ سنا تھا کہ میرا نکاح زید کے ساتھ نہیں ہوا تو عورت مذکور نے بکر کے ساتھ نکاح پڑھا لیا۔ دوبارہ زید سے نہیں پڑھایا تھا، عدت پوری کر کے بکر کے ساتھ پڑھا لیا تھا۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جو نکاح زید کے ساتھ پڑھا گیا غلطی سے وہی عدت پوری گذر جانے کے بعد صحیح ہو گیا۔ دوبارہ نکاح کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ جو زید کے ساتھ نکاح پڑھا گیا تھا وہ باطل ہے۔ تو لہذا وہ اجازت بھی باطل ہو گئی تھی۔ بکر کے ساتھ جو نکاح پڑھا گیا تھا وہ صحیح ہے۔ مذکورہ عورت کا نکاح اول زید کے

ساتھ ہوا جو عدت کے اندر کیا گیا تھا۔ دوسرا بکر کے ساتھ جو عدت پوری ہونے کے بعد کیا گیا تھا۔ اس کا جواب بالذات لاکل عطا فرمائیں۔

مستفتی : مولوی غلام اللہ، نواب شاہ

الجواب :

صورت مسئلہ میں دوسرے مولوی صاحب کا قول صحیح ہے، اور جو مولوی صاحب یہ دلیل دیتے ہیں کہ عدت پوری ہونے کے بعد صحیح ہو گیا وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ معتدہ کا نکاح فاسد ہوتا ہے اور دخول سے پیشتر نکاح فاسد کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا اور وہ علی شرف البطلان ہوتا ہے، ادنیٰ عمل سے باطل ہو جاتا ہے۔ عورت ایسی صورت میں زبانی کہہ دے کہ میں اس نکاح کو ختم کرتی ہوں تو وہ نکاح فاسد ختم ہو جاتا ہے۔ جب عورت نے یہ سن کر کہ میرا نکاح صحیح نہیں ہوا، دوسری جگہ نکاح کر لیا تو پہلے نکاح کو فسخ کر دیا۔ لہذا دوسرا نکاح صحیح ہے۔ فی البحر افاد بالتقید بالوطء ان الفاسد لا حکم له قبل الدخول (ص ۱۸۳ ج ۳) وبعده بقلیل فی صفحہ ۱۸۵ لکن فی القنیۃ ان لكل واحد منهما ان یستبد بفسخه قبل الدخول بالاجماع۔ فقط واللہ اعلم۔

عبداللہ غفر اللہ لہ

خادم الافقاء جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۸/۵/۱۳۸۰ھ

میرا تیرا تعلق ختم ہے سے نکاح ختم ہو گیا :

کیا فرماتے ہیں علماء اس میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے اپنی سالی کے ساتھ بد فعلی کی ہے۔ آیا اس فعل بد کے بعد اس شخص کا اپنی بیوی سے نکاح رہا۔ اسی مرد مذکور بالا کو خاندان والوں میں سے کسی نے کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو ہم تمہارا نکاح اسی سالی سے کر دیں گے۔ اس مرد نے اس طمع میں آکر اپنی بیوی کو جا کر

ان الفاظ سے خطاب کیا کہ آج سے میرا اور تمہارا تعلق ختم ہوا۔ پھر اکثر لوگوں کے پوچھنے پر مرد یہی جواب دیتا رہا کہ میرا اپنی بیوی سے تعلق نہیں رہا۔ واقعہ کو ڈیڑھ سال گزر گیا۔ اس مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ ہر قسم کا تعلق ختم کر دیا ہے۔ آیا اس صورت میں نکاح قائم رہا ہے۔ سائل کہتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ اس نیت سے کہنے تھے کہ سالی سے نکاح کروں اور اپنی بیوی سے ختم کروں۔

الجواب :

صورت مسئلہ میں شخص مذکور کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی ہے۔ نیز برضاء طرفین تجدید نکاح جائز ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں۔ عدت گذرنے پر اگر عورت دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ بشرطیکہ تجدید نکاح نہ کر چکے ہوں۔ فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ الجواب صحیح

۱۳۸۰/۶/۲۵ھ عبد اللہ غفر اللہ لہ

طلاق مغلظہ طلاق بائنہ ہے :

مسی عبد اللطیف میری دختر کو طلاق دینے کی اطلاع بذریعہ پوسٹ کارڈ تحریر کر کے حسب ذیل دیتا ہے۔ نقل مصدقہ: ”اگر آپ کو اپنی لڑکی کے ساتھ ہمدردی ہے تو آپ آکر لے جائیں۔ کیونکہ بندہ آپ کی لڑکی کو بتاریخ ۲۶/۱/۳۹ بروز بدھ طلاق مغلظہ دے چکا ہے، الخ۔“ اب سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟ کیا اس میں رجوع کرنے یا تجدید نکاح کی گنجائش ہے؟ کیا ہم دوسری جگہ نکاح کر سکتے ہیں؟ صورت مذکورہ میں ہمیں کیا اختیار ہے کہ اس طلاق دینے سے جہیز مثل زیور، ظروف و مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں اس تحریر سے کہ بندہ آپ کی لڑکی کو طلاق مغلظہ دے چکا

ہے۔ طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے، بشرطیکہ تین کا ارادہ نہ ہو، ورنہ تین طلاقیں واقع ہوں گی اگر تین کا ارادہ کرے۔ پس اگر اس شخص نے تین طلاق کا ارادہ کیا تھا تب تو تین طلاق پڑ جائیں گی اور بغیر حلالہ کے نکاح میں نہیں لاسکتا۔ اور اگر تین طلاق کا ارادہ نہیں تھا تو طلاق بائنہ پڑے گی۔ تجدید نکاح بغیر حلالہ کے ہو سکتی ہے اور بعد نکاح ثانی وہ اس عورت کو رکھ سکتا ہے۔ فی الدر المختار ویقع بقولہ انت طالق بائن او البتۃ او افحش الطلاق او اکبرہ او اعرضہ او اغلظہ واحدة بائنة ان لم یبنو ثلاثا الخ۔

نوٹ : بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہے اور حق مہر بھی اور عورت کا جیز وصول کرنے کا بھی اختیار ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد اللہ غفرلہ
الجواب صحیح
خادم الافاء خیر المدارس ملتان
خیر محمد عفی عنہ

بیمین میں کام خود نہیں کیا بلکہ کسی کو کرنے کا حکم دیا تو بھی حانث ہو جائے گا :

دو شاہد لفظ اشہد سے شہادت دیتے ہیں کہ مسمی شیر محمد نے ہمارے روبرو حلف اٹھایا کہ اگر میں نے تمہاری گائے ماری ہو تو مجھ پر اپنی بیوی تین طلاق سے حرام ہے۔ یا کہا کہ تین طلاق اور حنث کے متعلق کوئی گواہ نہیں۔ شیر محمد مذکور کا بیان ہے کہ گائے میرے کھیت سے سیر ہو چکی تھی۔ جب میں پہنچا تو میں نے اس کے منہ کو رسی کے ساتھ باندھ کر ہانک دیا۔ اور اس کو ایک پتھر بھی مارا جو کوکھ پر لگا۔ تھوڑی دور جا کر وہ گر گئی۔ میں نے جا کر اس کا منہ کھول دیا۔ وہ تھوڑی اٹھ کر بے ہوش ہو گئی۔ میں نے چھری کے لئے آواز دی۔ ایک آدمی نے دوڑ کر گائے کو ذبح کر دیا۔ گائے کو ذبح کرتے وقت اس

نے حرکت بھی کی ہے۔ مسمی مذکور کا بیان ہے کہ مجھے یہ بھی شک ہے کہ گائے کثرت نفخ سے بے ہوش ہو گئی اور یہ بھی شک ہے کہ تندرست ہو اور مکر کر کے گر گئی ہو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسمی مذکور حانث ہو گیا یا نہیں۔ جبکہ شاہد اول کی شہادت میں دو لفظ تردد کے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ”میں اپنے بس تک سچ کہوں گا“ دوسرا لفظ حرام اور طلاق کا اشتباہ۔ علاوہ ازیں شاہد اول فاسق ہے۔ بعض اوقات نماز بھی نہیں پڑھتا۔ اور اس بات کا وثوق بھی نہیں کہ گائے کس سبب سے مری ہے۔ اب زید کہتا ہے کہ چونکہ تردد شاہد اول کا مضر نہیں۔ اور عدالت فی زمانہ مفقود ہے تو گائے کا مارنے والا یہی شخص سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ایک تو مستحلف کی نیت کا اعتبار ہو گا۔ علاوہ ازیں اس کے حنث کے لئے یہی کافی ہے کہ اس نے ذابح کو بلا کر زندہ گائے ذبح کرادی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں: (۱) تعلیق کا معاملہ۔ آیا شیر محمد نے تعلیق کی یا نہیں۔ (۲) بعد از تعلیق کیا ایسی صورت میں جب کہ گائے کو پتھر مارا اور ذبح کا امر کیا حانث ہو گیا یا نہیں۔ پہلے معاملہ میں دو گواہوں کے بیان درست ہیں۔ اور ”اپنے بس تک سچ کہوں گا“ کے جملہ سے شہادت میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ البتہ عادل ہونا ضروری ہے۔ اگر ایک گواہ غیر عادل ہے تو شرعاً تعلیق ثابت نہ ہوگی۔ هذا فی القضاء و امر الدیانۃ مؤ کل الی اللہ، یعنی قضاء کے طور پر تعلیق ثابت نہ ہوگی۔

دوسرے معاملہ میں اگر کوئی تعلیق ثابت ہو جائے تو جو صورت پیش آئی ہے کہ شیر محمد نے گائے کے منہ کو رسی سے باندھ کر پتھر مارا اور وہ گر گئی۔ پھر کسی کو کہا چھری لاؤ اور ذبح کرو۔ اس صورت میں شیر محمد کا گائے کو مارنا ثابت ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ

سے وہ حانث ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کسی فعل کے متعلق نہ کرنے کی حلف اٹھائی ہو تو اس کا امر کرنے سے فعل کی نسبت امر کی طرف ثابت ہو جاتی ہے۔ فی الہدایۃ من کتاب الایمان حلف لا یخرج من المسجد فامر انساناً فحملہ فاخرجه حنث لان فعل المأمور مضاف الی الامر فصار کما اذا ركب دابة الخ (کتاب الافتاء نمبر ۲۱۷ ج ۶) پس در صورت تعلیق اندریں حالت جبکہ اس نے گائے کو پتھر مارا اور ذبح کا امر کیا۔ حنث ثابت ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہ
 الجواب صحیح
 خادم الافتاء خیر المدارس ملتان
 خیر محمد عفا اللہ عنہ
 ۱۳/۲/۲۵ھ

خاوند کی مرضی کے بغیر خلع درست نہیں :

خیریت موجود، خیریت مطلوب۔ جامعہ خیر المدارس کی شاخ مدرسہ عربیہ ضیاء الاسلام بستی سحر میں ایک فتویٰ آیا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ حاملین فتویٰ کو جواب سے نوازیں۔ فتویٰ یہ ہے :

جناب فلک شیر صاحب نے اپنی بیوی منظور اں مائی کے متعلق عدالت میں یہ درخواست دی کہ میری بیوی نافرمان ہے۔ میرے پاس بسیرا نہیں کرتی، لہذا اسے میرے پاس رہنے پر مجبور کیا جائے۔ دریں اثناء منظور اں مائی نے بھی عدالت میں یہ درخواست دائر کر دی کہ میں فلک شیر کے پاس نہیں رہنا چاہتی۔ میرا نکاح بطور خلع فسخ کیا جائے۔ چنانچہ عدالت نے منظور اں مائی کو پانچ ہزار روپیہ خلع کے بدلے جمع کرانے کا حکم دیا۔ فلک شیر فسخ و خلع پر راضی نہیں ہوا۔ وہ تو اپنی بیوی اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے، اسے رقم کی ضرورت نہیں۔ مگر عدالت نے شوہر کی مرضی کے بغیر فسخ و خلع

کا فیصلہ کر دیا۔ خاوند نے نہ پانچ ہزار روپے لئے اور نہ ہی خلع و طلاق و فسخ پر راضی ہوا۔ عورت نے عدالت کی کاروائی پر دوسری شادی رچالی۔ از روئے شرع یہ بتائیں کہ عدالت کی کاروائی کے ذریعہ طلاق یا فسخ نکاح یا خلع وغیرہ معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ شرعاً یہ خلع معتبر نہیں۔ خلع میں زوجین کی رضامندی لازم ہے۔ شامی میں ہے: قالت خلعت نفسی بکذا ففی ظاہر الروایۃ لا یتیم الخلع مالہم یقبل بعدہ۔ (ص ۵۵۷، ج ۲) پس عورت مذکورہ کا خلع کے بعد دوسری جگہ عقد نکاح کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ عورت پر لازم ہے کہ پہلے شوہر سے طلاق حاصل کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ، جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۳/۳/۱۴۱۱ھ

خاوند ظالم ہو تو خلع کرنے میں کوئی حرج نہیں :

مؤدبانہ گذارش ہے کہ میرا شوہر مسمی محمد فاروق ولد عبدالحق ایک بے درد اور سفاک انسان ہے۔ مار پٹائی اور گالی گلوچ، طعنہ زنی اس کی روزمرہ کی عادت ہے۔ الزام تراشی اس کا معمول ہے۔ خطرناک قسم کی دھمکیاں دیتا ہے کہ قتل کردوں گا، زہر دے دوں گا یا تیزاب ڈال کر تمہیں بد صورت کردوں گا۔ ان حالات میں میرا ان کے ساتھ گزارا ممکن نہیں، نہ ہی وہ طلاق دینے کو تیار ہے۔ میں اپنے شوہر سے خلع چاہتی ہوں۔ مہربانی فرما کر قرآن و سنت کی رو سے اس مسئلہ کا حل بتائیں۔ جناب کی نوازش ہوگی۔

طالب فتویٰ : زاہدہ پروین ولد محمد عاشق، محلہ اسحاق پورہ خونی برج ملتان

الجواب :

اگر خاوند خلع کرنے کو تیار ہے تو صورت مسئلہ میں خلع کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ مسامت زائدہ عند اللہ مجرم اور گناہ گار نہ ہوگی۔ فان خفتن ان لا یقیمہما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ الایہ۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

۱۴۱۲ / ۴ / ۵ھ

جامعہ خیر المدارس ملتان

والدہ اور بیوی کی خودکشی کی دھمکی سے ڈر کر طلاق صرف لکھ کر دی تو واقع ہوگی یا نہیں :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جس کی پہلی بیوی موجود ہے، گھر والوں سے پوشیدہ طور پر دوسرا نکاح کر لیا۔ جب گھر والوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے اس پر زور لگایا کہ زوجہ ثانیہ کو طلاق دے دے۔ حتیٰ کہ شخص مذکور کی والدہ اور پہلی بیوی نے طلاق نہ دینے کی صورت میں اپنی خودکشی پر آمادگی ظاہر کی۔ اور شخص مذکور کو ظن غالب ہو گیا کہ اگر میں نے دوسری بیوی کے لئے طلاق نامہ نہ لکھا تو میری والدہ اور بیوی ضرور خودکشی کر لیں گی۔ لہذا اس نے ایک طلاق نامہ محض ان کو مطمئن کرنے کی وجہ سے انگریزی زبان میں لکھا۔ اور اس پر دستخط کر کے سپرد ڈاک کیا۔ لیکن طلاق نامہ بیوی کو ملنے سے قبل کسی نے اسے واپس کر دیا۔ شخص مذکور کا خیال ہے کہ میں نے اپنی والدہ اور بیوی کی خودکشی سے مجبور ہو کر بغیر نیت طلاق کے تین طلاقیں لکھی تھیں۔ اور لکھنے سے قبل بعض لوگوں کو گواہ بنا دیا تھا کہ میں بہ نیت طلاق طلاق نامہ نہیں لکھوں گا۔ نہ الفاظ طلاق بولوں گا۔ بلکہ اپنی والدہ اور اپنی بیوی کی خودکشی کے خطرہ سے مجبور ہو کر محض انہیں مطمئن کرنے کے لئے طلاق نامہ لکھوں گا۔ چنانچہ

ایسا ہی کیا گیا۔ شخص مذکور نے یہ سمجھ کر کہ اس صورت میں جب طلاق نہ ہوئی تو میرے لئے بیوی حلال ہے۔ اس خیال سے وہ اس کے ساتھ تعلقات زوجیت رکھتا رہا۔ جس سے کئی بچے بھی پیدا ہو گئے۔ اب مندرجہ ذیل امور قابل دریافت ہیں:

- (۱) صورت مسئلہ میں اکراہ جو مسئلہ طلاق میں عند الفقہاء معتبر ہے پایا گیا یا نہیں؟
- (۲) عربی زبان کا لفظ طلاق انگریزی زبان میں لکھنے سے مصحف قرار پائے گا یا نہیں؟ اگر یہ لفظ طلاق انگریزی زبان میں لکھنے کی وجہ سے مصحف قرار پائے تو بغیر نیت کے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ (۳) بر تقدیر وقوع طلاقات ثلاثہ جب خاوند کو یہی گمان تھا کہ بحالت مجبوری بغیر نیت طلاق کے طلاق لکھنے سے چونکہ طلاق نہیں ہوتی اس لئے میری بیوی مطلقہ نہ ہوئی۔ یہ سمجھ کر وہ اپنی بیوی سے وطی کرتا رہا۔ اور اس سے کئی بچے بھی پیدا ہو گئے۔ اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ وہ بچے بصورت مسئلہ اولاد الزناء قرار پائیں گے یا ثابت النسب جانے جائیں گے۔

الجواب :

صورت مسئلہ میں جب اس کو اپنی بیوی اور والدہ کے خود کشی کرنے کا ظن غالب ہو گیا، کیونکہ اکثر عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں۔ وہ ایسے کام کرنے میں گریز نہیں کرتی ہیں۔ تو یہ صورت اکراہ کی ہوئی۔ اور اکراہ میں طلاق تحریر کی گئی۔ اکراہ شرع میں یہ ہے کہ کسی کے ساتھ ناحق ایسا فعل کرنا کہ وہ شخص ایسا کام کرے جس کو کرنا نہیں چاہتا۔ اکراہ کے محقق ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں: (۱) مکراہ اس فعل کے کرنے پر قادر ہو جس کی وہ دھمکی دیتا ہے۔ (۲) مکراہ جس کو دھمکی دی گئی ہے، اس کا غالب گمان یہ ہے کہ اگر میں اس کام کو نہ کروں گا تو جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے اسے کر گزرے گا۔ (۳) جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے وہ جان جانا ہے، یا عضو کاٹنا ہے، یا ایسا غم پیدا کرنا ہے جس کی وجہ سے وہ کام ہنسی خوشی و رضامندی سے نہ ہو۔ (۴) جس کو دھمکی دی گئی ہو وہ پہلے سے اس کام کو نہ کرنا چاہتا ہو، خواہ اپنے حق کی وجہ سے یا کسی

دوسرے کے حق کی وجہ سے، یا حق شرع کی وجہ سے۔ (در مختار مع الشامیہ ص ۸۰ ج ۵) الا کراه ہو فعل یوجد من المکرہ فیحدث فی المحل معنی یصیر بہ مدفوعاً الی الفعل الذی طلب منه۔ صاحب رد المحتار مدفوعاً الی الفعل کی تشریح میں فرماتے ہیں: ای بحیث یفوت رضاه بہ وان لم یبلغ حد الجبر اه، و شرطہ اربعة امور: قدرة المکرہ علی ایقاع ما هدد به سلطاناً او لصاً والثانی خوف المکرہ بالفتح ایقاعه ای ایقاع ما هدد به فی الحال بغلبة ظنه لیصیر ملجئاً۔ علامہ شامی تحت قوله لیصیر ملجئاً تحریر فرماتے ہیں: هذه الشروط لمطلق الا کراه لا للملجئ والثالث کون الشئ المکرہ به متلفاً نفساً او عضواً او موجباً غماً یعدم الرضی وهذا ادنی مراتبه الخ۔ والرابع کون المکرہ ممتنعاً عما اکره علیه قبله اما لحقه او لحق شخص آخر اولحق الشرع (در مختار مع الشامیہ ص ۸۸ ج ۵) منع امرأته المریضة عن المسیر الی ابویها الا ان تهبه مهرها فوهبته بعض المهر فالهبة باطله لانها کالمکره الخ۔ یہ اکراه صورت مسئلہ سے یقیناً کم درجہ کی ہے اور اس کو معدوم رضا قرار دیدیا ہے اور بہہ کو باطل تسلیم کیا گیا تو صورت مسئلہ میں بطریق اولیٰ اکراه معدوم رضا ہے۔ صورت مسئلہ عنہا میں اکراه کی جمیع شروط متحقق ہیں۔ لہذا یہ تحریری طلاق معتبر نہ ہوگی، کیونکہ اس کو اپنی بیوی اور والدہ کی خود کشی کا ظن غالب پیدا ہو گیا تھا اور اس نے اس کو ایسا غم دیا جس نے رضا مندی کو معدوم کر دیا تھا۔ اگرچہ اس کا اختیار باقی تھا۔ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: فلو اکره علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ههنا۔ (شامیہ ص ۲۵۷ ج ۲) صورت مسئلہ میں تصحیف و عدم تصحیف کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر بالفرض تین طلاقیں ثابت بھی ہو جائیں اور مرد یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میری نیت طلاق کی نہ تھی۔ اس لئے طلاق واقع نہ ہوگی اور وہ اس

عورت سے وطی کرتا رہے تو جو اولاد اس سے پیدا ہوگی وہ ثابت النسب ہے۔ در مختار میں ہے: کما یثبت بلا دعوة احتیاطاً فی مبتوتہ جاءت بہ لاقل منہما من وقت الطلاق لجواز وجودہ وقتہ ولم تقر بمضیہا کما مر ولو بتمامہا لا یثبت النسب الا بدعوة لانه التزمہ وہی شبهة عقد ایضاً (ای کما انها شبهة فعل) علامہ شامی وہی شبهة عقد ایضاً کے تحت فرماتے ہیں: ای کما انها شبهة فعل و اشار بہ الی الجواب عن اعتراض الزیلعی بان المبتوتہ بالثلاث اذا وطئها الزوج بشبهة كانت شبهة فی الفعل وقد نصوا علی ان شبهة الفعل لا یثبت فیہا النسب وان ادعاه واجاب فی البحر بان وطئ المطلقة بالثلاث او علی مال لم تتمحض للفعل بل ہی شبهة عقد ایضاً فلا تناقض ای لان ثبوت النسب لوجود شبهة العقد الخ (شامیہ ص ۶۷۷ ج ۲) فقط واللہ اعلم

سید مسعود علی قادری، مفتی مدرسہ انوار العلوم ملتان شہر، ۱۸ جولائی ۵۹ء

الجواب :

شریعت میں اکراہ کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے پر کوئی ایسا فعل واقع کرے کہ جس سے اس کی رضامندی یا اختیار فاسد ہو جائے۔ شرح وقایہ میں ہے: ہو فعل یوقع المکرہ بغیرہ فیفوت بہ رضاه او یفسد اختیارہ مع بقاء الاہلیۃ (ص ۳۳۷ ج ۳) اور عالمگیری میں ہے: واما تفسیرہ فی الشرع فہو اسم لفعل یفعله المرء بغیرہ فینتفی بہ رضاه کذا فی الکافی۔ اور صاحب کنز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اکراہ کی تعریف ان الفاظ سے فرمائی ہے: ہو فعل یفعله الانسان بغیرہ فیزول بہ رضاه۔ اور علامہ وطوری کے تکرار ص ۸۰ ج ۸ میں الفاظ تعریف یہ ہیں: لان الاکراہ اسم لفعل یفعله الانسان بغیرہ فینتفی بہ رضاه۔ اور ہدایہ میں ہے: الاکراہ یثبت حکمہ اذا حصل ممن یقدر علی ایقاع ما یوعد بہ سلطاناً کان اولیاً۔ لان

الاکراہ اسم لفعل یفعله بغيره فینتفی به رضاہ او یفسد به اختیارہ مع بقاء الاہلیۃ (ص ۳۳۰ ج ۳) تو ان تعریفات بالا سے یہ امر قطعاً ثابت ہو رہا ہے کہ مکرمہ اور جس پر اس کا فعل مہدوبہ واقع ہوگا، ان میں غیریت ضروری ہے۔ تعریفات بالا کے اندر اس بارے میں قطعاً کوئی اجمال یا ابہام موجود نہیں ہے کہ جس شخص پر فعل مہدوبہ واقع ہو رہا ہے وہ اس کے علاوہ ہونا چاہیے۔ جس سے کہ یہ فعل صادر ہو رہا ہے۔ یہ ایک مقدمہ ہوا جو منطوق تعریفات بالا ہے۔ اس کے علاوہ تحقیق اکراہ کی شرائط کے سلسلہ میں حضرات فقہاء نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کی دھمکی کو اکراہ اس وقت سمجھا جائے گا جبکہ مکرمہ ایقاع مہدوبہ پر قادر بھی ہو۔ یعنی اسے اتنی قوت و غلبہ حاصل ہو کہ مکرمہ اس کے سامنے بے بس و مجبور محض ہو۔ اور مکرمہ اپنی دھمکی اس پر تغلبا جاری کر سکتا ہو۔ چنانچہ تاملہ بحر ص ۸۰ ج ۸ میں ہے: ولا یتحقق ذلك الا من القادر عند خوف المکره لانه یصیر به ملجئاً وبدون ذلك لا یصیر ملجئاً وماروی عن الامام ان الاکراہ لا یتحقق الا من السلطان فذلك محمول علی ما شہد به فی زمانہ من ان القدرة والمنعہ منحصرۃ فی السلطان وفي زمانہما کان لكل مفسدٍ له قوۃ ومنعۃ لفساد الزمان فافتیا علی ما شہدا وبہ یفتی لانه لیس فیہ اختلاف یظهر فی حق الحجۃ وفي المحيط وصفۃ المکره وهوان یغلب علی ظنہ انه یوقع ذلك به لولم یفعل ولوشک انه لا یفعل ما توعد به لم یکن مکرها لان غلبۃ الظن معتبرۃ عند فقد الادلۃ۔

نیز یہ حقیقت اس سے بھی بخوبی واضح ہوتی ہے کہ امام صاحب اکراہ کا تحقیق صرف سلطان سے مانتے ہیں، کیونکہ سلطان کو ہی ایسی قوت و شوکت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی دھمکی کو جاری کر سکتا ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اصولی طور پر تو غلبہ سلطان ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن غیر آئینی تغلب وقتی طور پر غیر سلطان ڈاکو چور وغیرہ کو بھی حاصل ہو سکتا ہے، جس کی بناء پر وہ کسی فرد کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے پر

مجبور کر سکتا ہے۔ الحاصل مکرمہ کا غالب یا متغلب ہونا ضروری ہے۔ قاضی خان وغیرہ اختلاف ہذا کی تعبیر ان الفاظ سے کرتے ہیں: وهو لا يتحقق الا من السلطان في قول ابي حنيفة وفي قول صاحبيه يتحقق من كل متغلب يقدر على تحقيق ما يهدد به وعليه الفتوى۔

جب یہ دونوں امر ثابت ہو گئے تو لازمی طور پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک شخص کا اپنے کسی عزیز کے کسی غیر متوقع فعل پر ناخوش ہو کر اپنی بے چارگی، بے بسی اور مغلوبیت کی بناء پر خود کشی کی دھمکی دینا اکراہ کی شرعی تعریف میں قطعاً داخل نہیں، کیونکہ یہاں پر سابق الذکر دونوں امر مفقود ہیں۔ فعل مہدوبہ کا وقوع خود مکرمہ پر ہو رہا ہے جو منطوق تعریفات کے خلاف ہے۔ دوسرا سائل کی والدہ کا یہ فعل مغلوبیت اور بے بسی کا مظہر اور آئینہ دار ہے اور اسے جبر و اکراہ (جس کا منشاء جابریت و استیلاء ہے) سے کوئی واسطہ نہیں۔ لہذا صورت مسئلہ کو اکراہ میں داخل کرنا درست نہیں۔ خصوصاً جبکہ فاضل مجیب اپنے استدلال کی سمائیت میں کوئی صریح جزئیہ بھی پیش نہیں کر سکے۔ ہم نے بھی اپنے طور پر کتاب الاکراہ کو سرسری نظر سے دیکھا ہے، لیکن ایسا کوئی جزئیہ نہ مل سکا جو صورت مسئلہ کی نظیر بن سکے۔

واضح رہے کہ فاضل مجیب نے تنویر الابصار سے جو جزئیہ نقل کیا ہے، مانحن فیہ سے قطعاً مختلف ہے۔ اور صورت مسئلہ کو اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ مقیس علیہ میں مکرمہ کے فعل منع کا متعلق اس کی زوجہ ہے۔ اور اس منع کا منشاء بھی غلبہ و قاہریت ہے۔ بخلاف مقیس کے کہ اس میں یہ دونوں امر مفقود ہیں۔ اور اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تحقق اکراہ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عاجل ہو۔ اور مکرمہ کو فوری خطرہ لاحق ہو، جس کی وجہ سے وہ طبعاً اس فعل کے کرنے پر مجبور اور مدفوع ہو جائے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے: وفي المکره المعتبر ان يصير خائفاً من جهة المکره في ايذاء ما يهدد به عاجلاً لانه لا يصير به ملجئاً محمولاً طبعاً الا بذلك۔ در مختار میں ہے: وشرعاً فعل يوجد

من المکره فیحدث فی المحل معنی یصیر بہ مدفوعاً الی الفعل الذی طلب منه وفیه بعد السطر الثانی خوف المکره بالفتح ایقاعہ ای ایقاع ما ھدد بہ فی الحال لغلبۃ ظنہ۔ اور صورت مسئلہ سے یہ قطعاً ظاہر نہیں ہوتا کہ سائل کی والدہ دھمکی دیتے وقت اپنے پاس کوئی آلہ ہدیہ یا پستول وغیرہ لئے ہوئے تھی اور فوراً اپنے نفس کو قتل کر دینا چاہتی تھی۔ اگر اس وقت طلاق نامہ نہ لکھا جاتا یہ تو بجائے خود رہا سوال تو یہ ہے کہ مطالبہ طلاق کا فوری ہونا چیز خفا میں ہے۔ اگر یہ دھمکی فوری بھی تھی تو کیا سائل اپنی والدہ کو خود کشی سے باز رکھنے پر کسی دوسرے طریق سے قادر تھا یا نہیں۔ اور جواب میں تنویر الابصار کی یہ عبارت (او موجباً غمًا یعدم الرضا) بھی فاضل مجیب کے لئے ہرگز مفید نہیں، کیونکہ ہر چیز جو موجب غم ہو اکراہ نہیں کہلاتی بلکہ اس پر اکراہ کی تعریف صادق آنے کے بعد اگر وہ فعل موجب غم ہو تب اکراہ ہوگا۔ والا فلا۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ (۷۹/۱/۲۳) واضح رہے کہ اکراہ کی تعریف صادق آنے کے بعد اس کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں: اتلاف جان و اتلاف عضو و احداث غم، جو کہ ادنی مرتبہ اکراہ ہے۔ بغیر صادق آنے حقیقت اکراہ کے ہر احداث غم اکراہ کے اندر داخل نہ ہوگا اور نہ اس پر احکام اکراہ صادق آئیں گے۔ پس صورت مسئلہ میں طلاق مغلظہ واقع ہو گئی اور بر تقدیر وقوع طلاق جو بچے پیدا ہوئے ان میں کچھ تفصیل ہے۔ علی الاطلاق سب کو ثابت النسب کہنا جائز نہیں۔ اور یہ تفصیل اگر حاجت ہو تو دوبارہ الگ سوال کر کے معلوم کی جاسکتی ہے۔

والجواب صحیح

بندہ عبد اللہ غفر اللہ لہ

۷۹/۱/۲۳

خاوند متعنت عدالت میں نہ آئے اور عدالت اس کی غیر موجودگی میں اس کے خلاف فیصلہ دے دے تو نافذ ہو گیا نہیں :

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین مسئلہ درج ذیل میں کہ زید کی منکوحہ نے اپنے خاوند کے خلاف موجودہ ملکی عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا، جس کے حق میں عدالت نے مندرجہ ذیل فیصلہ صادر کیا ہے :

نقل یک طرفہ ڈگری تنسیخ نکاح، دفعہ ۳۴ مجموعہ دیوانی مقدمہ نمبر ۵۶۲۰۵ء، بعدالت جناب ملک لہراسپ خاں صاحب پی سی ایس ایڈیشنل سول جج درجہ دوم ملتان۔ یہ مقدمہ آج واسطے فیصلہ کے روبرو ہمارے بذریعہ چوہدری محمد یسین وکیل منجانب مدعیہ سماعت ہوا، اور جب اطمینان سے عدالت میں یہ ثابت ہو گیا کہ مدعا علیہ پر سمن کی تعمیل حسب ضابطہ ہو گئی اور باوجود اس کے نام پر دعویٰ کے وہ دعویٰ کی جواب دہی کے لئے حاضر نہیں ہوا۔ پس یہ حکم یک طرفہ صادر کیا جاتا ہے کہ ڈگری تنسیخ نکاح بحق مدعیہ برخلاف مدعا علیہ صادر کی جاتی ہے، اور نیز مدعا علیہ مدعیہ کی رقم مبلغ ۲۶/۱۰۱۰ بابت خرچ نالاش ہذا ادا کرے۔

نقل حکم۔ ثبوت یک طرفہ پیش کردہ مدعیہ سے دعویٰ مدعیہ کی تائید و تصدیق ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ مدعا علیہ آوارہ اور نکھٹو ہے اور اس نے عرصہ ساڑھے تین سال یا چار سال سے مدعیہ کو کوئی گزارہ خرچ نہیں دیا ہے۔ اور بلا وجہ معقول مدعیہ کے حقوق زوجیت ادا نہیں کئے ہیں۔ ان حالات میں مدعیہ مستحق ڈگری تنسیخ نکاح برخلاف مدعا علیہ ہے۔ لہذا ڈگری تنسیخ نکاح یک طرفہ بحق مدعیہ مع خرچہ مقدمہ صادر کی جاتی ہے۔ فیس وکیل مبلغ ۱۵/۱۰ مقرر کی جاتی ہے۔ دستخط جج نقل مطابق اصل

(۱) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مندرجہ بالا فیصلہ کی روشنی میں زید کی منکوحہ کا نکاح فسخ ہوا کہ نہیں۔ اور اب وہ اپنا نکاح کسی اور شخص سے کر لے تو یہ نکاح

صحیح ہو گا یا نہ۔ (ب) اگر مسماۃ مذکورہ اپنا نکاح عدت گزارنے سے قبل ہی بکر سے کر لے اور اس فساد نکاح کی بناء پر بکر سے اس کا دوبارہ نکاح کرائیں تو کیا اب بھی پہلے عدت گزارنی پڑے گی۔ دراصل حالیکہ وہ بکر کی تحویل میں ۵۶ء سے ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :

حامداً ومصلیاً۔ وعلیہ یحمل ما فی فتاویٰ قاری الہدایۃ
 حیث سئل عن غاب زوجها ولم یتروک لها نفقة فاجاب اذا اقامت
 بینة علی ذالک وطلبت فسخ النکاح من قاضٍ یراه ففسخ نفذ وهو قضاء
 علی الغائب وفي نفاذ القضاء علی الغائب روایتان عندنا فعلى
 القول بنفاذه يسوغ للحنفی ان يزوجه من الغير بعد العدة واذا
 حضر الزوج الاول وبرهن علی خلاف ما ادعت من تركها بلا نفقة
 لا تقبل بینته لان البينة الاولى ترجحت بالقضاء فلا تبطل بالثانية
 ۱۵۔ و اجاب عن نظيره فی موضع آخر بانه اذا فسخ النکاح حاکم
 یرى ذلک ونفذ فسخه قاضٍ آخر وتزوجت غیبة صح الفسخ
 والتنفيذ والتزوج بالغير فلا یرتفع بحضور الزوج وادعائه انه ترك
 عندها نفقة فی مدة غيبته الخ۔ فقوله من قاضٍ یراه لا یصح ان یراد به
 الشافعی "فضلاً عن الحنفی بل یراد به الحنبلی فافهم (شامی
 ص ۷۱۳ ج ۲) عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور قضاء علی
 الغائب میں اختلاف ہے۔ مگر حضرات علماء نے اس کی گنجائش نکالی ہے، اور فقہاء
 فرماتے ہیں کہ کسی مسئلہ مختلف فیہ میں اگر قاضی فیصلہ کر دے تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جاتا
 ہے، لہذا یہ فیصلہ نافذ ہو گیا اور شرعاً نکاح فسخ ہو گیا اور مسماۃ مذکورہ کو بعد عدت
 گزارنے کے دوسرا نکاح کرنا جائز ہے اور وہ نکاح صحیح ہو گا۔

(۲) عدت کا گزارنا بعد فسخ نکاح کے لازم ہے اور عدت میں نکاح کرنا فاسد ہے۔ اور ایسے نکاح کے بعد وطی کرنا زنا ہے۔ وہ عورت اس کی مزنیہ ہوگی۔ اگر پہلے عدت گزر چکی ہے تو زانی کا اس اپنی مزنیہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اب جدید عدت کی ضرورت نہیں، اور دوبارہ نکاح کے بعد اس مزنیہ منکوحہ سے اسی وقت سے وطی کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر مزنیہ زانی کے علاوہ دوسرے سے نکاح کرے تب بھی نکاح جائز ہے، مگر مزنیہ حاملہ سے قبل وضع حمل وطی کرنا جائز نہیں اور نہ تقبیل وغیرہ، اور اگر غیر حاملہ ہے، تب بھی ایک حیض کا گزارنا اولیٰ ہوگا۔ قال ابو حنیفۃ و محمد یجوز ان یتزوج امرءہ حاملًا من الزنا ولا یطأها حتی تضع وقال ابو یوسف لا یصح والفتویٰ علی قولہما وکما لا یباح وطئہا لا تباح دواعیہ کذا فی فتح القدیر وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ہو بہا وظهر بہا حبل فالنکاح جائز عند الكل وله ان یطئہا عند الكل وتستحق النفقة عند الكل کذا فی الذخیرۃ... واذا رای امرأۃ تزنی فتزوجها حل وطئہا قبل ان یستبرئہا عندہما وقال محمد لا احب له ان یطأہا مالم یستبرئہا کذا فی الہدایۃ عالمگیری ص ۲۸۷۔ واللہ اعلم بالصواب

بندہ محمد وجیہ مدرس مدرسہ اسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ

نوٹ : یہ دوسری عدت کا ہونا جب ہی ہے جبکہ واطی زانی سے یعنی نکاح فاسد کرنے والے ہی سے دوبارہ نکاح کیا جائے اور اگر دوسرے سے نکاح کرنا ہو تو دوسرے واطی کے وطی کے انقطاع سے دوسری عدت گزارنی ہوگی۔ فی الدر المختار مع الشامیہ ص ۶۶۱ ج ۲ اذا وطئت المعتدة بشبهة وجبت علیہا عدة اخرى وتداخلتا انتہی وفي البحران الدخول فی النکاح الفاسد موجب للعدة۔

الجواب صحیح

الجواب صحیح

عبداللہ غفر اللہ لہ، مفتی خیر المدارس

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

عرضی نوایس کو صرف اتنا کہنا کہ طلاق نامہ لکھ دو، اس سے طلاق ہو جائے گی یا نہیں :

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! مزاج گرامی؟ پرسوں بعد ظہر خیر المدارس آپ سے شامی کی عبارت ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب (شامی ص ۲۸۹ ج ۲) پر گفتگو ہوئی تھی۔ امید ہے کہ اس سلسلہ میں آپ نے حضرت مفتی صاحب مدظلہم سے رجوع فرمایا ہوگا۔ حاصل تحقیق سے احقر کو بھی مطلع فرمادیں۔ کیا اس صورت میں زوج کا پہلے طلاق دینا ضروری ہے؟ اگر اس نے پہلے بالکل طلاق نہ دی ہو، بلکہ فقط اکتب الخ ہی کہا ہو تو اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔ احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ اقرار طلاق کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ یہ توکیل نہیں ہے بلکہ اقرار ہے اور اس اقرار میں تقدم طلاق بالفعل کی ضرورت نہیں ہے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

شامی میں اس کو اقرار طلاق فرمایا گیا ہے، جبکہ الاشباہ میں اس کے توکیل ہونے کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے (انظر الاشباہ والنظائر ص ۵۲۸، الفتن الثالث) اس ظاہری تعارض کو بھی کسی طرح رفع فرمایا جائے۔ بخمدت حضرت مفتی صاحب مدظلہم سلام مسنون اور درخواست دعاء۔ فقط والسلام۔ احقر عبد القدوس ترمذی غفرلہ

الجواب :

۲۱ جون ۱۹۹۰ء جمعرات

طلاق لکھوانے کی دو صورتیں ہیں: (۱) توکیل طلاق بالکتابت (۲) اقرار طلاق کو ضبط تحریر میں لانا۔ صورت اول میں کتابت سے قبل طلاق واقع نہ ہوگی، اور دوسری صورت میں بدون تحریر طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ ضابطہ یہ ہے: ان الامر بكتابة الاقرار اقرار کتب ام لا (بحر ص ۲۷۲ ج ۳) اکتب طلاق امرأتی دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔ (۱) اکتب کونها مطلقة لانی قد طلقت (۲) اکتب طلاق امرأتی فانی ارید ان اطلقها بهذا الصک

واللہ اعلم۔ شامی کا جزئیہ اسی صورت ثانیہ پر محمول ہے۔ مذکورہ تقسیم بحر کے جزئیات سے واضح طور پر مفہوم ہوتی ہے، ملاحظہ ہو۔ اخیر ہا انہا طالق و قل لہا انہا طالق فتطلق للحال ولا یتوقف علی وصول الخبر ولا علی المأمور ذلک (بحر ص ۲۷۱ ج ۳) گویا پہلے جزئیہ میں صورت ثانیہ اقرار طلاق مذکور ہے، اور آخری جزئیہ میں توکیل ہے۔

اور ہمارے اس زمانہ میں عرضی نویس کے پاس جانے والے اکثر لوگ عرضی نویس کی تحریر سے ہی طلاق دینا چاہتے ہیں (اقرار طلاق کو ضبط تحریر میں لانا مطلوب نہیں ہوتا) چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ نے الاشباہ والنظائر میں یہی لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اسی کا رواج ہے کہ تحریر سے طلاق دینا مقصود ہوتا ہے۔ اختلفوا فیما لو امر الزوج بكتابة الصک بطلاقها فقیل یقع وهو اقرار وقیل هو توکیل فلا یقع حتی یکتب وبہ یفتی وهو الصحیح فی زماننا (ص ۱۹۸ ج ۲) مذکورہ تفصیل کے بعد شامی کا ولو استکتب الخ جزئیہ بلا تاویل درست ہو جاتا ہے۔ الحاصل مفتی بہ کو ہی مفتی بہ قرار دیا جائے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفی عنہ

۱۴۱۱/۱/۲۷ھ

مسئلہ ہذا کی مزید تحقیق

از قلم مولانا مفتی سید عبدالقدوس صاحب ترمذی مدظلہم

نائب مہتمم و مفتی جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

کتب معتمدہ بزازیہ، تاترخانیہ، شامیہ، بحر اور ہندیہ وغیرہ میں امر بکتابۃ الطلاق کو اقرار قرار دیا گیا ہے، چاہے کتابت نہ ہو۔ ارباب فتاویٰ کا اسی پر عمل ہے اور یہی صحیح ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے: ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب الخ (شامی ص ۵۸۹ ج ۲) شامی کتاب

الاقرار میں بھی تصریح ہے الامر بکتابۃ الاقرار اقرار حکماً۔ یہ جزئیہ بھی اس بات کا مؤید ہے کہ امر بالکتابۃ میں کتابت کی ضرورت نہیں ہے۔ بغیر کتابت کے بھی محض امر بالکتابۃ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ امر بالکتابۃ خود اقرار ہے نہ کہ توکیل۔ صاحب بحر الرائق علامہ ابن نجیمؒ بھی اس امر کی ان الفاظ میں تصریح فرماتے ہیں: ولو قال للکاتب اکتب لها طلاقها فینبغی ان یقع الطلاق للحال (البحر ص ۲۷۲ ج ۳) پھر چونکہ یہاں اقتضاء طلاق ثابت ہو رہی ہے اس لئے قضاء و دیانتاً دونوں طرح ہی نافذ ہو جائے گی۔ بہر حال جزئیہ اکتب طلاق امر اتی الخ چونکہ اقرار طلاق کو متضمن ہے اس لئے یہ جملہ کہتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی، گو کتابت نہ پائی جائے۔ اس کو توکیل طلاق قرار دے کر طلاق کو کتابت پر موقوف کرنا درست نہیں ہے کما مر۔ ارباب فتاویٰ اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ چنانچہ بعض ان اکابر حضرات کے فتاویٰ سے متعلقہ حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے جنہوں نے شامی کے اس جزئیہ کو اقرار طلاق پر محمول فرما کر بدون کتابت بھی طلاق کا حکم صادر فرمایا ہے۔

شامی میں ہے کہ اگر شوہر کاتب سے کہے کہ اکتب طلاق امر اتی۔ یعنی میری زوجہ کی طلاق لکھ دے تو اس کہنے سے اس کی زوجہ پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ وہ لکھے یا نہ لکھے (فتاویٰ دارالعلوم ص ۱۵۳ ج ۹) اسی طرح فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۹ ص ۱۷۷ ص ۱۸۰ اور حاشیہ ص ۱۸۳ بھی قابل ملاحظہ ہے جس سے اسی سابق مضمون کی صراحتاً تائید ہوتی ہے۔

فتاویٰ محمودیہ ص ۱۰۰ ج ۸ میں ہے ولو قال للکاتب الخ۔ یہاں امر کتابت کو اقرار طلاق قرار دیا گیا ہے اور اس کے لئے کتابت کو شرط نہیں کہا گیا۔ نیز ص ۱۵۳ ج ۸ میں ہے اگر زید نے قاضی سے یہ کہا ہے کہ طلاق نامہ میری زوجہ کے لئے لکھ دو تو شرعاً طلاق واقع ہو گئی، اگرچہ تحریر طلاق نامہ کی نوبت نہ آئی ہو۔ ولو قال الخ (ص ۱۵۳ ج ۸)

احسن الفتاویٰ ص ۱۸۴ ج ۵ میں بھی اسی جزئیہ کی بنا پر اسے طلاق مستبین غیر مرسوم کی کتابت قرار دے کر بدون کتابت طلاق بھی طلاق واقع ہونے کی تصریح ہے۔ اب رہا جزئیہ ذیل جسے الاشباہ میں بحوالہ قنیہ نقل کیا گیا ہے۔ واختلفوا فیما لو امر الزوج بكتابة الصک بطلاقها فقیل یقع وقیل هو توکیل فلا یقع حتی یکتب وبہ یفتی وهو الصحیح فی زماننا کذا فی القنیة۔ (الاشباہ ص ۵۲۸) تو وہ مرجوح ہے۔ اس کی بناء پر امر بكتابة الطلاق کو توکیل قرار دے کر بدون کتابت عدم طلاق کا حکم لگانا بچند وجوہ صحیح نہیں ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ یہ مرجوح ہے، کسی کتاب سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ثانیاً اس جزئیہ میں دونوں ہی قول علی قول سے ذکر کئے گئے ہیں۔ اگرچہ عدم وقوع کو مفتی بہ قرار دیا ہے، مگر چونکہ اس کے ساتھ وهو الصحیح فی زماننا بھی موجود ہے، اس لئے اس کو ان کے زمانہ پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے تمام ارباب فتاویٰ اکابر نے اس کو اقرار پر محمول فرمایا ہے نہ کہ توکیل پر۔

مثلاً خود مصنف الاشباہ کی تصریح اس کے خلاف موجود ہے۔ کما مر تحت قول البحر ولو قال اکتب کونها الخ۔

مزید برآں قنیہ اور الاشباہ پر فتویٰ میں انحصار نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ قنیہ میں اقوال ضعیفہ اور الاشباہ میں ایجاز فی التعبير پایا جاتا ہے۔ (کما فی الشامیہ ص ۶۰ ج ۱) نیز شامی میں تصریح ہے کہ جس مسئلہ میں صاحب قنیہ منفرد ہوں اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔ ذکرہ العلامة الشامی ثم لا یخفی ان ما ینفرد بہ صاحب القنیة لا یعتمد علیہ (ص ۷۴۲ ج ۲)

رابعاً قنیہ کے دیکھنے سے واضح ہے کہ اس صورت میں وقوع طلاق کی وجوہ انہوں نے بیان فرمائی ہے وہ افتاء بالشک ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: لانہم قد یطلقون ثم یامرون بكتابة الصک وقد یامرون بكتابة الصک قبل الطلاق فالافتاء بالوقوع قبل الصک افتاء بالشک فلا یفتی بہ۔ حالانکہ

اس وجہ کا غیر موجب ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ کتابت سے قبل وقوع طلاق کا حکم شک پر مبنی نہیں ہے، بلکہ یہ حکم یقین پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ طلاق خود طالق کے اقرار سے ہو رہی ہے، اگرچہ اس نے اس سے قبل طلاق نہ دی ہو۔ لان المرء یؤخذ باقرارہ کما قیل ان الامر بکتابۃ الاقرار اقرار حکماً وان لم یقر قیل فالافتاء بالوقوع بالصلک بعد الامر بالکتابۃ لیس افتاء بالشک بل هو افتاء بالیقین فالتوجیہ الذی ذکرہ صاحب القنیۃ غیر موجبہ کما لا ینحفی۔

ان وجوہات کی بناء پر قنیہ کے اس جزئیہ پر فتویٰ دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا، بلکہ امر بالکتابۃ سے ہی وقوع طلاق کا فتویٰ دینا ضروری ہے۔ ہذا ما عندی ولعل عند غیری احسن من هذا۔

شامی میں خانہ کے حوالہ سے نقل کردہ جزئیہ ثانیہ ولو استکتب کی مختلف توجیہات کتب فتاویٰ میں نظر سے گزری ہیں۔ ان میں سے اگر کسی توجیہ کو بھی اپنا لیا جائے تو ان دونوں عبارتوں کا ظاہری تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جزئیہ ثانیہ کو فضولی کے استکتاب پر محمول فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: ولو استکتب (ای غیر الزوج) (امداد الفتاویٰ) اسی طرح فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (ص ۱۵۳، ج ۹) اور کفایت المفتی ص ۵۰، ج ۸ پر بھی استکتاب کا فاعل فضولی کو قرار دیا ہے، جس کا مطلب واضح ہے کہ اگر کوئی غیر متعلق شخص بغیر زوج کی اجازت کے اس کی بیوی کی طلاق لکھوالے تو اس کے واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ خاوند کی تصدیق پائی جائے، ورنہ یہ طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ فضولی کا یہ فعل اس وقت تک زوج کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا ہے جب تک زوج زبانی یا تحریری اس کی تصدیق نہ کر دے۔ اور اس بات کا قرین عقل و نقل ہونا واضح ہے۔ یہی توجیہ زیادہ صاف اور واضح معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے جزئیہ اولیٰ سے طلاق مستبین غیر مرسوم اور جزئیہ ثانیہ سے طلاق مستبین مرسوم متعلق بوصول الکتاب مراد لی ہے۔ ویدل

علیہ قولہ عنونہ وبعث بہ الیہا فاتاہا۔ اس صورت میں جزئیہ اولیٰ و ثانیہ کا تعلق زوج سے ہی ہوگا نہ کہ فضولی سے۔ تاہم بہر تقدیر چونکہ جزئیہ اولیٰ اقرار کو متضمن ہے اس لئے امر بکتابۃ الطلاق سے ہی بدون کتابت طلاق ہو جائے گی وان لم یکتب۔ اگرچہ بعض حضرات کاتب کی تحریر سے طلاق دینا چاہتے ہیں اس سے قبل اس لفظ سے ان کا ارادہ طلاق کا نہیں ہوتا، لیکن چونکہ امر بکتابۃ الطلاق اقرار ہے، اس لئے اس سے ہی طلاق واقع ہو جائے گی، کتابت پر موقوف نہیں ہوگی۔ لانہ اقرار لا توکیل ولا یلزم ان یکون الاقرار صادقاً ابداً لانہ ان اقر کاذباً یقع ایضاً کما یقع فی الاقرار الصادق وفتاویٰ الاکابر ایضاً توید هذا المفہوم لانہم حملوا الامر بکتابۃ الطلاق علی الاقرار لا علی التوکیل فلذا حکموا وافتوا بوقوع الطلاق والا فکیف یصح حکمہم بوقوع الطلاق بمجرد (الامر بالکتابۃ مع التصریح عندہم من السائل ارادة عدم وقوع الطلاق بالامر بالکتابۃ فظہر انہ لا اعتبار لارادة الطلاق بعد هذا الاقرار هذا ما بدلی الی الآن۔ والعلم عند اللہ المنان۔

اكتب طلاق امرأتی اور استکتب طلاقاً میں فرق

ایک دفعہ آپ شامی کے جزئیہ ولو استکتب الخ پر اشکال فرما رہے تھے کہ بظاہر اس کا تعارض دوسرے جزئیہ ولو قال للکاتب اکتب طلاق امرأتی الخ سے ہے۔ بندہ کو بھی شبہ رہا۔ ایک دفعہ امداد الفتاویٰ میں حضرت کی تفسیر بین القوسین لکھی ہوئی نظر پڑی۔ وہ اس طرح تھی: ولو استکتب (ای غیر الزوج) اس سے تعارض کا شبہ تو زائل ہو گیا مگر ایک بات اپنے ناقص فہم میں نہیں آتی۔ استفاداً آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ ولو قال للکاتب الخ والے جزئیہ میں وقوع طلاق پر پرانے اور قریب کے اکابر متفق نظر آتے ہیں۔ خلاصہ

الفتاویٰ میں غالباً کتاب الاقرار میں مذکورہ بالا جزئیہ کے ساتھ یہ جزئیہ بھی لکھا ہوا ہے:

ولو قال للمکاتب اکتب ان لفلان علی الف درهم کان اقرارا بالف وان لم یکتب اھ بمعناه۔ یہ دوسرا جزئیہ تو بالکل سمجھ میں آتا ہے۔ پہلے کے متعلق یہ شبہ ہے کہ اس زمانہ میں اکثر عوام کے ہاں طلاق دینے کا مفہوم یہ ہے کہ اگر لکھنے پر قادر ہو تو خود طلاق نامہ لکھ دے یا کسی پڑھے لکھے سے لکھوا کر اس پر انگوٹھا لگا دے۔ اس کو وہ پکی طلاق کہتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات غصہ سے مغلوب ہو کر زبانی طلاق بھی دے دیتے ہیں، تو جب طلاق دینے والا کسی کاتب کو کتابت طلاق کا امر کرتا ہے تو اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ مجھے طلاق دینے کا یا اس کے لکھنے کا طریقہ نہیں آتا۔ تم میری طرف سے لکھ دو۔ تو یہ طلاق کی توکیل ہوئی۔ جیسے کوئی شخص دوسرے کو کہے طلق امرأتی، تو محض کہنے سے طلاق نہیں ہوگی جب تک فعل تطلیق وکیل سے صادر نہ ہو۔ اسی طرح جب تک کاتب کتابت نہ کرے اس وقت تک طلاق نہ ہونی چاہیے۔ شوہر کا یہ مقصود بالکل نہیں ہوتا کہ میں پہلے سے طلاق دے چکا ہوں، اس کا اب اقرار کرتا ہوں۔ تم اس کو لکھ لو، نہ اس کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہے۔ البتہ اگر الفاظ اقرار کو متضمن ہوں تو پھر وقوع طلاق میں کوئی شبہ نہیں، اگرچہ کاتب نہ لکھے۔ مثلاً یوں کہے: اکتب ان امرأتی طالق او مطلقة او حرام۔ صرف امر بکتابۃ الطلاق جو اقرار کو متضمن نہ ہو موجب طلاق نہ ہونا چاہیے۔ جیسے کہے اکتب الطلاق۔۔۔ یہ شبہ اور قوی ہو گیا جب اشباہ کے کتاب الاقرار میں یہ نظر سے گذرا کہ امر بکتابۃ الطلاق سے وقوع طلاق میں اختلاف ہے۔ مگر صحیح عدم وقوع ہے اور ہمارے زمانہ میں مفتی بہ یہی ہے (انتہی بمعناہ) اس وقت اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ استفادہ کا سلسلہ چلتا رہے۔ حاضر ہونے سے قاصر رہتا ہوں۔ اگر طبیعت میں نشاط ہو تو جواب سے سرور فرمائیں، ورنہ طبیعت پر بوجھ ڈالنے کی زحمت نہ فرمائیں۔ والسلام علیکم وعلیٰ من لدکم۔

مکرمی و مشفق حضرت مفتی صاحب زید مجددہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

ولو استکتب (ای غیر الزوج) یہ تاویل عبارت جزئیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں اضرار قبل الذکر لازم آ رہا ہے۔ اور یہ ان مواضع میں سے نہیں جن میں اضرار مذکور جائز ہوتا ہے۔ پورا جزئیہ یہ ہے: رجل استکتب من رجل آخر الی امرأته کتاباً بطلاقها وقرأه علی الزوج فاحذہا۔ امرأتہ کی ضمیر کا مرجع پہلا رجل ہے۔ جو کہ اپنی بیوی کو طلاق لکھوا رہا ہے۔ اگر مرجع غیر زوج ہوتا تو عبارت یوں ہونا چاہیے تھی: الی امرأۃ فلان اھ۔ لہذا اب تک تعارض رفع نہیں ہوا۔ البتہ اشباہ سے جو آپ نے دو قول نقل کئے ہیں، تو ہو سکتا ہے کہ دونوں جزئیات ان دونوں اقوال پر متفرع ہوں۔ گو مفتی بہ عدم وقوع ہے۔ لیکن عبارات اکابر اس کے خلاف ہیں۔ بحر و شامی وغیرہ سب میں اسے اقرار بالطلاق ٹھہرایا گیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ اکتب طلاق امرأتی کے دو مفہوم ہیں: (۱) طلاق مصدر مجہول ہو تقدیر یہ ہو۔ اکتب کون امرأتی مطلقۃ۔ اس صورت میں وقوع طلاق ظاہر ہے۔ جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے کہ اکتب ان امرأتی طالق میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور حضرات فقہاء کے پیش نظر یہی معنی ہے، اس لئے وہ اسے اقرار بالطلاق قرار دے رہے ہیں۔ (ب) طلاق اپنے مصدری معنی میں ہو۔ یعنی میرا طلاق دینا لکھ۔ لانی ارید ان اطلقہا بهذا الصک۔ پس اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور ہمارے عرف میں اسی معنی کے اعتبار سے ایسے الفاظ مستعمل ہیں۔ پس عدم وقوع ظاہر ہے۔ گو اس میں ایک مرجوح احتمال یہ بھی ہے کہ میرا طلاق دینا لکھ۔ لانی قد طلقہا۔ لیکن یہ مرجوح ہے۔ اگر یہ دونوں احتمال بدرجہ مساوی بھی مان لئے جائیں تو بھی چونکہ اصل عدم وقوع ہے۔ وقوع طلاق کا حکم نہ کیا جاوے گا۔

خصوصاً جبکہ اشباہ کے جزئیہ سے مفتی بہ عدم وقوع مل گیا ہے۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

دعا کی درخواست ہے۔ بندہ بھی دعا گو ہے۔ فقط والسلام مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

تین الگ الگ کاغذوں پر ایک ایک طلاق لکھی، ایک بھیج دیا دو گم ہو گئے تو کتنی طلاق ہوئیں :

لڑکے نے غصے میں آکر تین الگ الگ کاغذوں پر ہر ایک پر ایک طلاق لکھوائی اور ایک کاغذ بھیج دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد لڑکے ہی کے گھر میں باقی دو کاغذ گم ہو گئے۔ تو صورت مسئلہ میں کتنی طلاق واقع ہوئیں؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں بنیت تین طلاق طلاق نامہ لکھنے سے ہی تین طلاق ہو گئیں۔ طلاق نامہ گم ہو جانے سے طلاق ختم نہیں ہوتی۔ بان کتب اما بعد فان طالق فکما کتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة (ص ۳۶۵ ج ۲) واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

محمد انور

بندہ عبدالستار عفی عنہ

مفتی جامعہ خیر المدارس

ایسے جنون کی طلاق کا حکم :

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام دریں مسئلہ کہ میں، مسی عبدالکریم ولد خیر محمد قوم بھون حلفاً بیان کرتا ہوں کہ آج سے قریباً ڈیڑھ سال قبل میں بیمار ہوا اور اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا۔ ایک مرتبہ علاج کرانے سے صحیح سالم تندرست ہو گیا۔ پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد مجھے دوبارہ دورہ پڑا، اور اس حالت کو تمام گھر والے اور رشتہ دار جانتے ہیں کہ واقعی ہی میرا دماغی توازن خراب ہو گیا تھا۔ دماغ خراب ہونے کا سبب کو علم ہے۔ جس وقت دوسری مرتبہ مجھے دورہ پڑا، واللہ مجھے کوئی ہوش و حواس نہ تھا۔ اس دوران میں نے اپنے بالکل نئے کپڑوں کا ایک جوڑا اور ایک جوتوں کا جوڑا جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیئے اور مجھے ان کے ڈالنے کا کوئی علم نہ تھا۔ بعد میں اہل خانہ نے

مجھے بتایا کہ تو نے اپنے کپڑے اور جوتے تنور میں ڈال دیئے تھے۔ اور تو نے ایک مرتبہ اپنی بیوی نسیم بی بی دختر حافظ اللہ داد بھون کو صرف ایک طلاق کہی تھی۔ اس کے بعد میں نے متعدد ڈاکٹرز سے علاج کروایا۔ بالآخر میں پروفیسر شفیق الرحمن، سپیشلسٹ پشاور ہسپتال کے علاج سے ذہنی طور پر بالکل تندرست ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے گھریلو ناچاقی کی وجہ سے اپنی بیوی نسیم بی بی دختر حافظ اللہ داد کو اپنے ایک بھائی محمد بلال اور اپنی والدہ کے روبرو اپنی زوجہ کو دو مرتبہ کہا جا تجھے طلاق ہے۔ اس دوران میں بالکل دماغی طور پر ٹھیک تھا۔ مجھے اپنی حالت کی پوری ہوش تھی۔ پھر اسی دن میں نے اپنے علاقے کے علماء کے بتانے پر پھر اپنی بیوی نسیم بی بی سے اپنے گھر والوں کے روبرو لفظ رجوع کر لیا۔ اور متواتر میری زوجہ نسیم بی بی میرے پاس چار دن ٹھہری رہی۔ اس کے بعد لوگوں کے کہنے پر نسیم بی بی میری زوجہ اپنے میکے چلی گئی۔ اب آپ حضرات مفتیان کرام بتائیں کہ واقعی میری بیوی نسیم بی بی مطلقہ ہو چکی ہے یا میرے عقد نکاح میں باقی ہے۔ مہربانی فرما کر اس کو بروئے شریعت حل فرمادیں۔ آپ کی عین نوازش ہوگی۔

الجواب :

اگر واقعتاً پہلی طلاق کے وقت ذہنی کیفیت ایسی تھی کہ اچھے برے کی تمیز نہ تھی اور کسی کام کے انجام کا علم نہ تھا تو ایسی جنونی کیفیت میں دی ہوئی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہوتی۔ لہذا اس کے بعد جو ہوش کی حالت میں دو طلاق دی ہیں اور وہ صریح تھیں تو ان کے بعد رجوع درست ہے۔ ہاں اب صرف ایک طلاق کا حق باقی ہے۔ لایقع طلاق المولیٰ علی امرأة عبده والمجنون والصبی اھ (در مختار) قال فی التلویح الجنون اختلال القوة المميزة بین الامور الحسنة والقبیحة المدرکة للعواقب بان لا تظهر آثارها وتتعطل افعالها اھ (شامی ص ۴۶۲ ج ۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور

۱۴۱۷/۱۱/۳ھ

یونین کو نسل کو طلاق نامہ کی اطلاع نہ بھی دی جائے تو بھی طلاق ہو جائے گی :

میں نے مسماۃ ”ک“ کو مورخہ ۹۱-۶-۱۱ زبانی شرعی طور پر طلاق ثلاثہ دے دی تھی۔ اس کے بعد میں نے اس سے ہر قسم کا تعلق ختم کر لیا اور ہم کبھی اکٹھے نہ رہے ہیں۔ تاہم مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت چیئرمین یونین کمیٹی کو اطلاع نہ دی گئی۔ بمطابق شرع ایام عدت گزرنے کے بعد طلاق مؤثر ہو چکی ہے۔

مسماۃ مذکورہ زبانی طلاق کو تسلیم نہیں کر رہی ہے اور ہر جگہ یہ کہہ رہی ہے کہ اسے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔ اب میں ثبوت کے طور پر طلاق کو ضبط تحریر میں لانا چاہتا ہوں۔ بمطابق شرع میری رہنمائی فرمائی جائے کہ کیا اس وقت مورخہ ۹۱-۶-۱۱ کو دی ہوئی طلاق کا اعادہ کرنے سے مقصد پورا ہو جائے گا یا مجھے اب نئے سرے سے طلاق دینا ہوگی جو کہ تین ماہ بعد مؤثر ہوگی۔ مشکور ہوں گا۔

الجواب :

صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ مسماۃ ”ک“ اپنے خاوند پر ۹۱-۶-۱۱ سے بسمہ طلاق حرام بحرمت مغلطہ ہو گئی ہے۔ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کو اطلاع نہ دینے کی وجہ سے طلاق کے وقوع پر ہرگز کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نئے سرے سے طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ عورت مطلقہ مغلطہ ہو گئی ہے۔ اور عدت بھی گذر گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق عفر اللہ لہ
 الجواب صحیح
 بندہ عبد الستار عفی عنہ
 یکم ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

کل امرأة اتزوجها فہی طالق میں تعلیق سے پہلے والی کو طلاق نہیں ہوگی :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو مردوں نے مل کر ایک لڑکے کے ساتھ زیادتی کرنے کا پروگرام بنایا۔ زیادتی کرنے کے لئے گئے۔ ایک مرد اس لڑکے کے ساتھ زیادتی (شرارت) کرنے لگا۔ دوسرا مرد اس کا پہرہ دے رہا تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ شور مچنے کی صورت میں دونوں مرد بھاگ گئے۔ جب ان کو سامنے لایا گیا تو ان میں سے ایک نے (جس نے زیادتی کی تھی) اقرار جرم کر لیا، اور دوسرے (پہرہ دینے والے) نے انکار کر دیا کہ میں اس معاملے میں ملوث نہیں ہوں۔ جبکہ حقیقت میں وہ شامل تھا۔ اس نے قسم اٹھائی اور یہ الفاظ کہے کہ کلمہ کی قسم اٹھاتا ہوں کہ میں اس واقعہ میں شریک نہیں تھا، حالانکہ وہ واقعہ میں شریک تھا۔ لیکن جس نے اس کو قسم اٹھوائی ہے، اس نے کہا کہ اس قسم سے تیری بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ تو قسم اٹھانے والے نے جواب میں یوں کہا کہ اگر میری بیوی کو طلاق ہوتی ہے تو ہونے دو۔ اور پھر اس نے تین گواہوں کے سامنے قسم اٹھائی۔ اب حوالہ سے ثابت کریں کہ اس کی بیوی کو طلاق ہوگی یا نہ ہوگی؟

نوٹ : دوسرا آدمی قسم کے وقت پہلے سے شادی شدہ تھا۔

المستفتی : مولوی محمد طارق، رحیم یار خان

الجواب :

بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئلہ میں شخص مذکور کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ چونکہ اس قسم کا تعلق زمانہ مستقبل سے ہے، زمانہ ماضی سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ ان کلمہ فلانا فکل امرأة یتزوجها فہی طالق فہو علی التزوج بعد الکلام (بزازیہ ص ۲۸۸، ج ۱) کل امرأة یتزوجها فہی طالق ان

کلمت فلانا فکلمہ ثم تزوج لا تطلق ولو کلمہ ثانیاً بعد التزوج
تطلق (بزازیہ ص ۱۲۸۸) فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۳۱۸/۲/۱۳ھ

تم میرے تن سے جدا ہو طلاق بائنہ ہے : ایک شخص نے غصے میں اگر
تین ڈھیلے اٹھائے اور ایک

ایک ڈھیلے پر کہا کہ تم میرے تن سے جدا ہو اپنی بیوی کو کہا یہ طلاق ہو گئی ہے یا نہیں اسی دن سے
دونوں اکٹھے کھانا کھا رہے ہیں ڈیرٹھ سال کے عرصہ سے، لہذا قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں
کہ طلاق ہو گئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہو گئی ہے تو اس کا حل بتادیں۔ مذکورہ کلمات کے علاوہ
طلاق سے متعلق کوئی لفظ نہیں کہا۔ یہ لفظ طلاق کی نیت سے کہے تھے۔

الجواب صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ اپنے خاوند پر مطلقہ بائنہ
ہو گئی ہے۔ دور باش از من یقع اذ انوی (عالمگیری ص ۳۸۱)

جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اور بعد زوجین کی رضامندی سے تجدید نکاح درست ہے
اور بعد از عدت دوسری جگہ عقد نکاح کر سکتی ہے۔ تجدید نکاح کے بغیر میاں بیوی کا اکٹھے
رہنا جائز نہیں ہے۔ حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،

جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۳۱۲/۲/۸ھ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۳۱۲/۲/۸ھ

دو دفعہ حرام حرام کہہ کر ایک طلاق صریح دے دی : ایک شخص نے
اپنی بیوی کی

طرف طلاق نامہ بھیجا جس میں تھا اپنے نفس تن پر تجھے حرام حرام کر دیا ہے اور عدت ہی
میں دوسرا طلاق نامہ بھیجا۔ جس میں ایک طلاق صریح تھی۔ کسی نے محض رجوع کا فتویٰ دیا۔
کیا حکم ہے؟

الجواب اگر لفظ حرام سے تین کی نیت نہیں کی تھی تو صورت مسئلہ میں دو طلاق بائنہ واقع ہوتی ہیں۔ اب صرف رجوع کافی نہیں۔ البتہ نکاح جدید ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

نخلع دیتا ہوں طلاق بائنہ ہے: حضرت مفتی صاحب! جاوید اقبال نے اپنی منکوحہ خالہ سعید کو لکھ کر دیا۔ میں جاوید اقبال اپنی بیوی خالہ سعید کو نخلع دیتا ہوں۔ مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔ (المستفتی محمود احمد لورالائی)

الجواب فقولہ لہا خلعتک بلا ذکر مال لا یسعی خلداً شرعاً بل هو طلاق بائن غیر متوقف علی قبولہا بخلاف ما اذا ذکر معہ المال او کان بلفظ المفاعلة او الامر فائتہ لا بد من قبولہا کما مر لانه معاوضۃ من جانبہا کما یأتی۔ (فتاویٰ شامی ج ۲ ص ۶۰۵) مذکورہ صورت میں بنیت طلاق یہ الفاظ لکھے ہیں تو طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

رئیس دارالافتاء

طلاق مکروہ واقع ہو جاتی ہے: کیا فرماتے ہیں علماء کرام دین مسئلہ کہ مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے کر مجھے مار پیٹ کر جبراً طلاق لے لی میں نے تین بار طلاق کے لفظ کہہ دیئے کیا میں دوبارہ اس عورت کو رکھ سکتا ہوں کیا جبراً طلاق واقع ہو جاتی ہے جبکہ میرا خیال نہیں تھا طلاق دینے کا۔

الجواب بر تقدیر صحت واقع صورت مسئلہ میں مسلمات ساجدہ پر شرعاً تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اب وہ بدول حلالہ محمد فاروق کے گھر آباد نہیں ہو سکتی۔

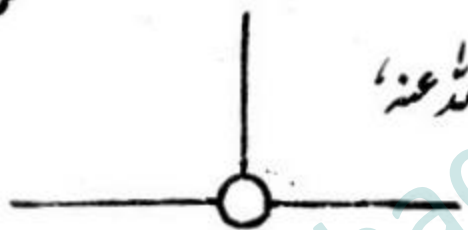
نقلہ تعالیٰ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنكح زوجاً غیرہ (الآیہ)

زوجین میں فوراً علیحدگی کی جائے تین طلاقوں کے بعد ان کا اکٹھا رہنا شرعاً حرام ہے زبانی طلاق خواہ جبر سے ہو شرعاً واقع ہو جاتی ہے۔

يقع طلاق كل زوج اذا كان بالغاً عاقلأً سواً كان حراً او عبداً طائعاً او مكرهاً (ہندیہ ص ۲۱۲)۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ



میری طرف سے جواب ہے طلاق ہے: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی

نے غصہ کی وجہ سے بیوی کو تین چار دفعہ کہا کہ میری طرف سے جواب ہے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر اس کے علاوہ کوئی اور طلاق کا لفظ نہیں کہا تو ایک بائنہ طلاق واقع

الجواب ہو گئی۔ کذا حققہ حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی

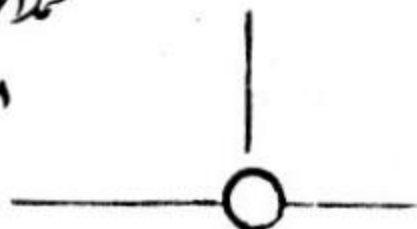
التمہانی فی امداد الفتاویٰ ص ۲۲۲ - فقط واللہ اعلم،

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،

بندہ محمد شریف جالندھری

۱۸ / ۹ / ۱۳۹۸ھ



خاوند نے تین دفعہ حرام کہا کاتب نے تین طلاق لکھ دیں۔

زید اپنی بیوی کو طلاق دینے کے ارادہ سے کاتب کے پاس جاتا ہے۔ کاتب طلاق نامہ پورا یا

کچھ کم لکھ کر زید سے کہلواتا ہے کہ تو اپنی زبان سے یہ کہہ دے کہ فلاں میری بیوی، فلاں کی بیٹی روبرو گواہان میرے تن سے حرام، میرے تن سے حرام، میرے تن سے حرام ہے۔ چنانچہ زید یہی الفاظ دہراتا ہے۔ مگر محرر نے یوں الفاظ لکھ دیئے کہ فلاں بن فلاں اپنی بیوی کو تین طلاق ٹھہر ٹھہر کر دے کر اپنے تن سے حرام کر دیا ہے۔ لہذا مرقومہ بالا صورت کو نسی طلاق واقع ہوتی ہے؟

الجواب صورتِ مسئلہ میں چونکہ طلاق نامہ میں مذکورہ الفاظ طلاق سے مقصود انشاء طلاق نہیں بلکہ ان الفاظ کی حکایت ہے جو طلاق کے سلسلہ میں شخص مذکور کہلانے لگے تھے۔ لہذا اعتبار اس کے پہلے الفاظ کا ہوگا۔ پس شخص مذکور کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ ہو گئی ہے۔ عدت کے اندر اور بعد زوجین میں تجدید نکاح درست ہے عدت کے بعد عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفی عنہ
نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان

الجواب صحیح
عبد اللہ غفرلہ

کیا مجبوری کی حالت میں طلاق دی جاسکتی ہے اور برادری

بوقت ضرورت طلاق دینے کا حکم

طلاق دینے پر خاوند کو کوئی سزا دے سکتی ہے؟
بوقت ضرورت طلاق دینا جائز ہے لہذا برادری کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خاوند کو طلاق دینے پر کوئی سزا دے۔

وايقاعه مباح عند العامة لا طلاق الآيات أكمل وقيل
قائله الكمال الأصح حظرة أي منعه الحاجة كريمة
وكبر المذهب الأقل كما في البحر وقولهم الأصل
فيه الحظر معناه أن الشارع ترك هذا الأصل فأباحه
بل يستحب لو مؤذية أو تاركة صلاة (غاية) ومفادها
أن لا أثم بمعاشرته من لا تصلى ويجب لو فات الأمساك

بالمعروف - (در مختار علی الشامیہ ج ۲) - فقط واللہ اعلم -

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۰ / ۳ / ۱۴۱۱ھ

پنجابی میں "طلاق" کہنے سے بلا نیت طلاق ہو جائے گی

زید نے اپنی بیوی کو یہ لفظ کہے "طلاق" طلاق ماں دی دیتے، میرے گھر سے نکل جا۔ اس کے بعد اپنے لڑکے کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ مجھے اب مار، طلاق ماں دیا پُترا۔ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں ایک ہوئی یا زیادہ ہو گئیں۔

صورت مسئلہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی ہے نیت تھی یا نہیں۔ ولو قال لها كوني طالقاً او اطلقى او يا

مطلقة بالتشديد وقع (در مختار) قوله، ای من غیر نیت لا نہ صریح

وفي التاتار خانية عن المحيط قال انت طالق

ثم قال يا مطلقة لا تقع أخرى اهـ۔ شامیہ ج ۲، فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

ار محرم ۱۴۱۱ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

تو مجھ پر چار مذہب میں حرام ہے کہنے کا حکم : محمد اسلم نے اپنی بیوی کو تھپڑ لگائے

تو اس کے رشتہ داروں نے محمد اسلم کو مارا محمد اسلم نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو مجھ پر چار مذہب میں حرام ہے اور تین دفعہ یہی لفظ کہے۔ اب وہ کہتا ہے کہ جب میں نے یہ لفظ کہے تھے میری نیت طلاق دینے کی نہ تھی۔ کیا طلاق واقع ہو گئی ؟

(شاہ محمد عمر دندہ شاہ بلاور تلم گنگ ضلع انک)

صورتِ مسئلہ میں طلاق بائنہ واقع ہو گئی ہے بدون نکاحِ جدید کے
محمد اسلم مذکورہ عورت کو اپنے گھر نہیں رکھ سکتا۔

الجواب

تواہ حرام من حرم الشئ بالضم حراماً امتنع أريد
بهاهنا الوصف ومعناه الممنوع فيحمل على ما
سبق وسياًقى وقوع البائن به بلا نية في زمانه اللغزاف
لا فرق في ذاك بين محرمة وحرمتك سواء قال على أو لا
أو حلان المسلمين على حرام وكل حل على حرام وانت
معي في الحرام اهـ (شاميه ص ۵۳ ج ۲) - باب النكاح - فقط والله اعلم ،
المجواب صحيح ، محمد انور عفا الله عنه

۲۹ / ۵ / ۱۴۰۰ ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

طلاق نامہ لکھ کر رکھ لیا تو طلاق کا حکم کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ مسمیٰ
شاہد محمود نے مندرجہ ذیل

الفاظ تحریر کر کے بلاق دی ، اس کا کیا حکم ہے کہ میں شاہد محمود ولد فضل حسین آج مورخہ
۹/۴ کو بغیر فرحت دختر ملک عطار اللہ بھٹہ کو اپنے نکاح سے آزاد کرتا ہوں ۔ میں
بغیر فرحت کو طلاق دیتا ہوں ۔ طلاق دیتا ہوں ۔ طلاق دیتا ہوں ۔ یہ فیصلہ میں نے مکمل
ہوش و حواس میں رہ کر کیا ہے اور یہ کہ مجھ پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ہے ۔ شاہد محمود
نوٹ : یہ تحریر لکھ کر اس نے بیوی کو نہیں دی بلکہ اپنے پاس رکھ لی ہے ۔ آیا طلاق ہو
گئی ہے یا نہیں ؟

صورتِ مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ شخص مذکور پر اسکی زوجہ

الجواب

بسہ طلاق حرام بحرمت مغلطہ ہو گئی ہے ۔ اب دوبارہ زوجین میں

بدون حلالہ کے عقد نکاح درست نہیں ہے اور یہ عورت بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر
سکتی ہے ۔

الجواب صحیح،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،
فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

لفظ طلاق سے ایک ہی طلاق ہوگی اگرچہ تین کا ارادہ ہو !

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے تحریر لکھی کہ میں اپنی بیوی زبیدہ کو جو میری منکوحہ مدخولہ ہے بے ادبی اور حد درجہ گستاخی کی وجہ سے طلاق دیتا ہوں۔
عزم یہ تھا کہ طلاق ثلاثہ دے رہا ہوں تو کون سی طلاق واقع ہوئی؟

(عبدالحمید توحیدی۔ بیرون حرم گیٹ۔ ملتان)

صورت مسئلہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے۔ دوران عدت رجوع

اور بعد از عدت نکاح جدید کیا جاسکتا ہے؟

الجواب

صریحہ ما لم يستعمل الا فيه كطلقتك وانت طالق ومطلقة
ويقع بها واحدة رجعية وان نوى خلافا اولم ينوشئاً اهـ۔

الجواب صحیح،
(الدر المختار ج ۲/۱۸) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

طلاق نامہ جلا دیا تو طلاق کا حکم

حاملہ عورت جس کو پانچ ماہ کا حمل ہے۔ اُس کے خاوند نے ایک تحریر اس لڑکی کے چھوٹے بھائی
جس کی عمر تقریباً سات سال ہے کے ہاتھ میں یہ کہہ کر دی کہ یہ سالگرہ کا کارڈ ہے۔ لیکن جب وہ
اپنی بہن کے پاس لے گیا۔ تو وہ طلاق نامہ تھا۔ اور تین مرتبہ طلاق درج تھی۔ اور لڑکی نے طلاق
نامہ کا کاغذ جلا دیا۔ تو کیا طلاق ہو گئی ہے۔ یا نہیں ملک محمد شریف جوئیہ

بہر تقدیر صحت واقعہ طلاق ثلاثہ واقع ہو گئی ہیں۔ دوبارہ زوجین میں

طلاق کے وقوع پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔
بدوں حلالہ کے عقد نکاح درست نہیں ہے۔ طلاق نامہ جلا دینے سے
فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفی عنہ

۲۵ - ۶ - ۲۰۱۳ء

(کتاب الطلاق ان مستبینا علی غولوح وقع ان نوى وقيل مطلقا) (در مختار دفع المحتار)
 (کتاب الطلاق الخ) قال فی المهندیة الکتابۃ علی نوعین مرسومة و غیر مرسومة
 وان كانت مرسومة يقع الطلاق نوى اوله ینوثر المرسومة کما تخلو اما ان
 ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من
 وقت الکتابۃ الخ (شامی ص ۴۶۵ ج ۲) (محمد انور عفا اللہ عنہ، مرتب خیر الفتاویٰ)

طلاق قطعی دیدی آج سے مطلقہ آزاد ہے
 مجھ پر حرام ہے دو طلاق بنتی ہیں

زید نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ بھیجا،
 جس کی تحریر حسب ذیل ہے میں نے اپنی
 زوجہ کو طلاق قطعی دے کر اپنی زوجیت سے
 علیحدہ کر دیا ہے ایسے حالات میں میں

بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا آج سے وہ مطلقہ آزاد ہے اور راقم نے اپنے اوپر اسے حرام کر لیا ہے
 صورت مسئلہ میں کہتی طلاق واقع ہوئی کیا زوجین میں دوبارہ نکاح جائز ہے؟
 صورت مسئلہ میں اگر طلاق دہندہ نے "طلاق قطعی" کے لفظ سے تین طلاق
 کی نیت نہیں کی تو طلاق نامہ ہذا کی رو سے دو طلاق بائن واقع ہو گئیں اب بدو

حلالہ نکاح جدید کیا جاسکتا ہے
 ایک طلاق بائن طلاق قطعی کے لفظ سے واقع ہوئی اور دوسری طلاق آج سے وہ مطلقہ ہے
 کے لفظ سے واقع ہوئی۔ آگے آزاد ہے اور حرام کے لفظ سے مزید طلاق واقع نہ ہوگی۔

"لا یلحق البائن البائن" شامی میں ہے:

ولا یرد انت علی حرام علی المفتی بہ من عدم توقفہ
 علی النیۃ مع انتہ لا یلحق البائن ولا یلحقہ البائن
 لکونه بائن لما ان عدم توقفہ علی النیۃ امر عرض

لہذا بحسب اصل وضعہ ۱۵۹ھ - فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۰ / ۱۲ / ۱۴۰۰ھ

میں ہندہ سے جس وقت نکاح کروں اسے طلاق تو صرف ایک دفعہ طلاق ہوگی

ایک شخص عاقل بالغ باہوش و حواس خمسہ ایک عورت کا نام لے کر کہتا ہے کہ جس وقت ہی میں اس عورت کے ساتھ نکاح کروں تو اس کو اسی وقت ہی طلاق ہے۔ کیا وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے اگرچہ بعد از علامہ بھی ہو؟

نفظ جس وقت ترجمہ ہے اذا ما کا اور اذا ما کا حکم یہ ہے کہ جس وقت شرط پائی جائے تو یمن ختم ہو جاتی ہے لہذا اس عورت سے جب نکاح کریگا تو اسے طلاق

الجواب

واقع ہو جائے گی۔ جب دوبارہ نکاح کریگا تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور اگر یہاں لفظ کلاما ہوتا اور الفاظ میسر یوں ہوتے کہ میں جتنی بار بھی نکاح کروں گا تو طلاق تو جتنی بار بھی نکاح کرتا طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ علامہ کے بعد بھی نکاح کرتا۔

الفاظ الشرطان واذا واذا ما وکلی وکما وعتی وعتی ما
فہی ہذہ الالفاظ اذ وجد الشرط انحلت الیمین وانقضت
لانہ لا تقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرة تم الشرط
وانحلت الیمین فلا یتحقق الحث بعدہ الا فی کلاما لانہا
توجب عموم الذہا لہذا ۱۵۹ھ عالمگیری (الباب الرابع فی الطلاق بالشرط)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

مفتی خیر المدارس ملتان ۹۸/۲/۱۴۰۰ھ

فلان تاریخ تک نہ دیتے تو بیوی کو تین طلاق
 پھر اسکی جگہ کسی اور نے پیسے لے دیتے ایک بھیڑ خریدی۔ بھیڑ کی قیمت
 نقد ادا نہ کی بلکہ کہا کہ میں اسکی قیمت فلان تاریخ تک ادا کر دوں گا۔ اگر ادا نہ کر سکا تو میری
 بیوی کو تین طلاق۔ مگر عبدالرحمان نے فلان تاریخ تک رقم ادا نہ کی۔ عبدالرحمان کے سسرال والوں
 کو علم ہوا تو انہوں نے آخری تاریخ سے ایک دو روز قبل غلام عباس کو قیمت ادا کر دی۔ واضح ہو
 کہ عبدالرحمان نے اس سلسلہ میں نہ تو سسرال والوں کو کوئی ہدایت کی اور نہ ہی غلام عباس سے
 کوئی رابطہ کیا۔ اب عبدالرحمان کا نکاح باقی رہا یا نہیں۔ بیوا تو بے پروا۔

از جامعہ بنوریہ کراچی۔ صورت مسئلہ میں عبدالرحمان کے سسرال والوں نے
 مذکورہ بھیڑ کی قیمت ادا کر کے مقررہ تاریخ کے اندر اندر عبدالرحمان کو اطلاع
 کر دی تھی تو اس صورت میں عبدالرحمان کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ ادا اگر سسرال والوں
 نے بھیڑ کی قیمت ادا کر دی ہے اور وہ یوں ہی خاموش رہا اور خود بھی قسم ادا نہ کی تو اس
 صورت میں اسکی مقررہ مدت گزرتے ہی تین طلاق مغلطہ سے حرام ہو گئی جس کے بعد نہ رجوع کی گنجائش
 ہے اور نہ ہی حلالہ شریعہ کے بغیر دوبارہ آپس میں نکاح ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم،

الجواب صحیح، کتبہ، محمد عبدالقادر، دارالافتاء جامعہ بنوریہ کراچی

محمد عبدالسلام عفا اللہ عنہ ۲۱ / ۱۲ / ۱۴۱۵ھ

رئیس دارالافتاء بنوری ٹاؤن کراچی

جواب : از جامعہ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامداً ومصلیاً وسلم

ہمارے نزدیک بنوری ٹاؤن کے فتویٰ ہذا میں حاش نہ ہونے کے سبب میں جو توسع اختیار
 کیا گیا ہے وہ محل نظر ہے۔ اس لئے کہ قسم ٹوٹنے سے بچنے کے لئے ضروری تھا کہ خود ادائیگی کرتا یا لکھی
 اور کو ادائیگی کا حکم کرتا۔ اس کے کہے بغیر سسرال والوں کا رقم ادا کر دینا اس کے خود ادا کرنے کے قائم
 مقام نہیں ہوگا۔ خواہ اطلاع کوں یا نہ کریں، جیسا کہ مندرجہ ذیل تصریحات ثابت ہوتا ہے۔ بہر کیف

صورتِ مسئلہ میں اس شخص کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہو گئی ہیں۔

(قال فی البحر) حلف لا یدفع الی فلان مالہ فامر غیرہ فضمنہ
ونقد بضمائنه فهو حائث لانه اذا انقضى رجوع به عليه فصار
كانه دفع اليه وكذلك لو احواله عليه فاعطاه - ولو
كانت الحوالة والكفالة بغير امره لا يحنث باذائه وكذا
اذا تبرع رجل بالاداء

(ایضاً) حلف لیعطین فلاناً حقہ فامر غیرہ، بالاداء او
احالہ فقبض بر ولو کان بغير امره حنث (بحر الرائق ص ۲۸۱)
ومثله فی الدر المختار ص ۱۲۲

فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۶/۲/۱۴۱۶ھ

رئیس دار الافتاء جامعہ خیر المدارس عمان

ہو بولنے پر قادر ہو اس کی طلاق تلفظ کے بغیر نہیں ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے دل میں اپنی بیوی پر طلاق واقع کرنے کی صرف نیت کی۔ اور زبان سے لفظ کوئی نہیں بولا۔ ہاں ہاتھ وغیرہ سے اشارہ کر دیا۔ تو کیا اس سے زید مذکور کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں۔ جبکہ زید آخر س نہ ہو۔ یا کوئی اسم عدد خالی زبان سے بولا۔ مثلاً ایک اور دل میں نیت بیوی پر طلاق واقع کرنے کی ہے تو کیا طلاق واقع ہو جائے گی۔ یا اسم عدد کسی اور چیز کے ساتھ ملا کر بولا۔ مثلاً ایک کتاب اور اسم عدد ایک سے طلاق کی نیت کی۔ تو کیا اس صورت میں زید کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلياً۔ غیر آخر اس کی طلاق بدوں تلفظ کے محض نیت سے واقع نہیں ہوتی۔ تلفظ بالطلاق رکن ہے۔ قال فی الدر المختار ورنه لفظ

فخصوص حال عن الاستثناء قال فی الشامیة وبه ظہر ان من تشاجر مع زوجته

فاعطاها ثلثة احجار مینوی الطلاق ولم یذکر لفظ الاصریحاً ولا کنایة
لا یقع علیہ (ص ۴۵۳ ج ۲)

پس صورتِ مسئلہ میں محض نیت سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم
الجواب صحیح۔ خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۱ - ۱ - ۱۳۸۶ھ

”تجھے چھٹی ہے“ سے وقوعِ طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زید نے کسی کام میں بیوی کی طرف سے نافرمانی صادر
ہونے پر بیوی سے کہا کہ تجھے چھٹی ہے۔ تجھے چھٹی ہے اور اس سے زید کا مقصود فقط بیوی کو تنبیہ
کرنا تھا۔ نہ کہ طلاق۔ دو دن بعد بیوی نے زید سے کہا۔ آپ میرے ساتھ بولتے کیوں نہیں کیا میں
آپ پر حرام ہو گئی ہوں۔ اس پر زید نے کہا نہیں نہیں۔ تو تو میری بیوی ہے میں تجھے کیسے چھوڑ
سکتا ہوں۔ میں نے تو صرف تجھے تنبیہ کرنے کے لئے کہا تھا۔ تاکہ تو مجھ سے معافی مانگے۔ اس کے
بعد اسی وقت خاوند بیوی باہم بوس کنار اور پیار و محبت کرنے لگے۔ آیا اس سے طلاق تو
نہیں ہوئی۔

السائل: محمد عبداللہ

صورتِ مسئلہ میں بر تقدیرِ صحت واقعہ اگر زید کی نیت طلاق دینے کی
نہیں تھی تو اسکی بیوی پر قضا طلاق واقع نہیں ہوئی۔ کنایتہ عند الفقہاء

الجواب صحیح

مالہ یوضع لہ ای الطلاق واحتملہ وغیرہ فالکنایات لا تطلق بہا قضاء الا بنية
او دلالة الحال (رد المختار ص ۵۰ ج ۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۱ - ۲ - ۱۳۸۰ھ

تین طلاق کے وقوع کے بارے میں ”مجموعۃ الفتاویٰ“ کی عبارت سے

دھوکہ نہ کھایا جائے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام دریں مسئلہ کہ زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اب احناف کے نزدیک مذکورہ عورت بغیر طلاق کے زید کے گھر آباد نہیں ہو سکتی۔ کیا ضرورت شدیدہ کے وقت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کو اختیار کرتے ہوئے تین طلاقوں کو ایک شمار کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ مجموعۃ الفتاویٰ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔ کہ تین طلاقوں میں بوقت ضرورت کسی شافعی المسلک عالم سے پوچھ کر اس کے فتوے پر عمل کیا جائے اور اس کی نظیر مسئلہ نکاح زوجہ مفقودہ و عدت معتدۃ الطہر موجود ہے۔ کہ حنفیہ عند الضرورت امام مالک رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرنے کو درست کہتے ہیں۔ چنانچہ رد المحتار میں مفصلاً مذکور ہے۔

الجواب باسم ملہم الصواب یہاں تین امور کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے
 (۱) مذہب غیر پر عمل کرنا کس وقت جائز ہے؟
 (۲) مسئلہ مذکورہ کو مسئلہ زوجہ مفقودہ پر کیا سبب کرنا۔

۱۔ مسئلہ مذکورہ میں امام شافعی کا مذہب کیا ہے؟ اب ہر ایک پر مختصراً کلام کیا جائیگا۔
 الف۔ مذہب غیر پر فتویٰ کے جواز کے لئے علماء نے سخت شرائط بیان کی ہیں۔ محض اپنے فائدہ اور نفسانی خواہش کی خاطر اپنے مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب پر عمل کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ بلکہ دین اسلام کا مذاق اڑانا ہے۔ اور اسلام کو اپنی نفسانی خواہش کے تابع بنانا ہے۔ دنیا کی چند روزہ راحت و عیش کی خاطر مالک حنفی کو ناراض کرنا اور جہنم کی راہ ہموار کرنا بہت بڑی حماقت اور بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے اس لئے اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ کہ نفسانی خواہشات کی بناء پر کسی مسئلہ میں غیر کے مذہب کو اختیار کرنا حرام ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں۔ حیث قال فیہ

نکح عند شہود فسقة ثم طلقها ثلاثا فإراد التخلص من المحرمة بان النکاح کان فاسدا فی الاصل

علی مذہب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فلم یقع الطلاق مانصہ وهذا القول ینخالف اجماع المسلمین

فانہم متفقون علی ان من اعتقد حل الشئ کان علیہ ان یعتقد ذلك سوا وفاق

ادخالہ ومن اعتقد تحریمہ کان علیہ ان یعتقد ذلك فی الحالین
وهؤلاء المطلقون لا یقولون بفساد النکاح بفسق الزوج الا
عند الطلاق الثلاث لا عند الاستمتاع والتوارث یكونون فی وقت یقلدون من یفسده
وفی وقت یقلدون من یصححه بحسب الغرض والهوى ومثل ذلك لا یجوز باتفاق
الامة ولو قال المستفتی المعین انا لما کن اعرف وانا التزم ذلك لم یکن من ذلك
له لان ذلك یفتی بـ باب التلاعب بالدين ویفتح الذریعة الی ان یكون التحلیل
والتحریم بحسب الهواء

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص ۲۴۰)

(ب) اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب پر عمل کرنا اس وقت جائز ہے کہ اس اپنے
مذہب کی رو سے کوئی کراہت لازم نہ آوے۔ اور طلاق ثلاثہ میں مذہب غیر پر عمل کرنے
سے کراہت تو درکنار حرمت لازم آتی ہے۔ لہذا اس صورت میں جائز نہ ہوگا۔ قال العلامة
الحصکفی فی الدر المختار لکن یتدب للخروج من الخلاف لا سیما للامام لکن یشترط
عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذہبیہ۔ کذا فی فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۴ ج ۹
(۲) مسئلہ مذکورہ کا مسئلہ زوجہ مفقود پر قیاس۔ علامہ لکھنوی نے مسئلہ مذکورہ میں
نزوج عن المذہب کی نظیر مسئلہ زوجہ مفقود پیش کی ہے۔ ان کا یہ قیاس ہرگز صحیح نہیں۔
کیونکہ وہاں مذہب مالکیہ اختیار نہ کریں تو اس کے سوا کوئی سبیل ہی نہیں اور یہاں ایسا نہیں
بلکہ اس خاوند کے علاوہ دوسرے اشخاص سے نکاح کر سکتی ہے اس شخص پر کوئی ضرورت موقوف
نہیں۔ کذا فی امداد الاحکام

(۳) مسئلہ مذکورہ میں امام شافعی کا مذہب۔ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کی
طرف جو اس قول کی نسبت کی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ائمہ اربعہ اور جمہور سلف و خلف
کا صورت مذکورہ میں وقوع ثلاثہ پر اتفاق ہے قال العلامة النووی رحمہ اللہ تعالیٰ وقد اختلف
العلماء فمیں قال لا مراۃ انت طالق ثلاثا فقال الشافعی ومالك والبو حنیفة واحمد
وجماہیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث (شرح النووی علی مسلم ص ۴۸ ج ۱)
(۲) علامہ بدر الدین العینی رحمہ اللہ تعالیٰ صحیح بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں تحریر
فرماتے ہیں حیث قال ومذہب جماہیر العلماء من التابعین ومن بعدہم مضمون الا و زاعی

والفخفی والثوری وابو حنیفة واصحابہ ومالك واصحابہ والشافعی واصحابہ واحمد واصحابہ واسحاق وابو ثور وابو عیدة وآخرون کثیرون علی ان من طلق امرأته ثلاثا وقعن ولكنه یأثم (عمدة القاری ص ۲۳۲ ج ۲۱)

(۳) ومذهب جماہیر العلماء من التابعین ومن بعدہم وابو حنیفة واصحابہ و مالک واصحابہ والشافعی واصحابہ علی ان من طلق ثلاثا وقعن ولكنه یأثم۔ (زجاجة المصابیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴ ج ۲)

(۴) اعلم ان الائمة الاربعة اتفقوا علی وقوع الثلاث جملة سواء کان بلفظ واحد او بثلاث الفاظ (منہاج السنن ص ۳ ج ۲)

(۵) قال النووی اختلفوا فی من قال لامرأته انت طالق ثلاثا فقال مالک الشافعی واحمد وابو حنیفة والجمهور من السلف والخلف یقع ثلاثا

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۳ ج ۶)

(۶) وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدہم من ائمة المسلمین الی انه یقع ثلاث — فتح القدیر ص ۳۳ ج ۳ —

حوالہ جات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ نیز تقریباً سب صحابہؓ اس پر متفق ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ جب شواہد کا یہ مسلک ہی نہیں تو ایک طلاق کا فتویٰ کیسے دیں گے۔ اور خود علامہ موصوف کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ جمهور صحابہؓ ائمہ اربعہ کے مذہب کے موافق تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ مجموعۃ الفتاویٰ ص ۵۹ ج ۲ پر مفصل فتویٰ درج ہے الغرض مجموعۃ الفتاویٰ کا یہ فتویٰ درست نہیں اور نہ اس پر عمل کرنا جائز ہے۔
الجواب صحیح۔ بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم
محمد انور رضا اللہ عنہ

لفظ علق سے طلاق نہیں ہوگی

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درین مسئلہ کہ اگر خاوند بیوی کو کہے کہ میں تجھے علق دیتا ہوں۔ یعنی نیت طلاق کے اور یہ لفظ مصحف بھی نہیں ہے اس لئے کہ اس کے اپنے متعدد معانی ہیں۔ کذا فی کتب اللغات۔ تو اس طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

الجواب صورت مسئلہ میں لفظ طلاق چونکہ الفاظ مصحفہ میں سے نہیں ہے اس لئے اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۵ - ۷ - ۱۴۰۸ھ

ایک گواہ لفظ طلاق کی گواہی دیتا ہے ایک لفظ حرام کی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑا ہوا۔ جھگڑے کے بعد مشہور ہو گیا۔ کہ اس نے طلاق دے دی ہے خاوند کہتا ہے کہ میں نے طلاق کے الفاظ یا حرام کے الفاظ نہیں کہے۔ سننے والوں میں سے ایک کہتا ہے کہ مجھے کچھ یاد ہے کہ ایک دفعہ طلاق کہا ہے دوسرا کہتا ہے کہ مجھے تھوڑا یاد ہے کہ حرام کا لفظ ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ ہمیں صحیح معلوم نہیں۔ اب شرع محمدی میں طلاق ہو گئی یا کہ نہیں۔ بیٹو! تو جو روا۔ شہادت کے نامکمل ہونے کی وجہ سے۔ نیز اس میں اختلاف کی وجہ سے اس بناء پر تو طلاق کا حکم نہیں لگا سکتے۔ البتہ احتیاطاً تجدید نکاح ضرور

الجواب

کر لی جائے۔ لو شهد احدہما انہ طلقھا ثلاثا وشہدا اخرانہ قال لھا انت حرام وذی الثلاث لا تقبل ۱۱ عالمگیری ج ۳ (باب فی الاختلاف بین الشاہدین) فقط واللہ اعلم محمد انورؒ ۱۴۰۸ھ

عذر کی صورت میں عورت خاوند کو طلاق دے سکتی ہے؟

اخیر ناما لث اخبرنا مجتہد عن سعید بن المسیب انہ قال ایما رجل تزوج امرأة وبه جنون او ضنر فانها تخیر ان شاءت قرت وان شاءت فارقت قال محمد اذا کان امرأ لا یحتمل خیرت فان شاءت قرت وان شاءت فارقت والا لا خیار لھا الا فی العنین والمحبوب۔ موطا امام محمد ص ۲۴۸

اس کا جواب دیں کہ اگر حال میں مرد کو عورت رکھنے یا طلاق دینے کا اختیار ہے۔ اگر مرد نامرد ہے۔ اور عورت کو جدا ہونے کا اختیار بھی ہے۔ وہ عورت مرد کو طلاق دے سکتی ہے؟

الجواب

یہ بات غلط ہے کہ نکاح ہونے کے بعد کسی صورت میں بھی عورت کو اس نکاح سے علیحدہ ہو جانے کا حق نہیں۔ یہ طبعی کسی کتاب میں بھی نہیں لکھا۔ بلکہ بعض صورتوں

میں عورت نکاح کے بعد اپنے آپ کو علیحدہ کر سکتی ہے۔ جیسا کہ اگر خاوند عنین ہو یا محبوب ہو۔

کما هو ظاهر من الحوالۃ المذكورة ایضاً فی الدر المختار ج ۲ ص ۲۵۳-۲۵۴ من لا یقدر علی جماع فزوج زوجته الی قوله فرق المحاکم بطلبها لوجرة بالغة۔ لیکن اس کے لئے قضاء قاضی شرط ہے۔ عورت خود اپنے پر طلاق واقع نہیں کر سکتی۔ امام محمد کے اس قول ”ان شاءت قرت وان شاءت فارقت“ کا بھی یہی مطلب ہے۔ کہ ایسی صورت میں عورت حاکم سے تفریق کر سکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح

خیر محمد عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

۵ - ۴ - ۱۳۸۵ھ

دوران عدت نکاح کر کے تین طلاق دیدیں تو بدوں حلالہ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے

ایک شخص ۳۰ صفر کو فوت ہوا۔ ۲۳ ربیع الثانی کو اس کی بیوی نے نکاح ثانی کر لیا۔ اس دوسرے خاوند نے اسے تین طلاق دے دیں۔ کیا اب وہی خاوند اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے؟ عدت میں کیا ہوا نکاح فاسد ہے اب بدوں حلالہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں کیونکہ حرمت مغلطہ ثابت نہیں ہوئی۔

الجواب

طلق النکوحۃ فاسداً ثلاثاً تزوجها بلا محلل ۱۵ (در مختار علی الشاہ ص ۲۵۴ ج ۲)

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

نقطہ اللہ اعلم

۲۲ - ۱ - ۱۹۷۷ھ

قتل کی دھمکی دیکر طلاق کے الفاظ کہلوانا

میرے بھائیوں نے قتل کی دھمکی دے کر مجھ سے ددر مرتبہ مجبوراً کہلوا یا میں نے بیوی چھوڑ دی

میں نے سرف ڈرتے ہوئے یہ لفظ کہے ہیں دل سے نہیں کہے تو کیا طلاق ہوگی؟

صورت مسئلہ میں بیوی کے مدخولہ ہونے کی صورت میں اس پر دو طلاق تہی

الجواب

واقع ہو گئی ہیں۔ دورانِ عدت، رجوع اور بعد از عدت نکاح جدید کر سکتے ہیں۔

وكذا لو اكره على الطلاق والعتاق فطلو ادا عتق يقع طلاقه واعتاده عندنا هو (قاسی بنار)

۸۲۹ھ (۱۴۲۷ھ) فقط والشرع اعلم

استر محمد انور عفا اللہ عنہ

طلاق کے ساتھی انشاء اللہ کہنا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ اگر زید نے تین طلاقیں دے کر ساتھی انشاء

اللہ تعالیٰ کہہ دیا کہ خدا چاہے تو تجھ کو طلاق۔ آیا عند الشرع کیا حکم ہے؟

الجواب۔ اگر زید نے طلاق کے متصل بعد بدوں کسی فصل کے انشاء اللہ کا تکلم کر لیا تو اس

مسورہ میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ ہند میں ہے۔

اذا قال لامرأته انت طالق انشاء اللہ تعالیٰ متصلاً به لم يقع الطلاق۔ ہند یہ ص ۵۴۲ ج ۱

الجواب صحیحہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۳-۹-۱۴۰۸ھ

فقط والشرع اعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

غیر مدخولہ کو الگ الگ تین طلاق دینے کا حکم

ایک شخص نے اپنی غیر مدخولہ بیوی کو بایں الفاظ سہ بار رو بہ رو کہا میں طلاق دی

”میں فلا نہ بنت فلاں کو طلاق دی“ جسے عرسہ تین ماہ گزر چکے ہیں کیا یہ شخص اس عورت

سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے؟

الجواب۔ ہر تقدیر صحت سوال دوبارہ بدوں حلالہ نکاح درست ہے۔ اذا طلق

الرجل امرأته ثلاثاً قبل الدخول بها وقعت؛ ايہ افان فرق الطلاق

بانت بالاولی وليرتفع الثانية والثالثة وذلك مثل ان يقول انت طالق طالق

طالق۔ ۱۵ (عالمگیری ص ۱ ج ۱)

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۳، ۹، ۱۴۰۰ھ

چھوڑی کا لفظ تین دفعہ کہا تو تین طلاق ہونگی

خاوند نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے یوں کہا کہ ”میں نے تجھ کو چھوڑ دیا تین سے زائد مرتبہ۔ اور ایک مرتبہ یوں کہا کہ تو میری بہن ہے۔ اور ایک مرتبہ یوں کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے۔ تو از روئے شریعت کوئی طلاق ہوگی۔ مثلاً اس کا کیا حکم ہے (بلیوا تو بردا)۔

”چھوڑی“ کا لفظ اب صریح کا حکم رکھتا ہے لہذا صورت مسئلہ میں تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ اب یہ دونوں حلالہ اس عدت سے نکاح جڑ

الجواب صحیح

بھی صحیح نہیں (امداد المفتین ص ۲۳۶ ج ۲) فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح

۲۵ - ۶ - ۱۴۰۲ھ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

۱۱۱ طلاق تین طلاق ہیں

ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اس مضمون کا خط لکھا کہ میں سخت بیمار ہوں صحت مشکل ہے سچہ آپ کے پاس رہے گا نیچے یہ لکھا ہے ۱۱۱ طلاق
اب کیا حکم ہے۔ غلام اکبر حکو ال

صورت مسئلہ میں بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں۔ اب وہ بدون حلالہ نکاح جدید نہیں کر سکتا۔

الجواب صحیح

کتب الطلاق ان مستبہنا علی غلو ج ۱ وقع ان نوی ۱۵ (شامی ص ۲۶۵ ج ۲)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

”مجھ پر طلاق ہے“ کا حکم

میری باتوں سے بہنوئی غصہ میں آگئے۔ اور قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ مجھ پر طلاق ہے۔ مجھ پر طلاق ہے۔ مجھ پر طلاق ہے صورت مسئلہ میں کتنی طلاق واقع ہوئیں؟
الجواب صورت مسئلہ میں تین طلاق واقع ہو چکی ہیں فیکون حیثیۃ قولہ علی الطلاق بمنزلۃ انت طالق اھ۔ قال ولسیدی عبدالغنی النابلسی

رسالة فی ذلک سماک رفع الانفلاق فی علی الطلاق ونقل فیہا الوقوع عن بقیة المذاہب
 الثلاثة اقول وقد رأیت (الی ان قال) وما افتی بہ فی الخیریۃ من عدم الوقوع تبعاً
 لابی السعود آذندی فقد رجح عنہ وافتی عقبہ بخلافہ (شامیہ ص ۳۳ ج ۲)

فقط و الشرا علم

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

اضافت صریح طلاق میں ضروری نہیں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوجین کے مابین کسی امر میں جھگڑا پڑا اور مرد نے یوں کہا کہ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق۔ جاتجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ کیا اس طریق سے طلاق مغلط واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب مع الصواب۔ مسئلہ مذکورہ نہایت ہی سنگین اور پیچیدہ ہے۔ عام علمائے کرام اس مسئلہ کے جواب میں حیران و پریشان ہیں۔ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ ان کے دماغ چکر اگٹے ہیں۔ اور لغزش بھی کھا گئے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ مرد نے صورت مذکورہ میں تین چار جملے استعمال کئے ہیں۔ پہلے جملے تین صریح طلاق کے ہیں۔ یعنی ایک طلاق۔ دو طلاق۔ تین طلاق ان میں نیت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر یہ الفاظ اپنے محل پر استعمال کئے جائیں۔ تو مرد نیت کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ باقی رہا جملہ چہارم۔ جاتجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ پنجابی زبان میں عربی زبان کے لفظ سرحتک کا معنی ہے یہ کنایہ طلاق کے الفاظ میں سے ایک لفظ ہے۔ جس میں نیت کی ضرورت ہے۔ اگر مرد اس لفظ سے طلاق کی نیت کرے۔ تو طلاق واقع ہو

جاتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ صورت مذکورہ میں مرد نے جو صریح الفاظ (ایک طلاق۔ دو طلاق تین طلاق) بولے ہیں۔ ان الفاظ سے شرعاً طلاق واقع نہیں ہوتی۔ طلاق کے بارے میں مفسوط بہ میں لفظ طلاق کی اضافت کا عورت کی طرف ہونا ضروری ہے ورنہ بدو اضافت کے طلاق واقع نہ ہوگی جیسا کہ کتب فقہ اور خامس کر شامی ص ۲۶۶ پر مکتوب ہے (لترکہ الاضافة) ای المعنویۃ فاھما

الشرط والمخاطب من الاضافة المعنویۃ وکذا الاشارة نحو هذه طالق وکذا انحو امراتی طالق وزینب طالق الخ اور صورت مذکورہ میں مرد نے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق کہنے کے وقت نہ تو عورت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور نہ ہی نام لیا ہے۔ اور نہ ہی خطاب کیا ہے اور اضافت سے یہی تین معنی مراد ہیں۔ اور اضافت ہی طلاق کے متحقق ہونے کا باعث ہے جب ایک طلاق دو طلاق تین طلاق میں مرد کی طرف سے عورت کی جانب طلاق کی اضافت ہی نہیں پائی گئی جو طلاق کے متحقق ہونے کی موجب تھی تو بدو اضافت کے طلاق کیسے متحقق ہوگی اس طرح بلا اضافت طلاق کے لفظ بولنے سے ہرگز طلاق واقع نہ ہوگی جیسا کہ شامی میں ص ۲۶۶ پر مرقوم

ہے (قوله اولہینو شیعاً) لما مر ان الصویح لا یحتاج الی النیۃ ولكن لا بد فی وقوعه قضاءً ودیانۃً من قصد اضافة لفظ الطلاق الیہا عالمائنا الخ اسی طرح اسی کتاب کے ص ۲۷۳ پر مسطور ہے فلا یقع الطلاق الا بالاضافة الی ذاتھا والی جزء شائع منها هو محل التصرفات الخ پس ان تمام روایات سے ثابت ہوا کہ طلاق کے تحقق کے لئے طلاق کی اضافت کا عورت کی جانب ہونا ضروری اور لازم ہے۔ اور صورت مذکورہ میں مرد نے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق کی اضافت عورت کی طرف نہیں کی۔ لہذا طلاق مغلطہ ثابت نہ ہوئی۔ بلکہ یہ تینوں الفاظ ترک اضافت کے باعث لغو قرار دئے گئے۔ باقی رہا جملہ چہارم۔ جامیں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ لفظ کتا یہ طلاق کے الفاظ میں سے ایک لفظ ہے جس میں مرد کی جانب سے طلاق کے متحقق ہونے کے واسطے طلاق کی نیت کرنا ضروری ہے اگر مرد نے اس لفظ سے نیت طلاق کی کی ہے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔ ورنہ نہیں۔ طلاق کی نیت کرنے یا نہ کرنے میں مرد کا قول معتبر ہوگا۔

مسئلہ مذکورہ کے مطابق کتب فقہ میں میری نظر سے عام نظائر گزرے ہیں۔ خاص کر فتاویٰ عالمگیری ص ۲۸۳ پر اس مسئلہ کی نظیر موجود ہے لوسنئے کذا فی الغلاصۃ فی جنس المتفرقات سئل شیخ

الاسلام الفقیہ ابو نصر عن سکران قال لامرأته اتریدین ان اطلقک قالت نعم

فقال بالفارسية - اگر تو زن منی یک طلاق دو طلاق سہ طلاق قومی واخوجی من عندی و
 ہوینہ لومردہ الطلاق فالقول قوله - کذا فی المخطط عالمگیری کی روایت میں بعینہ
 مسئلہ مذکورہ کی صورت مندرج ہے جس طرح صورت مذکورہ پہلے صریح طلاق کے الفاظ (ایک طلاق دو
 طلاق تین طلاق) بدول اضافت کے مذکور ہیں۔ اور بعد میں کنایہ طلاق کے الفاظ جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے مذکور ہے اسی
 طرح عالمگیری کی روایت میں بھی جو اوپر مسطور ہے پہلے ایک طلاق دو طلاق سہ طلاق صریح طلاق کے الفاظ بدول
 اضافت کے مذکور ہیں اور بعد میں کنایہ طلاق کے الفاظ قومی واخوجی من عندی مذکور ہیں عالمگیری کے مصنف صاحب
 نے صریح لفظ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق جو بدول اضافت مذکور تھے اور جس میں نیت کی کوئی ضرورت تھی مرد
 نیت کہے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی تھی۔ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور نہ ہی طلاق ثلاثہ کا اس مقام میں حکم فرمایا ہے
 یہ ایک بدیہی اور مشہور بات تھی جس سے کسی کو انکار نہیں کہ صریح طلاق کے الفاظ نیت کے محتاج نہیں مرد نیت کرے
 یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی ہے صریح طلاق میں صرف لفظ طلاق کی اضافت کا عورت کی طرف ہونا ضروری ہے اور اس
 مقام میں گو صریح طلاق کے الفاظ موجود ہیں اور ان میں مرد کی جانب طلاق کی نیت کی بھی ضرورت نہ تھی بدول نیت کے
 بھی ان الفاظ سے طلاق مغلطہ واقع ہو جاتی تھی صرف طلاق کے لفظ کی اضافت کا عورت کی طرف ہونا ضروری تھا جو پہلے
 نہیں پائی گئی اسلئے مصنف نے ان الفاظ کو لغو قرار دے کر طلاق مغلطہ کا حکم صادر فرمایا اگر ان الفاظ میں لفظ طلاق کی اضافت
 کی جانب موجود ہوتی تو مصنف ضرور اس مقام میں طلاق مغلطہ کا حکم فرماتے اور یہ نہ فرماتے فالقول قوله
 کہ اس میں مرد کے قول کا اعتبار ہے صریح الفاظ میں مرد کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی فالقول
 قوله کہنا جائز ہے۔ جب انہوں نے اس روایت میں فالقول قوله فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس روایت
 میں جو صریح طلاق کے الفاظ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بدول اضافت کے واقع تھے جن میں مرد
 کے قول کا اعتبار نہ تھا۔ ان کو نظر انداز اور لغو قرار دے کر کنایہ لفظ قومی واخوجی من عندی جو
 اس روایت میں مندرج ہے فالقول قوله سے اس کی تشریح اور بیان کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بات
 مسلمہ ہے کہ کنایہ الفاظ میں مرد کی نیت کا اعتبار ہے پس اسی روایت فالقول قوله سے علمائے کرام دھوکہ
 میں پڑ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر مرد نے صورت مذکورہ میں طلاق کی نیت سے ایک طلاق - دو
 طلاق تین طلاق کا لفظ بولا ہے تو طلاق مغلطہ واقع ہوگی ورنہ طلاق ثلاثہ واقع نہیں ہوگی فالقول
 قوله سے ان کا یہ سمجھنا کیسا ہی غلط درغلط ہے۔ یہ تو صریح الفاظ ہیں۔ صریح الفاظ میں نیت کی
 کیا ضرورت ہوتی ہے مرد نیت کرے یا نہ کرے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ نیت کی ضرورت لفظ کنایہ میں

ہوا کرتی ہے۔ نہ کہ صریح میں فالقول قولہ میں مصنف نے لفظ کنایہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کا حکم بیان فرمایا ہے جو اسی روایت میں قومی و اخرجی من عندی میں مذکور ہے۔ نہ صریح الفاظ ایک طلاق دو طلاق سے طلاق کا حکم بیان کیا ہے کہ اس میں مرد کے قول کا اعتبار ہے۔ یہ سمجھنا غلط فاحش ہے۔ اگر صریح الفاظ میں بھی لفظ کنایہ کی طرح مرد کی نیت اور قول کا اعتبار کیا جائے۔ تو پھر صریح صریح کیسے ہو۔ اور کنایہ اور صریح میں فرق کیسے ہو۔ علمائے کرام مصنف صاحب کی رمز اور اشارہ کو جو انہوں نے فالقول قولہ میں کیا ہے۔ سمجھے ہی نہیں کہ یہ اشارہ کس طرف ہے۔ یہ اشارہ لفظ قومی و اخرجی کی طرف ہے نہ کہ صریح لفظ ایک طلاق دو طلاق سے طلاق کی طرف ہے پس ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جس عالمگیری کے مصنف صاحب نے صریح الفاظ ایک طلاق دو طلاق سے طلاق قومی و اخرجی من عندی میں بوجہ نہ ہونے اضافت کے طلاق مغلطہ ثابت نہیں کی اور عدم ثبوت طلاق مغلطہ کا پتہ بھی ہمیں انہی کی روایت فالقول قولہ سے ملتا ہے اگر وہ ان الفاظ سے طلاق مغلطہ ثابت کرنا چاہتے تو فالقول قولہ نہ فرماتے۔ صریح الفاظ میں فالقول قولہ کا کچھ اعتبار نہیں اور نہ ہی یہ کہنا جائز ہے فالقول قولہ اس جگہ بولا جاتا ہے۔ جہاں مرد کی طرف سے نیت کا اعتبار ہو۔ مرد کی طرف سے نیت کا اعتبار لفظ کنایہ ہی میں ہوا کرتا ہے نہ کہ صریح لفظ میں۔ صریح سے تو بدوں نیت اور ارادہ کے بھی طلاق متحقق ہو جاتی ہے اسی لئے صاحب عالمگیری نے فالقول قولہ کو کنایہ لفظ قومی و اخرجی کے ساتھ ملحق کیا ہے کہ ان الفاظ میں مرد کی نیت اور قول کا اعتبار ہے۔ اور اس مقام میں مرد نے طلاق نہ دینے کی نیت کا اظہار کیا ہے لہذا مصنف علیہ الرحمۃ نے فالقول قولہ کو ملحوظ رکھ لفظ کنایہ قومی و اخرجی سے طلاق ثابت نہ کی اسی طرح صورت مذکورہ میں بھی ایک طلاق دو طلاق سے طلاق جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے ان صریح الفاظ سے طلاق مغلطہ ثابت نہ ہوگی۔ بوجہ نہ پائے جانے اضافت کے۔ باقی رہا۔ جا میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ طلاق کنایہ کا لفظ ہے تمام کتب فقہ میں یہ لفظ طلاق کنایہ میں شمار ہے۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی بہشتی زیور میں حصہ چہارم کے صفحہ ۲۵ پر اس لفظ کو کنایہ طلاق میں شمار کیا ہے۔ اور اس میں مرد کی نیت کا اعتبار ہے اگر مرد نے اس لفظ سے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے بحوالہ کتب فقہ لکھا ہے علمائے کرام سے مستدعی ہوں کہ بنظر غور ملاحظہ فرمائیں۔ فقط و ما توفیقی الا باللہ۔ راقم الحروف۔۔۔۔۔

بظاہر الفاظ زوج ایک طلاق دو طلاق سے طلاق جا تجھے چھوڑ دیا ہے۔ کلام

الجواب

مرتبط اور متصل معلوم ہوتی ہے لہذا جا تجھے چھوڑ دیا ہے یہ کلمہ بوجہ تفسیر ہونے کلام سابق کے طلاق میں اضافت پیدا کر دیتا ہے یعنی خاوند پہلے اپنی عورت کو تین طلاق دے رہا ہے پھر کہہ رہا ہے کہ جا کیونکہ میں نے تجھے چھوڑ دیا ہے لہذا اس عبارت میں عورت مطلقہ بسہ طلاق ہو گئی ہے۔ اور اضافت کے لئے صراحۃً اضافت ہونا ضروری نہیں ہے کما فی الشامیۃ ولا یلزم کون الاضافة صریحۃ فی کلامہ شامی ص ۶۶ مفتی صاحب نے جو عبارت شامیہ سے نقل فرمائی ہے لے کر کہ الاضافة ای المعنویۃ فاتھا الشرط والخطاب من الاضافة المعنویۃ الخ ص ۶۶ اس عبارت کو آخر تک مطالعہ فرماویں تو واضح ہو گا کہ خطاب اور اشارہ کے علاوہ بھی سیاق اور سابق اور دیگر قرائن سے اضافت معنویہ ثابت ہو جاتی ہے اور اضافت معنوی بھی کافی ہے صراحۃً ہونا ضروری نہیں ہے اور خود یہ لفظ بھی دلالت کر رہے ہیں۔ کیونکہ مصنف نے کہا تھا۔ الاضافة شارح نے المعنویۃ سے وضاحت کر دی اور کہا کہ الخطاب من الاضافة یعنی خطاب بھی اضافت سے ہے۔ اور دیگر امور بھی ہو سکتے ہیں۔ اور صورت مسئلہ میں تو جا تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ بوجہ ارتباط کے اور کلام واحد ہونے کے خطاب پر بھی مشتمل ہو گیا ہے۔ لہذا صورت مسئلہ میں تین طلاق واقع ہو جائیں گی۔

الجواب صحیح

خیر محمد عفی عنہ بانی و مہتمم خیر المدارس ملتان

فقط واللہ اعلم۔ بندہ عبد اللہ غفرلہ

خادم الافاء خیر المدارس ملتان ۵/۴/۱۴۳۷ھ

تین طلاق دینے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آخری رائے

مندرجہ ذیل عبارت کی تحقیق قرمائی جاوے کہ جس سے غیر مقلد اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں کہ قال المحافظ ابو بکر الاسماعیلی فی مسند عمر بن الخطاب ابو یعلیٰ حدثننا صالح بن مالک حدثننا محمد بن یزید بن ابی مالک عن ابیہ قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ما ندمت علی شیءٍ ندامتی علی ثلاث ان لا اکون حرمت الطلاق و علی ان لا اکون اتکحت الموالی و علی ان لا اکون قتلت النوائح (افاشۃ اللہفان فی مصادر الشیطان)

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ما ندمت علی شیءٍ ندامتی علی ثلاث ان لا اکون حرمت الطلاق الخ، روایت ہذا سوال میں مذکور سند کے ساتھ

الحمد للہ

اغاثۃ اللہقان ص ۱۸ میں موجود ہے لیکن غیر مقلدین کا اسے استدلال میں پیش کرنا درست نہیں کیونکہ روایت بالا میں اس امر کا تذکرہ قطعاً موجود نہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق کے وقوع کے بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے آخری عمر میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اور آپ اس پر پشیمان تھے اس قسم کا کوئی مفہوم روایت بالا سے ہرگز نہیں نکلتا۔ حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ لوگ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے کے ناجائز اور خلاف مشروع فعل سے باز رہیں۔ مگر آپ نے جب آخر عمر میں محسوس فرمایا کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاق دینے کے واقعات میں اتنی کمی نہیں ہوتی جتنی ہونی چاہیے تھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس غیر مشروع کو میں نے حرام اور قابل مؤاخذہ قرار دیا ہوتا تو کیا اچھا ہوتا۔ اور نیز اسے جرم تصور کرتے ہوئے اس پر کوئی تعزیر مقرر کر دی ہوتی۔ ایسا نہ کرنے پر مجھے ندامت واقسوس ہے کیونکہ اسے جرم قرار دینے کی صورت میں ایسے واقعات کے انسداد اور کمی کی زیادہ توقع تھی۔ جبکہ ابن قیمؒ نے ایک سوال اور جواب میں اس کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے

فان قيل كان اسهل من ذلك ان يمنع الناس من ايقاع الثلاث ويحرمه عليهم

ديعاقب بالضرب والتاديب من فعله لئلا يقع المحذور الذي يتوب عليه قيل نعم
لعمري الله كان يمكنه ذلك لذلك ندم عليه في اخرايامه وودا انه كان فعله مثلاً (اغاثۃ

اللہقان) پس جب روایت بالا کا مطلب صرف یہ ہوا کہ آپؐ کو آخر عمر میں فعل مذکور کے جرم نہ قرار دینے پر ندامت تھی۔ تو اس سے یہ کیسے سمجھا گیا کہ آپ کو اپنی سابقہ رائے میں تردد ہو گیا تھا۔ تو محض روایت بالا کی بنا پر وقوع طلاق ثلاثہ مذکورہ کے بارے میں حضرت عمرؓ کا رجوع ثابت کرنا قطعاً غلط ہے خصوصاً جبکہ آپؐ سے وقوع کا قول یقینی طریق سے منقول و ثابت ہے اور صحابہؓ نے آپؐ کے ساتھ اس مسئلہ میں موافقت فرمائی ہے (اغاثۃ اللہقان ص ۱۸ عن مسلم) ان میں سے بعض اکابر صحابہؓ کے اسماء گرامی یہ ہیں: حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین توجب وقوع طلاق ثلاثہ مذکورہ اس طرح سے ثابت ہے تو ایک روایت کو (جس کا ثبوت بھی محل نظر ہے) غلط معنی پہنا کر رجوع ثابت کرنا محض سینہ زوری ہے۔ روایت ہذا کے بعض راوی میزان الاعتدال وغیرہ میں مل نہیں سکے لہذا اس کی سند کے بارے میں فی الحال کچھ نہیں کہا

جاسکتا۔ فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار غفرلہ
الجواب صحیح۔ بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ خادم دارالافتاء
الجواب صحیح۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ
خادم دارالافتاء جامعہ خیر المدینہ ریس ملتان

تو مجھ سے فارغ ہے طلاق بائنہ ہے؛ میاں بیوی کا آپس میں جھگڑا ہوا۔
 راستہ کے اندر جھگڑا ہوا تیسرا آدمی اور کوئی نہیں تھا۔ تو خاوند نے چند کنکریاں اٹھا کر اپنی عورت
 کی طرف پھینک دیں اور زبان سے کوئی لفظ نہیں بولا ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ طلاق دیتے
 وقت کنکریاں یا ڈھیلے پھینکتے ہیں۔

عورت کا بیان کہ ہمارا جھگڑا ہوا تو میرے خاوند نے میری طرف تین کنکریاں پھینکیں اور
 مجھے کہا کہ جا تو مجھ سے فارغ ہے۔ مرد کا بیان کہ میں نے عورت سے کہا کہ تو اپنے میکے
 (والد کے گھر) چلی جا اور کنکریاں بھی ماریں اور وہ عورت اپنے میکے چلی گئی۔ شریعت کی رو سے اب
 میاں بیوی کے لئے کیا حکم ہے شرعاً طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟

بِقَوْلِ عَوْرَتِ اس نے کہا "تو فارغ ہے" اور فارغ ہے کالفظ خلیۃ کے قریب
 قریب، خلیۃ کے لفظ میں مذاکرۃ طلاق میں بلا نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے

لہذا ان کے مذکورہ جھگڑے میں اگر تو طلاق کالفظ پہلے آچکا تھا تو بہر حال طلاق ہو گئی۔ خاوند جس
 لفظ کا اقرار کرتا ہے اس میں بھی بوقت نیت طلاق ہو جاتی ہے۔ لہذا ان کو تجدید نکاح کا حکم دینا چاہیے۔
 احتیاط اسی میں ہے اور یہ احتیاط ضروری کے درجہ میں ہے۔ ونحو خلیۃ، بریۃ، حرام بائن
 (الدر المختار ص ۲۲۲)

وفی البینا بیع الحق ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ بالخمسۃ ستۃ
 آخریٰ وہی الاربعۃ المتقدمة وزاد خالعتک والحقى باھلک
 هکذا فی غایۃ السروجی۔ (عالمگیری ص ۳۷۵)۔ فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ
 نائب مفتی خیر المدارس۔ ملتان
 ۲۸۔ محرم ۱۴۰۲ھ

الجواب صحیح،
 بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ
 مفتی خیر المدارس ملتان

طلاق کا جھوٹا اقرار بھی طلاق ہے : کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ

سے کہ دیا — — — کچھ عرصہ کے بعد برادری میں جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے محمد اسلم نے ایک ڈھیلا پھینک دیا اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ محمد اسلم کا صرف نکاح ہوا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ کئی دن کے بعد امام بخش اپنی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کرنے لگا تو محمد اسلم نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی میرا نکاح باقی ہے اور کہا کہ میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر ایمان کے ساتھ کہتا ہوں کہ بھائی نے مجھ کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا کہا تو میں نے انکار کر دیا لیکن اس نے گالیاں دی تو میں نے ایک ڈھیلا اٹھا کر پھینک دیا اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ رحیم بخش کا بھی یہی بیان ہے جبکہ عبد الشکور کہتا ہے کہ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ محمد اسلم نے میرے سامنے تین ڈھیلے پھینک کر کہا کہ میں نے امام بخش کی لڑکی کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح اُس نے مولوی غلام محمد کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ شرعاً طلاق ہو گئی یا نہیں ؟

الجواب : محمد اسلم کی مذکورہ بیوی کو قضاء طلاق ہو چکی ہے۔ کیونکہ طلاق کا جھوٹا اقرار بھی طلاق ہے۔

قال العلامة الشامی (قولہ اوہازلا) ای فیقع قضاء و دیانہ کما
یذکرہ الشارح و بد صرح فی الخلاصۃ (الی قولہ) و اما ما فی اکراہ
الخانیۃ لو اکراہ علی ان یقرّ با لطلاق فاقرّ لا یقع کما لو اقرّ
با لطلاق ہازلا او کا ذبا۔ فقال فی البحر مرادہ بعدم الوقوع فی
المشہد بہ عدم دیانہ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم،
محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۰ / ۸ / ۱۴۱۰ھ

جھگڑے کے دوران کہا تم آزاد ہو تمہیں طلاق ہے

کیا فرماتے ہیں علماء حق دریں مسئلہ کہ میرا شوہر مجھ سے لڑائی جھگڑا کرتا رہا اور لڑائی جھگڑے

کے دوران ایک دن غصے کی حالت میں میرے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ تم میری طرف سے آزاد ہو تمہارا دل چاہے جدھر جاسکتی ہو اور تمہارے ماں باپ سے کہوں گا کہ تمہاری بیٹی اب میرے کام کی نہیں رہی، جا کر اپنی بیٹی کو لے آؤ۔ اس واقعہ کے بعد لڑائی جھگڑا سلسل جاری رہا اور تقریباً ایک ماہ بعد مجھے پھر کہا میں نے تجھے طلاق دی۔ میں نے صرف ایک بار طلاق دی، کالفظ سنا اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ کتنی بار طلاق کا لفظ استعمال کیا کیونکہ طلاق کا لفظ مُسکر مجھ پر بے ہوشی کا عالم طاری ہو گیا تھا۔ اسی حالت میں میرے شوہر نے مجھے اٹھا کر چارپائی پر ڈال دیا اور خود اپنی والدہ کے پاس جا کر سو گئے۔ ان واقعات کے بعد میرے شوہر نے مجھ سے رجوع نہیں کیا۔ بلکہ میرے ساتھ وہ سلوک کرتے رہے جیسے ایک غیر مرد ایک عورت کے ساتھ کرتا ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر مجھے اپنے شوہر سے انتہائی نفرت ہو چکی ہے آپ برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں کہ آیا یہ طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں ہوتی ہے ؟

صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت سوال دو طلاق بائنہ ہو چکی ہیں اور بائنہ طلاق میں رجوع نہیں ہوتا عدت گزرنے کے بعد آزاد ہیں جہاں چاہیں نکاح کریں۔

الجواب

وَمَخَوا عَتَدِي وَاسْتَبْرَأِي رَحِمَكَ أَنْتِ وَاحِدَةٌ أَنْتِ حُرَّةٌ

اختاری امرک النہ لا یحتمل السب والرد فی حالة الرضا

غیر الغضب والمذاکرۃ توقف الاقسام الثلاثة تأشیراً علی

نیۃ الی قوله وفي الغضب توقف الاولان اھ در مختار

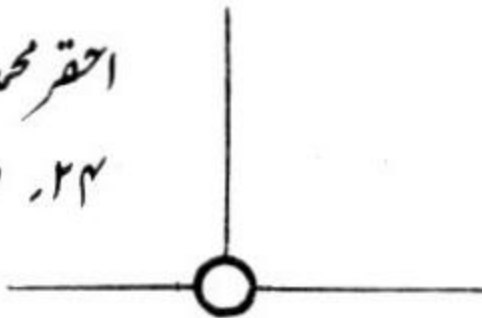
قوله توقف الاولان ای ما یصلح ردّاً وجواباً وما یصلح

سباً وجواباً ولا یتوقف ما یتعین للجواب اھ (شامیہ ص ۵۴۲)

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۲۔ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ



تین طلاق کے بعد غیر مقلدین کے فتویٰ کا سہارا لینا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ایک شخص نے دوسری شادی کا ارادہ کیا تو پہلی بیوی نے مخالفت کی چنانچہ اس شخص نے اسکی تسلی کے لئے یہ بات ٹیپ کر دی کہ اگر میں تجھے طلاق دوں تو اس کو بھی تین طلاق واضح ہے کہ یہ بات اُس نے دو کیسٹوں میں ٹیپ کی ایک میں اس شخص نے مذکورہ بالا کلام خود ہی کہی اور دوسری میں مذکورہ بالا الفاظ اسکی پہلی بیوی آگے کہتی گئی اور خاوند جیسے کہتا گیا اول الذکر کیسٹ کے بارے میں خاوند کہتا ہے مجھے کچھ یاد نہیں واضح ہے کہ یہ کیسٹ خاوند نے توڑ دی تھی اور یہ قول کہ اس شخص نے از خود ٹیپ کی تھی اسکی بیوی کا ہے۔ المختصر شخص مذکور نے دوسری شادی کر لی۔ بعد ازاں ایک یوم دران جھگڑا اس شخص نے اپنی پہلی بیوی کو کہا کہ کیا تو طلاق لینا چاہتی ہے تو اس نے ٹیپ دالی بات یاد دلائی کہ اگر مجھے طلاق دے گا تو اسپر بھی طلاق پڑ جائے گی چنانچہ اس شخص نے کہا کہ میں دونوں سے تنگ ہوں اس کے بعد اس نے بنیت طلاق پہلی بیوی کو کہا ایک، دو، تین — اس کے کچھ دیر بعد پہلی بیوی کی ماں نے دریافت کیا کہ معاملہ تو ختم ہو چکا ہے اس نے کہا ہاں اسلئے اس شخص کو پریشانی ہوئی مفتی "علماء" سے استفسار پر اس کو اپنی دونوں بیویوں سے مخالفت ہوئی چنانچہ اس نے اہل حدیث علماء سے پوچھنے پر دونوں بیویوں کو رکھا ہوا ہے شخص مذکور کا موقف یہ ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ بوقت ضرورت دوسرے مسلک پر عمل جائز ہے جیسا کہ دوران طواف مس المرأة کے مسئلہ میں شوافع احناف کے مسلک پر عمل کرتے ہیں۔ ایسا ہی میں اپنے گھرانہ اور پانچ بچوں کی ماں کو آباد کرنے کے لئے مسلک اہل حدیث پر عمل کرتا ہوں شریعت مطہرہ کا اس شخص اور اسکی دونوں بیویوں کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

(المستفتی، محمد عابد مدینہ منورہ السعودیہ)

صورت مذکورہ میں از روئے قرآن و حدیث و اجماع امت تین طلاقیں واقع ہو گئیں ہیں۔

الحاج

وقد اختلف العلماء فمن قال لا امرأته انت طالق ثلاثا
فقال الشافعي ومالك وابو حنيفة واحمد وجماهير

العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث الخ - واحتج الجمهور بقوله تعالى ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه - لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً - الآية قالوا معناه ان المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكن تداركه وقوع البيونة فلو كانت الثلاث لم يقع طلاق هذا ان رجعيًا فإينم الخ - وأما الرواية التي رواها المخالفون ان ركازة طلق ثلاثاً فجعلها واحدة فرواية ضعيفة عن قوم مجهولين (نودى شرح صحيح مسلم ج ۲ ص ۲۸۸ باب طلاق الثلاث)

۲ لكنهم اجمعوا على انه من قال لا مراثة انت طالق ثلاثاً يقع ثلاثاً بالاجماع الخ والجهة لنا السنة والاجماع (تفسير مظہری تحت قوله تعالى الطلاق مرتان)

۳ والبدعي ثلاث متفرقة وفي رد المحتار وكذا بكلمة واحدة بالاولى الخ قوله وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع الثلاث (الشامية ص ۲۵۵) مذکورہ روایات صراحۃً اس بات کی دلیل ہیں کہ بیک وقت دی جانے والی تین طلاق کے وقوع پر جمهور اُمت کا اجماع ہے اور اس کے خلاف قول شاذ و مردود ہے۔ واما قول الطالق بوقت ضرورت دوسرے کے مسلک پر عمل جائز ہے تو اس کا جواب روایات مذکورہ بالا سے واضح ہو گیا کہ عدم وقوع ثلاث کسی کا مسلک ہی نہیں لہذا یہ عمل بمسک الغیر نہیں یہ عمل بالشاذ والمردود ہے۔ اور اگر بالفرض ولتسلم یہ کسی کا مسلک بھی ہوتا تو بھی عمل بمسک الغیر کے لئے چند شرائط ہیں جن میں سے بنیادی شرط یہ ہے کہ عمل ضرورتِ شدیدہ کی بناء پر ہو اتباعِ ھودی کے لئے ہو اور صورتِ مسئلہ میں بجز اتباعِ نفس و ھوی اور کچھ نہیں اس قسم کے اعذار و اہیہ کی بناء پر تحلیل و تحریم کے فیصلے کرنا تلعب بالدين اور مفاسد کا دروازہ کھولنا ہے بلکہ اندیشہ سلب ایسا ہے۔

واما زماننا هذا فهو زمان اتباع الهوى واعجاب كل ذي رأى
برأيه والتلاعب بالدين فتبع الرخص متين ومتيقن
باعتبار الغالب الاكثر فلا يجوز الافتاء بمذهب الغير
الا بشرط الضرورة الشديدة وعموم البلوى والاضطرار
كما ذكره العلامة ابن عابدین فی رسالته عقود رسم المفتی
(اتمام الخیر فی الافتاء بمذهب النبی للعلامة المرحوم المفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)
وقیل لمن انتقل الی مذهب الشافعی لیزوج له أخاف
أن یوت مسلوب الا یمان لا هانتہ للدين بحیفة قدرة الی
قوله وان انتقل الیه لقلّة مبالاة فی الاعتقاد والجرأة
على الانتقال من مذهب الی مذهب كما یتفق له ویمل
طبعه الیہ لغرض یحصل له فائدة لا تقبل شهادته
(الثانیة ص ۳۸۲) فقط واللہ اعلم ،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ،

۲۲ / ۵ / ۹۷ھ

الجواب صحیح ،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محض طلاق کے تخیل سے طلاق نہیں ہوتی ایک آدمی کے ذہن میں اپنی بیوی کو طلاق
دینے کے تخیلات آتے ہیں اور منہ سے

لفظ طلاق نکل جاتا ہے اور اس آدمی کو پتہ نہیں چلتا کہ لفظ طلاق منہ سے نکلا ہے یا کہ خیال تھا ۔ تو
آیا طلاق واقع ہو گئی یا کہ نہیں ۔

(۲) تخیلات طلاق ایک آدمی کو آتے ہیں اور وہ اس بات کا خدشہ کرتا ہے کہ منہ سے لفظ طلاق نہ
نکل جائے وہ خدا سے دعا مانگتا ہے کہ یا اللہ میں اس میں مجبور ہوں کہ مجھے ہر وقت طلاق دینے کے خیالات
آتے ہیں حالانکہ میرا طلاق دینے کا کوئی ارادہ نہیں اگر خیالات کی وجہ سے لفظ طلاق منہ سے نکل جائے
تو طلاق واقع نہ ہو یا طلاق سے بچنے کے لئے کہتا ہے کہ جب منہ سے لفظ طلاق نکلے تو میری مراد طلاق
کے ساتھ انشاء اللہ بھی متصل ہو تو کیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

الحجۃ

۱-۲۔ صرف تخیلات سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ جب تک زبان سے نہ کہہ دے اور اگر اس کو یقین ہو یا ظن غالب ہو کہ میں نے طلاق کا لفظ کہہ دیا ہے۔ تو

طلاق واقع ہو گئی۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورہا ما لم تعمل بہ او تتکلم بہ متفق علیہ

مشکوٰۃ شریف باب الوسوسة ص ۱۸۱ ہو ما جعل دلالة علی معنی الطلاق..... ولوحکماً

لیدخل الکتابۃ المستبينة وإشارة الآخر وإشارة إلى العدد بالأصابع اه رد المحتار ص ۲۵۳

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس رسالتان فقط واللہ اعلم

صرف ایک دو تین کہنے سے طلاق کا حکم کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام دریں مسئلہ کہ عظمت نامی شخص نے بوقت مطالبہ نان

ونفقة زوجہ مسامۃ مراد بی بی غصہ میں آکر اپنی زبان (برہمی) میں اپنی زوجہ کے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اُسٹ۔ اُرٹ۔ مُسٹ۔ جن کا معنی یہ ہے کہ ایک دو تین۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی زوجہ کے بھائی اور والد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ تیخ مُسیرے۔ جن کا معنی یہ ہے کہ کیا اب تم ٹھنڈے ہو گئے۔ عظمت نامی کے الفاظ مجلس عامہ میں صادر ہوئے۔ جن پر گواہ موجود ہیں۔

الحجۃ

باسمہ تعالیٰ وهو اعلم بالصواب در صورت مسئلہ طلاق ثلاثہ از جانب مسمی عظمت بر زوجہ

آن مسامۃ مراد بی بی واقع شد گواہ ظاہر الفاظ اسٹ الخ اضافت الی زوجہ معلوم

نہے شود لیکن از تنازعہ ہمراہ برادر و پدر زوجہ در بارہ خرچہ و حسن سلوک باز زوجہ صادر شدن الفاظ مذکور الصدر از زبان زوج باین مقدار کہ اضافت معنویہ کہ شرط صحت طلاق است ثابت مے شود کما

فی الشامی ص ۵۸۱ باب صریح الطلاق۔ ومثلہ فی فتاویٰ دارالعلوم مہذب جدید ص ۱۲۷ وفتاویٰ امدادیہ

مہذب جدید۔ چونکہ ایں الفاظ در حالت غضب شوہر استعمال کردہ۔ لہذا بدو نیت طلاق ثلاثہ

براں واقع میشود۔ ولو قال انت ثلاث وثلاثون نوى ولو قال لم انولا يصدق اذا كان

فی حالة مذاكرة الطلاق والاصدق ومثلہ فی الفارسیۃ توبسہ علی ما هو المختار للفتویٰ کما

فی العالمگیری ص ۳۵ قال لها ترايکے او تراسه او ترايکے وسه قال الفقهاء لا يقع شیء وقال

صدر الشریعۃ تقع بالنیۃ وبہ نفی وقال القاضی ان کان حال المذاكرة از الغضب يقع

والا لا يقع بلانیۃ ص ۲۲۵ قاضیخان بر عالمگیری مصری فالکنايات لا تطلق بها قضاءً الا بنیۃ

اودلالة الحال وهي مذكرة الطلاق او الغضب شامی باب الكتابات ص ۶۳۶ وکذا یتم ما لا یضع له
واحتمل غیره فلا یطلق الابنیۃ اودلالة الحال کما فی شرح الوقایۃ ص ۸۲ از عبارات مندرجہ
معلوم شد کہ در حالت غضب ودالت حال ضرورت نیست نیست خود ہمیں حالت قائم نیست
لہذا صورت مسئلہ میں طلاق ثلاثہ واقع شد نہ مانع خاطر و اللہ اعلم بالصواب صالح محمد غفرلہ
صورت مسئلہ میں زوجہ عظمیت پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ مولانا صالح محمد صاحب کا جواب اور
مؤیدین مصدقین کی تائیدات وتصدیقات صحیح ہیں بعد اللہ غفر اللہ لہ مفتی خیر المدارس ملتان ۴۹

ایک عورت نے اپنے خاوند کے
مذاق مذاق میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے سامنے کسی آدمی کا اپنی بیوی

کو طلاق دینے کا ذکر کیا اور کہا کہ اس نے غلطی کی تو بھی بھلا طلاق دے سکتا ہے تو مرد نے فوراً تین دفعہ
لفظ تلخ تلخ تلخ کہہ دیا۔ عورت نے کہا کہ یہ لفظ طلاق کے نہیں تو مرد نے فوراً تین دفعہ طلاق طلاق
طلاق کہہ دیا اور اس کے بعد فوراً کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق نہیں دی۔ اب اس سے طلاق واقع ہوگی
یا نہیں جبکہ یہ ہنسی مذاق میں ہوا ہے۔

حالت مزاح میں طلاق دینے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے لہذا اگر مزاح میں بھی اس
الجواب : نے یہ لفظ اپنی بیوی کو کہے ہیں تو بھی تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں۔ درمختار میں ہے
ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ الی قوله اذ ہازل لا یقصد حقیقۃ کلامہ و فی الشامیۃ بیان
لمعنی الہازل..... ففی التحریر و شرحہ الہزل لغة اللعب واصطلاحاً أن لا یراد باللفظ و
دلالة لمعنی الحقیقی ولا المجازی بل ارید بہ غیر ہما و هو ما لا یتسم ارادۃ منہ و
ضدہ المجد و هو ان یراہ باللفظ الج ۴۵۹ ص ۲ - فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ محمد صدیق عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ

ہمارے ہاں
بے علم لوگ
بطور گالی طلاق کہنے سے طلاق کا حکم :

لفظ طلاق کو گالی سمجھتے ہیں اور ان کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ اپنی عورت کو طلاق کہہ دینے سے
طلاق پڑ جاتی ہے اور نہ ان کی طلاق کی نیت ہوتی ہے صرف بطور گالی، مسخری طلاق۔ راندہ

کہہ دیتے ہیں تو کیا عورتوں کو طلاق ہو جاتی ہے۔

اپنی عورت کو طلاق کہنے سے ہر حال میں طلاق ہو جاتی ہے۔ ہنسی میں کہے یا غصہ میں گالی سمجھ کر کہے یا کچھ اور۔

الجواب

قال لا متہ یا سارقة یا زانية الى قوله وبخلاف یا طالق او
هذه المطلقة فعلت كذا حيث تطلق امرأته لتمكنه من
اثباته شرعاً فجعل ايجاباً ليكون صادقاً بخلاف الاول

شامی ص ۲۵۷، فقط والٹر اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح
بندہ عبداللہ غفرلہ

جب میں تیرے ساتھ نکاح کروں تو تجھے طلاق

ایک شخص کسی اجنبیہ عورت کو کہتا ہے کہ جب میں تیرے ساتھ نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے اور تو مجھ پر حرام ہے۔ بعد ازاں وہ اسی عورت مذکورہ سے نکاح کرتا ہے، تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں۔ بنیواسیانا شافیاً تو جبراً و اجراً و اقیماً۔

صورتِ مسئلہ میں یہ شخص جب بھی مذکورہ عورت سے نکاح کرے گا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ اس یمن کی وجہ سے ایک دفعہ طلاق واقع

الجواب

ہونے کے بعد دوبارہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

والفاظ الشرط ان واذا واما وکل وکلما ومتی
ومتی ما وفيها نخل اليمين اذا وجد الشرط مرة الالف
كلما اه (تنوير الابصار على ما شرح رد المحتار ص ۵۴ ج ۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب الصحيح

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۲۷ / ۵ / ۱۴۰۲ھ

مفتی خیر المدارس ملتان

گوئنگے کی طلاق کیسے ہوگی ؟ ایک آدمی گونگا ہے اور اس نے بیوی کو اشارہ سے طلاق دی ہے تو کیا طلاق ہو جائے

گی جبکہ اس کا والد کہتا ہے جب تک میں طلاق نہیں دوں گا طلاق نہیں ہوگی۔
الجواب گونگا اگر ایسے اشارے سے طلاق دے جس سے طلاق ہی مفہوم ہو تو طلاق ہوگئی
 والد مانے یا نہ مانے ، أو أخرس ولو طارئاً بأشارته

المعهودة فانها تكون كعبارة الناطق استحساناً اهـ (درمختار)
 ويقع طلاق الأخرس بالإشارة يريد به الذي ولد وهو أخرس
 أو طرأ عليه ذلك ودام حتى صارت إشارته مفهومة واللام
 تعتبر اهـ (شامیہ ج ۲/۳۶۱) - فقط واللہ اعلم ،
 احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

بیوی کے خاندان کو طلاق دینے سے بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی

ایک شخص نے غصہ میں آ کر اپنی بیوی کا نام لئے بغیر صرف زبان سے یہ الفاظ کہے ہیں
 طلاق دیتا ہوں ، طلاق دی ، سارے خاندان کو طلاق دی ، جیسے الفاظ استعمال کئے۔ کیا
 طلاق ہوگئی۔؟ (مستفتی ظہیر الدین ملتان)

الجواب صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ تین طلاق واقع ہو گئیں بدول حلالہ
 نکاح جدید بھی نہیں کر سکتا۔ خاندان کو طلاق دینا کافی ہے۔ صراحتاً

اضافت الی المرأة ضروری نہیں۔

ولو قال نساء هذه البلدة أو هذه القرية طوالق
 وفيها امرأة طلقت كذا في فتاوی قاضی خاں (عالمگیری ج ۱/۳۵۴)

فقط واللہ اعلم ،
 محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح ، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۲۵ / ۶ / ۹۷ھ

”میں نے نکاح توڑ دیا“ طلاق بائنہ ہے: محمد حسین نامی ایک شخص نے
بزبان سندھی بیوی کو خط

لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے جب تک میں آپ کے گھر آیا ہوں۔ اس وقت سے میں نکاح توڑ کے آیا ہوں
آپ کو واضح طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ میں نکاح توڑ کر آیا ہوں۔ واضح ہو کہ میں نکاح توڑ کر
آیا ہوں۔ حضرت اس قسم کے الفاظ سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب اگر سندھی الفاظ ایسے تھے۔ واقعی جن کا معنی نکاح توڑنے کا بنتا ہے
تو بنیت طلاق ان الفاظ کو استعمال کرنے سے طلاق بائنہ واقع ہوگئی اور

اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہو گئیں۔ ولو قال فسخ النکاح ونوی الطلاق يقع
وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ ثلاث نوا ثلاثا فثلاث کذا فی معراج
الدراية (عالمگیری ج ۳ ص ۳۷۵) فقط واللہ اعلم،

احقر محمد نور عفا اللہ عنہ

تازندگی والدین کے گھر رہو“ کہنے سے طلاق کا حکم

زید نے اپنی منکوحہ بیوی کو ناراضگی کی حالت میں یہ لفظ کہے ”تازندگی تو اپنے والدین کے گھر
رہ کر تیرے مرد بہت ہیں اور میرے عورتیں بہت ہیں“ کیا اس سے طلاق بائنہ ہو جائے گی؟
(عبدالرحمان گورنمنٹ ہائی سکول چشتیاں)

الجواب اگر زید نے یہ لفظ بنیت طلاق کہے ہیں تو اس جملہ سے (تازندگی تو اپنے والدین
کے گھر رہ) اس کی زوجہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی ہے۔

وفي الينابيع الحق ابو يوسف بالخمس ستمة اخرى
وهي الاربعة المتقدمة وزاد خالعتك والحقى جاهلك
هكذا في غاية السروجي قوله وفي البزازية وفي
الحق برفقتك يقع اذا نوى كذا في البحر الرائق اه (عالمگیری ج ۳ ص ۳۷۵)

فقط واللہ اعلم
بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح،
خیر محمد عفا اللہ عنہ

میرا ہمیشہ کے لئے بائیکاٹ ہے طلاق بائنہ ہے: صابر نے نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے

بیوی کے بارے میں کہا کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گا میرا ہمیشہ کے لئے بائیکاٹ ہے نہ رکھا ہے اور نہ رکھوں گا کیا ان الفاظ سے طلاق ہو گئی؟

یہ لفظ طلاق کی نیت سے کہے ہیں تو طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ و فی الفتاویٰ لم یبق بلینی و بلینک عمل و نوی یقع اھ (عالمگیری ص ۳۷۶)

الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،
بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ

۹ / ۲ / ۱۴۰۲ھ

دو بیویوں والے نے طلاق طلاق طلاق کہا تو کس کو طلاق ہوگی؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ منکوحہ عبدالرشید جس کو دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ تین سال کے قریب قریب فاطمہ اپنے والدین کے گھر وقت گزار رہی ہے۔ عبد الرشید کو جب کبھی کہا گیا۔ اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور اس نے بغیر کچھ بتلانے کے دوسری شادی بھی کر لی۔ جسے تقریباً دو سال ہو چکے ہیں۔ فاطمہ کے والدین نے پنچائیت منگوا کر اس کو بلایا۔ اور طلاق دینے کا اصرار کیا۔ اس نے پنچائیت سے بھاگتے ہوئے یہ الفاظ کہے۔ طلاق طلاق۔ اور کسی عورت کی تصریح نہیں کی قرینے سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ الفاظ متنازعہ فیہا کے متعلق ہیں۔ لہذا ارشاد فرمایا جائے۔ کہ یہ طلاق واقع ہوئی یا نہ؟ پنچائیت کے بینس آدمیوں میں سے دو گواہ ان الفاظ کی تصدیق کے لئے سائل کے ہمراہ ہیں۔

السائل: ملک محمد حنیف مخدوم پور پیر والہ تحصیل کبیر والہ ضلع خانیوال

(۱) شاہد مسمی جاگو خاں ولد ہیرا خاں (۲) شاہد مسمی عبد الحمید ولد منگت علی

نوٹ: پانچ روز ہوئے کہ عبد الرشید کی دوسری وہ بچی جس کے ساتھ وہ رہائش پذیر تھا وفات پا چکی ہے
الجواب صورت مسئلہ میں عبد الرشید کی بیوی فاطمہ پر طلاق منغلظہ واقع ہو چکی ہے نکاح
 نوٹ چکا ہے۔ عدت کے بعد عورت کا نکاح دوسرے شخص سے جائز ہے۔

اس کے وجوہ مندرجہ ذیل ہیں (۱) قرینہ موجود ہے کہ فاطمہ کو طلاق دی ہے کیونکہ نزاع اسی کے بارے
 میں تھا۔ چنانچہ مذکورہ طلاق اور حالت غضب کو کٹائی طلاق کا قرینہ فقہاء رحمہم اللہ بتاتے ہیں
 (۲) قاعدہ ہے السؤال معاد فی الجواب۔ پنچائیت والے جس بیوی کی طلاق کا مطالبہ کر رہے
 تھے اسی کو عبد الرشید نے طلاق دی ہے۔ اور وہ فاطمہ ہے۔

(۳) بالفرض اس کو مبہم طلاق مان لیا جائے تو جب دوسری بیوی مر گئی ہے تو طلاق کے لئے زندہ
 بیوی متعین ہو گئی ہے نظیرہ ما قال النسفی فی شرح اصول الکوفی ولو انقضت عدۃ
 احدہما بقیۃ الاخری ثلاث ص

(۴) عبد الرشید طلاق کے الفاظ کہنے کے بعد فاطمہ کی سوکن کے ساتھ رہائش پذیر رہا۔ اس سے
 متعین ہو گیا کہ طلاق فاطمہ کو دی تھی۔ ورنہ لازم آئیگا کہ ایک مسلمان کو زنا کا مرتکب قرار
 دیا جائے۔ حالانکہ امور مسلمین کو تا حد الامکان سدا اور صحت پر محمول کیا جاتا ہے۔

قال الکوفی: الاصل ان امور المسلمین محمولة علی السداد والصلاح حتی ینظر غیرہ ص

پس فاطمہ ہی مطلقہ ہوئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

عبد القادر عفی عنہ مدرس دارالعلوم کبیر والا

الجواب صحیح

۲۳ - ۶ - ۱۳۱۳ھ

بندہ عبد الستار عفی عنہ

تلاق تلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ باغ علی ولد امام الدین نے اپنے

گھر کی حالت کی بناء پر اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ اور یوں کہا کہ میں نسیم کو تلاق دیتا ہوں۔

طلاق - تلاق - تلاق - فوجی نسیم کو طلاق دیتا ہے۔ لیکن اس نے لفظ طلاق تحریر کرتے وقت بجائے طاء کے تاء تحریر کیا تو اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اگر واقع ہوگئی ہے تو کتنی واقع ہوئیں۔ وقوع طلاق کے وقت عورت تقریباً تین ماہ کی حاملہ تھی مینوا تو جروا المستفتی خوشی محروم و لہ نظام الدین چک ۱۲ فیض

مورت مسئلہ میں تین طلاق ہوگئی ہیں۔ اب بدون حلالہ و نکاح جدید
الحجواب اس عورت کو گھر میں آباد نہیں کر سکتے۔ ولیعہا ای بھذا الالفاظ

وما بمعناھا من الصویح ویدخل نحو طلاغ و تلاق و طلاق (در مختار) ومنہا
 الالفاظ المصحفہ وہی خمسۃ فزاد علی ما هنا تلاق (۱۷ رشای ط ۴ ج ۲) فقط والشرائع

محمد انور ۱۰ - ۲ - ۱۵۱۴

طلاق دی، دی، دی سے تین طلاق ہو گئیں

ایک شخص نے اپنی بیوی کو ان الفاظ میں طلاق دی۔

میں نے طلاق دی، دی، دی۔ کیا یہ طلاق ثلاثہ مغلطہ ہے جو کہ بغیر حلالہ کے پہلے شوہر کے نکاح میں نہیں آ سکتی۔

صورت مسائل میں بیوی کے مدلولہ ہونے کی صورت میں تین طلاق ہو گئیں
الحجواب ولو قالت مرا طلاق کن، مرا طلاق کن، مرا طلاق کن۔ فقال کردم، کردم
 کردم تطاتی ثلاثاً و عوالا صحراہ۔ (عالمگیری ص ۳۸۲ ج ۱)

و کذا فی امداد الفتاویٰ ص ۳۷۶ ج ۲ فقط والشرائع

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۲ - ۶ - ۱۴۰۰ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

مطلقہ ثلاثہ کا دوسرا نکاح فاسد ہو تو پہلے کیلئے حلال نہیں ہوگی

ایک شخص کا کئی سال سے نکاح تھا۔ نصستی کا وقت آیا۔ تو بیوی نے انکار کر دیا۔

مرد نے اسی وقت طلاق دے دی۔ تو اس وقت اس کا نکاح زوجِ اول کے بھائی سے کر دیا گیا۔ جسے یہ علم نہیں تھا کہ یہ معتد ہے۔ حالانکہ وہ منکوحہ ہونے کی حالت میں زنا کی وجہ سے حاملہ تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس عورت کا نکاح زوجِ ثانی کے ساتھ صحیح ہوا یا نہیں۔ اور یہ پہلے خاوند کے لئے اب حلال ہو جائے گی یا نہیں پہلے خاوند نے تین طلاق بکلمۃ واحدة دی ہیں۔

الجواب جب بوقت طلاق وہ حاملہ تھی۔ تو اس کی عدت وضع حمل تھی اور حالت عدت میں کیا گیا نکاح، نکاحِ فاسد ہے، نکاحِ فاسد سے تحلیل نہیں ہوئی۔ لہذا دوبارہ نکاح صحیح کیا جائے۔ پھر وطی کے بعد طلاق ہو تو عدت گزرنے کے بعد پہلا خاوند نکاح کر سکتا ہے لاینگح مطلقۃ من نکاح صحیح نافذ کما سنہ فقہ بھا ای بالثلاث لوجرة حتی یطأھا غیرہ بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف، الدر المختار علی الشامیہ ج ۵ ص ۵۸۲ (قواء کما سنہ فقہ) ای فی باب العدة حیث قال هناك والخلوة فی النکاح الفاسد لا توجب العدة والطلاق فیہ لا ینقص عدۃ الطلاق لانه فسخ۔ (جوہر) شامی ص ۵۸۲ ج ۲ فقط والشرع علم

از نکاحِ شرط ناسیاً کیا تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی

زید نے قسم کھائی کہ آج کے بعد سگریٹ پیوں تو بیوی کو تین طلاق۔ پھر ایک تقریب میں جانا ہوا۔ وہاں کھانے کے بعد سگریٹ پی لی۔ سگریٹ پیتے وقت یہ بالکل یاد نہ رہا کہ قسم اٹھائی ہوئی ہے۔ تو کیا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو گئی؟

الجواب سورت مسئلہ میں طلاق واقع ہو گئی۔ اب بدوں حلالہ نکاح صحیح نہ ہوگا (قوله فی الیمین ادا الحنث) متعلق بقوله ولو مکرها او ناسیاً ای سواء کان الاکراه او النسیان فی نفس الیمین وقد مر۔ اوفی الحنث بان فعل ما حلف علیہ مکرها او ناسیاً لان الفعل شرط الحنث وهو سبب الکفارة والفعل الحقیقی لا ینعدم بالاکراه والنسیان (شامیہ ص ۵ ج ۳) فقط والشرع علم

حاملہ پر بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی۔ زید کی بیوی حاملہ ہے۔ کیا یہ تین طلاق وضع حمل کے بعد پڑی گی؟ نیز حمل کے دوران بھی طلاق پڑتی ہے یا نہیں؟

محمد انور شاہ پیرانوالہ ضلع فیصل آباد

بمالت حمل اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ لہذا جس وقت سے طلاق دی ہے اسی وقت سے واقع ہو گئی ہے۔

البتہ عدت وضع حمل سے ختم ہوگی۔ وحل طلاقہن ای الایسۃ والسفیرۃ والحامل عقب وطی (تذویر الابصار مع الدر المختار ص ۱۶۱) فقط والشم اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

میں اس گھر میں داخل ہوا تو بیوی کو طلاق پھر غلطی سے داخل ہو گیا

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی اپنے گھر میں اپنی بیوی کو مار پیٹ رہا تھا۔ تنویر دیریں اس کا شادی شدہ بیٹا گھر میں آیا تو اس حالت کو دیکھ کر باپ کے سامنے یہ الفاظ کہہ بیٹھا: ”اگر میں آئندہ اس معن میں داخل ہو جاؤں تو مجھ پر بیوی نہیں طلاق ہے۔“ پھر اپنی اس کو سہاقلے کر گھر سے نکل کر پڑوس میں چلا گیا۔ چند دن گزرنے کے بعد ان کو کسی نے کہا کہ ”اگر باپ یہی گھر کسی کو رہا کرے یا بیچ دے تو مخالف داخل ہو سکتا ہے کیونکہ باپ کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے۔“ اب وہ باپ تین لاکھ کا بنا ہوا گھر بیچنا نہیں چاہتا۔ البتہ اس نے ایک اپنے قریبی دوست کو وہی گھر اس نظریہ سے رہا کر دیا۔ کہ کچھ دنوں بعد مجھے وہاں کرے گا (اور یقیناً ایسا ہے) پھر مخالف کو گھر میں داخل کر دیا۔ لہذا اب وہ باپ بھی اور مخالف بھی اسی ایک ہی معن میں رہ رہے ہیں۔ حالانکہ رہا کرتے وقت نہ گھر کو خالی کیا گیا نہ گھر کو چھوڑا گیا ہے۔ اب باپ سے یہ پوچھنا ہے کہ اس مخالف پر کتنی طلاق واقع ہو چکی ہیں؟ قرآن و حدیث کتب فقہ و کتب فتاویٰ سے حوالہ دے کر جواب سے نوازیں، شکریہ۔

مولوی عبدالحق مولوی فیصل ضلع میانوالی

والجواب

بر تقدیر صحت واقعہ جب یہ شادی شدہ لڑکا اس صحن میں داخل ہوا۔ تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں۔ کیونکہ شرط پائی گئی ہے جیہ کہ قاضی خاں میں ہے۔ حلف ان لا یدخل هذه الدار فدخلها راكباً او ماشياً او عسلاً بامرہ حنث فی یمینہ۔ قاضی خاں ص ۲۔ لہذا اب حلف پر اس کی یہ بیوی حرمت مغلطہ کے ساتھ حرام ہو گئی ہے اور بریکہ ذبیہ کا بنایا گیا تھا۔ وہ حیلہ سمجھ نہیں ہے۔ کیونکہ صبیہ کے لئے قبض شرط ہے اور یہاں انہوں نے مذہب ہلالہ (جس کو یہ گھر صبیہ کیا تھا) کو قبضہ نہیں دیا ہے لہذا یہ حیلہ باطل ہے۔ جیسا کہ دربر النیر میں ہے کہ۔ الہبة تصح بالایجاب والقبول الی قولہ وتتم بالقبض قال فی الہدایۃ القبض لا ید منہ لثبوت الملک لان الہبة عقد تبرع وفی اثبات الملک قبل القبض الزام المتبرع شیئاً لم یتبرع بہ وهو التسليم فلا یصح الجوهرة النیوة ص ۲۔ وفیہ لان القبض منصوص علیہ فی الہبة قال النبی علیہ السلام لا تجوز الہبة الا مقبوضۃ فی شرط کمال القبض۔ الجوہرہ ص ۲۔ پس اس خاوند کو چاہئے کہ اس بیوی سے قبل از حلالہ اجتناب کرے۔ ورنہ حرام میں مبتلا رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندہ عبد الستار عفی عنہ

مجبوری کی طلاق کا حکم

عبد الرحمن نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔ پہلے عبد الرحمن کی دد گسرا لیاں موجود ہیں۔ تیسری شادی کرنے کے بعد گھر کے حالات بہت خراب ہو گئے۔ اس لئے عبد الرحمن نے بھائی نے تیسری بیوی کو تین طلاق لکھ کر عبد الرحمن کو مجبور کیا ہے۔ کہ یہاں دستخط کر دو۔ عبد الرحمن نے دل میں یہ خیال کیا کہ دستخط کر دیتا ہوں طلاق نہیں دیتا۔ اور یہ مجبوری باتوں کی تھی۔ کوئی قتل وغیرہ کی دھمکی نہیں دی گئی۔ جو اب عنایت فرمادیں۔

سورت مسئلہ میں طلاق ہو گئی ہے۔ اب اس کو بطور بیوی رکھنا حرام

والجواب

ہے۔ فی الدال المختار ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبداً او

مکروها فان طلاقه صحیحہ وفي الشامیة (قوله فان طلاقه صحیحہ) ای طلاق المکروه

(رد المحتار ج ۲/۲۱) فقط والله اعلم

الجواب صحیح بندہ محمد عبدالشرف الشافعی
محمد انور ۲۵ - ۱ - ۱۴۱۲ھ

کنایہ کے بعد صریح الفاظ کہنا

زید نے اپنی بیوی کو کہا ”میں اس کو اپنے نفس پر حرام کرتا ہوں“ وہ میرے اوپر حرام ہو گئی، حرام ہو گئی۔ ہر سہ تین طلاق کے بعد میں کہتا ہوں۔ اس کی رسی اس کی گردن پر ہے۔ مذکورہ الفاظ سے کونسی طلاق ہو گی؟

الجواب صورت مسئلہ میں تین طلاق واقع ہو گئی ہیں اب بدوں علانہ نکاح جدید اس عورت کو گھر آباد نہیں کر سکتے۔ صورت مسئلہ میں الفاظ بائن کے بعد صریح الفاظ کہے گئے ہیں۔ اور الفاظ صریح بائن سے ملحق ہوتے ہیں کما فی الدر المختار والتمیز یلحق الصریح ویلحق البائن اھ۔ وفي الشامیة کما لو قال لہانت بائن او خالعتها علی مال ثم قال انت طالق او هذه طالق اھ (ج ۵/۹) فقط والله اعلم
۳ صفر ۱۴۱۲ھ محمد انور

ہنسی مذاق میں طلاق دینے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں محمد اقبال اراٹیں ولد جندوڈا نے مذاق اور تمسخر میں روبرو عبد المجید فیض رسول محمد عثمان کے کہا کہ میری زوجہ کو طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے یعنی تین مرتبہ لفظ طلاق کہا۔ اس صورت میں دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں اور کونسی طلاق واقع ہوئی ہے گواہوں کے دستخط حاضر خدمت ہیں — یہ واقعہ تین رمضان المبارک کو ہوا۔

بینوا بالبرهان توجروا من الرحمان -

فیض رسول

دستخط گواہان محمد عثمان بقلم خود

عبد المجید بقلم خود

الحجۃ
صورت مسئلہ میں تین طلاق واقع ہو گئی ہیں۔ اب بدوں حلالہ و نکاح جدید اس عورت کو گھر آباد نہیں کر سکتے۔ بخلاف الہا زل

اللاعب فانه يقع قضاء وديانة لان الشارع جعل هزله به جدا - اه

(در مختار علی الشامیہ ص ۶۱ ج ۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفی عنہ

۱۲ - ۱ - ۱۴۱۵ھ

پتھر پھینکنے کے بعد بطور اخبار کہا ”ہم نے چھوڑ دی ہے“

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ”زید“ اور ”بکر“ نے ایک دوسرے کو اپنی اپنی لڑکیاں وٹہ سٹہ کے طور پر ایک دوسرے کے لڑکوں کو نکاح میں دی تھیں۔ یعنی ”زید“ نے ”بکر“ کے بیٹے ”عمرو“ کو اور ”بکر“ نے ”زید“ کے بیٹے ”شفیق“ کو اپنی بیٹیاں نکاح میں دی تھیں۔ مگر اکثر اوقات ان کا جھگڑا رہتا تھا۔ زید اپنی بیٹی کی طلاق لینا چاہتا تھا۔ چند رشتہ دار سر بیچ راضی نامہ کرانے کے لئے زید کے گھر آئے مگر ”زید“ اپنی لڑکی کی طلاق لینے اور اس کے وٹہ میں ”بکر“ کی بیٹی کو طلاق دینے پر مصر تھا (جن دونوں لڑکیوں کی رخصتی نہیں ہوئی) اب سر بیچ بمع زید اسی مسئلہ کو نمٹانے کیلئے بکر کے گھر چلے گئے یوں ”بکر“ کے گھر سر بیچ نے اپنی ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طریقہ سے ان دونوں کی صلح ہو جائے مگر جب سر بیچ کو صلح ہوتی ہوئی نظر نہ آئی اور زید کا بھی اپنی بیٹی کا طلاق لینے کا اصرار تھا تو سر بیچ نے کہا ”مکو منہ کالا یعنی ایک دوسرے کو طلاق دو۔ اب سر بیچ نے ”بکر“ کے بیٹے عمرو کو مکرے کے اندر سے بلایا۔ کہ زید کا بیٹا ”شفیق“ آپ کی بہن کو طلاق دینا چاہتا ہے لہذا تم (یعنی بکر کا بیٹا عمرو) بھی طلاق دینے کیلئے پتھر پھینکو تو یوں دونوں (یعنی زید کے بیٹے ”شفیق“ اور بکر کے بیٹے ”عمرو“) نے طلاق دینے کی غرض سے تین تین پتھر پھینکے (مگر منہ سے لفظ نہیں کہے) پتھر پھینکنے کے بعد بطور طنز ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ تو پھر دونوں گالی گلوچ

پر اتر آئے۔ اب دوسرے دن صبح کو ”بکر“ کے بیٹے ”عمرو“ نے ایک مطالبے کا کاغذ اپنے سابقہ کسمر ”زید“ کے نام بھیجا۔ کہ ہم نے تمہاری لڑکی کو اپنے پیسوں سے 500 روپے کا دودھ پلایا تھا۔ وہ پیسے دو ”زید“ نے جوا بجا کہا کہ ہم نے بھی تو آپ کی بہن پر فلاں فلاں خرچ اخراج کئے ہیں۔ لہذا وہ پیسے ہمیں دیں۔ تیسرے دن ”بکر“ کے بیٹے ”عمرو“ کی اور زید کی مذکورہ بالا لیں دین پر غلام حسن عبدالکریم حافظ جعفر اور دیگر حضرات کے سامنے ہاتھ پائی ہوئی ”زید“ نے کہا ایسا تیسامیں نے تمہارے کہنے پر چھوٹی لڑکی (جو پہلے نکاح میں تھی) کی طلاقیں لے کر بڑی لڑکی تیرے نکاح میں دی۔ مگر تو نے مجھے یہی صلہ دیا ہے۔ اب جیسے زید کے بیٹے ”شفیق“ نے تمہاری بہن کو طلاق دیدی ہے اور تو نے میری دوسری بیٹی کو بھی طلاق دیدی تو تمہارا ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے تو تب ”بکر“ کے بیٹے ”عمرو“ نے مذکورہ بالا افراد کے سامنے کہا کہ تیرے بیٹے نے ہماری ایک چھوڑی ہے اور میں (عمرو) نے تیری دو لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ اب مسئلہ سوال طلب ہے کہ کیا دونوں لڑکیوں کو طلاق ہوگئی ہے یا نہیں بیواؤ تو جوا

وفي الشامية ١٨٤٠ وبہ ظہران من تشاجر مع زوجته فاعطاها ثلثة

الجواب

اجار مینوی الطلاق ولم يذكر لفظ الاصریحا ولا کنایة لا يقع علیه کما

افتی بہ الخیر الرملی۔ روایت بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔ نہ پتھر

پھینکنے کے وقت اور نہ ہی بعد میں ان کلمات سے

کہ تیرے بیٹے نے ہماری ایک چھوڑی ہے اور میں

نے تیری دو چھوڑی ہیں، ان عورتوں پر طلاق واقع

ہوگی۔ لہذا دونوں عورتیں مطلقہ نہیں ہیں۔ ہر ایک

خاوند اگر اپنی بیوی کو نہیں کھنا چاہتا۔ تو صریح طلاق

دے کر علیحدہ کر دے۔ فقط واللہ اعلم

عہ یہ خط کشیدہ الفاظ بظاہر خبر ہیں۔ انشاء نہیں

”پتھر پھینکنے“ کو طلاق سمجھ کر یہ الفاظ کہہ رہے

ہیں۔ اور پتھر پھینکنے سے طلاق واقع نہیں ہوئی

لہذا ان الفاظ سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی

والجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ————— بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۳ ۱۳۱۵ھ

صرف بول چال اور مجامعت چھوڑنے سے طلاق نہیں ہوگی

اگر بیوی نافرمان ہو جائے اور جھگڑا کرنے لگے۔ اس صورت میں خاوند یہ سوچتے ہوئے

کہ بیوی راہِ راست پر آجائے۔ نافرمانی چھوڑ دے۔ وہ بیوی سے بولنا اور ہمبستری چھوڑ دیتا ہے۔

لیکن پھر بھی حالات صحیح نہیں ہونے پاتے۔ حتیٰ کہ میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہتے ہوں۔ بچے بھی ہوں۔ بول چال میں عرصہ بھی کافی ہو گیا ہو۔ تو کیا اس صورت میں طلاق عائد ہو جاتی ہے نیز ایسی صورت میں کوئی مدت تو درکار نہیں ہے؟ اسلام میں ایسی صورت میں کیا فتویٰ ہے۔

الجواب

صورتِ مسئلہ میں بر تقدیرِ صحت واقعہ محض بول چال اور ہمبستری چھوڑنے سے (اگرچہ کافی مدت تک ہو) طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور یہ ترک شرعاً ایلاء شرعی میں داخل نہیں ہے۔ ایلاء شرعی کی تعریف یہ ہے ایلاء منع النفس عن قربان المنکوحۃ منعاً مؤکداً بالیمن باللہ ہند یہ ص ۲۶۶۔ پس صورتِ مسئلہ میں یہ عورت مطلقہ نہیں ہوگی فقط و اشہر علیہ۔
الجواب صحیح۔ محمد انور ۲۵-۴-۱۳۱۲ھ | بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ جامعہ خیر المدارس ملتان

طلاق ہونے کے لئے منکوحہ ہونا یا اضافۃ الی النکاح ضروری ہے

زید کو مجبور کیا گیا کہ تم بکری لڑکی سے شادی کر لو زید نے انکار کیا اور کہا ”بکری لڑکی کو طلاق ہے“ اب بکری بھی چاہتا ہے کہ یہ نکاح ہو جائے۔ زید کے والدین کی خواہش بھی ہے۔ تو کیا زید اسی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے؟

الجواب

زید مذکورہ لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ طلاق واقع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت نکاح میں ہو یا نکاح کی طرف نسبت ہو کہ ”جب وہ میرے نکاح میں آئے اسے طلاق“ چونکہ صورتِ مسئلہ میں انہیں کوئی صورت نہیں پائی گئی۔ لہذا زید اس سے نکاح کر سکتا ہے شرطہ الملک حقیقۃً و حکماً و الاضافۃ الیہ (در مختار ص ۲۳۱ ج ۱) فقط و اشہر علیہ۔
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

دو طلاق کے بعد رجوع کر کے تیسری دے دی تو تین ہو گئیں

۱۔ بچہ پیٹ میں تھا۔ ایک طلاق لفظِ رجعی کے ساتھ لکھ کر بیوی کو دی پھر میاں بیوی کی رضامندی سے رجوع ہو گیا۔ ۲۔ تین سال کے بعد ایک طلاق لکھ کر دی ۱/۲ ماہ کے اندر پھر رجوع کیا گیا۔ میاں بیوی کی رضامندی سے۔ ۳۔ سات سال کے بعد تین عدد طلاق بیک وقت لکھ کر دی گئیں

بغیر حلالہ کے دوبارہ نکاح کی تجدید کی گئی۔ آیا طلاق ہو گئی یا گنجائش ہے؟

الجواب تینوں طلاقیں بالفاظِ صریحہ تھیں تو تیسری کے بعد اب رجوع کا حق ختم ہو گیا اور وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ تاوقتیکہ حلالہ کے بعد نکاح جدید نہ ہو۔ تین کے بعد جو نکاح کیا گیا ہے شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ واذا طلقھا ثم راجعھا یبقی الطلاق وان کان لا یزیل الحل والقید فی الحال لانه یزولھما فی المال حتی انضم الیہ اثنتان ۱۵ (عالمگیری ص ۴۵) فقط والله اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفی عنہ ————— محمد انور ۱۲-۸-۱۴۱۷ھ

اگر زید سے نکاح خواں بحضور شاہدین
صرف سہرا دینے سے طلاق نہیں ہوگی
پوچھے کہ فلاں بنت فلاں بعوض اتنے روپے
مہر نہیں قبول ہے اس کے جواب میں اگر زید اقرار کے طور پر صرف سہرا دے اور منہ سے کچھ نہ بولے
تو نکاح نہیں ہوتا۔ اسی طرح طلاق کے بارے میں اگر ہندہ زید کو کہے کہ تمہاری طرف سے مجھ کو
طلاق ہے اس کے جواب میں اگر زید اقرار کے طور پر اپنا سہرا دے تو کیا طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں؟
الجواب صرف سہرا دانے سے طلاق نہیں ہوگی درمختار میں ہے والا یساء بالواس
من الناطق لیس باقرار بمال وعتق وطلاق وبيع و نکاح
درمختار علی الشامیہ ص ۵۰۳ فقط والله اعلم۔ احقر محمد انور مفتی جامعہ خیر المدارس۔

زبان سے طلاق کہا اور انگلیوں سے اشارہ کیا تو کتنی طلاق ہوں گی

کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ مسمی دلاور حسین نے اپنی بیوی کو طلاق بایں طور دی
کہ تجھے طلاق اس طرح ساتھ ہی تین انگلیوں کا اشارہ بھی کیا۔ نزدیکتا ہے کہ اس سے ایک طلاق
ہوئی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس طرح تین طلاقیں ہوئی ہیں یا ایک؟
نیز دلاور حسین اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا مستفتی محمد طاہر نیرمانی۔
الجواب صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ مسمی دلاور حسین کی بیوی پر تین
طلاق واقع ہو چکی ہیں۔ انذا بدول حلالہ دلاور حسین کے لئے یہ عورت

حلال نہیں۔ انت طالق هكذا مشيراً بالاصابع المنشورة وقع بعدد ۵ در مختار
 علی الشامیة (قوله وقع بعدد ۵) ای بعدد ما اشار الیه من الاصابع
 فان اشار بثلاث فهي ثلاث او بشتین فشتان او بواحدة فواحدة كما
 فی الهدایة (شامی ص ۴۸۵ ج ۲) وقال الله تعالى - فان طلقها فلا تحل
 له من بعد حتی تنكح زوجا غیره - فقط والله اعلم

محمد انور ۲۶-۲-۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق غفر اللہ

حال کے صیغہ سے طلاق کا حکم

۱۰ اقولکم ایہا العلماء الکرامہ میں امان اللہ خاں ولد عبداللہ خاں مقبول بی بی
 دختر شیراز خاں کو شرعی لحاظ سے پہلی طلاق دیتا ہوں۔ دوسری طلاق دیتا ہوں تیسری
 طلاق دیتا ہوں۔ آج مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کے بعد میرا اس سے کوئی لین دین نہیں ہے۔
 اب قابل غور بات یہ ہے کہ کیا طلاق کے واسطے لفظ ماضی کا ہونا ضروری ہے؟ طلاق دیتا
 ہوں۔ تو بظاہر لفظ حال معلوم ہوتا ہے۔ کیا اس لفظ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ یا نہ۔ نیز
 آج مورخہ ۲۳ دسمبر ۱۹۸۱ء کا جملہ پہلے لفظ طلاق دیتا ہوں کا مؤید ہوگا۔ یا تعلیق طلاق
 کا فائدہ دے گا۔ پھر مدت مذکورہ گزر جانے کے بعد کیا ہوگا۔ برائے مہربانی تمام شقوں
 پر غور فرما کر جواب مفصل و مدلل بحوالہ کتب دیں۔

الحال ج ۲

صورت مسئلہ میں تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اور طلاق دہندہ کا لفظ ”آج
 مورخہ“ مضمون سابق کی تاکید ہے۔ یہ لفظ تو صراحتہً حال کے ہیں۔
 صیغہ مضارع جو کہ حال و استقبال دونوں کا ہے۔ اس میں حال کا معنی غالب ہو۔ تو اس
 سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ فہذا اولیٰ وفي الشامیة وكذا المضارع اذا
 غلب في الحال مثل اطلقت كما في البحر ص ۴۳ ج ۲

اب بدوں حلالہ مذکورہ عورت سے نکاح جدید صحیح نہیں۔ والله اعلم

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

محمد النور عفا اللہ عنہ

۱۰ - ۲ - ۱۴۰۲ھ

بیوی کو جھگڑے کے دوران لفظ طلاق کہا اور دعویٰ کرتا ہے کہ

میری مراد دوسری بیوی تھی

کیا ارشاد ہے حضرات علماء کرام کا کہ زید کی دو منکوحہ بیویاں ہیں۔ ایک کئی سال سے راولپنڈی میں مقیم ہے۔ اور دوسری ملکوال میں زید کے ہاں رہائش پذیر ہے۔ زید کا مسما ت ہندہ سے اکثر جھگڑا رہتا ہے۔ ایک روز دوران جھگڑا زید نے مسما ت ہندہ کو کہا کہ ”مجھ پر رن طلاق ہے کہ میں بلاواں“ بعد ازاں گفتگو کے دوران زید نے ہندہ سے کہا کہ میں نے صرف تجھ پر رعب ڈالنے کے لئے یہ الفاظ کہے ہیں، اور میرے تصور میں دوسری بیوی تھی، چند روز بعد پھر زید کا ہندہ سے جھگڑا ہوا تو زید نے کہا کہ ”مجھ پر رن طلاق ہے کہ میں تجھے بلاواں“ پھر زید نے کہا کہ اسی وقت ہماری بول چال ہو گئی ہندہ نے مجھے بلا کر کہا کہ تو دوبار طلاق دے چکا ہے میں نے کہا کہ دوسری بیوی کی طلاق کہی ہے تیری نہیں، اس پر جھگڑا زیادہ ہو گیا۔ تو میں نے کہا کہ ”اُس کی ترے ہو گئیاں۔ ہو گئیاں ہاں تے ہو گئیاں“

ہندہ کا بیان ہے کہ پہلی طلاق نلکے کے پاس زید نے مذکورہ الفاظ کے ساتھ اٹھائی اور دوسری بھی اُسی طرح برآمدے میں اٹھائی اور میرے پوچھنے پر اُس نے مذکورہ بالا ہی جواب دیا پھر کئی روز بعد جھگڑا ہوا، میں باہر کسی کام کے لئے جانا چاہتی تھی اور زید مجھے روکتا تھا۔ میرا اسرار تھا تو زید نے کہا کہ ”مجھ پر رن طلاق ہے کہ تو واپس گھر آویں“ ہندہ نے کہا کہ زید کہتا ہے کہ یہ آخری طلاق میرے ذہن میں نہیں آتی، جو کہ کمرے میں ہوئی، پھر ہمارا جھگڑا ہوا اور میرے والدین آئے اور زید نے میری والدہ کے روبرو مجھے کہا کہ اگر آج تو مجھے طلاق بھی کہے تو میں دینے کیلئے تیار ہوں“ میری والدہ واپس چلی گئی۔ میں نے رات زید کو بلایا اور کہا کہ ایک طلاق تو نے نلکے کے پاس اٹھائی۔ دوسری برآمدے میں اٹھائی۔ ابھی تیسرا میں نے نام ہی نہیں لیا کہ زید نے یہ الفاظ کہے کہ ”ترہٹی میں کمرے نے وچ چا اٹھائی ترے پوریاں تھی گئیاں نوں، پوریاں تھی گئیاں

نوں ہاں تے پوریاں تھی گیاں نوں“ میں یہ حلفیہ بیان دیتی ہوں کہ تمام تر جھگڑے کے دوران میری طرف سے وجہ اختلاف دوسری بیوی کی طلاق نہیں تھی۔ بلکہ ہمارا جھگڑا صرف اور صرف اپنی ناپاقتی کی وجہ سے تھا۔ دوسری بیوی کئی سال سے راولپنڈی میں مقیم ہے اس کا ہمارے پاس آنا جانا ختم ہے

بکرنے زید اور ہندہ کے بیان کے بعد زید سے کہا کہ آپ نے چند روز قبل مجھے کہا تھا۔ کہ جھگڑے کے دوران میں نے ہندہ کو کہا کہ ترے پوریاں ہو گیاں نوں، پوریاں ہو گیاں نوں، بقول زید کے ہندہ کا جھگڑا تھا کہ تو نے مجھے طلاق دی اور میں نے کہا کہ میں نے دوسری کو دی، بکر نے ہندہ سے پوچھا کہ کیا تم نے کوئی بات کہی جس کے جواب میں زید نے یہ الفاظ کہے تو ہندہ نے کہا کہ میں نے زید کو کہا کہ تو نے ایک طلاق تلکے کے پاس اٹھائی، دوسری طلاق برآمدے میں اٹھائی اور تیسری کا ابھی میں نے نام نہیں لیا کہ زید نے لہا کہ ”تیری میں کمرے دے دوچ اکھی ترے پوریاں تھی گیاں نوں، پوریاں تھی گیاں نوں“ ہاں تے پوریاں تھی گیاں نوں۔ بکر نے زید سے پوچھا کہ تم نے لفظ طلاق استعمال نہیں کیا جس کی تائید ہندہ کر رہی ہے مگر ہندہ کے بیان کردہ باقی جملے صحیح ہیں تو اس نے جواب میں کہا کہ ”ٹھیک ہے جی“ بعد ازاں بکر نے زید سے پوچھا۔ تو اس نے کہا۔ کہ ہندہ کا بیان ٹھیک ہے مگر میں نے ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ ”توں جے آکھنی ایں“ پھر کہا کہ میں نے دو طلاق دوسری بیوی کو یکے بعد دیگرے دیں تجھ کو نہیں، ہندہ نے کہا کہ تو نے تین کہی ہیں۔ میں نے کہا کہ میں نے ”ترے نہیں آکھیاں“ دو میں نے کہی ہیں تصور دوسری بیوی کا تھا، میں نے تجھ کو نہیں کہیں، جھگڑا بڑھ گیا تو کہا ”ترے پوریاں ہو گیاں نوں، پوری ہو گیاں نوں ہاں تے پوریاں ہو گیاں نوں“ جھگڑا اسی طلاق کا تھا۔ ہندہ کہتی تھی کہ تو نے تین کہیں میں نے کہا کہ دو کہیں تصور دوسری بیوی کا تھا۔

بکر نے زید اور ہندہ کے روبرو کہا کہ زید نے طلاق کہی مگر تصور دوسری بیوی کا تھا۔ صرف ہندہ پر رعب ڈالنے کے لئے، اسی طرح دوسری طلاق بھی کہی گئی، دوسری بیوی کا تصور تھا، اور جھگڑا ہندہ سے، اب صرف اختلاف کمرے کے اندر کا ہے، ہندہ کہتی ہے کہ تو نے تیسری طلاق کمرے میں دی ہے زید نے اسی جواب میں کہا کہ ”میں نے تیسری طلاق کمرے میں نہیں دی، میں بولا ہی نہیں“ پھر غصہ کی وجہ سے اختلاف بڑھ گیا، لڑائی تک نوبت گئی، اس وقت زید نے کہا کہ ترے پوریاں

ہوگیاں نہیں، پوریاں ہوگیاں نہیں، پوریاں ہوگیاں نہیں، تھوڑی دیر بعد زید نے پھر کہا کہ ”اس وقت یہی کہا تھا کہ ترے پوریاں ہوگیاں، ہوگیاں، ترے پوریاں ہوگیاں نوں، ہاں تے ہوگیاں، بعد ازاں ہندہ نے کہا کہ زید نے کئی بار کہا کہ ”بلا والد کو اور لے طلاقاں“

آخر میں بکرنے زید اور ہندہ کے سامنے کہا کہ دو دفعہ کی طلاقوں پر اختلاف نہیں ہے۔ اور تیسری کے بارے میں ہندہ کے بولنے سے قبل ہی زید نے کہا کہ ”میں نے تیسری طلاق نہیں کہی۔ اگر توں آکھتی۔ ترے پوریاں ہوگیاں، پوریاں ہوگیاں۔ ہاں تے پوریاں ہوگیاں۔ بکرنے زید سے پوچھا کہ کیا یہی بات ہے؟ تو زید نے کہا کہ ”ٹھیک ہے جی“ اس کے بعد زید کے کہنے پر بکرنے اس مسئلہ کے بارے میں ایک تحریر لکھی اور زید کو سنائی تو زید نے ”ترے“ کے لفظ سے انکار کر دیا، بکرنے زید کو وہ کیسٹ سنائی جس میں زید کے یہ الفاظ ریکارڈ تھے۔ تو زید سن کر خاموش ہو گیا۔ پھر ایک روز زید نے بکرنے سے کہا کہ آپ میرے ساتھ تعاون کریں۔ یہ ”ترے“ کا لفظ نکال دیں، مگر بکرنے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ یہی مسئلہ زید نے عمرے بیان کیا۔ اور عمر نے زید کی باتیں ریکارڈ شدہ سنیں اور تصدیق کر دی۔ کہ واقعی یہ آواز زید کی ہے اور مسلمات ہندہ کی ہے۔ زید بھی اعتراف کرتا ہے کہ یہ ریکارڈ شدہ بیان جیسٹ ہے۔ اور میں نے خود ریکارڈ کرایا ہے۔ تاکہ شرعی صورت حال سے نہایت استیاء کے ساتھ معلومات ہو سکے

اب حضرات علماء دین سے التماس ہے کہ بیان فرمائیں، ہندہ اور زید شرعی اعتبار سے میاں بیوی ہیں یا ان کے مابین طلاق واقع ہو چکی ہے؟ اگر طلاق واقع ہوئی ہے تو کس بیوی پر، براہ نوازش شرعی حکم سے مطلع فرمایا جائے۔ فقط والسلام المستفتی محمد عبدالشرف فقیر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ————— حَامِدًا وَ مُصَلِّيًا

تحریری سوال اور میاں بیوی کی ریکارڈ شدہ گفتگو سے درج ذیل امور واضح ہوئے

(۱) زید کا اپنی بیوی ہندہ سے اکثر جھگڑا رہتا تھا اور اس جھگڑے میں دوسری بیوی کا کوئی دخل یا ذکر نہیں ہوتا تھا۔

الجواب

(۲) طلاق کے الفاظ یہ ہیں ”مجھ پر رن طلاق ہے کہ میں بلاواں“

(۳) دوسری بار پھر زید کا اسی عورت ہندہ سے جھگڑا ہوا تو زید نے کہا ”مجھ پر ن طلاق ہے“
 (۴) تیسری بار جب جھگڑا ہوا تو اس کی صورت یہ ہے کہ زید برآمدہ میں چار پائی پر لیٹا ہوا تھا اور ہندہ
 قریب سے گذری تو زید نے ہندہ کو شلوار سے پکڑتے ہوئے اپنی طرف بلایا۔ تو ہندہ نے ناراضگی
 کا اظہار کیا۔ اور اپنے کمرہ میں چلی گئی، زید اٹھ کر وہاں گیا اور پوچھا کہ کیا تو مجھ سے نفرت کرتی ہے؟
 ہندہ نے جواب دیا کہ جب تو نے مجھے تین بار طلاق دے دی تو تعلق ختم، تو زید نے کہا کہ میں نے دوبار
 یہ لفظ بولا کہ ”مجھ پر ن طلاق ہے“ اور اس طلاق سے مراد دوسری بیوی تھی۔ پورا اولاد پنڈی میں
 مقیم ہے۔ تجھے صرف ڈرانا مقصود تھا، تیسری بار میں نے لفظ طلاق استعمال نہیں کیا۔ پھر
 جھگڑا شروع ہو گیا۔ ہندہ نے کہا کہ تو نے تین دفعہ الگ الگ مقام پر یہی لفظ استعمال کیا۔
 ایک بار نلکے کے پاس، دوسری بار برآمدہ میں، تیسری بار کمرہ میں اور تمہارا خطاب میری
 طرف تھا۔ نہ کہ دوسری عورت کی طرف، تو زید نے اسی لڑائی جھگڑے میں کہا کہ اگر تو کہتی
 ہے کہ میں نے تین بار ایسا ہی کہا ہے تو پھر ترے پوریاں ہوگیاں نوں، ترے پوریاں ہوگیاں
 نوں، ہاں ترے پوریاں ہوگیاں نوں۔

(۵) ان دونوں کے جھگڑے کے درمیان طلاق کا بھی ذکر ہوتا رہتا تھا اور اس دن ہندہ
 کی والدہ کے سامنے بھی یہی ذکر ہوا کہ اگر تم طلاق چاہتی ہو تو ہو جائے گی۔
 (۶) ہندہ کہتی ہے کہ زید نے طلاق مجھے ہی دی اور تین بار دی اور آخر کار کہا کہ ترے پوریاں
 ہوگیاں نوں اور زید کہتا ہے کہ میں نے دوبار یہ کہا اور طلاق سے نیت دوسری عورت تھی نہ کہ ہندہ کا۔
 لیکن بیان ریکارڈ کرنے والے نے جب زید سے پوچھا کہ تو نے ہندہ کے کہنے پر کہ طلاق مجھے ہی مقصود
 تھی اور تو نے تین بار یہ لفظ کہے کہ ترے پوریاں ہوگیاں نوں، کہے تھے تو زید نے جواب دیا (آہستہ سے)
 کہ ہاں۔ ان چھ امور میں سے اب قابل غور بات زید کے دونوں جملے ہیں۔
 (۱) مجھ پر ن طلاق ہے (۲) ترے پوریاں ہوگیاں نوں۔

کیا اس سیاق و سباق میں زید کی نیت معتبر ہو سکتی ہے؟

پہلا جملہ۔ اب ہم کتب فقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، کہ کیا اس سیاق و سباق میں زید کی نیت معتبر
 ہے۔ ولو كان له زوجتان اسم كل واحدة منهما زينب احداهما صحيحة النكاح و

الاخرى فاسدة النكاح فقال زينب طالق۔ طلقت صحيحة النكاح واد، قال

عنیت به الاخری

لا یصدق قضاء فتاویٰ قاضی خاں ص ۲۵۸

بحر الرائق جلد سوم ص ۲۶۲

ولو قال امرأته طالق ولم یسم وله امرأة معروفة طلقت استحصانا ولو قال لی امرأة اخوی وایاها عنیت لا یقبل قوله الا ان یقیم البینه بحر الرائق جلد سوم ص ۲۴۲

ترجمہ :- اگر کسی مرد نے کہا کہ اس کی بیوی کو طلاق ہے اور اس کا نام نہ لے اور اس کی یہ بیوی مشہور و معروف ہو (یعنی یہی عورت اس کی بیوی ہے) (دوسری بیوی غیر معروف ہے) تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اب اگر وہ کہے کہ میری ایک اور بیوی بھی ہے اور وہی میرا مقصد تھا۔ یعنی میں نے اسے طلاق دی تو اس کی یہ بات قابل قبول نہیں ہوگی۔ ہاں اگر وہ موقع کے اس بات پر گواہ قائم کر سکے، تو معلوم ہوا کہ زید کا جھگڑا ہندہ سے تھا رن یعنی بیوی سے مراد یہی ہو سکتی ہے۔ اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہر طلاق ہندہ کی طرف منسوب ہوگی قضاء دوسرا جملہ۔ ”تو کہتی ہے تو“ ”ترے پوریاں ہو گئیاں تو“

اب اس جملہ میں دو الفاظ قابل غور ہیں (۱) ترے (۲) توں

(۱) کیا ترے یعنی تین سے مراد کیا ہوگی، لازمی بات ہے کہ جب سارے جھگڑے میں ایک بار نہیں بلکہ تین متفرق موقعوں پر جھگڑا ہوا تو بات طلاق کی ہی تھی تو تین سے مراد بھی تین طلاق ہی ہوگی

(۲) توں ہماری پنجابی میں لفظ خطاب ہے اس جملہ کا ترجمہ اردو میں یہ ہوگا تجھے تین طلاق پوری ہو گئی ہیں۔ عربی میں ترجمہ یوں ہوگا۔ لو قال انت طالق ثلاثا فقد طلقت طلاقا ثلاثا

ولو حذف القاف من طالق فقال انت طال فان کسر اللام وقع بلا نية والا فان كان في مذكرة الطلاق والغضب فکذلک والا توقف علی النية کذا فی الخانية وفي الجوهرة

بحر الرائق جلد سوم ص ۲۴۲۔ فتاویٰ قاضی خاں ص ۲۶۳

وفي المحيط لو قالت المرأة انا طالق فقال الزوج نعم كانت طالق ان نوى به طلاقا مستقبلا وان نوى به الخبر عما مضى وقع - وفي البرازية قالت له انا طالق فقال نعم طَلَقْتُ - (بحر الرائق جلد سوم ص ۲۴۲)

ان عبارات کا مطلب یہ ہے کہ مذکرہ طلاق اور غصب کی حالت میں طلاق کا جو لفظ بھی اس نے استعمال کیا۔ اس سے مراد طلاق ہی ہوگی۔ مرد کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اگر عورت اپنے غاوند

کو مخاطب کر کے کہے کہ میں طلاق ہوں یعنی تُو نے مجھے طلاق دے دی اس کے جواب میں خاوند نے کہا ہاں۔ تو عورت مطلقہ ہو جائے گی۔ زید نے مسئلہ صورت میں دوبارہ یہ کہا کہ ”ترے پوریاں ہو گیاں نوں“ پہلی بار ہندہ کے کہنے پر کہ تُو نے مجھے ہی ہر بار مخاطب کیا اور تین بار ایسا کیا۔ تو اس نے کہا کہ ”ترے پوریاں ہو گیاں نوں“ دوسری بار جب دونوں کی گفتگو ریکارڈ ہو رہی تھی تو ریکارڈر نے زید سے پوچھا کہ کیا تُو نے ہندہ کے سوال پر یہ کہا تھا تو زید نے بہت مجبور ہو کر آہستہ سے ہاں کہا۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اس نے بعد میں ریکارڈر سے کہا کہ آپ کسی طرح ترے کا لفظ نکال دیں۔

ان تمام قرائن اور سیاق و سباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زید نے ہندہ کو ہی ہر بار مخاطب کیا اور اسے ہی طلاق دی اور پھر آخری جملے سے تو تمام شک و شبہ رفع ہو جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں نے پہلے تجھے طلاق نہیں دی تو اب تجھے تین یعنی طلاقیں پوری ہو گئی ہیں۔

هَذَا مَا عِنْدِي وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ

عزیز الرحمن قاضی جیال

الجواب صحیح

۹۵ - ۳ - ۷

بندہ عبدالستار عفی عنہ ۲۲-۱۱-۱۴۱۰ھ

نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید شراب نوشی کا عادی ہے اور ایک داشتہ سے تعلقات رکھتا ہے۔ بحالت نشہ اس کو بیوی نے لعن و طعن کی۔ تو اس نے بیوی کو سات مرتبہ کہا کہ ”میں نے تجھے طلاق دی تو حرام ہے“ صورت مسئلہ میں کونسی طلاق واقع ہوئی؟ المستفتی۔ قاری عصمت اللہ متعلم خیر المدارس ملتان

حامداً و مصلیاً صورت مسئلہ میں تین طلاق واقع ہو چکی ہیں۔ اب رد (۱) حلالہ نکاح جدید صحیح نہیں۔ ویقع طلاق کل زوج بالغ الخ و لو سکر

الجواب صحیح

ولو بنیذ او حشیش او افیون او بنج زجرا بہ یفتی ۴۵۶ تصحیح القدوری

(الدر المختار علی رد المختار ص ۲۲۳ ج ۲)

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ محمد صدیق غفرلہ مدرس

خیر المدارس ملتان ۱۰-۱۰-۱۳۹۸ھ

اگر میں تمہارے قریب آؤں تو سؤر کا بچہ ہوں ایلا نہیں

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مظفر علی نے اپنی زوجہ عطیہ کو کہا کہ میں سؤر کا بچہ ہوں اگر تیرے پاس آؤں۔ تو کیا ایلا کی صورت ہو جائے گی؟

قال فی الفتاوی الشامیة ج ۳ ص ۵۷ تحت قوله وظاهر کلام الکمال لا
حيث قال ان معنی اليمين ان يعلق الحالف ما يوجب امتناعه

من الفعل بسبب لزوم وجوده ای وجود ما علقه كالکفر عند وجود الفعل المحلوف
عليه كدخول الدار وهنالا يصير مجرد الدخول زانيا او سارقا حتى يوجب امتناعه
عن الدخول بخلاف الکفر فانه بمباشرة الدخول يتحقق الرضى بالكفر فيوجب
الکفر۔ اس کلام سے مفہوم ہوا کہ ان الفاظ سے ایلا نہیں بنے گا۔ بلکہ اس قبیل کے اندر حلف
کے لئے تعلیق بالکفر والیہودیۃ والنصرانیۃ وغیرہ ہونا موجب الیمین ہوتا ہے۔

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۰ — ۹ — ۱۳۸۲ ھ

بیوی والدین کو ایذا دیتی ہو تو طلاق کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بیوی کا رویہ شوہر کے والدین کے
ساتھ بہت نازیبا ہو۔ اور وہ ان کی اذیت کا باعث بن رہی ہو۔ تو اس کو اگر طلاق دے دی جائے
تو شوہر کے اوپر کوئی گناہ تو نہیں ہوگا؟ بینوا تو جروا

المستفتی: ریاض احمد ہال روڈ ہاسٹل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور

باسمہ تعالیٰ۔ ایسی حالت میں طلاق دینا درست بلکہ مستحب ہے۔ اور
طلاق دینے کی اچھی صورت یہ ہے کہ جب وہ عورت حیض سے پاک ہو۔

اور اس پاکی کے عرصہ میں نماوند کی اس سے ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ اس وقت اس کو ایک طلاق
دے دی جائے۔ اور یہ کہہ دیا جائے کہ میں نے تجھ کو طلاق دے دی۔ ردالمحتار میں ہے۔

(قوله وإيقاعه) ای الطلاق مباح بل يستحب لوموذية (قوله لوموذية) أطلقه فشمّل

المؤذیة له أو لغيره بقولها أو بفعلها (رد المحتار ج ۲) فقط والله اعلم

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحق غفر اللہ لہ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ - ۱۸ - ۲ - ۱۴۱۰ھ

۱۸ - ۲ - ۱۴۱۰ھ

عادتوں کی فسخ صرف بعض صورتوں میں معتبر ہے

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں۔ کہ مسماۃ سلمیٰ نے محمد بشیر خاں سول جج و ہاٹری کی عدالت میں اپنے خاوند محمد حنیف کے خلاف دعویٰ تنسیخ نکاح کیا ہوا تھا۔ اور خاوند نے بھی اعادۂ حقوق زن و شوہر کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ جج صاحب نے ہر دو مقدمات کو ملا کر مندرجہ ذیل سات تنقیحات مرتب کیں (۱) مدعا علیہ کا سلوک مدعیہ کے ساتھ مسلسل ظالمانہ ہے (۲) مدعا علیہ بدنام عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے (۳) مدعا علیہ مدعیہ کو غیر اخلاقی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے (۴) مدعا علیہ مدعیہ پر بدچلنی کا جھوٹا الزام لگاتا رہا ہے (۵) مدعا علیہ نے مدعیہ کو دو سال سے زیادہ عرصہ سے کوئی چیز، خرچہ وغیرہ نہیں دیا (۶) کیا اب فریقین حدود اللہ میں رہ کر میاں بیوی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں (۷) کیا مدعا علیہ اعادۂ حقوق زن و شوہر کا حقدار ہے ؟

فاضل جج مجسٹریٹ نے ان تنقیحات پر علیحدہ علیحدہ بحث کر کے آخر عورت کو تنسیخ نکاح کی ڈگری دیدی۔ جس پر خاوند نے اپیل کر کے اس ڈگری کو کالعدم قرار دینے کا دعویٰ کیا۔ تو اپیل کا فیصلہ اس کے حق میں ہوا۔ اور تنسیخ نکاح کا فیصلہ کالعدم قرار دے دیا گیا اس کے متعلق ہماری رہنمائی فرمادیں۔ بینوا تو جروا

المستفتی: محمد حنیف ولد مہر دین ساکن کوٹ مظفر تحصیل میلسی ضلع ملتان

حامدا و مصلياً، حاکم کے اختیارات شرعاً غیر محدود نہیں کہ اس کا حکم فیصلہ بہر حال نافذ اور واجب التسلیم ہی ہو۔ بلکہ قاضی اور جج کے اختیارات محدود ہوتے ہیں۔ اور اس کا وہی فیصلہ نافذ ہوگا۔ جو اپنے دائرہ اختیارات کے اندر رہتے ہوئے

کیا گیا ہوگا۔ عقود رسم المفتی میں ہے والقاضی المقلد اذا قضی علی خلاف مذہبہ لا ینفذ نقلاً وبہ جزم المحقق فی فتح القدیر وتلمیذہ العلامة قاسم (ج ۱) نیز شرعاً فریقین کو اپیل کا حق

بھی دیا گیا اور مخصوص صورتوں میں ماتحت عدالت کے فیصلوں کو رد بھی کیا جاسکتا ہے درمختار میں ہے واذا رفع الیه حکم قاضی..... آخر..... نفذ.... الاماعری عن دلیل مجمع او خالف کتابا لم یختلف فی تاویلہ السلف کم تروک تسمیة او سنة مشہورۃ کتحلیل بلا وطی لمخالفۃ حدیث العسيلة المشہور او اجماعا کحل المتعة لاجماع الصحابة علی فسادہ وکبیع ام ولد علی الاظهر الخ (رد المحتار ج ۳۲۹ ص ۴۷) اور صورت مسئلہ میں چونکہ خاوند کا تعنت ثابت نہیں جیسا کہ تفصیل شہادت کے فیصلے سے ظاہر ہے۔ اور خاوند اعساده حقوق زن کا خواہاں ہے۔ پس ایسی صورت میں حج کو شرعاً نسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ پس انفساخ نکاح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے عورت خاوند اول کے نکاح میں ہے۔ بذریعہ خلع شرعی یا طلاق علیحدگی کی کوشش کی جائے۔ اگر عورت آباد نہیں ہونا چاہتی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ نائب مفتی

الجواب صحیح

خیر المدرار س ملتان

خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۸ - ۱ - ۱۳۸۶ھ

ایک عبارت کے ایلاء یا تعلیق ہونے کی تحقیق

کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ مسمی مولوی مہر علی نے حسب ذیل عبارت پر دستخط کئے کہ

میں مسمی مہر علی ولد میاں زین العابدین اپنے ہوش و حواس قائم رکھتے ہوئے تحریر کرتا ہوں۔ اگر عبدالحمید ولد غلام محبوب اپنی بیٹی رشیدہ بی بی مجھے نکاح کرے تو اس کے بعد میں اپنی منکوحہ زہرہ بی بی کو آباد کروں یا گھر لے آؤں تو زہرہ بی بی میری منکوحہ مجھ پر تین طلاق حرام ہے۔ مندرجہ بالا مضمون لکھ دیا ہے کہ سند ہے اور تمام گواہوں کو یاد رہے۔ مذکورہ بالا مضمون پڑھ لیا ہے اور تصدیق کرتا ہوں۔ مہر علی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا یہ ایلاء ہے یا تعلیق۔

سائل محمد امیر اترا

ایلاء میں ضروری ہے کہ ایلاء کنندہ یا حانت ہو جاتا ہے (جبکہ مدۃ ایلاء کے اندر جماع کرے) یا مدۃ ایلاء گزرنے پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو جاتی

الجواب صحیح

ہے۔ تیسری صورت ممکن نہیں ہوتی۔ اور زیر بحث صورت میں اس کا امکان موجود ہے کہ مولوی مہر علی مدۃ ایلاء میں جماع کر لے اور حائض نہ ہو جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ اگر مولوی صاحب زہرہ بی بی کو اپنے گھر بھی نہیں لاتے اور کوئی دوسرا مکان لے کر اس میں اسے آباد بھی نہیں کرتے۔ کہ اس کے نان و نفقہ وغیرہ میں اس کا انتظام کر دیں۔ اور خود بھی کبھی وہاں چلے جایا کریں۔ جسے عرف عام میں آباد کرنا کہا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں عمل میں نہیں لاتے۔ مگر دوسرے کسی مقام پر اتفاقاً میاں کا اجتماع ہو جاتا ہے اور جماع کر لیتے ہیں۔ تو اس صورت میں مولوی صاحب قطعاً حائض نہیں ہوں گے۔ ایسے اتفاقی اجتماع کو عرف عام میں قطعاً آباد کرنا تصور نہیں کیا جاتا ہے۔ پس جب یہ احتمال موجود ہے۔ تو یہ ایلاء نہیں بلکہ تعلیق ہی ہے فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفی عنہ ۲۹ شعبان ۱۴۱۶ھ

طلاق کی قسم اٹھوانے کا حکم زید پر چوری کا الزام ہے زید کہتا ہے میں مدعی کو بہ طرح اطمینان دلانے کے لئے تیار ہوں۔

کیا مدعی زید سے طلاق کی قسم اٹھوا سکتا ہے۔ عبد الحمید مدرسہ نعمانیہ ڈی۔ جی۔ خان دار فیصلہ وہی قسم ہے جو اسماء اللہ کے ساتھ اٹھائی جائے البتہ تخویف بالجواب ہے وغیرہ کے لئے طلاق کی قسم کی دھمکی دی جاسکتی ہے وظاہرہ ان القائل

بالتحلیف، بحسب (بالطلاق والعقاق) یقول انت غیر مشرود و لکن یعرض علیہ لعلہ یمتنع اء (شامی ج ۴ ص ۴۶)

الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۷ - ۲۸ - ۱۴۰۱ھ

مرتد سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں زید کیمونسٹ ہو گیا اسلامی احکام و عقائد سے نفرت و بیزاری کا علانیہ

اظہار کرتا ہے۔ قرآن مجید کو پرانی کتاب ناقابل عمل کہتا ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں روسی نظام و نظریات و افکار کی تعریف کرتا ہے۔ اور دہریت کا اتنا دلدادہ ہے کہ اپنی منکوحہ مسماۃ ہندہ

کو نماز ادا کرنے اور رمضان میں روزے سے روکتا ہے۔ بلکہ روکنے سے زیادہ مار پٹائی کرتا ہے۔ اس صورت میں نکاح باقی ہے اگر وہ تائب ہو جائے تو تجدید نکاح کی ضرورت ہے؟

الجواب اگر واقعہ صحیح ہے کہ زید اسلامی عقائد سے نفرت و بیزاری کا اعلان کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ مرتد ہے اس کی بیوی اس دن سے جب سے اس نے یہ کلمات کفر منہ سے بکے ہیں آزاد ہے طلاق لینے کی ضرورت نہیں۔ بعد از عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور حکومت پاکستان کو لازم ہے کہ اس شخص کو صرف تین دن کی مہلت دے کہ اپنے شبہات اسلام کے بارہ میں علماء اسلام سے رفع کر لے۔ اگر شبہات ختم کر کے اسلام میں داخل ہو جائے تو فہماور نہ یہ شخص واجب القتل ہے حکومت اس کو قتل کر دے۔ دوسرے شخص کو اجازت نہیں فقط!

بندہ عبد اللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

بیوی خاوند کو طلاق دیدے تو ہو جائے گی یا نہیں؟ السلام علیکم۔ گزارش ہے

میاں بیوی میں گھر پلو سٹل پر آپس میں لڑائی ہوتی ہے جس کے بعد بیوی اپنے خاوند سے لڑ کر اس کے گھر کو چھوڑ کر علیحدہ اپنے بچوں کے ساتھ رہنے لگتی ہے لڑائی کی وجوہات شریک لوگوں کا عورت کو اکسانا ہے جب کہ خاوند ایسے لوگوں سے میل ملاپ کرنے سے منع کرتا ہے لیکن عورت خاوند کی بات نہیں مانتی۔ اور کہتی ہے کہ ہم ان کو ملیں گے جو رشتہ میں عورت کے ماموں کے لڑکے ہیں جو غیر محرم کی تعریف میں آتے ہیں اور پھر جب لڑ کر جاتی ہے تو کہتی ہے کہ مجھے طلاق دے دو اور ایک دفعہ طلاق کا لفظ استعمال کرتی ہے۔ عرصہ پانچ سال سے علیحدہ چھوٹے لڑکے کے مکان میں رہ رہی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ چونکہ میں نے طلاق دے دو کہا ہے لہذا اب عورت اور خاوند کا رشتہ ساقط ہو گیا ہے۔ اس کے لئے شرعی احکام سے مطلع کریں کیا شرعی لحاظ سے یہ ایسا ہی ہو سکتا ہے جبکہ خاوند نے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا۔ نہ

ہی تحریری طلاق دی ہے محمد انور جمشید

۲۔ اولاد کو بھی وہ ورغلاتی ہے اولاد کو کوئی جب کہے کہ والد کے حقوق کا خیال کرو تو لڑکے کہتے ہیں کہ رسول پاک نے تین دفعہ ماں کے قدموں میں جنت کہا ہے اور والد کے لئے ایک دفعہ کہا ہے لہذا والد کے لئے کوئی حقوق نہیں بتائے بلکہ والد ہی مقدم ہے جبکہ بیوی لڑکا دو دفعہ حج کر آئے ہیں۔ لیکن اجازت نہ لی تھی اس کے لئے شرعی اسلامی احکام قرآن کے حوالہ سے

مفصل واضح کریں۔

الجواب صورت مسئلہ میں عورت کے الفاظ طلاق کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔ اگر واقعی خاوند نے زبانی یا تحریری طلاق نہیں دی۔ تو اس کا نکاح اپنی بیوی کے ساتھ بدستور باقی ہے نکاح ختم نہیں ہوا۔ تعظیم کے لحاظ سے باپ کا حق مقدم ہے۔ اولاد پر واجب ہے کہ دونوں (والدین) کی خدمت و احترام کریں۔ کسی کی بھی حق تلفی جائز نہیں فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفی عنہ ۳-۵-۱۴۱۷ھ

میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو تفریق کی صورت

ایک عاقل و بالغ شادی شدہ عیسائی خاتون اپنی کامل رضامندی سے اسلام قبول کریتی ہے۔ لیکن اس کا غیر مسلم شوہر اسلام قبول نہیں کرتا ہے۔ اس کی تاحال کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ وہ خاتون حمل سے ہے اس صورت میں کافر شوہر کا نو مسلمہ سے نکاح رہے گا یا فسخ ہو جائے گا۔ اگر نکاح فسخ ہوگا۔ تو عدت کے بارے میں کیا حکم ہے اور عدت گزارنے کے بعد وہ کن صورتوں میں کسی مسلمان شخص سے نکاح کر سکتی ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں۔
سائل یثیق احمد طور

الجواب صورت مسئلہ میں مسلمان حاکم مذکورہ مسلمہ کے خاوند پر اسلام پیش کرے۔ اگر وہ اسلام قبول نہ کرے یا سکوت کرے تو قاضی/حاکم ان میں تفریق کر دے تفریق کے بعد عدت گزارنے کے بعد عورت آزاد ہے ولو اسلم احد الزوجین عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم والا فیرقی بینہما کذا فی الکنز (عالمگیری ص ۳۹) (جیلہ ناجزہ ص ۱۹) فقط واللہ اعلم
الجواب صحیح۔ بندہ عبدالستار عفی عنہ
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ ۲۵-۴-۱۴۱۱ھ

مجبوط الحواس کی طلاق کا حکم
کیا فرماتے ہیں علماء کرام اندر میں مسئلہ کہ ایک شخص شوکت امی دماغی مریض ہے اسے گاہے بگاہے بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں اور شخص مذکور واپڈا میں ملازم بھی ہے اکثر اوقات ٹھیک رہتا ہے

شخص مذکور کو دورہ پڑا۔ تو اس کی بیوی اس کے پاس آئی۔ اس نے بیوی کو ڈانٹا کہ میرے پاس سے چلی جا۔ یہ معاملہ رات کا ہے صبح ہونے پر اس کی بیوی جب اس کے پاس آئی تو اس نے اپنی بیوی کو طبعاً کر کے پانچ چھ مرتبہ طلاق طلاق کے لفظ کہے۔ مذکورہ صورت میں شرعی آگاہی مطلوب ہے۔۔۔ مذکورہ شخص کے مخبوط الحواص ہونے کا ثبوت دماغی ماہرین کی رپورٹیں موجود ہیں۔ براہ کرم فتویٰ صادر فرمایا جائے طلاق واقع ہوئی یا نہ۔ اور اقسام طلاق میں سے کونسی طلاق واقع ہوئی۔ واسطہ ان پڑھ لوگوں سے ہے مسئلہ مفصل تحریر فرمادیں۔ العارضی۔ حاجی ظفر اقبال مکان نمبر ۲۶۶ بھکرہ میں حلفاً بیان کرتا ہوں کہ جس وقت شوکت اقبال نے یہ الفاظ طلاق استعمال کئے۔ وہ حالت جنون میں تھا۔ اور میں موقع پر موجود تھا۔

الحجۃ

اگر یہ بات درست ہے کہ طلاق کہتے وقت شخص مذکور کو دماغی دورہ پڑا تھا۔ اور اس کی بیوی بھی تسلیم کرتی ہے کہ اس وقت اس کی حالت دورے والی تھی تو پھر شخص مذکور کے اس طرح کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے والمغنی علیہ صولغۃ المغشی۔ وفي الشامية وكذا ايقال فيمن اختل عقله لكبر أو لمرض أو لمصيبة فاجأته فمادام في حال غلبة الخلل في الاقوال والافعال لا تعتبر أقواله وان كان يعلمها۔ شامی ص ۲۵۶ ج ۲۔ البتہ مسئلہ حلال و حرام کا ہے۔ لہذا پورے سوچ سمجھ کر کیا فیصلہ کرنا چاہئے فقط واللہ اعلم بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۹ ۱۳۱۶ھ

خالی کاغذ دینے سے طلاق نہیں ہوگی کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی بیوی کو خالی کاغذ دیا۔ اور اس نے نیچے پھینک دیا۔ اور میں نے زبان سے کچھ بھی نہیں کہا۔ کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بیوی کا بیان۔ یہ کاغذ میں نے ان سے نہیں لیا۔ ہم دونوں میاں بیوی کا حلیہ بیان ہے کہ وہ کاغذ بالکل خالی تھا۔ اس میں کچھ بھی نہیں لکھا ہوا تھا اور زبان سے بھی خاوند نے طلاق نہیں۔ بر تقدیر صحت واقعہ خالی اور صاف کاغذ دینے سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لہذا یہ دونوں شرعاً ناجائز و منکوحہ ہیں۔ حسب سابق زوجین کے ماندرہ سکتے ہیں تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے فقط واللہ اعلم

الحجۃ

”میں اپنی بیوی سے سات طلاق ہوں“ کہنے سے طلاق نہیں ہوگی

زید کا بیوی سے جھگڑا ہوا تو اس نے غصہ میں آکر کہا میں اپنی بیوی سے سات طلاق ہوں تو کیا ان الفاظ سے طلاق ہو جائے گی؟ عبدالقادر بزدار تونسہ شریف

الحلول ۳۲۶ اگر خاوند نے خط کشیدہ الفاظ ہی کہے ہیں تو صورت مسئلہ میں طلاق نہیں ہوئی۔
انا منک طالق ادبوی لیس بشی و لونوی (درختار ص ۲۲۱ شامی ۲/۲۴۶) فقط واللہ اعلم
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۱-۲-۹۷ھ

مکرہ نے صرف لکھ کر طلاق دی تو طلاق نہیں ہوئی

زید کس سال اپنی بیوی کو لیتے گیا تو وہاں سالوں نے پکڑ لیا۔ اور اس کو جان سے مارنے لگے۔ مطالبہ یہ تھا کہ طلاق دے دو۔ چنانچہ زید نے جان بچانے کے لئے طلاق نامہ لکھ کر دے دیا۔ کیا طلاق واقع ہو گئی؟

الحلول ۳۲۷ صورت مسئلہ میں اگر زید نے زبان سے کچھ نہیں کہا بلکہ صرف طلاق نامہ لکھا ہے یا دستخط کئے ہیں۔ تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ وجہ اکراہ

بالضرب والحبس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان فکتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته کذا فی فتاویٰ قاضیخان اھ (عالمگیری ص ۳۷۹) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۰-۷-۹۶ھ

سادے کاغذ پر دستخط کرنے سے طلاق نہیں ہوگی

غلام اکبر جیل میں تھا۔ اس کے سر صمد خاں نے کہا کہ تمہارے لئے وکیل مقرر کرتے ہیں اس کاغذ پر دستخط کر دو اور سادے کاغذ پر دستخط کر لے۔ بعد میں اس پر طلاق لکھ لی جب غلام اکبر رہا ہو کر آیا تو اسے بتایا گیا کہ تو نے تو طلاق دے دی ہے تو کیا اس سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ غلام اکبر بلوچ ڈیرہ اسماعیل خاں۔

الجواب اگر واقعہ سادہ کاغذ پر دستخط کئے تھے اور اس نے نہ خود طلاق دی۔
نہ کسی کو (طلاق کیلئے) وکیل بنایا۔ تو طلاق نہیں ہوئی وکذا لکھ

کتاب لم یکتبه بخطه ولم یملک بنفسه لا یقع به الطلاق اذ الم یقر أنه کتابه اه
(عالمگیری ص ۳۴۹ ج ۱) فقط والله اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۶ - ۵ - ۱۴۱۰ ھ



کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین دریں مسئلہ
مدہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی کہ ایک شخص اپنے گھر میں چھکڑے کے دوران انتہائی غصہ کے

حالت میں آگیا۔ جس کے حواس باختہ ہو گئے۔ اور بے خود ہو کر قابو سے باہر ہو گیا۔ جسے اپنے وجود
کے سنبھالنے کی خبر بھی نہ رہی۔ دماغ میں زبردست فتور آگیا۔ اسے اتنا علم بھی نہ تھا کہ زبان
سے کیا کلمات کہہ رہا ہوں۔ اور کیا انجام ہوگا۔ گویا اس کی حالت دیوانگی جیسی ہو گئی۔ اس حالت
میں اس نے اپنی بیوی کے متعلق کہا کہ اے طلاق ہے۔ طلاق ہے طلاق ہے۔ ان الفاظ کا
اسے کوئی پتہ نہیں سننے والوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ آیا ایسی حالت
میں شرعاً طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا و توجردا - المستفتی محمد اسلم شاہ ۹

جب میں شور سن کر آیا تو اس کی کیفیت ایسی تھی کہ اس کو کوئی اپنی خبر نہ تھی چادر گرہ کر
گھٹنوں تک پہنچ گئی۔ اس نے خود کو نہیں سنبھالا میں نے اس کو سنبھالا۔ پھر وہ اسی بیہوشی
کے عالم میں چار پاٹی پر گر گیا۔ جب میں صبح کے وقت اس کے پاس گیا۔ تو اس نے کہا مجھے رات والے

وقتہ کا کچھ علم نہ ہے کسی کے آنے جانے کا اور کچھ بولنے کا مجھے کوئی علم نہیں ہے محمد اسلم شاہ سناواں

الجواب اگر مسمی محمد ارشد طلاق کے وقت ایسا مدہوش تھا۔ تو اس کی زوجہ پر طلاق
واقع نہیں ہوئی ہندیہ میں ہے ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل

والمجنون والنائم والمبرسم والمغنی علیہ والمدہوش (ص ۳۵۲) فقط والله اعلم

الجواب صحیح بندہ عبدالستار عفی عنہ | بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۱۷ - ۱۱ - ۱۴۱۰ ھ



زید اور خالہ کا نکاح ہوا یہ نکاح

”میں نے نکاح نہیں کیا“ کنایات سے نہیں زید کی مرضی کے خلاف ہوا تھا۔

اب زید کہتا ہے کہ میرا کوئی نکاح نہیں میں نے یہ نکاح نہیں کیا اس لئے کہ مجھے یہ پسند نہیں تھا ایک دفعہ خالہ کی بہن نے اسے بہنوئی کہا۔ تو کہنے لگا میں تمہارا بہنوئی نہیں بلکہ دیورہ ہوں۔ کیا ان الفاظ سے طلاق ہو گئی؟

یہ لفظ کنایات طلاق سے نہیں ہے لہذا اگر طلاق کی نیت ہو بھی تو ان لفظوں

الجواب

سے طلاق نہیں ہوئی وان قال لمرأتزوجك ونوى الطلاق لا يقع

الطلاق بالاجماع كذا في البدائع ۱۵ (عالمگیری ۳/۲۴۷) بخلاف لمرأتزوجك لانه لا يحتمل

الطلاق لانه نفى فعل التزوج أصلاً ورأساً وانه لا يحتمل الطلاق فلا يقع به الطلاق ۱۵

فقط واللہ اعلم،

(بدائع مکناج ۳)

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

میں اس شہر میں نہیں رہوں گا کہنے کے بعد چلا گیا پھر کبھی کبھی ملنے آئے

تو حانت نہیں ہوگا

کیا فرماتے ہیں علماء دین اندر میں مسئلہ کہ ایک شخص طارق نے اپنے گھر میں طلاق کی

بنا پر غصے میں آکر یہ کہا کہ اگر میں یہاں کا بچوالہ میں رہ جاؤں تو مجھ پر طلاق ہے دوبارہ بھی یہی

الفاظ کہے کہ اگر میں یہاں کا بچوالہ میں رہ جاؤں تو مجھ پر طلاق ہے یہ واقعہ آج سے پانچ برس قبل کا ہے

پھر یہ شخص گھر والوں کو لے کر کسی اور دیہات میں چلا گیا تین سال تک خود بیوی بچے باہر رہا تین سال

کے بعد بیوی بچے اسی موضع کا بچوالہ میں آگئے۔ اور تقریباً عرصہ دو سال سے رہائش پذیر ہیں۔ یہ طلاق

دینے والا شخص اب تک باہر ہے وہاں رہائش پذیر نہیں ہوا۔ البتہ ان دو سال میں دو تین مرتبہ گھر والوں

اور بال بچوں کو ملنے کے لئے آیا ہے۔ مل کر اسی وقت واپس چلا آیا۔ رات نہیں ٹھہرا۔ دریافت طلب امر

یہ ہے کہ جب خود اپنی علف پر یہ شخص قائم ہے۔ بیوی بچوں سے اس کی رہائش ہو گئی ہے یا نہیں

اور جو دومرتبہ لفظ طلاق کا کہا ہے اس کا کیا ہوگا طلاق پڑتی ہے یا نہیں؟ فقط۔ بینوا و توحسروا

بر تقدیر صحت واقعہ صورت مسئلہ میں مسمی طارق کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ کسی شہر یا بستی کے متعلق ترک سکونت کی قسم کی صورت میں خود

الحلول

نکل جانا کافی ہے۔ بیوی، بچوں اور سامان کو نکالنا ضروری نہیں ہند یہ میں ہے حلف ان لایکن

هذا المصنف خرج بنفسه وترك اهلہ ومناعه فیہ لایحث۔ وان كانت الیمین علی سکنی

القریۃ فہی بمنزلۃ المصنف اگر طارق اس بستی میں بقصد ملاقات و زیارت آیا بستی سکونت آمد

نہیں ہوئی۔ تو قسم میں حائث نہ ہوگا۔ ہند یہ میں ہے ولو حلف وقال اندریں وہ یناشم فخرج

بأهلہ ومناعه ثم عاد وسکن کان حائثا..... قالوا هذا اذا عاد للسکنی والقراردأما

اذا عاد للزیارۃ لایحث فی یمینہ (ص ۲ ج ۲) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ ۱۰-۱۱-۱۴۱۰ھ

زید نے اپنی بیوی کو

شدید مار مارا وہ منظر

بیوی کو ماں بہن کہنا ناجائز ہے مگر طلاق نہیں ہوگی

میکے چلی گئی۔ زید سسرال گیا اور کہا کہ اب اسے لے جاؤں تو ماں بہن کو لے جاؤں اور یہ بھی کہا کہ اب

یہ میری ماں بہن ہے میرے دل میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ان الفاظ سے

طلاق ہو گئی ہے یا نہیں؟

صورۃ مسئلہ میں طلاق نہیں ہوئی البتہ بیوی کو ماں بہن کہنا مکروہ اور

ناجائز ہے لو قال ان وطئتک وطئت امی فلا شیء علیہ (عالمگیری

الحلول

ص ۱۲۶ ج ۲) ویکرہ قولہ انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ (الی ان قال) وفیہ حدیث رواہ

ابو داؤد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع رجلا یقول لامراتہ یا اخیۃ فکفرہ

ذلک ونہی عنہ (شامی ص ۲۵ ج ۵) فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

خالہ نے اپنی بیوی جمیلہ کو ناراض

ہو کر کہا کہ تو میری کچھ نہیں لگتی

تو میری کچھ نہیں لگتی سے طلاق نہیں ہوگی

صرف ایک مرتبہ یہ الفاظ کہے۔ اور بعد اس کے جمیلہ نے دو مرتبہ پوچھا کہ اچھا میں تیری کچھ نہیں لگتی

تو دونوں ہی مرتبہ خالہ نے جواب دیا کہ تو میری کچھ نہیں لگتی۔ بقول خالہ کے کہ اپنی بیوی کو ڈرنے کے لئے یہ الفاظ کہے تھے طلاق کی غرض نہیں تھی۔ آپ فرمائیں کہ طلاق ہوئی یا نہ اگر ہوئی تو کونسی واقع ہوئی ہے؟

الجواب اگر رسمی خالہ نے صرف یہی کلمات زبان سے کہے ہیں۔ طلاق یا حرام وغیرہ کا کوئی لفظ زبان پر نہیں لایا تو صورت مسئلہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی جبکہ طلاق کی نیت نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے لو قال لم یبق بینی و بینک شیء ونوی بہ الطلاق لا یقع ص ۳۷۶ ج ۱ ولو قال لامراتہ لست لی بامراة وان قال نویت الطلاق یقع

الطلاق ہندیہ ص ۳۷۵ ج ۱۔ فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

صرف ڈھیلے پھینکنے سے طلاق نہیں ہوگی احمد خاں کا اپنی بیوی سے تنازعہ ہوا وہ بھاگ کر اپنی مٹھی میں ڈھیلے لایا اور بیوی کو کہا کہ یہ ڈھیلے تم نے دیکھے ہیں مگر زبان سے بالکل کوئی لفظ نہیں کہا کیا طلاق ہو گئی اگر واقعہ صرف ڈھیلے اٹھائے ہی تھے اور زبان سے کوئی لفظ نہیں کہا۔ تو

الجواب طلاق واقع نہیں ہوئی وبہ ظہران من تشاجر مع زوجته فاعطاها ثلثة ا حجار بنوی الطلاق ولم یذکر لفظا لا صریحا ولا کنایة لا یقع علیہ اھ (شامی ج ۲ ص ۴۱۸)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۸-۵-۱۴۰۰ھ

رجوع کیلئے بیوی کا رضامند ہونا ضروری نہیں رجوع قول سے بھی ہو سکتا ہے

فعل سے بھی

میرے چچا نے اپنی بیوی کے کردار کو مشکوک سمجھتے ہوئے اسے لکھ بھیجا۔ کہ میں نے بیوی کو طلاق دی بعد میں غلط فہمی رفع ہو گئی۔ اب وہ رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے لئے عورت کا رضامند ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ خادم حسین رنگ پور ضلع مظفر گڑھ

الجواب

صورت مسئلہ میں رجوع کرنا درست ہے۔ بیوی رضامند ہو یا نہ ہو۔ اور رجوع قول و عمل دونوں سے ہو سکتا ہے قول سے رجوع کرے تو اس پر گواہ بھی

بنائے اور اسے اطلاع دے دے۔

(۱) اذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله ان يراجعها في عدتها رضى

بذلك او لم ترض اه (ہدایہ ۳۷۲ ج ۲)

(۲) كما تثبت الرجعة بالقول تثبت بالفعل وهو الوطى واللمس عن شهوة اه (عالمگیری ج ۱ ص ۲۶۹)

(۳) قال سنی ان يراجعها بالقول ويشهد على رجعتها شاهدين ويعلمها بذلك اه

(عالمگیری ص ۲۶۸ ج ۱) فقط والله اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۱۲-۱۱-۱۳۰۰ھ

مطلقہ غیر مدخولہ سے رجوع کا حکم

مؤدبانہ گزارش ہے کہ ایک سال قبل بندہ کا نکاح ہوا تھا۔ مگر اب تک رخصتی عمل میں نہ آئی تھی۔ اور نہ ہی کوئی اس قسم کا رشتہ قائم ہوا تھا۔ کہ چند روز پہلے بندہ نے کچھ ذاتی وجوہات کی بناء پر تحریر طلاق نامہ لکھ دیا تھا۔ مگر اب بندہ اس طلاق کو واپس لینا یا دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ممکن ہے تو تحریر فتویٰ عنایت فرمایا جاوے۔ آپ کی عین نوازش ہوگی

سائل۔ فیصل قدیر ولد ملک بشیر احمد ۶۵ ولایت آباد نمبر ۲ ملتان

جناب عالی۔ میں یہ حلفاً بیان کرتا ہوں۔ عرضی نوایس نے پہلے من مقرر سے کہلوا یا کہ میں نے نگینہ کو طلاق دی۔ اور پھر لکھنا شروع کیا

یہ لفظ عرضی نوایس نے صرف ایک مرتبہ کہلوا یا کہ من مقرر نے سماء نگینہ کو طلاق دی

الجواب

اگر واقعہ حقیقت یہی ہے کہ عرضی نوایس نے پہلے ایک دفعہ زبانی کہلوا یا تھا اور صرف ایک طلاق کا لفظ کہلوا یا تھا تو مطلقہ غیر مدخولہ ہونے کی وجہ سے اس کے بعد عمل طلاق نہ رہی۔ لہذا باقی ماندہ تحریری طلاق لغو ہے۔ مذکورہ عورت سے بدون

حلالہ دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ عبد التار عفا اللہ عنہ

مسئلہ خلع

قرآن و حدیث اور فقہائے اُمت کے
ارشادات کی روشنی میں عدالت کی جبراً خلع کرنے
کی زبردست تردید و تغلیط !

محترم مفتی عبدالستار صاحب جامعہ خیر المدارس (ملتان)

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

ایک اہم سوال خلع کے حوالے سے
کر رہا ہوں آپ سے گزارش ہے اس بار جلدی جواب دیجئے کیونکہ جن نامور
ایڈووکیٹ عالم کے سوال کے سبب خلع کا یہ سوال آپ سے کر رہا ہوں ان کا انٹرویو
رسالے میں دے چکا ہوں ان کے انٹرویو میں بعض سوالات دینی حوالے سے بھی
ہیں۔ میں چاہتا ہوں جب ان کا انٹرویو شائع ہو تو خلع سے متعلق آپ کا جواب یا
فتویٰ آچکا ہو اور اس میں شائع ہو خدا کرے آپ فوراً جواب دے دیں۔

سوالات

س۔ مفتی صاحب ہمارے دینی اداروں اور جید علمائے کرام خلع کے حوالے
سے جو فتویٰ دے چکے ہیں بعض اسکالر ز اور اپنے طور پر دین کی تحقیق کرنے
والے عالم حضرات اس سے مختلف فتویٰ دے رہے ہیں ملک کے نہایت نامور
ایڈووکیٹ جو دینی علم کے حوالے سے بھی بڑا نام رکھتے ہیں انہوں نے ایک اخبار کو

انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ ان کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ خواتین کو سپریم کورٹ آف پاکستان سے خلع کا حق لے کر دیدیا ہے اور یہ کہ اب کوئی عورت جو کسی وجہ سے شوہر سے علیحدگی کی خواہاں ہو عدالت میں جا کر خلع حاصل کر سکتی ہے ان کے بقول قرآن کریم کی آیت اور حضور ﷺ کے دور سے وابستہ تین احادیث سے یہ ثابت ہے کہ عورت کو خلع کے لئے مرد سے کسی اجازت یا شرط وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں چونکہ ہم اب تک یہ سنتے اور پڑھتے رہے ہیں کہ خلع کے لئے مرد کی رضامندی بہر حال ناگزیر ہے اگر وہ کسی طور پر خلع دینے پر آمادہ نہ ہو تو خلع ہوتا ہی نہیں ہے اگرچہ عدلیہ نے دیا ہو آپ سے فتویٰ درکار ہے کہ حقیقی صورت حال کیا ہے یعنی اگر عدلیہ کسی عورت کو خلع دے دیتی ہے تو آیا وہ شرعی طور پر درست ہے یا نہیں۔ اگر درست نہیں تو پھر سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے کی کیا کوئی حیثیت نہیں ہے؟ ان کے بقول یہ تو ہم نے قرآن اور احادیث سے سپریم کورٹ میں ثابت کیا ہے کہ خلع کے لئے عورت ہر گز مرد کی اجازت وغیرہ کو زمین منت نہیں اور یہ کہ اگر کسی ایک یا زائد علماء کرام کو اس سے اتفاق نہ ہو تو وہ سپریم کورٹ میں آکر دلائل دیں اور قرآن و سنت سے ثابت کریں کہ اس طرح خلع نہیں ہوتا ہے آپ سے گزارش ہے اس بارے میں واضح فتویٰ دیجئے اور قرآن پاک اور احادیث کی روشنی میں بتائیے بشکر یہ!

والسلام

فیاض اعوان کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الجواب

آپ نے خلع کے بارے میں استفسار کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ایک نہایت نامور ایڈووکیٹ کا دعویٰ ہے کہ اس نے خواتین کو سپریم کورٹ پاکستان سے خلع کا حق لے کر دیا ہے۔ اور ان کا یہ بڑا کارنامہ ہے۔۔۔۔۔ واقعی ان کا یہ بڑا کارنامہ ہے لیکن گمراہی کے اعتبار سے نہ کہ ہدایت کے اعتبار سے۔ یہ اصلاح معاشرہ کے حق میں نہیں بلکہ فساد معاشرہ کیلئے ہے قرآن و سنت حضرات صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین اور تیرہ سو سال مسلسل عدالتی فیصلوں کے علی الرغم خلع کا یہ خانہ ساز حق دلانا اسے بڑا کارنامہ نہ کہا جائے۔ تو آخر کیا کہا جائے؟

عدالت اسلامی قانون سازی کا حق نہیں رکھتی بلکہ اسلامی قانون کو نافذ کر سکتی ہے۔ تیرہ سو سال تک جو حق عدالت کے پاس نہ تھا۔ چودھویں صدی میں وہ حق اس کے پاس کہاں سے آگیا؟ وہ خود تہدیدست ہے۔ تو ایڈووکیٹ صاحب نے جو عدالت سے لیکر دیا ہے وہ شرعی حق نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہی ہے۔

[illegible]

نبی ہیں بلکہ اسکا یہ مطلب ہے کہ آپ نبیوں کیلئے مہر ہیں۔ جسکو نبوت ملے گی آپ ﷺ کی مہر ملے گی۔ اس زمانے میں دو مرزائی مبلغین افغانستان کی اسلامی حکومت میں گئے اور انہوں نے خاتم النبیین کا یہی قادیانی معنی بتلایا۔ قاضی القضاۃ نے یہ کہتے ہوئے۔ کہ خنزیر بچہ آج تک امت کو یہ معنی سمجھ نہیں آیا اور مرزا پر یہ نازل ہوا ہے؟ انہیں توپ کے سامنے رکھ کر اڑا دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ افغانستان میں قادیانیت اول روز ہی انجام کو پہنچ گئی۔ چنانچہ آج تک افغانستان میں قادیانیت کا نام و نشان نہیں ہے۔

واضح رہے کہ نقل دین میں جیسے سلف کا قول معتبر ہے۔ اسی طرح فہم دین میں بھی سلف کا قول حجت ہے۔ قرآن و حدیث اور اسلامی قانون کی متفقہ تشریح جو سلف سے منقول ہو۔ اس کے خلاف کسی دانشور کی بے جا اجتہادی کاوش کوئی وزن نہیں رکھتی۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے۔ کہ عصر حاضر کی خواہش کے علی الرغم دینی حقائق تغیر پذیر نہیں۔۔۔۔۔۔ جبکہ سائنس اور دیگر فنون و صناعات جدیدہ تغیر پذیر ہیں اور ہر لحظہ ان میں تغیرات کا امکان ہے۔ آجکل کے دانشور دینی حقائق کو ان فنون و سائنسی ترقیات پر قیاس کرتے ہوئے ان میں تغیر و تبدل اور ترقی کے خواہاں ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ آج سے ہزار سال قبل جو دینی حقیقت تھی۔۔۔۔۔۔ اسے آج بھی ویسے ہی قبول کر لیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ زمانہ ترقی کا ہے ہر چیز میں ترقی ہو رہی ہے۔ تو دینی حقائق میں ترقی و تغیرات کا عمل جاری رہنا چاہیے۔

اسکی تائید-----ان دانشوروں کو مسیحیت کے مختلف

سیمیناروں سے مل گئی۔ انہوں نے مسیحیت کی تاریخ میں پڑھا۔ کہ معاشرے کو جب کسی حرام چیز کے حلال کرنیکی ضرورت پیش آئی۔ تو سیمینار منعقد کر لئے

گئے۔۔۔۔۔ اور پادریوں نے زمانہ کی ہوسناکیوں کے مطابق فیصلے دیئے اور مسیح
مسائل کو پس پشت ڈال دیا۔

دینی حقائق اور سائنسی انکشافات میں ایک بنیادی فرق ہے۔۔۔۔۔ دینی حقائق ایسے علم پر مبنی ہیں۔ جن میں جہالت کا شائبہ نہیں سائنسی انکشافات کا مدار ہی جہالت پر ہے۔۔۔۔۔ تجربات کرتے کرتے، جب کوئی تحقیق یا تھیوری سامنے آتی ہے تو گویا قبل ازیں یہ تحقیق و تھیوری جہالت کے پردے میں مستور تھی جہالت کا پردہ چاک ہوا تو یہ حقیقت منکشف ہو گئی۔ تو تمام سائنسی انکشافات جہالت سے جنم لیتے ہیں انسانی علوم کی یہی حقیقت ہے۔ جہالت زائل ہو کر علم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن دینی حقائق اجماعیہ کا ماخذ علوم وحی ہیں۔ جو علم خداوندی سے ناشی ہیں اور علم خداوندی میں جہالت ہی نہیں۔ تو حقائق دینیہ میں تغیر پذیر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گذشتہ ایک صدی سے اسلام کے نادان دوستوں نے سود کو حلال کرنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن علماء حق اس اٹل حقیقت پر ڈٹے رہے جو تیرہ صدیوں سے مسلسل نقل ہوتی آرہی تھی۔ عصر حاضر کے شور و غوغا سے ہرگز متاثر نہیں ہوئے۔ متاثر بھی کیسے ہوتے جبکہ علماء کا منصب مسئلہ بتانا ہے نہ کہ نیا مسئلہ بنانا اور گھڑنا۔ حرمت سود کے احکام خداوند قدوس کے دربار سے جاری ہوئے ہیں۔ انکی تفسیح خداوند جل و علا سے کوئی بڑی اتھارٹی ہی کر سکتی ہے۔ ہندوؤں کو اس میں ترمیم کا کیا حق ہے؟ اسی طرح سمجھئے۔ کہ حق خلع کا مسئلہ شریعت مقدسہ کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اس میں ترمیم کسی کے اختیار میں نہیں۔ اور ایڈووکیٹ صاحب کا کارنامہ شرعی مسئلہ کا اظہار نہیں بلکہ شرعی قانون میں ترمیم اور اسکی تبدیلی ہے۔ جس کے وہ مجاز ہیں نہ کوئی دوسری اتھارٹی۔ اشکال ہو سکتا ہے کہ ایسے واضح حقائق کی موجودگی میں پھر اس حق خلع کے مسئلے کو تبدیل کرنے کے اسباب کیا ہیں؟

جواب یہ ہے کہ اس کے تین اسباب ہیں

(۱) عورت کے حقوق کے متعلق مغرب اور ماحول کے غلط

یروپیکنڈے سے متاثر ہونا

(۲) اس مسئلے کو قرآنی و حدیثی نصوص کے الفاظ و معانی سے حل

کمرے کی بجائے قرآن و سنت کی روح سے حل کرنیکی کوشش کرنا-----

(واضح رہے۔ کہ دانشور ان عصر کسی مسئلے کے بارے میں اپنے دل پسند حل کو

قرآن و سنت میں یا نے سے جب مایوس ہو جاتے ہیں۔ تو وہ روح قرآن سے اسکا

من بھاتا حل تلاش کر کے اسے قرآن و سنت کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ اسی

تکنیک سے حق خلع کے مسئلہ میں کام لیا گیا ہے)

(۳) حقوق نکاح کے بارے میں مرد و عورت کی مساوات کا مفروضہ جو

محترم جسٹس ایس اے رحمان صاحب نے پیش کیا۔ چنانچہ موصوف حق خلع کے

فیصلے میں آیت شریفہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف

کہ جس طرح مرد کو عورت کی رضامندی کے بغیر طلاق کا قانونی حق دیا

گیا ہے اسی طرح عورت کو بھی مرد کی رضامندی کے بغیر خلع کا حق ملنا چاہئے

(بی۔ ایل۔ ڈی ۱۹۶۷ سپریم کورٹ صفحہ ۱۱۴) اب ہم ان تینوں اسباب کے

متعلق لف و نشر غیر مرتب کے طور پر کچھ عرض کریں گے۔

اہل فہم پر مخفی نہیں کہ جناب موصوف کا یہ استدلال نامکمل ہے۔ جب

حقوق میں مساوات کا دعویٰ ہے تو یوں کہنا چاہئے تھا۔ کہ جیسے مرد کو عورت کی

رضامندی کے بغیر طلاق کا قانونی حق حاصل ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی مرد کی

رضامندی کے بغیر طلاق کا قانونی حق حاصل ہے۔

حاصل ہے اور ملنا چاہئے میں بڑا فرق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عورت

کو اب تک یہ حق حاصل نہیں (بالکل درست) لیکن جناب جسٹس صاحب عورت کو یہ حق خلع عطا کرنا چاہتے ہیں؟ نیز مرد کیلئے حق طلاق اور عورت کیلئے حق خلع کی تجویز یہ بھی مثلیت اور مساوات کے خلاف ہے کیونکہ حق طلاق و حق خلع برابر نہیں اس لئے کہ خلع میں معاوضہ مالی ضروری ہے جبکہ طلاق میں یہ ضروری نہیں۔ علاوہ ازیں اسی آیت شریفہ میں وللرجال علیہن درجۃ بھی موجود ہے۔ جو جناب جسٹس صاحب کی مزعومہ مساوات کی نفی کرتے ہوئے مرد کی فوقیت کو ثابت کر رہا ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ (شافعی) اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔
ان الزوج قادر علی تطلیقہا واذا طلقہا فهو قادر علی مراجعتها
شاءت المرأة اولم تشاء اما المرأة فلا تقدر علی تطلیق الزوج ولا
تقدر علی المراجعة (تفسیر کبیر ص ۷۷ ج ۲)

اس سے مرد کی بالادستی ظاہر ہے الغرض انقطاع نکاح کے بارے میں مرد و عورت کی مزعومہ مساوات ثابت نہیں سبب دوم روح قرآنی سے فیصلہ کرنے کے متعلق بھی جناب ایس اے رحمان صاحب کا اقرار و اعتراف ملاحظہ کر لیجئے۔ چنانچہ موصوف محترم اپنے فیصلے میں لکھتے ہیں۔

میری ناقص رائے میں یہ بات قرآن کے الفاظ اور روح کے ساتھ (جو بیوی اور شوہر کو ایک دوسرے کے حقوق کے معاملے میں ایک ہی مقام دیتی ہے) زیادہ ہم آہنگ ہوگی۔ کہ ان واقعات کی تشریح اس طرح کجائے کہ اولوالامر بشمول قاضی خلع کے ذریعہ خود بھی تفریق کا حکم دے سکے اگرچہ شوہر اس سے متفق نہ ہو۔ (پی۔ ایل۔ ڈی سپریم کورٹ ۱۹۶۷ ص ۱۲۰ ص ۱۲۱)

اس عبارت میں روح قرآنی کا سہارا لینے کی تصریح موجود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مختلف اشخاص کے زعم کے مطابق روح قرآنی میں اختلاف ہو سکتا

سلف کی تشریحات کے خلاف قرآن و سنت کی ایسی تشریح کرنے بیٹھ جانا جو آزادی نسواں اور مردوں کے ساتھ انکی مساوات کے نظریہ پر مبنی ہو۔ اس سے مغرب سے مرعوبیت کا واضح تاثر ملتا ہے۔ یہاں تک ان تینوں اسباب کا بیان ہے۔ جن پر عورت کو حق خلع دینے کا فیصلہ مبنی ہے۔

اہل علم پر مخفی نہیں اب تک تمام فقہاء اور مجتہدین کا اس پر اتفاق چلا آتا ہے کہ خلع شوہر اور بیوی کا باہمی معاملہ ہے جو فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے لہذا کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا۔ غیر منقسم ہندوستان اور پاکستان کی عدالتیں بھی مسلمانوں کے مقدمات میں اسی اصولوں کے مطابق فیصلے کرتی آئی ہیں۔ اس سلسلے میں عمر بی بی بنام محمد دین اور سعیدہ خانم بنام محمد سمیع کے دو مقدمات کافی مشہور ہیں۔ پہلے مقدمے میں جسٹس عبدالرحمن اور جسٹس ہارنس نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا تھا۔ کہ عورت شوہر کی مرضی کے بغیر خلع نہیں کر سکتی۔ (عمر بی بی بنام محمد دین اے۔ آئی۔ آر ۱۹۴۵ لاہور)

اسی طرح سعیدہ خانم بنام محمد سمیع کے مقدمے میں جسٹس اے۔ آر کا رنیلز، جسٹس محمد جان اور جسٹس خورشید زمان صاحبان نے بھی یہی فیصلہ دیا تھا کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع نہیں ہو سکتا محض اختلاف مزاج ناپسندیدگی اور نفرت کی بناء پر عدالت نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی۔ (سعیدہ خانم بنام محمد سمیع۔ پی ایل ڈی ۱۹۵۲ء لاہور ۱۱۳) (لیکن ۱۹۵۹ء میں پھر ۱۹۶۱ء میں سپریم کورٹ نے اس کے خلاف فیصلے دیئے) اب غور کر لیا جائے۔ کہ قرآن و سنت کی تصریحات کی روشنی میں تیرہ سو سال کے فقہاء مجتہدین اور ائمہ اربعہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور ابن حزم ظاہری رحمہم اللہ اور انکے تبعین نے عورت کو یہ حق نہیں دیا بلکہ اس حق کی نفی کی ہے اور چودھویں صدی میں اگر کوئی شخص عورت کو یہ حق تفویض کرتا ہے تو یہ اسکی

[illegible]

(ابن الہمام فتح القدير ۱۹۹ ج ۳)

اور خلع عورت کر سکتی ہے جبکہ خاوند راضی ہو۔

دلیل اول فرمان خداوندی ہے

ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة والله
عزیز حکیم

ترجمہ :- اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو مثل انہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ کے موافق اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکیم ہیں

(ترجمہ ماخوذ از حضرت تھانوی)

واللرجال علیہن درجۃ اس مسئلہ میں حضرات مفسرین کے چند اقوال درج ہیں

۱۔ حضرت ابو مالک فرماتے ہیں

وللرجال عليهن درجة قال يطلقها وليس لها من الا مرشئ
فرمان الہی وللرجال علیہن درجۃ کا مطلب یہ ہے کہ مرد عورت کو طلاق
دے سکتا ہے لیکن عورت کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں

(الدر المنثور للسيوطي ٢٤٤ ج ١)

۲۔ امام فخر الدین رازی (شافعی) اس آیت وللرجال علیہن درجة کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں

ان الزوج قادر علی تطليقها واذ اطلقها فهو قادر علی مراجعتها شئت المرأة ام لم تشاء ، اما المرأة فلا تقدر علی تطليق الزوج وبعد الطلاق لا تقدر علی مراجعة الزوج ولا تقدر ایضا علی ان تمنع الزوج من المراجعة (تفسیر کبیر ۷/۲۴ ج ۲) ترجمہ

بیشک خاوند عورت کو طلاق دینے پر قادر ہے اور جب عورت کو طلاق دیدے تو رجوع بھی کر سکتا ہے عورت چاہے یا نہ چاہے مگر عورت نہ خاوند کو طلاق دینے پر قادر ہے اور طلاق کے بعد شوہر سے رجوع کرنے پر بھی قادر نہیں ہے اور نہ خاوند کو رجوع کرنے سے روک سکتی ہے ۳۔ امام قرطبی (مالکی)

اپنی تفسیر میں اس جملے کی تشریح میں علامہ ماوردی کا قول نقل کرتے ہیں له رفع العقد دونها کہ نکاح ختم کرنے کا اختیار صرف مرد کو ہے نہ کہ عورت کو (القرطبی الجامع لا حکام القرآن ۱۲۵ ج ۳ دار لکتاب مصریہ ۱۹۳۶)

آیت خلع

فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت به تلك حدود اللہ فلا تعتدوها ومن يتعد حدود اللہ فاولئك هم الظالمون البقرة

ترجمہ : سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی قائم نہ کر

سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہو گا اس چیز میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑالے یہ خدائی ضابطے ہیں سو تم ان سے باہر مت نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں سے باہر نکل جاوے ایسے ہی لوگ اپنا نقصان کرنے والے ہیں (ترجمہ: ماخوذ از حضرت تھانوی) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ خلع کا معاملہ زو جین اپنی رضامندی سے ہی کریں گے کیونکہ اس آیت میں آگے فیما افتدت بہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اس میں بدل خلع کو فدیہ اور عورت کی ادائیگی کو افتداء کہا گیا ہے اور بقول علامہ ابن قیم یہ خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ خلع ایک عقد معاوضہ ہے جس میں فریقین کی باہمی رضامندی ضروری ہے اس لیے کہ فدیہ عربی زبان میں اس مال کو کہا جاتا ہے جو جنگی قیدیوں کو چھڑانے کے لیے پیش کیا جاتا ہے اس مال کو پیش کرنا افتداء اور قبول کرنا فداء کہلاتا ہے دیکھیے امام راغب اصفہانی المفردات فی غریب القرآن اصح المطابع کراچی وابن الاثیر الجزری النہایۃ فی غریب الحدیث والاثار ۱۲۰۴ لمطبعة الخیرۃ ابو الفتح مطرزی المغرب ۸۸ ج ۲۰ دکن (۱۳۲۸ھ) اور علامہ ابو الفتح مطرزی تحریر فرماتے ہیں وخالعت المرأة زوجها اختلعت منه اذا افتدت منه بما لها فاذا اجابها الى ذلك فطلقها قيل خلعتها (المطرزی المغرب فی ترتیب المغرب ص ۱۶۵ دکن) ۱۳۲۸ھ (ترجمہ) خالعت المرأة اور اختلعت المرأة کے الفاظ اس وقت استعمال کیے جاتے ہیں جب عورت اپنی آزادی کے لیے کوئی فدیہ پیش کرے پس اگر شوہر اس کی پیشکش کو قبول کرے اور طلاق دے دے تو کہا جاتا ہے کہ خلعتها یعنی مرد نے عورت کو خلع کر دیا۔ اور حضرت ابن قیم تحریر فرماتے ہیں۔ وفی تسميته ^{صلی اللہ علیہ وسلم} الخلع فدية دلیل علی ان فیہ معنی

المعاوضة ولهذا اعتبر فيه رضا الزوجين ابن القيم (زاد المعاد

۲۳۸ ج ۲ - المطبعة الميمنية مصر)

اور حضور علیہ السلام نے جو خلع کا نام فدیہ رکھا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں معاوضے کے معنی پائے جاتے ہیں اور اسی لیے اس میں زوجین کی رضا مندی کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے

۳۔ لفظ فدیہ کے علاوہ آیت شریفہ میں فلا جناح علیہما بھی موجود ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلع یکطرفہ فعل نہیں بلکہ اس میں خاوند کی رضا مندی بھی ضروری ہے کیونکہ ان الفاظ میں میاں بیوی دونوں سے گناہ کی نفی کی گئی اور گناہ کا احتمال کسی فعل اختیاری پر ہوتا ہے اگر بیوی خلع کر لینے میں مستقل ہوتی اور عورت کے خاوند کی طرف مہر پھینک دینے سے ہی خلع ہو جایا کرتا تو فلا جناح علیہا کہ عورت پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ فلا جناح علیہما فرمانے کا کوئی محل نہ تھا کیونکہ اس میں خاوند کا کوئی فعل اختیاری نہیں پایا گیا پس گناہ کی نفی بے محل قرار پاتی جیسے اگر کوئی مرد عورت کو طلاق دیتا ہے تو مرد کے متعلق گناہگار ہونے کی گفتگو ہو سکتی ہے۔ کیونکہ طلاق اس کا فعل اختیاری ہے عورت کے بارے میں طلاق ملنے سے گناہگار ہونیکا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ طلاق واقع ہونے میں اس کا کوئی دخل نہیں

۴۔ حدیث شریف اور حدیث شریف (جو پیچھے گزر چکی ہے) جس میں حضرت جمیلہؓ کا واقعہ ہے اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ خلع زوجین کی رضا مندی سے ہی ہوگا

حضرات فقہاء کی عبارتیں

۵۔ حنفی مسلک شمس الآئمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں

والخلع جائز عند السلطان وغيره لا نه عقد يعتمد التراضی
السرخی المبسوط ۱۷۳ ج ۶ مطبعة السعادة مصر
ترجمہ اور خلع حاکم کے پاس بھی جائز ہے اور اس کے علاوہ بھی کیونکہ یہ ایسا
عقد ہے جس کی بنیاد باہمی رضامندی پر ہے۔

۶۔ شافعی مسلک حضرت امام شافعی تحریر فرماتے ہیں

لان الخلع طلاق فلا يكون لاحد ان يطلق عن احد اب
ولا سيد ولا ولي ولا سلطان كتاب الام ۲۰۰ ج ۵ مكتبة
الکليات الازهرية

اس لیے خلع طلاق کے حکم میں ہے لہذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ
کسی دوسرے کی طرف سے طلاق دے نہ باپ کو یہ حق ہے نہ آقا کو نہ سرپرست
کو اور نہ حاکم کو۔

۷۔ مالکی مسلک علامہ ابن رشد مالکی تحریر فرماتے ہیں

واما ماير جمع الى الحال التي يجوز فيها الخلع من التي
لايجوز فان الجمهور على ان الخلع جائز مع التراضی اذا لم يكن
سبب رضا هما بما تعطيه اضراره بها بداية المجتهد ۶۸ ج ۲

المصطفى البانی

(۱) یہ بات کہ خلع کو کسی فحالت میں جائز ہوتا ہے اور کوئی حالت میں ناجائز
تو جمهور فقہاء کا اتفاق ہے کہ خلع باہمی رضامندی کے ساتھ جائز ہے
بشرطیکہ عورت کے مال کی ادائیگی پر راضی ہونے کا سبب مرد کی طرف سے
اسے تنگ کرنا نہ ہو

۸۔ حنبلی مسلک ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں

ولا نه معاوضة فلم يفتقر الى السلطان كالبيع والنكاح ولا نه

قطع عقد بالتراضی اشبه الاقالة ابن قدامہ المغنی ص ۵۲ ج ۷۔
 اور اس لیے کہ یہ عقد معاوضہ ہے لہذا اس کے لئے حاکم
 کی ضرورت نہیں جیسا کہ بیع اور نکاح نیز اس لئے کہ خلع باہمی رضامندی
 سے عقد کو ختم کرنے کا نام ہے لہذا یہ اقلہ فسخ بیع کے مشابہ ہے۔ اور علامہ
 ابن قیم جوزیہ تحریر فرماتے ہیں

وفی تسميته صلی اللہ علیہ وسلم الخلع فدية دليل على ان فيه معنى

المعاوضة ولهذا اعتبر فيه رضا الزوجين ابن قيم زاد المعاد

ص ۲۳۸ ج ۲

۹۔ ظاہری مسلک علامہ ابن حزم ظاہری تحریر فرماتے ہیں

الخلع وهو الافتداء اذا كرّهت المرأة زوجها فخافت ان لا توفيّه
 حقّه او خافت ان يبغضها فلا يوفّيها حقّها فلها ان تفتدي منه
 ويطلقها ان رضی هو والا لم يجبر هو ولا اجبرت هي انما يجوز
 بتراضيهما ولا يحل الا فتداء لا باحد الوجهين المذكورين او
 اجتماعهما فان وقع بغيرهما فهو باطل ويرد عليها ما اخذ منها
 وهي امرأتها كما كانت ويبطل طلاقه ويمنع من ظلمها فقط ابن
 حزم المحلي ۲۳۵ ادارة الطباعة المنيرية

خلع فدیہ دیکر جان چھڑانے کا نام ہے جب عورت اپنے شوہر کو
 ناپسند کرے اور اسے ڈر ہو کہ وہ شوہر کا حق پورا ادا نہیں کر سکے گی یا اسے
 خوف ہو کہ شوہر اس سے نفرت کرے گا اور اس کے پورے حقوق ادا
 نہیں کرے گا تو اسے یہ اختیار ہے کہ شوہر کو کچھ فدیہ دے دے اور
 اگر شوہر راضی ہو تو وہ اسے طلاق دے دے، اور اگر شوہر
 راضی نہ ہو تو نہ شوہر کو مجبور کیا جاسکتا ہے نہ عورت کو خلع تو صرف باہمی

رضامندی سے جائز ہوتا ہے اور جب تک مذکورہ دو صورتوں میں سے کوئی ایک یا دونوں نہ پائی جائیں خلع حلال نہیں ہوتا لہذا اگر ان کے سوا کسی طرح خلع کر لیا گیا تو وہ باطل ہے اور شوہر نے جو کچھ مال لیا ہے وہ لوٹائے گا اور عورت بدستور اسکی بیوی رہیگی اور اس کی طلاق باطل ہوگی اور شوہر کو صرف عورت پر ظلم کرنے سے منع کیا جائے گا۔

تفسیری اور فقہی ان تصریحات سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عورت خلع نہیں کر سکتی اور نہ ہی عدالت ایسے خلع کی مجاز ہے بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ

خلع کی دو قسمیں ہیں

(۱)۔ باہمی رضامندی سے خلع کرنا

(۲)۔ عدالت سے خلع حاصل کرنا اس دوسری قسم کیلئے شوہر کی رضامندی ضروری نہیں اس کا جواب ہے کہ خلع کی یہ دو قسمیں بیان کرنا اور پھر انکے احکام الگ الگ تجویز کرنا یہ سب خانہ زاد ہیں قرآن وحدیث اور ذخیرہ تفسیر وفقہ میں انکا کوئی نام نشان نہیں اگر مسائل شرعیہ کی اختراع اپنے ذہن سے ہی کرنی ہے تو دوسرا کوئی شخص دانشور کچھ اور بھی گھڑ سکتا ہے اور ہر معاملے کی دو قسمیں بنا سکتا ہے بہر حال بغیر دلیل شرعی کے ایسی کوئی تقسیم قابل قبول نہیں

اسلام عدل وانصاف کا مذہب ہے خانگی زندگی میں عورت کی حق تلفی کی اجازت دیتا ہے نہ اسے شتر بے مہار بنا کر خانگی زندگی کے امن وسکون کو برباد کرتا ہے کہ روز روز طلاقوں کی بھرمار ہو جائے اور خانگی زندگی بازپچہ طفلان بن جائے نکاح کا معاملہ مرد عورت کی رضامندی سے طے پاتا ہے اور شریعت نے نکاح سے قبل ایک دوسرے کو دیکھنے کی بھی اجازت دی ہے

نکاح ہو جانے کے بعد اگر عورت کو کوئی حقیقی مضرت پہنچ رہی ہو مثلاً نکاح کے بعد خاوند مفقود الخیر ہو گیا ہے کہ اسکی موت و حیات کا کوئی علم نہیں یا خاوند عنین اور نامرد ہے یا بیوی کے نان نفقہ کا انتظام نہیں کرتا یا متعنت ہے کہ بیوی کو ادائیگی حقوق کے ساتھ آباد کرتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے یا خطرناک پاگل ہے تو ایسی صورتوں میں اسلام عدالت کو عورتوں کی داد رسی کا حق دیتا ہے کہ شرعی ہدایات کی روشنی میں عدالتیں ایسے نکاح کو فسخ کر کے عورت کو آزاد کر سکتی ہیں، لیکن خلع کی صورت اس سے قطعاً مختلف ہے عورت مندرجہ بالا تکالیف میں سے کسی تکلیف اور مضرت کی شکایت نہیں کرتی سب کچھ ٹھیک ٹھاک سے لیکن عورت کا دعویٰ یہ ہے کہ میں اپنے اس شوہر کو پسند نہیں کرتی۔ جسے چند روز یا چند ماہ قبل پسند کر کے نکاح کیا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ کوئی حقیقی مضرت نہیں ہے کہ وہ بھوکے مرتی ہے یا اس کی جنسی خواہش پوری نہیں ہو سکتی بس ایک من مرضی ہے اس لیے شریعت نے عدالت کو اسمیں یک طرفہ طور پر مداخلت کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ تعلیم دی ہے کہ بچھے باہمی رضامندی سے عقد نکاح کیا گیا تھا ایسے ہی باہمی رضامندی سے اسے فسخ بھی کر لیا جائے تاکہ کسی فریق کی حتی الوسع حق تلفی یا دل شکنی نہ ہو کیسی معتدل تعلیم ہے۔

سبحن ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين

والحمد لله رب العالمين. فقط واللہ اعلم

نوٹ

اس مضمون میں عربی عبارات اور عدالتی فیصلوں کے اقتباسات ہم نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے رسالہ حق خلع سے لئے ہیں فقط بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۶/۲/۱۴۲۰ھ

بَابُ الْعِدَّتِ

معتدہ کو دیور سے عصمت کا خطرہ ہو تو مکان چھوڑ سکتی ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ کسی عورت کو طلاق مل جائے یا اس کا شوہر مرجائے تو (دونوں صورتوں میں) اگر شوہر کے گھر میں بیوہ کے ساتھ رہنے والا کوئی محرم نہ ہو تو دیور وغیرہ جس سے نکاح جائز ہے اپنی عزت و عصمت کے خطرہ سے اس کے ساتھ نہ رہے اور اکیلی بھی نہ رہے بلکہ اپنے ماں باپ کے گھر جا کر عدت گزارے کیا یہ جائز ہے؟

الجواب :

ایسی صورت میں عورت کا نکلنا درست ہے۔ والافضل ان يحال بينهما في البينونة بستر الا ان يكون فاسقاً في حال بامرأة ثقة وان تعذر فلتخرج هي وخروجہ اولیٰ اھ (شامیہ ص ۶۷۵ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس

مفتی خیر المدارس ملتان

۱۳۹۹/۷/۲ھ

حیض میں طلاق دے تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا :

کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دیدے تو وہ حیض عدت میں شمار ہوگا یا نہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (۲) دیگر یہ ہے کہ اگر خاوند نے طلاق بائنہ دیدی تو وہ اس خاوند پر حرام ہو گئی ہے۔ اب اگر دوبارہ اس خاوند کے پاس رہنا چاہے تو کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرنا پڑے گا۔ اور

یہ دوسرا خاوند اس عورت کو حق مہر مقرر کر کے دے گا یا نہیں۔ اگر حق مہر دینا پڑتا ہے تو کتنا؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور یہ بھی کہ کم سے کم شرعی حق مہر کتنا ہے؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں خاوند اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دیدے تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوگا۔ ولا اعتداد بحیض طلقت فیہ ای اذا طلقہا فی الحیض لا یحسب من العدة (شامی ص ۶۶۸ ج ۲)

(۲) طلاق بائنہ اگر تین سے کم ہیں اور عورت پہلے خاوند کے پاس رہنا چاہے تو دوسرے خاوند سے نکاح کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ تجدید نکاح کر کے پہلے خاوند کے پاس آباد ہو سکتی ہے۔ البتہ اگر تین طلاقیں ہوں تو پہلے خاوند کے پاس آباد ہونے سے پہلے حلالہ کرنا ضروری ہے اور مہر ہر نکاح کے لئے ضروری ہے۔ واللہ اعلم
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

عدت واجب ہونے سے پہلے مستقل رہائش والد کے گھر تھی تو

عدت بھی وہیں گزارے :

بخدمت محترم المقام مفتی صاحب مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ
ہمارے چچا فوت ہو گئے ہیں۔ جب وہ فوت ہوئے تو ان کی بیوی اپنے والد
مرحوم کے گھر میں تھی اور کئی سال سے وہاں رہائش پذیر تھی۔ جو نہی انہیں اپنے خاوند
کی وفات کی اطلاع ملی تو وہ اپنے خاوند کے گھر آ گئی ہے۔ اب مسئلہ ہے عدت کا۔ وہ
اپنے والد کے گھر واپس جانا چاہتی ہے۔ کیونکہ ان کا والد فوت ہو چکا ہے۔ اور گھر میں
صرف ضعیف والدہ موجود ہے اور کوئی اس کی دیکھ بھال کرنے والا نہیں۔ وہ کہتی ہیں
کہ میں دو چار دن وہاں جا کر گزار آؤں۔ یہی عذر درپیش ہے۔ کیا والد کے گھر جانے کی
گنجائش ہے۔ بعض کہتے ہیں صبح وہاں جائے۔ اور رات کو اپنے خاوند کے گھر واپس
آجائے۔ مفصل جواب سے نوازیں۔ وہاں جا کر اپنی عدت پوری کر سکتی ہے۔

المستفتی : صاحبزادہ محمد حاکم خان عفی عنہ (خانقاہ سراجیہ)

الجواب :

حامداً ومصلیاً۔ صورت مسئلہ میں بیوی کے ذمہ عدت اسی مکان میں گزارنی ضروری ہے جس میں وہ کئی سال سے رہائش پذیر تھی، یعنی والد کے گھر میں۔ اب بھی وہ وہیں منتقل ہو جائے۔ اور تا عدت وہیں قیام کرے۔ وتعتدان ای معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیہ اھ (در مختار) (قوله وجبت فیہ) ہو ما یضاف الیہما بالسکنی قبل الفرقة ولو غیر بیت الزوج اھ (شامی ص ۶۲۱، ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۱۸/۴/۸ھ

نامرد سے خلوت صحیحہ ہو جائے تو عورت پر عدت واجب ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ تھی تقریباً پانچ چھ سال سے، اور اس کا نکاح ایک شخص نامرد کے ساتھ کیا گیا۔ اس شخص نے ایک ماہ تک اس عورت کو اپنے پاس گھر میں رکھا اور رات کو ایک ہی چارپائی پر دونوں عورت مرد سوتے رہے، یعنی خلوت تو ہوتی رہی لیکن صورت مباشرت یعنی جماع اس شخص نے بالکل نہیں کیا، کیونکہ طاقت جماع اس میں نہیں تھی اور وہ شخص نامرد اپنا علاج بھی کرتا رہا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تو پھر ایک ماہ بعد بوجہ اپنی کمزوری کے اور عورت کی ناسازی پر اس نے اپنی عورت کو روبرو دو گواہان اور دیگر چند آدمیوں کے سامنے تین طلاق دے دی ہے۔ تو کیا اب اس شوہر نامرد پر پورا مہر واجب ہو گا یا نہیں، اور اس مطلقہ عورت پر عدت واجب ہوگی یا نہیں۔ نیز ایک مولوی صاحب نے اس طلاق کے ایک ماہ بعد اس مطلقہ عورت کا نکاح بھی دوسرے شخص سے کر دیا ہے اور اس کی عدت نہ ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے دیا ہے۔ من قبل ان تمسوهن کو مد نظر رکھتے ہوئے دوسرا نکاح کر دیا تو پھر ایک دوسرے مولوی صاحب نے اس نکاح خواں مولوی کو بتایا کہ تم نے یہ نکاح غلط کیا ہے کہ اس عورت پر

تو عدت واجب تھی اور عدت کے بعد نکاح پڑھنا تھا۔ لہذا یہ نکاح نہیں ہوا۔ تم نے یہ غلطی کی ہے۔ تو یہ مسئلہ سمجھانے کے بعد اس مولوی نکاح خواں نے غلطی کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہے۔ تو پھر ایک تیسرے مولوی صاحب نے بتایا ہے کہ یہ نکاح بالکل نہیں ہوا۔ کیونکہ عدت گزرنے سے پہلے نکاح کرنا نکاح پر نکاح ہوتا ہے۔ اور نکاح پر نکاح کرنے سے نکاح خواں کا بھی نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور جتنے لوگ اس نکاح میں بیٹھے ہیں ان سب کا نکاح ٹوٹ گیا ہے اور یہ سب لوگ پھر نکاح خواں سے اپنا نکاح دوبارہ پڑھوائیں۔ تو کیا اس طرح ہونے سے واقعی نکاح خواں اور دیگر ان سب لوگوں کا نکاح ٹوٹ گیا ہے یا نہیں؟ اور سب لوگ بھی نکاح خواں سے ضروری اپنا نکاح دوبارہ پڑھوائیں یا نہیں؟

المستفتی : محمد اسماعیل، ضلع لکی مروت سرحد

الجواب :

فی العالمگیریۃ (ص ۵۲۴ ج ۱) ان اختارت الفرقة امر القاضی ان يطلقها طلقه بائنة فان ابی فرق بينهما هكذا ذکر محمد فی الاصل کذا فی التبیین۔ والفرقة تطليقة بائنة کذا فی الکافی۔ ولها المهر كاملا و علیها العدة بالاجماع ان كان الزوج قد خلا بها۔ اس عبارت سے صراحت معلوم ہوا کہ نامرد کی مطلقہ (جبکہ وہ اس کے ساتھ خلوت کر چکا ہو) کامل مہر کی مستحقہ ہوتی ہے اور اس پر دینا واجب ہوتا ہے اور اس کی عورت پر عدت بھی لازم ہے۔ البتہ یہ بات کہ اس عورت کا نکاح ایک ماہ بعد کر دیا گیا ہے، تو اگر مولوی صاحب نے عدم علم کی وجہ سے دوسری جگہ نکاح کر دیا ہے (جیسے سوال میں ظاہر کیا گیا ہے) تو پھر اس پر کوئی گناہ نہیں۔ لیکن عدم تحقیق کی وجہ سے اسے توبہ کرنی چاہیے اور نکاح خواں کا اور دوسرے بیٹھنے والوں کا اس فعل سے نکاح نہیں

نوٹا۔ ہاں حق تعالیٰ سے تمام کو معافی مانگنی چاہیے۔ اور اس عورت مذکورہ کو اپنے اس دوسرے خاوند سے دوبارہ تجدید نکاح کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان

۹/۶/۷۷ھ

متوفیٰ عنہا زوجہا کی عدت مہینوں سے گزرے گی، خواہ اس دوران زنا سے حاملہ ہو جائے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا تو خاوند کے مرنے کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد زید کا اس عورت کے ساتھ ناجائز تعلق ہو گیا، جس کا علم زید کے ماں باپ اور عورت کے بھائی کو بھی ہوا اور اس کو حمل بھی زید سے ہو گیا۔ تو پھر زید کے ماں باپ اور عورت کے بھائی نے بعد گزرنے عدت وفات کے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ حالانکہ اس کو حمل بھی تھا اور ان لوگوں کو معلوم بھی تھا۔ اور غالب گمان یہی ہے کہ حمل زانی کا تھا، کیونکہ نکاح ہونے کے ایک ماہ بعد دائی سے ملاحظہ کرایا گیا تو دائی نے بتلایا کہ حمل تقریباً تین ماہ کا معلوم ہوتا ہے، اور زید خود بھی اقرار کرتا ہے کہ حمل زنا کا تھا۔ تو اب سوال یہ ہے کہ یہ حمل خاوند کا سمجھا جائے یا زانی کا اور یہ نکاح صحیح ہو جائے گا یا نہیں اور نکاح خواں اور شرکاء نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں اس عورت کی عدت بعد وفات خاوند کے مہینوں سے گزرے گی اور چار ماہ دس دن کے گزارنے کے بعد اس عورت نے جو نکاح کیا ہے وہ نکاح صحیح ہے۔ اگر عدت کے ایام میں اس شخص سے زنا کیا تھا تو زنا کی وجہ سے حاملہ

ہو جانے سے عدت مہینوں سے وضع حمل کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ کما فی بدائع الصنائع (ص ۲۰۱، ۳) وقد فصل محمد بینہما فانہ قال فیمن مات عن امرأتہ وهو صغیر او کبیر ثم حملت بعد موتہ فعدتہا الشہور فہذا نص علی ان عدۃ المتوفی عنہا زوجہا لا تنتقل بوجود الحمل من الاشہر الی وضع الحمل۔ یہ حکم متوفی عنہا زوجہا کا ہے اور اس کی عدت وضع حمل کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ پس صورت مسئلہ میں اس عورت کی عدت مہینوں سے گزرے گی اور اس کے بعد کا کیا ہوا نکاح صحیح ہو گا۔ اور اگر بچہ بعد از نکاح چھ ماہ گزرنے کے بعد پیدا ہوا تو ثانی ناکح کا ہو گا اور مجلس نکاح میں شامل ہونے والوں اور نکاح خواں کا نکاح صحیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافتاء خیر المدارس ملتان

مورخہ ۲۲ صفر ۱۴۷۲ھ

مسلمان لڑکی کا لاعلمی سے عیسائی کے ساتھ نکاح ہو جائے تو علیحدہ ہونے پر عدت واجب ہوگی یا نہیں؟

ایک مسلمان بیٹی کی شادی اگر کسی عیسائی (یا یہودی، سکھ، شیعہ کافر، قادیانی) سے ہو جائے۔ مابعد علم ہونے پر کہ ان سے تو نکاح صحیح نہیں۔ وہ فوراً والدین کے گھر آجائے۔ کیا کسی مسلمان شخص سے شادی کے لئے اس پر اب عدت واجب ہوگی یا نہیں ہوگی؟ چونکہ خود ہمارے خاندان پر قیامت گذری ہے کہ بیٹی کی شادی دھوکے سے ایک فاسق و فاجر شیعہ سے ہوئی۔ جس سے بالآخر بذریعہ عدالت نجات ملی۔ تو سوال سامنے آیا کہ جن بیٹیوں کی شادیاں بے علمی یا دھوکے سے عیسائیوں، سکھوں،

ہندوؤں، قادیانیوں وغیرہ سے ہوئی ہیں، وہاں علیحدگی پر آیا عدت لازم ہوگی یا نہیں؟ میرے ایک بھائی کے بقول عدت تو نکاح کے ساتھ ہے۔ جہاں نکاح ہی نہ ہو وہاں عدت کیسی۔ لیکن بہر حال مجھے آپ سے جواب درکار ہے، شکریہ۔

الجواب :

عدت پہلے خاوند یا شریعت کا حق ہونے کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔ خاوند اگر یہودی، نصرانی اور سکھ جیسا کافر ہو جن کے ہاں عدت نہیں ہوتی تو ایسے کافر سے تفریق کے بعد عدت نہیں ہوگی۔ وظاہر کلام الہدایۃ انہ لا عدۃ من الکافر عند الامام اصلاً وفيہ اختلاف المشائخ فذهب طائفة الیہ واخری الی وجوبہا عندہ لکنہا ضعیفۃ لا تمنع من صحۃ النکاح لضعفہا کالاستبراء (محرص ۲۲۲ ج ۳) قال فی الہدایۃ ولا بی حنیفۃ ان الحرمة لا یمکن اثباتہا حقاً للشرع لانہم لا یخاطبون بحقوقہ ولا وجہ الی ایجاب العدۃ حقاً للزوج لانہ لا یعتقدہ بخلاف ما اذا كانت تحت مسلم لانہ یعتقدہ اھ۔ وظاہرہ انہ لا عدۃ من الکافر عند الامام اصلاً والیہ ذهب بعض المشائخ فلا تثبت الرجعة للزوج بمجرد طلاقہا، ولا یثبت نسب الولد اذا اتت بہ لاقل من ستۃ اشھر بعد الطلاق وقیل تجب لکنہا ضعیفۃ لا تمنع من صحۃ النکاح فیثبت للزوج الرجعة والنسب، الاصح الاول (رد المحتار ص ۴۱۹ ج ۲ باب نکاح الکافر) البتہ استبراء ہے، یعنی عورت ایک حیض گزارے پھر نکاح کیا جاوے۔ وان کان لا اعتبار بماء الزنا الا انہا یحتمل انہا علقۃ منہ فاذا جامعہا الزوج واتت بولد لستۃ اشھر ینسب الیہ مع انہ فی الحقیقۃ علی هذا الاحتمال من الزنا فیندب الاستبراء لدفع هذا الاحتمال اذ توهم الشغل بماء الزانی متحقق بل لو قال قائل بالوجوب لا یبعد (تقریرات

الرافعی ص ۱۸۴/ ج ۱ کتاب النکاح) شیعہ سے تفریق کے بعد عدت گزارنا احوط ہے، کیونکہ ان کے ہاں عدت ہوتی ہے (فروع کافی ص ۲۹۸ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ

وطی کے بعد خاوند مرتد ہو جائے تو عورت پر عدت لازم ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میاں بیوی دونوں مسلمان تھے۔ خاوند مرتد ہو گیا اور بیوی مسلمان تھی۔ بیوی نے خاوند کے مرتد ہونے کے پندرہ دن بعد دوسری جگہ نکاح کر لیا۔ کیا اس کا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس پر عدت لازم تھی یا نہیں؟

الجواب :

باسمہ تعالیٰ۔ عورت مذکورہ پر عدت گزارنا واجب ہے۔ عدت کے اندر اندر دوسری جگہ عقد نکاح صحیح نہیں ہے۔ لہذا زوجین پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ کما فی الحیلة الناجزة ص ۱۱۲ عبارت (الحیلة الناجزة) کی یہ ہے۔ اور اگر خلوت صحیحہ کے بعد ارتداد ہوا ہے تو پورا مہر لازم ہے۔ اور عورت پر عدت بھی واجب ہے۔ انتھی۔ لما فی الدر المختار وارتداد احدهما ای الزوجین (فسخ) فلا ینقص عددا (عاجل) بلا قضاء۔ وفی رد المحتار (قوله بلا قضاء) ای بلا توقف علی قضاء القاضی۔ (الحیلة ص ۱۰۶) فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

جامعہ خیر المدارس ملتان

۱۴۱۵/۱/۲۳ھ

ایک ماہ چھبیس دن میں عدت گذر سکتی ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی عورت کو ۷ اشوال کو طلاق دی تو اس لڑکی کے والد صاحب نے مطلقہ عورت کا نکاح دوسری جگہ ۱۳ ذی الحجہ کو کر دیا۔ یعنی اس کی عدت پوری نہیں ہوئی تھی۔ یعنی کہ کل ایام ایک ماہ ۲۶ دن ہوئے۔ کیا یہ نکاح شریعت کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟ اور لڑکی کی والدہ کا کہنا ہے کہ تین حیض آگئے ہیں۔ نیز اس کی والدہ اب بھی یہ کہتی ہے کہ لڑکی کو چار ماہ کی امید بھی ہے یعنی اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ جبکہ ۱۳ ذی الحجہ کو اس کا دوسری جگہ نکاح ہوا ہے۔ سابقہ طلاق کے مطابق اس کی عدت تین ماہ دس دن پورے نہیں ہوئے۔ کیا یہ بچہ پہلے خاوند کا ہے یا دوسرے خاوند کا ہے۔

الجواب :

صورت مسئلہ میں اگر عورت مدعیہ ہے کہ نکاح کے دن تک عدت گذر چکی تھی تو اس کا قول معتبر سمجھا جائے گا، لہذا نکاح ثانی صحیح ہے۔ قالت مضت عدتی والمدة تحتمله وکذبها الزوج قبل قولها مع حلفها والا لا اھ (شامی ج ۲، باب العدت ص ۶۱۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

محمد انور عفا اللہ عنہ

محمد صدیق غفرلہ مدرس مدرسہ ہذا

مفتی خیر المدارس ملتان

۱۳۹۸/۴/۲۳ھ

نابالغہ کا خاوند فوت ہو جائے تو اس پر بھی عدت وفات لازم ہے :

ایک بچے بچی کا نابالغی میں نکاح کر دیا گیا۔ اتفاق سے بچہ نابالغی میں فوت ہو گیا تو اس بچی پر عدت واجب ہوگی یا دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب :

متوفیٰ عنہا زوجہا پر عدت چار ماہ دس دن گزارنا واجب ہے۔ خواہ اس کا خاوند بالغ ہو یا نابالغ اور رخصتی ہوئی ہو یا نہ۔ اس کا عدت کے اندر اندر نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ عدة الحرة فی الوفاة اربعة اشهر وعشرة ايام سواء كانت مدخولاً بها ولا مسلمة او كتابية تحت مسلم صغيرة او كبيرة الخ۔ (عالمگیری ص ۵۲۹ ج ۲) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

۱۴/۲/۱۳۷۷ھ

جہاں دونوں دروازے کھلے ہوں وہاں خلوت صحیح نہیں :

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مندرجہ ذیل صورت میں خلوت صحیحہ ثابت ہو جائے گی۔ خلوت کے متعلق میرا یہ بیان ہے کہ میں ایک دن ظہر کے وقت اپنے سرال کے گھر گیا۔ میری منکوحہ بیٹھی تھی، بات چیت کرنے لگا۔ وہ نہ بولی، پھر پانی پینے کے لئے کھڑی ہو گئی۔ میں صرف چھاتی پر ہاتھ لگا کر واپس چلا گیا۔ برآمدہ کے دونوں دروازے کھلے تھے، آمد و رفت کی رکاوٹ نہ تھی۔ پھر بغیر شادی کئے طلاق دیدی۔ اب یہ عورت دوسری جگہ بغیر عدت کے نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ بغیر انتظار کرنے ایام عدت کے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور خاوند اور بیوی کے درمیان مندرجہ بالا طریق کے ساتھ خلوت کو شرعاً خلوت نہیں کہا جاسکتا۔ شامی میں ہے: أن لا إقامة الخلوة مقام الوطء شروطا اربعة الخلوة الحقيقية وعدم المانع الحسی او الطبعی او الشرعی فالاول للاحتراز عما اذا كان هناك

ثالث فليست بخلوۃ وعن مكان لا يصلح للخلوۃ كالمسجد
والطريق العام والحمام الخ (ص ۳۳۸ ج ۲ - بیروت) فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان

مفتی خیر المدارس ملتان

۱۰/۹/۱۳۸۰ھ

نکاح فاسد میں عدت کا آغاز متارکۃ یا تفریق قاضی کے بعد ہوگا:

ایک شخص نے بھانجی سے نکاح کیا۔ اس سے کسی رشتہ دار نے جھگڑا کیا۔ لڑکی کو واپس لے آئے بوجہ جھگڑے کے، نہ کہ تفریق اور فساد نکاح کی وجہ سے۔ اس مسئلہ کا علم ان کو بعد میں ہوا کہ یہ نکاح فاسد ہوا۔ کیا یہ جدائی تفریق الحاکم والقاضی کے قائم مقام ہے یا نہ؟ کیا گزشتہ عدت کافی ہے یا حاکم مسلم اور قاضی کے فیصلہ کے بعد عدت کا اعتبار ہے؟

الجواب :

تفریق قاضی یا متارکۃ قولی سے قبل عدت گزر جانے کا اعتبار نہیں۔ کما فی الدر المختار وغیرہ۔ ومبدأها من التفریق او المتارکۃ۔ اور جو تفریق سوال میں درج ہے یہ تفریق القاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ پس سابقہ عدت کا گذرنا نکاح ثانی کے لئے کافی نہیں۔ لازم ہے کہ خاوند سے متارکۃ قولی کرایا جائے، یعنی یہ کہلایا جائے کہ میں نے اس عورت کو اپنے سے الگ کر دیا۔ اگر خاوند ایسا نہ کرے تو عورت کو بھی اس طرح متارکۃ کا حق حاصل ہے کہ وہ الفاظ مذکورہ کہہ کر نکاح فاسد سے اپنے نفس کو الگ کر لے (کما حققہ صاحب البحر وتبعہ الخیر الرملی والمقدسوی و مال الیہ صاحب الشامیۃ) متارکۃ مذکورہ کے بعد عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ عبدالستار عفی عنہ

الجواب صحیح

عبداللہ غفرلہ

مفتی خیر المدارس ملتان

۸۱/۱۱/۲۷ھ

عدت گزرنے سے پہلے خاوند مر جائے تو عورت وارث ہوگی :

شمس الدین ولد حبیب قوم بھٹی نے اپنی بیوی مسما ت غلام جنت ولد غلام محمد کو مورخہ ۶۹/۸/۱۹ کو طلاق دی جو یونین کونسل میں بذریعہ رجسٹری دی گئی۔ بوقت طلاق شمس الدین ٹی بی کا مریض تھا جو عرصہ تین چار سال سے بیماری میں مبتلا تھا۔ بوقت تحریر طلاق گواہان کے انگوٹھے لگے ہوئے ہیں، لیکن عدت ۹۰ دن سے قبل فوت ہو گیا، لیکن بوقت تعمیل سمن یونین کونسل کی طرف سے طلاق دہندہ نے انکار کر دیا تھا۔ شمس الدین مورخہ ۶۹/۱۱/۱۴ کو فوت ہو گیا ہے۔ وہ صاحب جائیداد ہے۔ طلاق دینے سے قبل تقریباً چار ماہ شمس الدین صاحب فراش ہو گیا تھا۔

الجواب :

وان ابانها فی المرض ان ابانها بسؤالها لا ترث ایضا وان ابانها بغير سؤالها ثم مات وهي فی العدة ورثته عنملنا خانية (ص ۶۶۶) صورت مسئلہ میں اگر عدت طلاق گزرنے سے پہلے شمس الدین فوت ہو گیا تھا تو مطلقہ مذکورہ متوفی مذکور کے ترکہ سے حصہ پائے گی، جیسا کہ حوالہ بالا سے ظاہر ہے مطلقہ مذکورہ اگر حاملہ اور آئیسہ بھی نہیں تھی تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

۹۱/۵/۱۲ھ

معتدہ وفات مجبوری میں رات بھی باہر گزار سکتی ہے :

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ میں تپ دق کی مریض ہوں۔ خاوند نے علاج کرانا شروع کیا لیکن صحت یابی سے قبل ہی فوت ہو گیا۔ اب مجھے دوبارہ وہی تکلیف عود کرتی معلوم ہوتی ہے۔ اور میری عدت کے ایک مہینہ اور چند دن باقی ہیں۔ کیا میں عدت کے ایام میں علاج کے لئے گھر سے ایک دو دن کے لئے باہر جاسکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب :

صورت مسئلہ میں متوفی عننا زوجہا کے لئے تپ دق کے علاج کی خاطر بقدر ضرورت گھر سے باہر جانا جائز ہے۔ اگرچہ رات بھی باہر بسر کرنی پڑے۔ بشرطیکہ بغیر خروج علاج کرانا متعذر ہو۔ والدلیل علی ذلك هذه العبارات ففی الشامیة وتعتدان ای معتدة الطلاق والموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منه الا ان تخرج منه او ینهدم المنزل او تخاف انه دامه او تلف مالها او لا تجد کراء البیت ونحو ذلك من الضرورات۔ وفی البحر (ص ۱۶۷ ج ۳) وفی القنیة ولا وکیل لها فلها ذلك وفی قاضی خان (ص ۲۶۶ ج ۲) المعتدة اذا كانت فی منزل لیس معها احد وهی لا تخاف من اللصوص ولا من الجیران ولكنها تفرع من امر المبیة ان لم یکن الخوف شديداً لیس لها ان تنتقل من ذلك الموضع لان قليل الخوف یكون بمنزلة الوحشة وان كان الخوف شديداً كان لها ان تنتقل لانها لو لم تنتقل یخاف علیها من ذهاب العقل۔ فقط واللہ اعلم۔

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ

خادم الافاء خیر المدارس ملتان شہر

جسے ۲ سال بعد حیض آتا ہو تو اس کی عدت بھی حیض ہی سے ہوگی

زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں بعد میں زید کو پشیمانی ہوئی۔ اب وہ اس عورت کے ساتھ حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ عورت کو اڑھائی سال کے بعد حیض آتا ہے۔ اب اس کی عدت تین حیض ہوگی یا کہ تین ماہ اگر تین حیض کے ساتھ عدت پوری کی جائے۔ تو عدت بہت لمبی ہو جائے گی۔ اب کیا کریں۔

عورت مذکورہ کی عدت حیض کے ساتھ ہوگی یعنی اس کو تین حیض پورے کرنے ہوں گے۔ کیونکہ جس عورت کو حیض آتے ہوں اس کی عدت تین حیض

الجواب

ہی ہوتے ہیں۔ الشابة الممتدة بالطهر بان حاصت ثم امتد طهرها فتعد بالحیض

الی ان تبلغ سن الا یاس در مختار علی الشامیہ ص ۶۵۳ - فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

بندہ اصغر علی عفی عنہ

طلاق بائنہ کی عدت میں میاں بیوی میں پردہ ضروری ہے

میرے لڑکے نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی جو کہ میری بھانجی بھی ہے ہمارے مکان کے دو کمرے ہیں۔ میں نے فوراً لڑکے کو دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا ہے کیا میری وہ بھانجی اس مکان کے دوسرے کمرے میں جس میں ہماری رہائش ہے عدت گزار سکتی ہے؟

عدت گزرنے تک مذکورہ مطلقہ اسی مکان میں رہے البتہ میاں بیوی میں پردہ ضروری ہے۔

الجواب

وتعدان ای معتدة طلاق وهو فی بیت وجبت فیہ قال فی الجوہرۃ وهذا اذا كان الطلاق رجعیاً فلو باناً

فلابد من سترة (شامی ص ۸۵۲)۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۱ / ۱۰ / ۹۷ھ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

حج کے موقع پر خاوند فوت ہو جائے تو عدت کہاں گزارے

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی حج کے دوران وفات پا جائے تو اس کی بیوی جو اس کے ساتھ حج پر گئی ہوئی تھی عدت کہاں گزارے گی۔ بینوا و توجروا۔

صورت مسئلہ میں عورت مذکورہ کے لئے وہاں عدت گزارنا ضروری ہے لیکن

الجواب

اگر حکومتی قوانین کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا ممکن نہ ہو۔ تو وطن آکر عدت گزار

سکتی ہے قال شارح التتویر ابانھا اومات عنھا فی سفر و لیس بدینھا و بین مصرھا مدة

سفر راجعت (الی قولہ) او کانت فی مصر او قریة تصلح للاقامة تعتد ثمة ان

لم تجد محرما اتفاقا و کذا ان وجدت عند الامام ثم تخرج بحرم ان کان در مختار علی الشامیہ ج ۲

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ

خاوند کے طلاق سے انکار کے باوجود عدت وقت طلاق سے شمار ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء دین۔ کہ خالد نے اپنی بیوی کو مورخہ دس شعبان ۱۴۱۷ھ کو طلاق دی۔ اور اس کا علم اس وقت کسی کو نہیں ہوا۔ چند دن بعد بیوی نے اپنے سسر کو بتایا۔ جب اس نے بیٹے سے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔ کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ چنانچہ اس پر باپ نے بیٹے کو گھر سے نکال دیا۔ تقریباً ایک ماہ بعد خالد نے والد سے معافی مانگی۔ اور طلاق کا اقرار بھی کیا دریاقت طلب مسئلہ یہ ہے کہ عورت کی عدت دس شعبان ۱۴۱۷ھ سے شمار کی جائیگی یا خالد کے اقرار کے بعد سے شمار کی جائیگی۔ بینوا و توجروا۔ سائل زاہد محمود کوٹ ادو۔

الجواب

صورت مسئلہ میں بہ تقدیر صحت واقعہ عورت کی عدت طلاق کے بعد سے ہی شمار کی جائے گی۔ ایک ماہ تک خاوند کے انکار طلاق سے عدۃ کے شروع ہونے

میں کچھ فرق نہیں آتا۔ ومبدأ الحدة بعد الطلاق وبعد الموت علی الفوس۔ سواع

اعترف بالطلاق ادا انکر قلو طلق امرأته ثم انکره واقیمت علیہ بینة وقضی

القاضی بالفرقة کان ادعته علیہ فی شوال وقضی به فی المحرم فالعدة من

وقت الطلاق لا من وقت القضاء (در مختار علی الشامیہ ص ۶۶۲) فقط واللہ اعلم
بندہ عبدالستار عفی عنہ رئیس دارالافتاء و خیر المدارس ملتان

دوران عدت تعلیم کے لئے باہر جانا

میرے شوہر نے مجھے ۲۱/۹/۹۴ء کو طلاق دے دی۔ میں گرنہ کالج ساہیوال میں
ملازمہ ہوں۔ تو کیا میں دوران عدت شہر میں یا کالج میں جاسکتی ہوں۔

عدت کے دوران آپ گھر سے باہر نہیں جاسکتیں۔ نہ تعلیم کے لئے اور
نہ کسی اور مقصد کے لئے۔ فی الدر المختار ولا تخرج معتدة رجعی و

الجواب

بائن لحرۃ مكلفة من بیتها اصلاً لایلاً ولا نهاراً اھ (شامیہ ص ۶۴۳ ج ۲)

۲) ان كانت معتدة من نكاح صحيح وهي حرة مطلقة بالغة عاقله مسلمة
والحالة حالة الاختيار فانها لا تخرج ليلاً ولا نهاراً سواء كان الطلاق ثلاثاً
او بئناً اور جعياً كذا فی البدائع (عالمگیری ص ۵۳۳ ج ۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

ایک عرصہ سے بیوی کو چھوڑا ہوا ہو تو بھی طلاق کے بعد عدت واجب ہوگی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام دریں مسئلہ۔

کہ ایک شخص دو سال تک اپنی بیوی کے قریب نہیں گیا۔ اور پھر اس کو تین طلاق دے دی
تو اب اس عورت مطلقہ کے بارہ میں کیا حکم ہے کہ وہ فوری طور پر دوسرا نکاح کر سکتی ہے
یا عدت گزارنا لازمی ہے۔

بینوا و تو جدوا

ب؟ ایک دفعہ خلوت صحیح ہو جائے تو عدت واجب ہو جاتی ہے خواہ
طلاق سے پہلے کتنا ہی عرصہ بیوی کے پاس نہ گیا ہو۔

الجواب

و سبب وجوبها عقد النکاح المتأكد بالتسليم و ما جرى مجراہ۔ اھ (در مختار علی الشامیہ ص ۶۵)

الجواب صحیح

فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

محمد انور
۱۸/۲/۱۴۱۰ھ

مقدمہ موت کو سسرال کے ہاں عصمت کا خطرہ ہو تو منتقل ہو سکتی ہے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں -
کہ ہماری بھانجی ہے۔ اس کا خاوند انتقال کر گیا ہے۔ اس کے گھر والے یعنی ساس اور تند
اس کے ہمراہ گھر کے اوپر والے پورشن میں رہتے ہیں۔ اور اکثر ان سے ناچاقی بگڑھتی ہے
وہاں پر ان کی تند کے پاس غیر محرم لوگ آتے جلتے رہتے ہیں اور وہ لوگ شراب نوشی بھی کرتے
ہیں۔ جس کی شاہد بیوہ ہے۔ اس صورت حال میں بیوہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ کہ وہ
اس گھر میں رہے۔ دوسری بات یہ ہے۔ کہ بیوہ کے ہاں ڈوبچے آپریشن سے ہوئے ہیں۔ اور ابھی
بھی وہ تین ماہ کی حاملہ ہے وقتاً فوقتاً ان کو ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لئے بھی جانا پڑے گا اس
صورت حال میں ہم یعنی بیوہ کے ماموں ہم اسے اپنے گھر لاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیوہ کے خرچہ
کے لئے بھی اس گھر میں انتظام نہیں ہے۔ متوفی کے بھائی بھی کہتے ہیں کہ آپ لوگ اسے گھر لے
جاسکتے ہیں۔ محمد اسلم خاں عمر فاروق سٹریٹ نیو سنری منڈی روڈ ملتان۔

و فی العالمگیریۃ ص ۳۵۱ المعدادۃ اذا كانت فی منزل لیس معھا احد وہی
لا تخاف من اللصوص ولا من الجیران ولکنھا تفرع من امر
المبیت ان لم یکن الخوف شدید الیس لھا ان تنتقل من ذلک الموضع وان کان
الخوف شدید اکان لھا ان تنتقل کذا فی فتاویٰ قاضیخان۔

اگر واقعی عورت مذکورہ کو اس مکان میں رہتے ہوئے عصمت کا خطرہ ہے۔ تو پھر وہ اپنے
ماموں کے گھر جاسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم
الجواب صحیح - محمد انور
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ جامعہ خیر المدارس

۲۰ ۶/۱۳۱۳ھ

۲۰ ۶/۱۳۱۳ھ

مقدمہ موت معاشی ضرورت کیلئے دن کو باہر جاسکتی ہے؟

علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ایک عورت کا خاوند فوت

ہو گیا ہے۔ اور اب اس عورت کے نان و نفقہ کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ وہ خود کمائی کرے تو کیا وہ اپنے اخراجات کی کمائی کے لئے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں۔
محدث شاد بیرون حرم گیسٹ نزد پڑانا سی آئی اے سٹاف ملتان

وفی الدرر ۶ ج ۲ ومعتدة موت تخرج فی المجدیدین وتبیت اکثر
اللیل فی منزلها۔ اور شامی میں ہے واما المتوفی عنہا زوجها فلا تہک
نفقة لها فتحجاج الی الخروج نهارا لطلب المعاش۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا۔ کہ عورت مذکورہ اپنے اخراجات کے لئے دن کو باہر جاسکتی ہے۔ البتہ رات کے دس بجے سے اس مکان میں رہے جس میں خاوند کی موجودگی میں رہتی تھی۔ اور متوفی عنہا زوجہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ نقطہ واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۲۸ - ۱۰ - ۱۴۱۶ھ

سائے رشتہ دار دوسرے شہر میں ہوں تو معتدہ وہاں جاسکتی ہے یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں۔
۱۔ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور اب وہ عورت عدت میں ہے ان کی رہائش ملتان میں ہے اور خاوند بھی ملتان ہی میں فوت ہوا ہے لیکن اکثر کنبہ و قبیلہ کمالیہ میں ہے کیا یہ عورت کمالیہ ملنے کیلئے جاسکتی ہے کیونکہ اگر یہ اکیلی وہاں نہیں جاتی۔ تو وہاں سے سب لوگ تعزیت کیلئے یہاں ملتان آئیں گے اور پریشانی ہوگی۔ اگر یہ اکیلی وہاں چلی جاتی ہے۔ تو ان سب کی پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن مدت عدت ملتان میں ہی گزارنی ہے تو اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ عورت اس عدت کے دوران اس مجبوری کی وجہ سے کمالیہ جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور خاوند کی قبر پر بھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ عورت بڑھیا ہے آنکھیں کمزور ہیں، ڈاکٹروں نے اپریشن کے لئے مشورہ دیا تھا۔ لیکن یہ حادثہ ہو گیا۔ کیا یہ علاج کے لئے اس عرصہ میں ہسپتال جاسکتی ہے یا نہ۔ اپریشن کروا سکتی ہے یا نہ۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرمائیں تاکہ اسی پر عمل کیا جاسکے۔
بیلنوا و توجروا۔ المستفتی۔ چوہدری محمد رفیق نیو ملتان۔

الجواب

صورت مسئلہ میں عدت ملتان میں ہی گذاری جائے۔ مذکورہ عذر کی بنیاد پر کما لیه جا کر عدت گزارنا درست نہیں۔ علی المعتقدة ان تعتد فی المنزل

الذی یضاف الیہا بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت کذا فی الکافی (عالمگیریہ ص ۵۳۵)

۲۔ عدت کے بعد کرائے فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

۱۸ - ۳ - ۱۴۱۱ھ

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

گواہوں کے بغیر ٹپے گئے نکاح میں عدت ہوگی یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درمیان اس مسئلہ کے کہ ایک عورت نے ایک مرد کے ساتھ مل کر اپنا نکاح گھاؤں کے ایک امام صاحب سے پڑھوایا جبکہ نکاح کے وقت امام صاحب اور مذکورہ مرد و عورت کے علاوہ اور کوئی نہ تھا پھر ایک دن رات کٹھن بھی رہے۔ غالباً مرد نے عورت کے ساتھ جماع بھی کیا۔ لیکن ایک دن رات گزرنے کے بعد عورت کہتی ہے کہ میں نے اپنا نکاح نہیں پڑھوایا۔ جبکہ امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے مذکورہ عورت کا نکاح پڑھایا ہے۔ اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں اور علیحدگی کی صورت میں عدت ہوگی یا نہیں بدینوا و تو حروا۔ المستفتی محمد اشفاق ولد دیوان

الجواب

اگر نکاح کے وقت دو گواہ ایجاب و قبول کے سننے والے موجود نہ ہوں۔ تو نکاح منعقد نہ ہوگا۔ لہذا مذکورہ صورت میں دو گواہوں کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوا البتہ اگر مرد نے عورت کے ساتھ وطی کی ہے تو عورت پر عدت واجب ہوگی۔ و شروط حضور شاہدین و سیاق فی باب العدة انه لا عدة فی نکاح باطل و ذکر فی البحر ہذاک عن المجتبیٰ ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شہود فال دخول فیہ موجب

للاعدة (شامی ج ۲ ص ۳۸۷) فقط واللہ اعلم بالصواب

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

طلاق نامہ پر پہلے کی تاریخ لکھ دی جائے تو عدت کب سے شمار ہوگی

زید نے بیوی کو طلاق نامہ بھیجا اور اس پر ۵ ماہ پہلے کی تاریخ ڈال دی۔ تو کیا بیوی اسی وقت سے مطلقہ شمار ہوگی یا جو تاریخ اس پر لکھی گئی ہے؟

الجواب: جس وقت طلاق نامہ لکھا گیا ہے اور اس پر دستخط ہوئے۔ بیوی اس وقت سے مطلقہ سمجھی جائے گی اور عدت بھی اس وقت سے شروع ہوگی قولہ لان انشاء

فی الماضي انشاء فی الحال اھ لانہ ما اسندہ الی حالۃ منافیۃ ولا یمکن تصحیحہ اخباراً
نکذ بہ وعدم قدرۃ علی الاسناد فکان انشاء فی الحال اھ (شامیہ ص ۲۵۳ ج ۲) ثم المرسومة لا

تخلو اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فلما کتب هذا یقع الطلاق و
تلتزمها العدة من وقت الکتابۃ اھ (شامیہ ص ۲۵۵ ج ۲) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

معتدہ عدت کے دوران کسی قسم کے زیور نہ پہننے

معتدہ دوران عدت زیور پہن سکتی ہے یا نہیں؟

ہمارے علاقہ میں رواج ہے کہ سونے کے زیورات عورت سے نہیں اتارتے۔

عدت کے دوران عورت کسی قسم کے زیور نہیں پہن سکتی۔ جو پہلے پہنتے
ہوئے تھے وہ بھی اتار دیں زیورات کے علاوہ کسی قسم کی زیب و زینت

بھی جائز نہیں۔ تعد بترك الزينة بحلی او حریر اھ (قولہ بحلی) ای یجیب النوا

من فضة او ذهب و جواهر اھ (بحر الرائق ص ۵۳۱ ج ۳) فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ | بندہ عبد الحکیم عفی عنہ

عدت کم از کم کتنے عرصہ میں گزر سکتی ہے؟

امام صاحب (زید) نے ایک مطلقہ عورت سے (رہائی) ماہ بعد نکاح کر لیا اور چھ

ماہ دس دن کے بعد عورت مذکورہ کو بچہ پیدا ہوا۔ اب امام پر شبہ ہے کہ اس کی بیوی کو جو بچہ پیدا ہوا ہے۔ وہ اس کے حمل سے نہیں۔ بلکہ پہلے سے ہے۔ تو کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے؟

الجواب

صورت مسئلہ میں برتقہ یرصحت واقعہ طلاق اور نکاح کے درمیان مدت عدت گزرنے کا احتمال ہے۔ کیونکہ عدت پوری ہونے کی کم از کم مدت ان تالیس دن۔ (کما فی الشامیہ ج ۲ ص ۶۶۵) عندہما اقل مدة تصدق فیہا الحرة تسعة وثلاثون یوما ثلاث حیض بتسعة ایام و طهران بثلاثین۔

بہذا یہ نکاح صحیح ہو گیا ہے۔ اور وضع حمل بھی چھ ماہ کے بعد ہے اس لئے حمل کو نکاح سے پہلے کا قرار دینا درست نہیں۔

پس زید مذکورہ کوئی مجرم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
الجواب صحیح۔ بندہ محمد عفا اللہ عنہ
بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ ۱۴۲۵ھ

معتدہ خاوند کی قبر پر نہیں جاسکتی

کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ کسی عورت کا خاوند فوت ہو جائے۔ وہ عورت سوگ کے دنوں میں اپنے خاوند کی قبر پر جاسکتی ہے یا کسی بھی قبرستان میں جاسکتی ہے یا نہیں علاوہ ازیں عام دنوں میں عورتوں کا قبرستان میں جانا کیسا ہے۔

معتدہ کے لئے خاوند کی قبر پر جانے کی اجازت نہیں در مختار میں ہے
لوکان عندہا کفایتھا صارت کالمطلقة فلا یحل لہا الخروج

الجواب

فتح شامیہ ص ۶۲ ج ۲۔ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۵-۹-۱۴۰۹ھ

بَابُ النِّسْبِ

وفات کے ساڑھے تین سال بعد پیدا ہونیوالے بچے کا حکم

عبداللہ خان کا ایک بیٹا اور پانچ لڑکیاں ہیں وراثت شریعت کے مطابق تقسیم ہو گئی۔ ساڑھے تین سال بعد زوجہ سے ایک لڑکے کا تولد ہوا۔ زوجہ نے دعویٰ کیا کہ لڑکا عبداللہ خان کا ہے کیا اس بچے کو بھی وراثت ملے گی؟ اور نسب ثابت ہوگا؟

حاصل دو سال سے زیادہ پیٹ میں نہیں ٹھہر سکتا واکثر ممدۃ الحمل
سنتان الخ۔ اس لئے یہ بچہ عبداللہ خان کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اس کا نسب
عبداللہ خان سے ثابت ہے اور نہ اس کا وارث بن سکتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ محمود عفا اللہ عنہ
المجیب مصیب، الجواب صحیح، مفتی قاسم العلوم ملتان
محمد ابراہیم عفی عنہ، بندہ عبداللہ غفر اللہ لہ ۱۷/۱۲/۱۳۶۶ھ

خاوند کے لاپتہ ہونے کی وجہ سے عورت نکاح کر لیا۔ پنے
پیدا ہو گئے پھر پہلا خاوند بھی آ گیا تو بچوں کا نسب دوسرے سے ہوگا

ایک آدمی اپنی عورت سے بے پرواہ ہو کر چلا گیا اور کسی دوسری عورت کو ساتھ لے گیا اسی اشارہ
میں پاکستان آنے کی صورت بنی اس کی عورت پاکستان آ گئی اس نے یہاں آ کر بھی پروا نہ کی اور نہ ہی پتہ
کیا کہ میری عورت کہاں ہے آخر عورت نے خاوند کی بے توجہی کے پیش نظر دوسرے کسی مرد سے نکاح کر لیا
جسے اس کے سابقہ نکاح کا علم نہ تھا اور اس کے ایک لڑکا لڑکی پیدا بھی ہوئے۔ پہلے خاوند سے کوئی نہ تھا
پھر جب اس ثانی شخص کو پتہ چلا تو اس نے فوراً گھر سے نکال دی اور بچے اس کے ہمراہ کر دیئے اور کہا
کہ تم سب کی مجھ کو ضرورت نہیں۔ اسی اشارہ میں خاوند اول کا ورود ہوا اس سے طلاق مطالبہ پر طلاق حاصل
کی گئی بعض پھر عدۃ کے بعد دوسری جگہ نکاح باقاعدہ کر بیٹھی اور اپنے ثانی شخص سے بچوں کے متعلق
اپنے بھائیوں کو کہتی ہے کہ ان کا نکاح اپنی حسب منشاء کر لو ورنہ جہاں اب آباد ہوں وہ اپنی حسب منشاء
ان کا نکاح نہیں کروادیں گے جس پر میں ناراض ہوں تو شرعاً عورت مذکورہ کے بھائی اس کے کہنے کے
موجب نکاح کروا سکتے ہیں یا نہ یا کس ماور کی اجازت سے ان کا نکاح قابل انعقاد ہے یا نہیں۔
(سائل - نور الحسن حاصل پور)

الجواب

غاب من امرأته فتزوجت باخرو ولدت اولاداً
ثم جاء الزوج الاول فالاولاد للشافی علی المذهب

الذی رجع الیه الامام وعلیه الفتویٰ کما فی الخانیة والجوهرة
والکافی وغیره - (در مختار ص ۲۶۳ شامی ج ۲)

صورت مسئلہ میں بچوں کا نسب چونکہ زوج ثانی سے ثابت ہے جیسا کہ جزئیہ بالا سے ثابت
ہے پس اُنکے نکاح کی ولایت بھی اسی کو حاصل ہوگی زوج ثانی اگر ان بچوں کے نکاح کی اجازت
دیدے تو اسکا کیا ہوا نکاح بھی درست و نافذ ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم،

الجواب صحیح

محمد عبداللہ غفر اللہ لہ

بندہ عبدالستار عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۲/۹/۸۰ ھ

آٹھ سالہ بچے سے نسب ثابت نہیں ہوگا

زید کی عمر آٹھ سال ہے اسی دوران اس کا نکاح والد نے خالدہ کے ساتھ کر دیا۔ خالدہ حاملہ
ہوگئی بچہ بھی پیدا ہو گیا تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت ہوگا یا نہیں؟

(المفتی - عبدالرشید علی پوری — خیر المدارس ملتان)

بارہ سال سے کم عمر کے بچے سے نسب ثابت نہیں ہوتا لہذا یہ بچہ زید کی طرف منسوب
نہیں ہوگا۔

الجواب

نعم ینبغی ثبوته عن المراهق احتیاطاً۔ الی قوله اما المراهق
فیجب ان یتثبت النسب منه (شامی باب العدة)۔ واد فی مدته (ای البلوغ)
لہ اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنین اھ (شامیہ)۔ فقط واللہ اعلم!

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

۲۵/۲/۱۴۱۸ ھ

جوانی میں خالدہ کے ہندہ سے ناجائز
نکاح فاسد میں نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟ تعلقات تھے بعد میں خالدہ کی شادی

ہندہ کی لڑکی سے ہو گئی اب پتہ چلا کہ خالد ہندہ کی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا تھا، اب خالد کیا کرے اور جو اولاد پیدا ہو چکی ہے اس کے نسب کیا حکم ہے؟

خالد اس غور کو فوراً علیحدہ کرے اور جو اولاد پیدا ہوئی ہے وہ خالد سے ثابت النسب ہے کیونکہ نکاح فاسد میں نسب ثابت ہو جاتا ہے۔

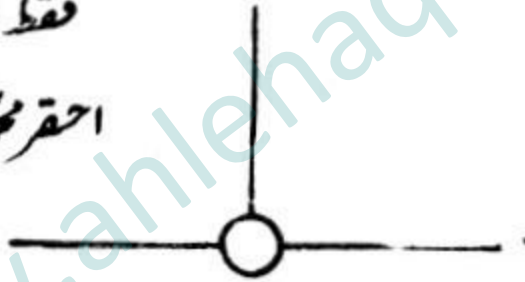
الجواب

(وعدة المنكوحة نكاحاً فاسداً) هي المنكوحة بغير شهود ونكاح امرأة الفير بلا علم بانها متزوجة ونكاح المحارم مع العلم بعدم المحل فاسد عنده خلافاً لهما فتح۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۵۹)

وفي الثامية قبيل الحضنة (قوله لانه نكاح باطل) اي فالويعرف فيه زنا لا يثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فيثبت به النسب ولذا تكون بالفاسد فرشالا بالباطل (رد المحتار ج ۲ ص ۶۵۹)

فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،



ساس سے نکاح کر لیا جائے اور اولاد پیدا ہو جائے تو نسب کا حکم

زید کی منکوحہ بیوی فوت ہو چکی ہے زید نے اپنی متوفیہ بیوی کی حقیقی ماں خالدہ (جو کہ زید کی ساس ہے) سے ناجائز تعلقات قائم کر لئے حتیٰ کہ اغوار کر کے لے گیا کچھ عرصہ کے بعد مغویہ کے خاوند اصلی (جو کہ زید کا خسر تھا) نے مغویہ کو طلاق دیدی زید نے مغویہ کے ساتھ نکاح کر لیا اس مغویہ سے زید کے بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں تو دریافت طلب امور یہ ہیں۔

۱۔ زید کا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

۲۔ اگر نکاح صحیح نہیں تو اولاد کا کیا حکم ہے؟

مسماں خالدہ زید پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ لقولہ تعالیٰ وامہات

فنائکم۔ البتہ زید سے نسب ثابت ہے رجل مسلم تزوج بمحارمہ فنجش

الجواب

باولاد یثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنیفۃ خلافاً لهما بناء علی ان

النکاح فاسد عند ابی حنیفۃ باطل عند ہما۔ کذا فی الظہیرۃ (ہندیہ ج ۵)

زید کے اقارب پر خصوصاً اور عوام اناس پر عموماً لازم ہے کہ زید اور خالہ میں جدائی کرائیں۔
الجواب صحیح، فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ، ۳/۴/۱۴۱۱ھ

زنا سے پیدا ہونیوالا بچہ والد کی طرف منسوب نہیں ہوگا

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ————— ایک شخص غیر شادی شدہ ایک ثورت غیر شادی شدہ سے زنا کرتا ہے کچھ عرصہ بعد زانی مزنیہ سے نکاح کر لیتا ہے پانچ ماہ اور پندرہ دن کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے زانی اقرار کرتا ہے کہ یہ میرا ہے اور میرے لطف سے پیدا ہوا ہے اور قبل از نکاح زنا کا اقرار بھی کرتا ہے قابل دریافت امور یہ ہیں۔

۱۔ کیا مذکورہ زانی مزنیہ کا نکاح صحیح ہے؟ ۲۔ کیا بچہ ثابت النسب ہوگا؟ ۳۔ مستحق میراث ہوگا یا نہیں؟ ۴۔ زانی کا اپنے فعل کا علی الاعلان اقرار حد کو لازم کرتا ہے یا نہیں؟ ۵۔ ہم مسلمان ایسے شخص سے اچھے معاملات رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ۶۔ شخص مذکور پر ہم کوئی سزا مقرر کر سکتے ہیں یا وہ صرف توبہ کر لے؟

زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا اسلئے یہ لڑکا زانی کی طرف منسوب ہوگا نہ اس کا وارث ہوگا۔

الجواب

ولو زنی بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت ابن جاءت به بستانه
اشهر فضا عداً ثبت نسبہ وان جاءت به لاقل من ستة اشهر
لم يثبت نسبہ الا ان يدعيه ولم يقل انه من الزنا امان
قال انه مني من الزنا فلا يثبت نسبہ ولا يرث منه (عالمگیری ج ۵)
یہ شخص ضرور سزا کے قابل ہے لیکن مسلمان حاکم کے پاس یہ معاملہ پیش کیا جائے وہ جو سزا
مستحقین کرے وہ نافذ کی جائے گی اور توبہ استغفار لازمی ہے۔ قبل از توبہ اس تعلقات ٹھیک
بائیں۔ فقط، واللہ اعلم، بندہ محمد انور ۲/۳/۱۴۰۲ھ
الجواب صحیح، بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

حالات اغوا پیدا ہونے والے بچے کا نسب فراش کی طرف منسوب ہوگا

ایک شخص مسمیٰ فقیر بخش کی عورت مسماۃ سلمیٰ ایک دوسرے شخص مسمیٰ محمد بخش کے ساتھ اغوا ہو گئی اور محمد بخش کے پاس مسماۃ سلمیٰ سے ایک لڑکی غلام زہرا پیدا ہوئی حالانکہ نکاح فقیر بخش کا قائم تھا پھر اس لڑکی مسماۃ غلام زہرا کی شادی ہو گئی اور اسے ایک لڑکا مسمیٰ حضور بخش پیدا ہو گیا اور فقیر بخش نے ایک اور شادی کی جس سے کئی لڑکیاں پیدا ہوئیں کیا اس لڑکے مسمیٰ حضور بخش کا نکاح فقیر بخش کی لڑکیوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو سکتا ہے جو فقیر بخش کی دوسری بیوی میں سے ہیں یا نہیں ہو سکتا؟

صورت مسئلہ میں اس لڑکے کا نکاح فقیر بخش کی کسی لڑکی سے جائز نہیں اس لئے کہ حضور بخش کی ماں غلام زہرا بوجہ الولد للفراش (الحديث) فقیر بخش کی بیٹی متصور ہوگی اور حضور بخش فقیر بخش کا نواسہ بنے گا اور فقیر بخش کی باقی لڑکیاں حضور بخش کی خالہ بنیں گی اور خالہ کے ساتھ نکاح حرام ہے ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

المحبیب مصیب احقر الانام	سلطان محمود بقلم خود
غلام محمد بقلم خود	مدرس مدرسہ دارالحدیث محمدیہ
مدرس مدرسہ احسن المدارس جلالپور	الجواب صحیح،
الجواب صحیح والمحبیب مصیب	عبد اللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس ملتان
العبد الاحقر الا فقر خادم القوم	الجواب صحیح،
غلام رسول غفرلہ پونٹوی	محمود عفا اللہ عنہ مفتی مدرسہ قاسم العلوم ملتان

مزنیہ کے اقرار کے باوجود کہ یہ بچہ زنا کا ہے خاوند نسب منتفی نہ ہوگا

زید نے ہمراہ ہندہ کے شادی کی چند ایام آبادگی کے بعد زید اپنے وطن سے دور دراز برائے ملازمت چلا گیا ایام مفارقت کے ۱۵ ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا۔ زید کو خبر ملی تو زید نے انکار کر دیا بلکہ حکومت مجاز میں رپٹ دی کہ یہ لڑکا میرا نہیں۔ فریقین کے قبائل کے معتبر لوگوں نے جمع ہو کر بصورت پنچائیت

ہندہ سے تحقیق کی کہ زید اس لڑکے سے منکر ہے تم بتاؤ یہ لڑکا کس کا ہے جو اباً ہندہ نے کہا کہ میرے ساتھ جبراً عمرو نے مداخلت کی تو یہ لڑکا عمرو کا ہے آخر یہ مقدمہ مفتی حکومت کے پاس دائر ہوا تو مفتی حکومت نے شہادت پنچایت پر فیصلہ کیا کہ لڑکا والدہ کے حوالہ کر دو اور اسکی والدہ کو اپنے والدین کے حوالہ کر دو۔ اس فیصلہ کے بعد زید نے ہندہ کو طلاق دے دی تو ہندہ نے دوسری جگہ شوہر اختیار کیا۔ کیا اب بعد بلوغ وہ لڑکا ترکہ زید سے وارث ہو گا یا نہ ہو گا۔

(مفتی، مولوی محمد زمان، راز کشمیری)

(فان لا عن لا عن)..... (والا حبست) حتی

تلا عن أ و تصدقه (فین دفع به اللعان ولا یحسد)

وان صدقته أربعا لانه لیس باقرار قصد او لا ینتفی

النسب لانه حق الولد فلا یصدقان فی ابطاله : وف

الاثامیة ولا ینتفی النسب لانه انما ینتفی باللعدان ولم یوجد

..... وسیا قی ان مشروط المنفی سبباً منہا تفریق القاضی

بینہما بعد اللعان (شایہ صبح ۲۶)

جزئیہ بذات معلوم ہوا کہ قطع نسب کے لئے لعان کے بعد تفریق قاضی شرط ہے پس

صورت مسئلہ میں جبکہ لعان بن الزوجین ہی نہیں ہوا تو قاضی صاحب موصوف کا قطع نسب

درست نہ ہوا لہذا بچہ مذکورہ شرعاً اپنے والد کی میراث کا مستحق ہے اور نسب ثابت ہے۔

فقط واللہ اعلم،

ہندہ عبد الستار عفی عنہ،

۱۷/ ۱۱/ ۸۰ھ

الجواب صحیح،

عبد اللہ غفر اللہ لہ،

مفتی خیر المدارس۔ ملتان

زید فوت ہوا اس وقت

اسکی بیوی حاملہ تھی چار ماہ

کا حمل تھا لیکن چند وجوہ کی

بابت بچہ سوکھ گیا اور کم و بیش ۹ برس تک بچہ پیٹ میں رہا کافی

بچہ پیٹ میں سوکھ جائے اور باپ کی وفات کے

دس سال بعد پیدا ہو تو نسب کا حکم

بابت بچہ سوکھ گیا اور کم و بیش ۹ برس تک بچہ پیٹ میں رہا کافی

ہے قدرت الہی سے بچہ پیدا ہو گیا بچہ کی پیدائش کے وقت اس کا حقیقی دادا موجود تھا۔ اس نے اپنے پوتے کے نسب کو صحیح قرار دیا پانچ ماہ بعد بچے کا دادا وفات پا گیا۔ اب اس بچے کی والدہ اور حقیقی دادی موجود ہے دادی نسب کا انکار نہیں کرتی اور نہ کوئی اور رشتہ دار انکار کرتا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً نسب ثابت ہو گا یا نہیں؟

صورت مسئلہ میں بر تقدیر صحت واقعہ اس بچہ کا نسب عورت مذکورہ کے خاوند سے ثابت نہیں اسلئے اس بچے کو اس باپ کے ترکہ سے حصہ نہیں ملے گا۔

الجواب

شامیہ ج ۶ میں ہے۔

اکثر مدة الحمل سنان الی انت قال ولا یخفی ان قول عائشة مما لا یعرف الا سماعاً فهو مقدم علی هذا لانه بعد صحة نسبتہ الی الشارع لا یطرق الیہ الخطاء بخلاف الحکایة

فقط واللہ اعلم ،

الجواب صحیح ،

بندہ محمد اسحاق غفرلہ

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ ۱۴/۱/۹۲ھ

بہن کے نکاح میں ہوتے سالی سے نکاح کیا تو زید نے پہلا نکاح زینب سے کیا۔ دو ماہ بعد دوسرا اس سے ہونے والی اولاد کے نسب کا حکم نکاح سلمیٰ سے کیا۔ جو کہ زینب مذکورہ کی حقیقی بہن ہے۔ لوگوں نے منع کیا، کہ دو بہنیں بیک وقت نکاح میں نہیں آ سکتی۔ مگر زید نہ مانا۔ اب دونوں عورتوں سے زید کی اولاد ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح کونسا صحیح ہے اور کونسی اولاد ثابت النسب ہوگی۔

زید کا زینب کی زندگی میں اسکی حقیقی بہن سلمیٰ کے ساتھ نکاح کرنا حرام

الجواب

تھا۔ لیکن نکاح ہو چکنے کے بعد جب سلمیٰ کے پیٹ سے زید کے ہاں اولاد

بھی ہوئی تو اس اولاد کو حرامی نہیں کہیں گے۔ بلکہ یہ اولاد بھی دوسری اولاد کی طرح صحیح النسب ہے۔ کیونکہ یہ دوسرا نکاح فاسد ہے باطل نہیں۔ اور نکاح فاسد میں دخول کے بعد نسب ثابت ہو جاتا ہے۔

وان تزوج احداهما بعد الاخری جائز نکاح الاولیٰ وفسد
 نکاح (بدائع الصنائع ص ۲۶۲)۔ وكذا في المہندیة وزادینہا
 عن المحيط في هذه الصورة بعینہا وعليہا العدة ويثبت
 النسب وقال في البدائع ص ۳۲۵۔ واما نکاح الفاسد فلا حکم
 له قبل الدخول واما بعد الدخول فيتعلق به احکام منها
 ثبوت النسب الخ -

بعض فقہاء کی عبارات میں جو بیوی کی بہن سے نکاح کو باطل کہا گیا ہے اس بطلان کی
 تاویل فساد سے کی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

۶/۵/۱۳۷۹ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ

مطلقة ثلاث بدوں حلالہ دوبارہ نکاح کر لیا تو ثبوت نسب کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میں نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک شخص سے کیا۔ وہاں آباد
 ہو کر لڑکی کسی کے ساتھ اغوا ہو گئی۔ میں نے اس سے طلاق لے لی۔ اس کے بعد مغوی نے لڑکی سے
 نکاح کر لیا اور کچھ عرصہ بعد طلاق ثلثہ دیدی۔ مجھے اس نکاح ثانی اور طلاق ثانی کا علم نہ تھا تو
 میں نے اپنی لڑکی اور مغوی کو اب تک اکٹھے رہتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ تم آپس میں نکاح کر لو۔
 تب رہو۔ ورنہ تمہارے خلاف کاروائی کریں گے انہوں نے میرے کہنے پر نکاح کر لیا بدوں حلالہ
 کے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہ۔ اور عورت بدوں طلاق حاصل کئے آگے کسی جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہ؟

ولو طلقها ثلاثاً ثم تزوجها قبل ان تنكح زوجاً غيره

الجواب

فجاءت من بوليه ولا يعلم ان بفساد النكاح فالنسب

ثابت وان كان يعلم ان بفساد النكاح يثبت النسب ايضاً

عند ابی حنیفہ كذا في التاتارخانية ناقلاً عن تجنيس التامري

عالمگیری ص ۱۲۱۔ وهكذا في المنحة على البحر للعلاء الشافعي

ناقلًا عن مجمع الفتاویٰ

جزئیہ ہذا سے معلوم ہوا کہ طلاق ثلاثہ دینے کے بعد خاوند اگر اسی عورت سے بدون حلالہ شرعی کے دوبارہ نکاح کرے تو اس نکاح میں پیدا ہونے والی اولاد صحیح النسب متصور ہوگی اور ثبوت النسب نکاح صحیح یا نکاح فاسد میں ہوتا ہے نہ کہ نکاح باطل میں۔

لہذا معلوم ہوا کہ یہ نکاح فاسد ہے باطل نہیں۔ نکاح ہذا سے عورت کی خلاصی کی صورت یہ ہے کہ خاوند یہ کہہ دے کہ میں نے اس عورت کو چھوڑ دیا یا اس کو طلاق دی اس کے بعد عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اگر خاوند چھوڑنے سے انکار کرے، مسلمان بیچ سے تفریق حاصل کر لی جائے۔ پھر عدت کے بعد آگے نکاح کرے۔ واضح ہے کہ موجودہ نکاح کو

بندہ عبد الستار عفی عنہ

نائب مفتی خیر المدارس - ملتان

فسخ کرانا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح عبد اللہ عفا اللہ عنہ

لا علمی میں حقیقی بہن سے نکاح کر لیا تو اولاد کے نسب کا حکم

ہندوستان کی تقسیم کے وقت مختلف خاندان منتشر ہو گئے نتیجہً خاوند اور بیوی کو ایک عرصہ کے بعد پتہ چلا کہ ہم دونوں بہن بھائی ہیں جبکہ ان دونوں سے اس وقت اولاد بھی موجود ہے دونوں ایک دوسرے سے شرمندہ ہیں اور آپس میں مجاہد ہو گئے ہیں۔ مطلوب ہے کہ ان سے جو اولاد پیدا ہوئی شرعاً اُن کا نسب باپ سے ثابت ہوگا یا نہیں؟

شرعاً یہ بچے اسی باپ کی طرف منسوب ہوں گے۔ رجل مسلم تزوج بحارۃ
فَجَسُنَ باولادہ یثبت نسب الاولاد منہ عند ابی حنیفۃ اھ۔

(عالمگیری ص ۱۳) فقط واللہ اعلم،

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

موطورہ بالشبہ بچے کا نسب باپ سے ثابت ہوگا | کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ہند

کے خاوندزید کو مفقود ہونے تقریباً تیس برس گزر چکے تھے وہ مفقود ہو کر غائب بھی تھا ہندہ چونکہ جوان تھی۔ علاوہ ازیں اسکی وجہ معاش کا کوئی کفیل نہ تھا دوسرا خاوند کرنے کے لئے علماء دین کی طرف متوجہ ہوئیں۔ بنا بریں ایک عالم دین مدرس سند از دارالعلوم دیوبند اور فن فتاویٰ میں بھی کسی قدر روشناس تھا، نے بلحاظ قول مالکیہ جو کہ ایسے خاوند کی عورت چار سال کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے فتاویٰ عبدالحیؒ کو دیکھ کر جس میں وہ شرائط درج نہیں جو الحیلۃ الناجزہ میں ہیں فتویٰ لکھ دیا کہ یہ عورت بغیر کسی مزید پابندی شرط کے نکاح کر سکتی ہے اور شاید وہ صاحب اس نکاح میں شریک بھی ہوں چنانچہ ہندہ نے بنا بر فتویٰ بکر کے ساتھ نکاح کر لیا اور بعد نکاح اسے حمل بھی استقرار پکڑ گیا اور مدت حمل کے انقضاء کے بعد لڑکی پیدا ہوئی بعد ازاں انکو خبر ہوئی کہ یہ فتویٰ بنا بر مالکیہ مطلق نہیں ہے بلکہ اس میں شرائط ہیں بعد از شرائط عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے چنانچہ دوبارہ علماء کرام کی طرف توجہ کی گئی اور شرائط پورا ہونے کے بعد نکاح کیا گیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ لڑکی جو قبل از نکاح صحیح پیدا ہوئی ہے اگرچہ وہ بنا بر فتویٰ تھی اس کے نکاح کا متولی کون ہوگا زوج اول مفقود کا بھائی جو کہ پابند عیال نہیں ہے اور جو گیارہ زندگی بسر کرتا ہے آئے دن اس کا کوئی مکان نہیں ہے اور نہ ہی اس کا کوئی مسکن ہے گویا اس کا گھر اس کے اپنے وجود کے ساتھ ہے کسی وقت اپنے وطن میں آجاتا ہے لیکن اس کو اپنی برادری کے معاملات میں کوئی سرکار نہیں یہ متولی ہوگا یا ہندہ کا زوج بکر جس کے علوق سے بنا بر فتویٰ یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے یہ لڑکی ولد الزنا تصور ہوگی۔ بکر اور ہندہ کو فتویٰ کے لحاظ سے معذور عند الشرع ثابت کرتے ہوئے اس اہمیت سے بری تصور کیا جائے گا۔ شرعاً یہ لڑکی بکر کی وارث ہوگی یا نہ ؟

حجۃ الجواب
صورت مسئلہ میں اس لڑکی کا نسب شخص مذکور زوج ثانی جس نے بنا بر فتویٰ نکاح کیا ہے سے ہوگا اور یہ لڑکی اس سے ہی وارث ہوگی۔

کما فی الشامیۃ والقیاس ان لا یرث لہا لان النسب کما یثبت

بالنکاح الصحیح یثبت بالنکاح الفاسد وبالوطء عن شبہۃ ج ۲ ص ۸۷

وفیہ ایضاً ص ۵۲ تحت قول الدر المختار (ولا یرثون بانکحہ مستحلۃ عندہم)

انی قوله لان النسب یمتنع المیراث ولو کان بسبب محظور کما فی

النکاح الفاسد والوطء بشبہۃ۔ فقط واللہ اعلم محمد انور عفا اللہ عنہ

المجواب صحیح

بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہ

بندہ محمد اسحاق غفر اللہ لہ

۲/۲۷/۱۹۷۸ء

خاوند کی وفات کے وقت غیر حاملہ تھی چھ ماہ بعد حاملہ ہو گئی تو نسب کا حکم

مسمیٰ نور خان نے مرض الموت میں اپنی عورت مسماۃ سرداراں کو طلاق دیدی۔ طلاق دینے کے تقریباً چھ سات گھنٹے بعد فوت ہو گیا اور عورت مذکورہ کے تعلقات پہلے ہی سے ایک شخص کے ساتھ خراب تھے تو عورت مذکورہ کو اس کے خاوند کے مرنے کے تقریباً چھ سات ماہ بعد حمل بالزنا ہو گیا کیونکہ جس وقت اس کا خاوند فوت ہوا ہے اس وقت عورت مذکورہ حیض کی حالت میں تھی اور اب عورت مذکورہ یہ کہتی ہے کہ یہ حمل میرے خاوند کا ہے تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ حمل بقول عورت کے اسکے خاوند کا متصور ہوگا یا حمل بالزنا ہی اسے قرار دیا جائے گا اور متوفی نور خان مذکورہ کی جائیداد عورت مذکورہ اور حمل شرعاً وارث ہونگے یا نہیں حالانکہ زانی خود مدعی ہے کہ یہ حمل میرا ہے اور عورت مذکورہ خاوند کے مرنے کے قبل تقریباً ڈیڑھ سال کے عرصہ سے اپنے والدین کے گھر رہتی تھی اس عرصہ میں خاوند کے پاس بالکل نہیں آتی تھی اور زانی کے ساتھ تعلقات وابستہ رہے اور خاوند کی موت کے بعد اسی دن زانی کے پاس چلی گئی اور عدت کے اندر ہی اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔

في العالمگیریۃ مج ۱۳۹ وانکانت معتدة من طلاق

بائن او من وفات نچاءت بولد الى

سنتين فانكر الزوج الولادة او الورثة بعد وفاته وادعت

هم فان لم يكن الزوج اقربا لحبل ولا

كان الحبل ظاهراً لا يثبت النسب الا بشهادة رجلين

او رجلين وامراءتين في قول ابی حنیفة

عبارت مذکورہ سے واضح ہوا کہ عورت اور وارثوں کے اختلاف کی صورت میں جبکہ موت

کے وقت حمل ظاہر نہ ہو تو دو گواہوں کی ضرورت ہے ورنہ متوفی سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ بعد

صورت مسئلہ میں عورت خاوند کی جائیداد سے حصہ لے سکے گی۔ کیونکہ عورت کی عدت میں خاوند فوت ہو گیا اور عورت سے بعد وفات خاوند کے بولٹ کا پیدا ہوا چونکہ دوسرے وارث اس کے انکاری ہیں اور وقت موت کے حمل بھی ظاہر نہیں تھا۔ اس لئے جب تک دو عادل گواہ ثبوت نسب کی گواہی نہ دیں نہ نسب ثابت ہوگا اور نہ ہی لڑکا وارث ہوگا۔ فقط واللہ اعلم،
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ ۲۷ / ۹ / ۱۴۵۵ھ

ڈیڑھ سال سے عورت کے پاس نہیں گئے اور وہ حاملہ ہو تو اس بچے کا حکم

زید اپنے مقام سے کسی دوسری جگہ ملازمت کرتا تھا فرصت ملنے کی وجہ سے ڈیڑھ سال بعد گھر آنا ہوا۔ آنے پر پتہ چلا کہ بیوی کو ۵ ماہ کا حمل ہے۔ میں نے عورت سے دریافت کیا تو اس نے تسلیم کیا کہ واقعاً میرے فلان شخص سے تعلقات ہیں اور یہ حمل اسی کا ہے۔

میں نے پنچائیت بلائی۔ پنچائیت نے فیصلہ کیا کہ یہ بچہ میرا نہیں اور میں نے طلاق بھی دے دی اب لوگ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ یہ بچہ تیرا ہے اور تم اسکی کفالت کرو۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟
(محمد سعید - آزاد کشمیر)

شرعاً یہ لڑکا آپ ہی کا ہے اور شرعاً اس کا نسب آپ کے ثابت ہے کیونکہ نسب منتفی ہونے کے لئے لعان شرط ہے۔ فی الشامیۃ ج ۲ (ولای منتفی النسب)

لأنه انما ينتفى بالعان ولم يوجد وبه ظہر أن ما فی شرح الوقایۃ

والنقایۃ من انہا اذا صدقہ ينتفی غیر صحیح (ام شامی)

وفی اعمال المغیریۃ ج ۱۹ ولو نفی والد زوجته الحدۃ فصدقہ فلا

حد ولا لعان وهو ابنہما لا یصدقان علی نفیہ : ۱ھ

اور واقعہ مذکورہ میں اب لعان بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عورت مطلقہ ہو چکی ہے اور طلاق بائن

کے ساتھ لعان ساقط ہو جاتا ہے اور پھر ٹوٹا بھی نہیں خواہ بعد میں نکاح کر لے۔

فی الدر علی الشامیۃ ج ۲ ویسقط اللعان بعد وجوبہ بالطلاق

البائن ثم لا یعود ولو تزوجہا بعد لان الساقط لا یعود۔

الحاصل اب لڑکے کے مذکور کا نسب آپ سے ہی ثابت ہوگا اور یہ آپ کا وارث بنے گا۔

صورت مسئلہ میں آپ کو پریشانی اٹھانی پڑ رہی ہے کہ جو بچہ آپ کے نطفہ سے نہیں ہے اس کا نسب آپ کی طرف کیا جا رہا ہے اور وہ لڑکا آپ کا وارث بھی بنے گا مگر اس میں شریعت کا کوئی قصور نہیں جس وقت آپ کو علم ہوا تھا کہ میری عورت کے رحم میں جو نطفہ ہے میرا نہیں ہے آپ کو تحقیق کرنی چاہیے تھی کہ میں کس طرح اس بچہ سے نجات حاصل کروں دیہات کے امیر مساجد بچاؤں کو علم نہیں ہوتا۔ وہ ایسے مسائل سے خود ناواقف ہوتے ہیں آپ کی رہبری کیا کریں گے آپ لڑکا وصول کر کے اسکی پرورش کریں کیونکہ لڑکا تو بے قصور ہے اور اگر عورت تائب و نادیم ہے تو اس کو واپس دوبارہ نکاح کر کے رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ طلاق تین نہ دی ہوں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبد غفر اللہ

خادم الافناء خیر المدارس - ملتان

۲۲ / ۱۱ / ۱۴۲۵ھ

حاملہ کو خون آسکتا ہے اور پیدا ہونیوالا بچہ خاوند ہی کا ہو گا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی کی شادی ۱۱ دسمبر ۱۹۸۰ء کو ہوئی اور وہ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء تک خاوند کے ساتھ آباد رہی ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء کو اس کا خاوند بیرون ملک چلا گیا خاوند کی عدم موجودگی میں جنوری فروری ۱۹۸۱ء میں ایک ایک ماہ کے باقاعدہ وقفوں سے لڑکی کو دودھ خون آیا۔ مارچ میں خون اچانک بند ہو گیا جس پر لڑکی کے حاملہ ہونے کا انکشاف ہوا عموم کے خلاف اسی واقعہ پر رفع شکوک و تعجب کے لئے لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا جس کی رائے حاضر خدمت ہے۔ خاوند کی جدائی کے گیارہ مہینے بعد اسی لڑکی نے ایک بچی کو جنم دیا دونوں باتیں چونکہ ضابطہ قدرت کی عمومی شکل کے خلاف ہیں لہذا سسرال والوں نے خاوند سے لڑکی کو بدچلن قرار دے کر طلاق دلوادی مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے ضمن میں راہنمائی فرمائیں۔

۱۔ کیا حالت حمل میں خون آنا مظہر قدرت کے خلاف ہے یعنی کیا شریعت مظہر کا فیصلہ طبی رائے سے اختلاف رکھتا ہے کیا حالت حمل میں خون آنا اور بچے کا عمومی مدت سے زیادہ عرصے بعد پیدا ہونا دیگر شواہد کی عدم موجودگی میں لڑکی کو بدچلن یا زانیہ قرار دینے کی کافی دلیل ہے کیا اس بچی کو حرامی قرار

دیا جائے گا ۲ اگر سوال نمبر ۲ کی تمام جزئیات کا جواب اثبات میں ہے تو لڑکی کی سزا شریعت کی رو سے کیسا ہے اور پرورش پچی کی کس کے ذمے ہے اور اگر جواب نفی میں ہے تو لڑکی کو بدچلن اور زانیہ قرار دینا کیسا ہے اور کیا یہ بہتان کے ضمن میں نہیں آتا اور شریعت میں مقدمہ بہتان کی سزا کیسا ہے اور اس حالت میں پچی کی پرورش کس کے ذمہ ہے اور شریعت کی نظر میں لڑکی کو بدچلن قرار دے کر طلاق دینا جائز فعل ہے یا نہیں ؟

حالت حمل میں خون آسکتا ہے اور اس خون کو غیر حاملہ ہونے کا ثبوت قرار نہیں دے سکتے۔ دم الحامل استحضار کثرتاً ۱ شریعت میں اکثر شدت حمل دو سال ہے لہذا جدائی کے گیارہ ماہ بعد پیدا ہونے کی صورت میں یا حالت حمل میں خون آنے کی وجہ سے لڑکی کو زانیہ قرار دینا سخت غلطی اور جہالت ہے اور پچی خاوند کی طرف منسوب ہوگی۔
لخبر عائشة لا یكون الحصل اکثر من سنتین (در مختار علی الشامیہ ص ۶۲۳)
لڑکی پر جو زنا کی تہمت لگائی گئی ہے اسی سلسلہ میں اگر خاوند چار عینی گواہ پیش نہ کر سکے تو لڑکی اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے لعان کا مطالبہ کر سکتی ہے لیکن اگر لعان سے پہلے طلاق بائنہ یا رجعی ہو جائے مگر عدت گزر جائے تو لعان ساقط ہو جائے گا لہذا صورت مذکورہ میں لعان کے ساقط ہونے کی وجہ سے خاوند کو سزا تو نہیں دی جاسکتی البتہ اسے بلا وجہ الزام لگانے کا گناہ ضرور ہوگا۔
بچی اسکی ہے لیکن حق پرورش والدہ کو حاصل ہے نو سال کی عمر تک بچی والدہ کے پاس رہے گی بشرطیکہ کوئی امر ایسا پیش نہ آجائے جو حق پرورش کو ختم کر دے۔

ویسقط اللعان بعد وجوبہ یا لطلاق البائن ثم لا یعود (در مختار ص ۵۸۸)

متی سقط اللعان بوجه ما او ثبت النسب بالاقرار او بطریق الحكم

لم ینتف نسبہ ابدًا - (شامی ص ۵۹۲)

محض اپنی غلط فہمی کی وجہ سے اور کم علمی کی وجہ سے بدچلن قرار دے کر تو طلاق دینا جائز نہیں ہاں اگر واقعہ بیوی فاحشہ ہو تو طلاق دینا مستحب ہے واجب پھر بھی نہیں۔

فقط واللہ اعلم

محمد انور غفرلہ

الجواب صحیح

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

مزنیہ کی بچی سے نکاح کیا۔ تو اولاد کے نسب کا حکم

ایک عورت کو زید اغواء کر کے لے گیا۔ ۲۵ دن بعد اسے واپس لایا گیا۔ عورت کا بیان ہے کہ جس وقت میں اغواء کی گئی تھی۔ اس وقت مجھے حمل تھا۔ بہر حال بچی پیدا ہوئی اس بچی کا نکاح مغوی کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ اس اغواء کنندہ نے عورت کے ساتھ زنا بھی کیا تھا۔ ۲ اگر اس بچی کا نکاح اس مغوی کے ساتھ کر دیا گیا ہو تو جو اولاد پیدا ہوگی۔ ان کے ساتھ رشتہ کرنا کیسا ہے؟

(۱) اغواء کر نیوالے کے لئے وہ بچی حرام ہے اس سے اس کا نکاح صحیح نہیں اب بھی فوراً اس کو چھوڑ دے اور اپنے سے علیحدہ کر دے۔

وحرماصل مزنیۃ و مسموسۃ بشهوة الزور و عھن مطلقاً و درمختار علی الشایۃ ص ۳۰۴

(۲) جو ان سے اولاد پیدا ہوئی ہے وہ ثابت النسب ہے اور ان کے ساتھ نکاح

جائز ہے رجل مسلم تزوج بمعارمہ فجنین یا ولاد یتثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ مندیہ ص ۵۴ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ

طلاق کے آٹھ دن بعد پیدا ہونے والی بچی کے نسب کا حکم

ایک آدمی نے منظور ابیگم سے شادی کی۔ وہ عورت عبد الستار سے شادی کروانے سے پہلے تین جگہ مطلقہ ہو چکی تھی۔ اس کے بعد آپس میں اختلاف ہو گیا۔ کیونکہ منظور ابیگم عورت تھی اس وجہ سے عبد الستار نے منظور ابیگم کو طلاق دے دی۔ بوقت طلاق منظور ابیگم حاملہ تھی اس کے آٹھ یوم بعد بچی پیدا ہوئی۔ اب عورت کے والدین اس بچی کو دینے سے انکاری ہیں دلائل سبجو ابیگم المستفتی جوہری عبد الستار ولد شہداء اللہ مغل مکان ۱۵۲۔ کوٹ زید سرگودھا

شرعیانہ بچی عبد الستار کی ہے۔ اپنی والدہ کے پاس نو برس کی ہر تک رہے گی۔ جبکہ کسی غیر جگہ شادی نہ کرے نو برس کی ہونے کے بعد یہ لڑکی

والد کے عوالہ کر دی جائے گی۔ اس لڑکی کے نکاح کا اختیار والد کو ہے۔ فقط واللہ اعلم
بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان ۶/۱۲/۹۸ھ

خاوند کی وفات کے پونے دو سال بعد پیدا ہونے والے بچے کا نسب

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کی شادی ہوئی۔ اور دو ماہ کے بعد اس کا خاوند فوت ہو گیا۔ اور پھر وہ گھر میں ہی رہی۔ اور خاوند کی وفات کے پونے دو سال بعد اس کو بچہ پیدا ہو گیا تو یہ بچہ کس کی طرف منسوب ہو گا۔ بینوا توجروا۔ المستفتی۔ مولانا محمد الطاف صاحب راؤ خیر پور ٹامیوالی
بر تقدیر صحت واقعہ عورت مذکورہ نے اگر اس دوران اپنی عدت کے گزرنے کا اقرار نہیں کیا تو یہ بچہ اس خاوند سے ہو گا جو فوت ہو چکا ہے۔

والجواب

بیشب نسب ولد المتوفی عنہا زوجہا ما بین الوفاة و بین السنتين و اذا عترفت المعتدة بانقضاء عدتها ثم جاءت بالولد لاقل من ستة اشهر يثبت نسيه وان جاءت أكثر من ستة اشهر لم يثبت (مدایہ ص ۲۶ ج ۲) و یثبت نسب للمعتدة الموت لاقل منهما من وقته ای الموت در مختار علی الشافعی ص ۶۷ ج ۲ اکثر مدۃ الحمل ستان لخبیر عائشہ رضی اللہ عنہا فی الدارقطنی والبیہقی (در مختار علی الشافعی ص ۶۷ ج ۲) ولومات عنہا قبل الدخول او بعد ثم جاءت بولد من وقت الوفاة الی سنتین یثبت النسب منه وان جاءت بہ لاكثر من سنتین من وقت الوفاة لا یثبت النسب هذا کلہ اذ التقر بانقضاء العدة (عالمگیریہ ص ۵۳۷ ج ۱) واللہ اعلم
الجواب صحیح بندہ محمد اسحاق عفا اللہ عنہ ۲/۱۲/۹۸ھ
احقر محمد انور عفا اللہ عنہ

جس عورت کو بغیر نکاح گھر رکھے رکھا اس کی اولاد کا نسب

ایک عورت زینب حاملہ تھی۔ زید نے اسے بکرے خریدا۔ اور اسے بغیر نکاح ہی گھر رکھا۔ اور کچھ عرصہ بعد اس سے اسی سابقہ حمل کی بنا پر بچہ پیدا ہوا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اب زید یہ دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑ کر مر گیا ہے۔

واضح رہے کہ آخر تک نکاح نہیں کیا تھا۔ آیا یہ زید کی وراثت میں حصہ دار ہیں؟
الجواب صورت مسئلہ میں بچے زید سے میراث نہیں پائیں گے۔ کیونکہ ان کا نسب
 زید سے ثابت نہیں۔ البتہ اپنی ماں کے وارث ہوں گے۔

بكون المرأة بحيث يثبت نسب الولد منها اذا جاءت به فان هذا الكون انما يثبت بعد العقد
 فتحة القدیر باب ثبوت النسب نقلًا عن (فتاویٰ دارالعلوم ج ۱۱) فقط واللہ اعلم
 بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان

نکاح کے بعد چھ ماہ سے پہلے پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب نہیں ہے

زید تے مورخہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ کو ہندہ کے ساتھ نکاح کیا اور مورخہ ۳۰ جمادی الاولیٰ
 ۱۴۰۳ھ کو ہندہ نے وضع حمل کیا۔ تو یہ مدت تقریباً پانچ ماہ دس یوم بنتی ہے کیا یہ بچہ ثابت
 النسب ہے؟ کیا نکاح دوبارہ پڑھا جائے۔ یا وہی سابقہ نکاح باقی ہے؟

الجواب یہ بچہ ثابت النسب نہیں ہے۔ اور پہلا نکاح باقی ہے دوسرا نکاح پڑھنے کی
 حاجت نہیں۔ واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لا قل من

ستة اشهر منذ يوم تزوجها لو ثبت نسبه لان العلوق سابق على النكاح فلا يكون منه۔

ہدایہ ج ۲ ص ۴۱۲ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ ۱۲ - ۶ - ۱۴۰۳ھ

الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ

زید والد حقیقی نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک آدمی سے کر دیا۔ آدمی مزدوری کے لئے
 کہیں دور دراز چلا گیا۔ جب واپس آیا۔ تو اس کی بیوی حاملہ تھی۔ اس بات پر لوگوں نے شور
 مچایا۔ کہ حمل حرام کا ہے۔ اب بچہ پیدا ہوا ہے۔ شرعاً وہ کس کا سمجھا جائے گا۔ آپ
 شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے وضاحت کریں۔

الجواب

صورت مسئلہ میں مذکورہ لڑکا خاوند ہی کا سمجھا جائے گا۔ اسے ولد الحرام کہنے والے سخت مجرم اور قابل سزا ہیں۔ آپ کے علاقہ میں شرعی قوانین انج ہوں تو مذکورہ افراد کے خلاف مقدمہ درج کرایا جاسکتا ہے تاکہ تحقیق واقعہ کے بعد ہر مجرم کو مناسب سزا دی جاوے۔ وان جاوت به لستہ اشھر قصاعد ایثبت نسبہ منہ اعترف به الزوج اوسکتہ عالمگیری ^{۳۶}/_{۱۲} فقط واللہ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ نائب مفتی

البواب صحیح - بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

جامعہ خیر المدارس ملتان

مفتی خیر المدارس ملتان ۹۹/۶/۲۹

مرزائیہ سے نکاح کر لے تو اولاد کے نسب کا حکم

مرزائی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔ اس نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد کی شرعی حیثیت کیا ہوگی۔ اولاد جائز ہے یا ناجائز؟ صورت مسئلہ میں ان بچوں کا نسب ثابت ہوگا۔ درمختار میں ہے۔

الجواب

ولا حد ایضاً بشبهة العقد ای عقد النکاح عند ای الاحام کو طء محرم

نکحہا الی ان قال وحرر فی الفتح انما من شبهة المحل وفيها ثبت النسب اه در مختار علی رد المحتار ^{۱۵۲}/_۳

قال الشافعی صوابہ فی الخرفانہ بعد ما ذکر ما قد مناه عن الفتح قال وهذا انما

یتم بناء علی انها شبهة اشتباه قال فی الدراية وهو قول بعض المشايخ والصحيح انها

شبهة عقد لانه روى عن محمد انه قال سقوط الحد عنه لبشبهة حكمية فيثبت النسب

اه وهذا صريح بان الشبهة فی المحل وفيها ثبت النسب علی ما مر اه وفي مجمع الفتاوی

یثبت النسب عندہ خلا قالہما ^{۱۶۸}/_۳ محرم کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی نے ترمذی مجوسید

کو بھی داخل کیا ہے۔ اور عالمگیری میں مجوسید و مرتدہ کا ایک حکم لکھا ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ ۹۹/۷/۲۸

حالت غایت میں کئے گئے نکاح کے بعد اولاد پیدا ہونے کا ثابت النسب ہوگی

زید نے شادی کی۔ کسی وجہ سے منکوحہ کو طلاق دے دی۔ مطلقہ نے فوراً بعد ۱۸ دنوں میں شادی رچالی۔ اس مدت میں مطلقہ کو حیض وغیرہ نہیں آیا۔ جب عاوند اول سے مطلقہ ہوئی تو غیر حاملہ تھی۔ دوسری شادی کے تین سال بعد اولاد پیدا ہوئی۔ یہ اولاد ثابت النسب ہوگی یا نہ؟ اور اس اولاد سے نکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

محکم دلائل سے مزین و متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ
مذکور عورت کا نکاح ثانی فاسد ہے۔ بشرط اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے۔
میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کی وجہ سے سخت مجرم ہیں۔ معہذا نکاح ثانی کے بعد پیدا ہونے والی بچیاں اس باپ سے ثابت النسب ہوں گی۔ انہیں ولد الزنا کہنا درست نہیں اور ان سے عقد نکاح درست ہے۔

واذا تزوجت المعتدة بزواج آخر ثم جاءت بولد الزنا فان علم ذلك وقع النكاح الثاني فاسداً
فجاءت بولد فان النسب يثبت من الاول ان امکن اثباته بان جاءت به لاقل من سنتين منذ طلقها الاول او مات ولسته اشهر فصاعداً منذ تزوجها الثاني لان النكاح الثاني فاسد ومهما أمكن احوال النسب الى القراش الصحيح كان أولى وان لم يمكن اثباته منه وامكن اثباته من الثاني فالنسب يثبت من الثاني بان جاءت به لاكثر من سنتين منذ طلقها الاول او مات ولسته اشهر فصاعداً منذ تزوجها الثاني لان النكاح الثاني وان كان فاسداً لكن لما تعدد اثبات النسب من النكاح الصحيح فاثباته من الفاسد أولى من الحمل على الزنا وهكذا في البدائع (عالمگیری ج ۵ ص ۵۲۸) فقط والاعلم۔

محمد انور ۲۳۔ ۱۰۔ ۹۹ھ

علامہ شامی نے نکاح معتدہ کا بعض صورتوں میں جو باطل ہوتا اور موجب عدت نہ ہونا نقل کیا ہے۔ یہ بدائع وغیرہ کی اس تصریح کے مقابلہ میں مروج ہے۔
فالجواب صحیح۔ بندہ عبد الستار مفتی خیر المدارس ملتان

زانی مرتبیہ سے نکاح کرے اور چھ ماہ سے پہلے بچہ پیدا ہو تو نسب کا حکم

ایک کنواری بالغہ لڑکی سے زید نے زنا کیا۔ پھر برادری نے ان دونوں کا نکاح کر دیا۔ اب بچہ پیدا ہوا ہے۔ بچہ نکاح کے چار ماہ بعد پیدا ہوا ہے تو کیا یہ بچہ زید ہی کا کہلائیگا اور زید کی وراثت بھی لے گا۔ غلام محمد راجہ مدظلہ العالی

اگر زید یہ کہے کہ یہ بچہ میرا ہی ہے تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ زید یہ نہ کہے کہ زنا سے پیدا ہوا ہے۔

الجواب

ولو زنی بامرأة فحملت ثم تزوجها فولدت ان جاءت به لستة اشهر فصاعداً ثبت نسبہ وان جاءت به لاقول من ستة اشهر لم يثبت نسبہ الا ان يدعيه ولو قيل انه من الزنا امان قال انه مني من الزنا لا يثبت نسبہ ولا يرث منه كذا في الينابيع اه (عالمگیری ص ۵۴) فقط والله اعلم

احقر محمد انور عفا الله عنه

منکوحہ کا بیٹا خاوند ہی کا سمجھا جائے گا

بہو لہان نسب منتفی نہیں ہوگا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے۔ زید اور بکر دو سگے بھائی ہیں۔ زید کی شادی ہو گئی۔ زید نے اپنی عورت (منکوحہ) کو طلاق دے دی بعد ازیں اس مطلقہ عورت کا نکاح بکر سے ہو گیا۔ لیکن مطلقہ زید کے پاس ہی رہی۔ اور اب تک اسی کے پاس ہے۔ تین لڑکے اور پانچ لڑکیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ بکر نے دوسری شادی کر لی۔ جس سے اس کے دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ بکر نے اپنے لڑکے کی شادی اپنی ہمیشہ کی لڑکی سے کر دی۔ اب وہ حاملہ ہے۔ لیکن زید نے بکر کے لڑکے کی شادی شدہ کو درغلا کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اپنی لڑکی (جو مطلقہ عورت سے ہے اور بکر سے اس کا نکاح ہے) سے شادی کر دی ہے اور پہلی عورت کو بذریعہ ڈاک رجسٹری طلاق نامہ لکھ کر بھیج دیا۔ کیا یہ طلاق

اور شادی درست ہے۔ زید نے جس وقت طلاق دی اس کی اولاد نہیں تھی۔ بعد انخواء کرنے کے اولاد پیدا ہوئی۔

الجواب صورت مسئلہ میں عورت مذکورہ چونکہ بکر کی منکوحہ ہے اور اس سے طلاق بھی حاصل نہیں کی گئی۔ لہذا عورت مذکورہ کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد بکر کی اولاد متصور ہوگی۔ تا وقتیکہ لعان کر کے ان کا نسب منقطع نہ کر دے پس بکر کا لڑکا نہ کی کا علاقائی بھائی ہوا۔ اور علاقائی بہن بھائی میں نکاح درست نہیں لہذا نکاح مذکورہ باطل ہے۔ بکر کے لڑکے کی طلاق واقع ہو گئی۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفی عنہ

الجواب صحیح، بندہ محمد عبد اللہ عفی عنہ

مفتی خیر المدارس ملتان

۹ - ۹ - ۹

مرزائی سے نکاح کیا تو اولاد ثابت النسب نہ ہوگی مرزائی مرد اور مسلمان عورت کا نکاح ہو سکتا ہے؟

مرزائیوں سے تعلقات رکھنا کیسا ہے؟ مسمی دلاور نے اپنی بیٹی کا نکاح عنایت سے کیا جبکہ وہ گیارہ سال کی تھی دس سال آباد رہی پھر اس کو والد نے گھر بلایا اور دوسری جگہ بغیر طلاق لئے نکاح کر دیا۔ یہ نکاح کیسے ہے؟ اس سے پیدا ہونے والی اولاد کے نسب کا حکم کیا ہے؟

الجواب یہ نکاح ایسے ہے جیسے کسی عیسائی چوہڑے کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح کر دیا جائے یہ بالکل کالعدم ہے اور یہ اولاد بھی ولد حرام ہے۔ نکح کافر مسلمۃ فولدت

منہ لا یثبت النسب منه ولا تجب العدة (لأنہ نکاح باطل اھ) (شامی مج ۶۳۳)

۲۔ ان سے تعلقات رکھنے جائز نہیں اور ان کے جنازوں و نکاحوں میں شرکت کرنا بھی ممنوع ہے

۳۔ دوسرا نکاح جائز نہیں لہذا زوجین میں تفریق کرنا لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم،

بندہ عبد الستار عفی عنہ

الجواب صحیح

بندہ محمد اسحاق غفرلہ ۱۳۹۵/۲/۲۵

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دُڈ

ثبوت نسب کی ایک نادر الوقوع صورت

مریض ہیں جن میں سے ایک مریض کی قوت باہ یعنی مردانہ طاقت بالکل زائل ہو چکی ہے اور یہ مریض شادی شدہ ہے دوسرے مریض کی مردانہ طاقت تو ٹھیک ہے۔ لیکن کسی دوسرے مرض میں مبتلا ہے یہ دونوں مریض ایک لائق اور قابل سول سرجن کے زیر علاج ہیں۔ قدرت کو ایسا منظور ہوا کہ وہ مریض جس کی قوت مردانہ ٹھیک تھی، مرچکا۔ اب سول سرجن اس مریض سے ذکر کاٹ کر دوسرے مریض کو لگا دیتا ہے جس کی مردانہ طاقت ختم ہو چکی تھی۔ اور اس کا ذکر (آلہ تناسل) کاٹ کر مردہ کو لگا دیا۔ اب یہ مریض جس کی قوت باہ زائل ہو چکی تھی۔ ٹھیک ہو گیا۔ اس کی طاقت بحال ہو گئی۔ اور اس دوسرے ذکر (آلہ تناسل) کے لگا دینے سے اس کی اولاد بھی پیدا ہونے لگی۔ اور یہ اپنی بیوی کی خواہش کو پورا کرنے کے قابل بھی ہو گیا تو کیا اس اولاد کا نسب اس سے ثابت ہوگا۔ کیا شریعت میں یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اگر سرجن ایسا عمل نہ کرتا تو یہ قوت باہ کی بیماری میں مبتلا۔ مریض ٹھیک نہیں ہو سکتا تھا اور اس کی زندگی مفت میں تباہ ہو جاتی۔ نیز اگر شریعت میں یہ صورت جائز نہیں۔ تو کیا یہ مریض مذکور شادی شدہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ کیونکہ پھر وہ تو اپنی بیوی کی خواہش کو پورا نہیں کر سکتا۔ بینوا تو جروا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انسانی اعضا سے انتفاع کی تین صورتیں ہیں۔

الحجۃ

۱۔ عام ضروریات کے لئے استعمال کرنا ۲۔ عام حالات میں تداوی کی

غرض سے استعمال کرنا ۳۔ علاج کی اضطراری حالت۔ پہلی اور دوسری حالت میں انسان کے کسی جز سے انتفاع جائز نہیں۔ خواہ یہ جز کسی زندہ انسان کا ہے یا مردہ کا۔ جیسا کہ فقہاء کرام کے کلام سے ظاہر و باہر ہے۔ انسانی بالوں سے انتفاع کے عدم جواز کا تذکرہ صراحتہ تمام کتب میں موجود ہے۔ ہدایہ میں ہے۔

ولا یجوز بیع شعور الانسان ولا الانتفاع به لان الادمی

مکوم لا مبتذل فلا یجوز ان یکون شیئ من اجزائه

مہانا مبتذلاً۔ (ہدایہ ص ۳۹ ذیاتیہ ص ۲۴ در مختار ص ۲۴)

اسی تعلیل پر اضافہ کرتے ہوئے ابن ہمام لکھتے ہیں۔

زنی میں اہانتہ لہ و کذا فی امتہانہ بالانتفاع جلد انسانی کی دباغت اور اس کے استعمال کے سلسلہ میں فقہاء کرام کی تصریحات بھی اسی پر دال ہیں چند عبارتیں ہیں۔
 واما جلد خنزیر و آدمی فلا یدبغ لکرامتہ ولو دبغ طہر وان حرم استعمالہ (در مختار) (ب) و حرمتہ الانتفاع باجزاء لآدمی لکرامتہ (ج) اذا دبغ جلد انسان طہر لکن لا یجوز الانتفاع بہ کسائر اجزائہ نہایت بحوالہ فتاویٰ قدس سرہ ج ۱ ص ۸۳ نوکثوری (د) و جلد لآدمی لکرامتہ لثلا یتجاسر الناس علی من کرمہ اللہ بابتذال اجزائہ و علی الہدایۃ ص ۸۲۔ اس محرم الانتفاع ہونے میں زندہ اور مردہ دونوں انسان برابر ہیں جیسا کہ مؤخر الذکر عبارات سے ظاہر ہے کیونکہ جلد آدمی کی دباغت اور اسے استعمال کا سوال موت کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں فقہاء کرام نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ موت کے بعد بھی مردے کا ویسا ہی احترام واجب ہے جیسا کہ زندگی میں تھا ابن الہمام ایک مسئلہ کی تعلیل و توضیح میں لکھتے ہیں۔

توضیحہ الاتفاق علی ان حرمتہ المسلم المیت لحرمتہ حیاً اھ لغرض تداوی کسی چیز کا استعمال یہ بھی ایک قسم کا انتفاع ہے اور عبارات بالا میں اجزائے انسانی سے انتفاع کو علی الاطلاق حرام قرار دیا گیا ہے۔ لہذا بطور دوا بھی اجزائے انسانیہ کو استعمال کرنا درست نہیں ہوگا۔ چنانچہ امام محمد سے انسانی ہڈی کو دوا استعمال کرنے کا عدم جواز منقول ہے۔

قال محمد فی السیر الکبیر لا بأس بالتداوی بالعظم اذا کان عظم شاة او بقرة او بکیر او فرس او غیرہ من الدواب الا عظم الخنزیر و لآدمی فانہ یکرہ التداوی بہما فقد جوز التداوی بعظم ما سواہی الخنزیر و لآدمی (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۱۱)

دباغت جلد اور اسے استعمال کرنے کے سلسلے میں جلد انسان جلد خنزیر کو جیسے ایک ہی سطح پر رکھا گیا تھا۔ تداوی کی بحث میں بھی ان کی ہڈیوں کو ایک ہی درجہ میں ممنوع ٹھہرایا گیا ہے اگر علت الگ الگ ہو۔ تداوی ہی کی بحث میں عالمگیری میں یہ جزئیہ بھی موجود ہے۔

الانتفاع باجزاء الادی لم یجوز قیل للنجاسة وقیل للکرامة
هو الصیغ کذا فی جواهر الاخلاطی۔

سابقہ عبارات سے اجزائے انسانی سے انتفاع کا عدم جواز کو انتفاع علاجاً ہی ہو، ظاہر ہے کسی نابینا کو بینا کرنا یا کسی کی قوتِ مردی کو بحال کرنا یا اسی قسم کے دوسرے عیوب کو دور کرنا۔ ہمارے نزدیک عدمِ تداویٰ میں داخل ہے۔ علاج کی اضطراری حالت میں اسے داخل نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ آئندہ اضطراری حالت کی تعریف سے خود ظاہر ہو جائے گا۔ پس ایسے معالجات میں کسی عضوِ انسانی کا دوسرے مریض کی طرف منتقل کر دینا جائز نہیں، علاوہ ازیں اگر عام معالجات میں انسانی اجزاء کی اس طرح منتقلی کی اجازت دے دی جائے تو انسانی ڈھانچوں کی خرید و فروخت کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسا کہ ناکارہ موٹروں وغیرہ کے ڈھانچوں کے کارآمد پڑنے میں نکال لئے جاتے ہیں۔ اور باقی کبار خانے میں پہنچ جاتا ہے اور ایسی صورت میں احکامِ شریعت کی جو خلاف ورزی ہوگی۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ بیخ مینہ نعش کی بے حرمتی پوری کتاب الجنائز کے مسائلِ غسل۔ کفن و دفن وغیرہ کا خاتمہ۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں نعش کا مثلہ ہونا لازم آتا ہے جو کہ بعض حدیثِ پاک ممنوع و حرام ہے نابینا کو بینا کرنا یا ازیں قسم دیگر معالجات فرض و واجب نہیں اور محظوراتِ مذکورہ بالا کا ارتکاب حرام ہے۔ تو محض ایک مباح کے لئے ارتکابِ حرام کی کیسے اجازت دی جاسکتی ہے عدم جواز کی چوتھی وجہ یہ بھی ہے کہ باقی اشیاء کو حق سبحانہ تعالیٰ نے متاع ہونے کی حیثیت میں پیدا فرمایا ہے اور انسان کو بلا تمیز کا فردِ مسلم کے مستمتع اور استعمال کنندہ قرار دیا ہے۔ یہ اشیاء توڑ پھوڑ کر کوٹ چھان کر حسبِ ضرورت انسانی ضروریات میں کام آتی رہتی ہیں۔ باقی اشیاء میں متاعیت اور مالیت کے اعتبار۔ فرق ہی کیا رہ جائے گا۔ اسی فرق اور حقیقت کو شریعت میں پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور انسان کی اسی خصوصیت کو فقہاء کرام نے تکریمِ انسانی کے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے۔ فائدہ: اگر اپنا کوئی عضو کوٹ جائے تو اسے اسکی جگہ پر لگالینا جائز ہے بقول امام ابو یوسف وف السراج الوہاج وان قطعت اذنه قال ابو یوسف لا بأس بان یعیدھا الی مکانھا وعندھما لایجوز (بحر مج ۱۱۳)

علماء کے لئے جزیئہ ہذا کے پیش نظر یہ امر قابل غور ہے کہ کیا اس سے اپنے بدن کے کسی ٹکڑے کو دوسرے حصے کی طرف منتقل کرنے کا جواز نکل سکتا ہے؟ بظاہر اسکی گنجائش معلوم ہوتی ہے معالجہ کی اضطراری حالت : ثبوت اضطرار کے لئے اندیشہ موت کا وجود ضروری ہے اگر کسی مرض سے موت کا ظن غالب نہیں ہے۔ تو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس مرض کے لئے کوئی دوسری مباح دوا نہ مل سکے اور موجود نہ ہو۔ پھر یہ دو حال سے خالی نہیں ہوگا۔ اس دوا سے شفا ممکن ہے۔ جیسا کہ معالجات میں ہوتی ہے یا شفا۔ ایسی یقینی ہے جیسا کہ حالتِ منحصرہ میں کوئی چیز کھالینے سے جان کا پتہ جانا تو یہ دو صورتیں ہوتیں۔

۱۔ شفا ممکن ہے۔ مؤخر الذکر صورت میں تداویٰ بالحرام بالاتفاق جائز ہے بشرطیکہ یقینی شفا ہو۔

فی شرح الدرر ان قوله لا للتداوی محمول علی المظنون والافجوازه
بایقینی اتفاقاً كما صرح به فی المصنف اھ وبعد اسطر و ظاہر
المذهب المنع محمول علی المظنون كما علمته وقال ایضاً
فی الشامیة مجیباً عن حدیث العربیین من جانب الامام حتی لو
تعین الحرام مدفعاً للہلاک یحل کالمیتة والخمر عند الضرورة
کله فی الشامیة مج ۱۹۲۔

یہ بحث الگ رہی کہ اطباء کے قول سے یقین شفا ہو جاتا ہے یا نہیں لیکن
لحم خنزیر کے ساتھ اس حالت پر بھی تداویٰ کی ممانعت ہے۔ قال فی الشامیة مج ۱۹۲
ونقل الحموی ان لحم الخنزیر لا یجوز التداوی به وان تعین
مگر بظاہر یہ خلاف نص ہے کیونکہ قرآن مجید میں مضطر کے لئے لحم خنزیر کی اجازت
دی گئی ہے۔ کما لا یخفی۔ پس غالباً یہ جزیئہ پہلی صورت (یعنی شفا ممکن ہے) پر محمول ہوگا
نیز اس صورت میں اسکی بھی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔ کہ انسانی عضو کو کاٹ کر مریض کی
جان بچانے کے لئے استعمال کیا جائے جیسا کہ خود حالتِ منحصرہ جو کہ مقیس علیہ کی اضطراری
حالت میں ایسا کرنا جائز نہیں نہ اپنے جسم کا کوئی ٹکڑا۔ نہ دوسرے انسان کا کوئی عضو۔

مضطر لم يجد ميتة، وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدي
وكلها او قال اقطع مني قطعة فكلها لا يسعه ان يفعل
ذلك ولا يصح امره به كما لا يسع للمضطر ان يقطع قطعة من لحم
نفسه فياً كلاه -

البتہ ایسی حالت میں اگر کسی ایسے جزا انسانی کو استعمال کر لیا گیا جس کے حصول میں
انسانی جسم کی قطع و برید لازم نہیں آتی تو اسکی گنجائش ہے جیسا کہ وجوہ ذیل سے ظاہر ہوتا ہے عورت
کا دودھ دکھتی آنکھ میں استعمال کرنا عام حالات میں مختلف فیہ ہے۔ کما فی البحر بلکہ محقق ابن
نجیم کے صنیع سے ترجیح جواز معلوم ہوتی ہے۔ پس جب آنکھ کے لئے اس کا استعمال جائز ہے
تو جب اس کا دافع ہلاکت ہونا متعین ہو تو ایسی حالت میں بطریق اولی جواز ہونا چاہیے۔
عالمگیری کے اس جزئیہ سے صراحتاً اس کا جواز معلوم ہوتا ہے گو اضطراری حالت نہ ہو۔
ولا بأس بأن يسقط الرجل بلبن المرأة ويشربه للدواء ص ۱۲
ولا يجوز للمرضعة دنع لبنها للتداوى ان اضرباً لصبي (ہندیہ ص ۱۱۲)
ان مؤخر الذکر جزئیات سے اگر اضطراری حالت میں مریض کو خون دینے کی گنجائش کا استنباط
کیا جائے تو قرین قیاس ہے کیونکہ دم و لبن استحقاق تکریم کے اعتبار سے مساوی ہیں اور
یہی تکریم ہی مدار ممانعت ہے۔ دھوا الاصح کما مر اور نجاست و طہارت کا فرق قابل لحاظ نہیں
کیونکہ حالت اضطرار میں تداوی بالجسر و الطاهر دونوں جائز ہیں۔ الحاصل علاج کے طور پر
کسی عضو انسانی کو دوسرے مریض میں منتقل کر دینا جائز نہیں خواہ اضطراری حالت ہی ہو۔
البتہ ایسی حالت میں خون دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

فی الدر المنخار و سیجی فی الاستیلا دان الفراش علی اربع مراتب و
فی الشاشیة (قولہ علی اربع مراتب) ضعیف و هو فراش الامة لا یثبت
النسب فیہ الا بالدعوة و متوسط و هو فراش ام الولد فانه یثبت فیہ
بلا دعوة لکنہ ینتفی بالنفی و قوی و هو فراش المنکوحہ و معتدۃ الرجعی
فانه فیہ لا ینتفی الا باللعان و اقوی کفراش معتدۃ البائن فان الولد

لا ینتفی فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان و شرط اللعان الزوجیۃ
(رد المحتار ج ۲/۶۸۲) و فی المہندیۃ ص ۱۴۲ رجل عالج جاریتہ فی مادون
الفرج فانزل فاخذت الجاریۃ ماءً فی شئ فاستدخلتہ فی فرجہا فغلت عندہا
حینفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ان الولد ولدہ وتصیر الجاریۃ ام ولد لہ کذا فی
فتاویٰ قاضی خان انتہی۔

جزئیات بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آدمی سے پیدا ہونے والی اولاد کا نسب اسی سے
ثابت ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، بندہ عبد الستار عفی عنہ



اگر کسی شخص نے
پہلے چار بیویوں
بیا تو اس سے ہونے والی اولاد کے نسب کا حکم
پانچویں بیوی سے نکاح کر لیا ہو اور اس پانچویں بیوی سے اولاد پیدا ہوئی ہو تو کیا پانچویں
بیوی کی اولاد کا نسب اس شخص مذکور سے ثابت ہوگا یا نہیں اور اس شخص کے مرنے کے بعد
پانچویں بیوی کی اولاد مرحوم باپ کی جائیداد سے حصہ لینے کی حق دار ہوگی یا نہیں کیا پانچویں بیوی
کی اولاد پہلی چار بیویوں کی اولاد کے برابر مرحوم باپ کی جائیداد میں حق دار ہے جبکہ شخص مذکور
نے اس بیوی کی اولاد کا اندراج میں نوٹسپل کمیٹی میں درج رجسٹر کرایا ہو۔؟

فقہائے حنفیہ نے پانچویں شادی کا تذکرہ کتاب الحدود میں زنا کی حد بیان
کرتے ہوئے کیا ہے جس سے مسئلہ ہذا میں فیصلہ کی بات سامنے آجاتی ہے

چنانچہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ حضرات فقہائے باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ
میں تین قسم کے شبہات کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۔ شبہ فی الفعل جسے شبہ اشتباہ بھی کہا جاتا ہے ۲۔ شبہ فی المحل جسے شبہ حکمیہ سے
بھی تعبیر کیا جاتا ہے ۳۔ شبہ فی العقد: ان شبہات حلت کو تمام مصنفین مثلاً قاضی خان
صاحب فتاویٰ عالمگیری صاحب درمختار صاحب کنز الدقائق وغیرہ نے بیان فرمایا ہے نیز

ان عورتوں کی الگ الگ فہرست بھی دی ہے جن سے نکاح کے بعد مجامعت کرنے میں حلت کا کوئی شبہ پایا جاتا ہے اور اس امر کی وضاحت بھی بالاتفاق تمام فقہاء نے کر دی ہے کہ جن عورتوں کے بارے میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے اگر کسی شخص نے ان سے مجامعت کر لی اور اس سے اولاد پیدا ہوئی تو اسکی اولاد کا نسب مجامعت کنندہ سے ثابت ہو جائے گا۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

(۱) والشبهة عايشة الثابت وليس بخات و هي انواع شبهة في الفعل وليسي شبهة اشتباه وشبهة في المحل وتسمى شبهة حكمية فالحد يسقط بالنوعين والنسب يثبت في الثاني ان ادعى الولد ولا يثبت في الاول وان ادعاه.... وشبهة في العقد ۱ ص ۲۲۷ ۲۲۸ صاحب تنوير الابصار لکھتے ہیں۔

(۲) الشبهة ثلاثة انواع شبهة حكمية في المحل وشبهة اشتباه في الفعل وشبهة في العقد (در مختار ص ۱۵۵ شامی) ان شبہات کی تفصیل کرنے کے بعد حکم بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۳) ان ادعی النسب يثبت في الاولى شبهة في المحل لا في الثانية اي شبهة الفعل تنوير مع الدر م ۱۵۷ ۱۵۸

(۴) كنز الدقائق میں ہے۔ لاحد بشبهة المحل... وشبهة في الفعل وان ظن حله.... والنسب يثبت في الكل فقط (۱) يثبت النسب في شبهة المحل با لدعوة الخ كنز مع بحر الرائق ج ۵ ص ۱۵۸

دیگر حوالہ جات بھی اس سلسلہ میں بہت ہیں لیکن بنظر اختصار انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے حوالہ جات بالا سے یہ امر بالکل عیاں ہو گیا کہ جن عورتوں کے بارے میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے ان سے پیداشدہ بچہ صحیح النسب تصور ہوگا اور مجامعت کنندہ سے ان کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اب قابل تحقیق یہ امر باقی ہے کہ چاروں بیویوں کی موجودگی میں بائیس عورت کے بارے میں کونسا شبہ پایا جاتا ہے اس بحث سے فقہاء حضرات کی تصریح مل گئی ہے کہ ایسی صورت میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ایسی عورتوں کی

فہرست دیتے ہوئے لکھتے ہیں والشبهة فی المحل فی دلی امۃ ولده وولد ولده
 کذا فی الکافی چند سطروں بعد لکھتے ہیں کذا لو تزوج خمساً فی عقدۃ او
 تزوج الخامسة فی نکاح الاربع او تزوج باخت امرأته او بامها فجامعها قال
 علمت انما علی حرام او تزوجها متعة لایجب الحد فی هذه الوجوه وان قال
 علمت انها علی حرام ص ۲۲۷. قاضی خان میں بھی ایسی عورتوں کی فہرست دی گئی جن
 میں پانچویں شادی کا تذکرہ بھی ہے آخر میں لکھتے ہیں لایجب الحد عند ابی حنیفة فی
 هذه الوجوه اس کے بعد لکھا ہے۔ وان قال علمت انما علی حرام ص ۸۲۰، ۸۲۱ ج ۲
 نوٹ: واضح ہے کہ جن عورتوں میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے انے مجامعت کنندہ اگر یہ
 اقرار بھی کرے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ عورت مجھ پر حرام ہے اس کے باوجود میں نے مجامعت کی ہے
 تو بھی اس پر حد نہیں لگتی چنانچہ عبارت نمبر ۲ سے ظاہر ہے اور دیگر تمام کتابوں میں بھی مصرح ہے۔
 بخلاف شبہ فی الفعل کہ اگر ان عورتوں کے بارے میں یہی اقرار کرے تو حد ساقط نہیں ہوتی بلکہ
 حد زنا اس پر جاری کی جاتی ہے چنانچہ درمختار میں ہے۔ لاحد بشبهة فی الفعل
 ان ظن حله۔ قال الشامی فنفی الحد هنا مشروط بظن المحل بخلاف ما مر
 درمع الشامی ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۷ پس اسی تہنہ کے پیش نظر عالمگیری قاضی خان کی عبارت میں
 جملہ "وان قال علمت" کے اضافہ نے یہ بات بالکل صاف کر دی مذکورۃ الصدر عورتوں
 (جن میں پانچویں شادی والی عورت بھی ہے) میں شبہ فی المحل پایا جاتا ہے ورنہ اقرار کے باوجود
 سقوط حد کا حکم نہ کیا جاتا ہے۔

الحاصل تفصیل بالا یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ جس نے چار عورتوں کی موجودگی میں
 پانچویں عورت سے شادی کی تو اس سے مجامعت کی صورت میں شبہ فی المحل کا تحقق ہو گیا ہے اور
 ہر ایسی عورت جس کے بارے میں ایسا شبہ پایا جائے مجامعت کنندہ خاوند سے اسکی اولاد کا
 نسب ثابت ہو جاتا ہے پس اس تحقیق کے پیش نظر صورت مسئلہ میں بھی حکم کیا جائے گا کہ
 مسئلہ پانچویں بیوی سے پیدا شدہ اولاد خاوند کی صحیح النسب اور جائز اولاد ہے اور ثبوت نسب
 کے بعد میراث سے محرومی یا عدم استحقاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ میراث کا مدار ثبوت پر

ہے گو نسب کسی بھی طریق سے ثابت ہو یعنی گو اس کا نسب غیر مشروع اور ناجائز ہو چنانچہ علامہ شامی علامہ مقدسی سے نقل فرماتے ہیں۔ لان النسب يستحق به الميراث ولو كان سببہ محظوراً کما فی النکاح الفاسد والوطء بشبهة شامی ج ۵ ص ۵۲۸

۲۔ علاوہ ازیں قانون میراث کا یہ ایک مستقل اصول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے بچے کے متعلق بہ صحت ہوش و حواس یہ اقرار کرے کہ یہ میراث ہے اور اس کا نسب کسی دوسرے شخص سے ثابت نہ ہو تو یہ بچہ شخص مذکور کا بیٹا قرار دیا جائے گا دیگر جائز اولاد کے ساتھ یہ بچہ بھی مستحق میراث قرار پاتا ہے قال فی الشریفہ منا اما الاول فلان اقرارہ لمجهول النسب نسبہ منہ اذا لم يتضمن بتعمیل النسب علی غیرہ واشتمل علی شرائط صحته اوجب ثبوت نسب منہ واندراجہ فیما مر ذکرہ من الوراثة النسبۃ کان یقرلہ بانہ ابنہ وفی الحاشیۃ کما اذا قال انه ابنہ فثبت ابنتہ منہ ویکون داخلًا فی الحصابات الخ وفی حاشیۃ السراجیۃ عن انوار السراج یشارک الوراثة فی المیراث۔ پس اسی ضابطہ کی بناء پر پانچویں بیوی کی اولاد مستحق میراث ہے جبکہ ناکح نے اسی بیوی کی اولاد کو اپنی اولاد ہونا ظاہر کیا ہو اور اسی سوال سے ظاہر ہے کہ ناکح نے اس بچہ کا اندراج اپنی ولایت کے ساتھ کمیٹی کے کاغذات میں کرادیا تھا۔

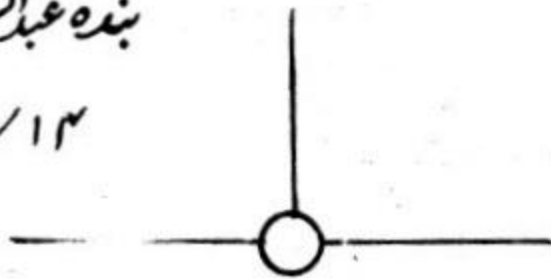
الحاصل پہلی دلیل کی بناء پر بھی اور مؤخر الذکر ضابطہ کے تحت بھی مستول عنہا پانچویں بیوی کی اولاد صحیح النسب اولاد ہے اور مستحق میراث ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ

۱۴ / ۱۰ / ۸۴ھ

الجواب صحیح،

عبداللہ عفا اللہ عنہ



رسالہ تین طلاق

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ - اَمَّا بَعْدُ :

حق جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ کے مقتضاء کے مطابق ہر نوع میں زوجین پیدا فرمائے۔ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ (الذاریات آیت نمبر ۴۹) نباتات کے علاوہ حیوانات میں بھی نر اور مادہ کے ذریعے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری فرمایا اور ہر نوع کی افزائش نسل اور بقا و نشوونما کے مختلف اسباب رکھے۔

بنی نوع انسان کو تمام کائنات پر فضیلت و شرافت سے نوازا گیا۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (بنی اسرائیل، آیت ۷۰) دیگر حیوانات میں سلسلہ توالد و تناسل محض نفسانی خواہش اور اس کی تحریک کے تابع ہوتا ہے، جب کہ انسان کو نعمت نکاح سے امتیاز بخشا گیا۔ چنانچہ نکاح و ازدواج ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسے دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ نکاح کے ذریعے خاندانی نظام کی پہلی اکائی وجود میں آتی ہے جس کے بعد نسبی و صبری رشتوں کے جدا جدا سلسلے قائم ہو کر پھیلتے چلے جاتے ہیں اور انسانی معاشرہ محبت و اخوت، شفقت و ہمدردی کے جذبات سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ یہ حق جل شانہ کا عظیم احسان ہے جسے امتنان کے پیرایہ میں ارشاد فرمایا کہ : ”وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا“ (الفرقان، آیت ۵۴) پھر ہر ایک کے لئے مختلف حدود و حقوق اور احکامات دیئے گئے۔ جبکہ حیوانات اس شرافت و کرامت، حدود و حقوق و احکامات سے یکسر محروم ہیں۔ نہ نکاح کی حاجت، نہ نسبی و سرالی رشتوں کا احترام و تحفظ۔ ان میں

جوڑ محض شہوانی تحریک کی حد تک ہوتا ہے۔ قضائے شہوت کے بعد ان میں کوئی قانونی، اخلاقی رشتہ باقی نہیں رہتا جس پر احکام کا ترتیب ہو۔ لیکن چونکہ بچوں کی پرورش ماں کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اس لئے خالق کائنات نے ماں کے دل میں بچوں کی پرورش کا بے لوث، ناقابل شکست، قوی و فطری جذبہ و دیعت فرمادیا تاکہ بچے ضائع نہ ہوں۔ مرغی انڈوں پر بیٹھنے سے لے کر چوزوں کے مستغنی ہونے تک ان کی خدمت پر مامور ہے۔ بڑے ہونے کے بعد نہ ماں ماں ہے نہ بچے بچے ہیں۔ اور وہ ماں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھتے ہیں جو کہ دیگر افراد نوع اس کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہ کتے، بے، گائے، گدھے وغیرہ جانوروں کی حیوانی معاشرت ہے۔ جب کہ انسانی معاشرت اپنی شرافت و کرامت کے سبب اس سے یکسر مختلف ہے۔ جو نکاح، رشتوں کے تحفظ و احترام اور ان کے خصوصی و امتیازی احکامات پر مبنی ہے۔

یورپ اپنی شہوت پرستی کے جنون میں انسانیت کی فطری حدود کو توڑ کر حیوانیت کے قعر مذلت میں گر چکا ہے۔ خانگی امن و سکون اور نظام عصمت و عفت کی تباہی، کنواری ماؤں کی شرح میں سال بہ سال اضافہ کا ہونا اسی کا نتیجہ ہے۔

(۱) امریکہ میں ہر سال دس لاکھ کم عمر لڑکیاں مائیں بن جاتی ہیں۔ ان امریکی لڑکیوں میں پچھتر فیصد کنواری ہوتی ہیں۔ ۸۳ء میں پچاس فیصد ناجائز بچے پیدا ہوئے۔ امریکہ میں شادی کے بغیر میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے والوں کی تعداد ایک کروڑ ستر لاکھ ہو گئی۔ (نوائے وقت ص ۶، ۲۲-۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء)

اسلام انسانیت کی صلاح و فلاح کے لئے جامع مذہب ہے۔ اس میں انسان کی پیدائش سے لے کر وفات تک پیش آنے والے حالات کے احکامات دے کر رہنمائی فرمائی گئی ہے۔ عبادات ہوں یا معاملات، مناکحات ہوں یا عقوبات، ترکات ہوں یا موارد، ملکی امور ہوں یا خارجی، حقوق العباد ہوں یا حقوق اللہ، سب کے بارے میں مفصل احکام دیئے گئے ہیں۔

پھر نوع انسانی دو قسم کے افراد پر مشتمل ہے : مرد و عورت

اسباب کے درجے میں بقائے نوع کی ذمہ داری ان دونوں قسم کے افراد پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ بقائے نوع کے لئے دو امر ضروری ہیں : (۱) نئے انسانی افراد کی ایجاد و پیدائش اور (۲) موجودہ انسانی افراد کی بقا و نشوونما کا نظام۔ اگر امرار اول منتفی ہو جائے تو ظاہر ہے کہ موجودہ افراد فنا کی زد میں ہیں۔ ایک روز آئے گا کہ سب ختم ہو کر نوع انسانی سے یہ زمین خالی ہو جائے گی۔ اور اگر انسانوں کی پرورش، کھانے پینے وغیرہ کا کوئی نظام نہ ہو تو بھی نوع انسانی باقی نہیں رہ سکتی۔ بہر حال بقائے نوع کے لئے ہر دو امور بالا کا پایا جانا ضروری ہے۔ خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت فطری طور پر ان ہر دو امور کو مرد و عورت پر تقسیم فرما دیا ہے۔ امرار اول کی تمام تر ذمہ داری خلقی اور فطری طور پر عورت کے ذمہ ڈال دی گئی۔ جس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل یا وارہ بندی نہیں ہو سکتی۔ اور امر ثانی کی ذمہ داری مرد کے کندھوں پر لا دی گئی کہ وہ خود اپنی روزی و معاش کا بھی فکر کرے اور عورت اور اس سے پیدا ہونے والے افراد انسانیہ کے تمام تر نان و نفقہ، لباس و مکان، غذا و دوا وغیرہ کا انتظام بھی کرے، تا وقتیکہ وہ خود کفالت کی عمر کو نہ پہنچ جائیں۔ اسی فارمولے کے مقتضاء کے مطابق عورت کو پرورش اولاد اور امور خانہ داری کی منتظمہ اور ملکہ بنا کر گھر میں بٹھا دیا گیا۔ اور مرد کو کسب معاش کے لئے شب و روز محنت کرنے، لمبے لمبے سفروں کی صعوبتیں جھیلنے، زراعت، تجارت، ملازمت کی مشقتیں برداشت کرنے کے لئے متعین کر دیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی فطری اور نہایت معتدل و موزوں تقسیم ہے۔

یورپ عورت کو آزادی و مساوات کے سبز باغ دکھا کر اس پر ظلم کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس کی فطری و خلقی ذمہ داری بالکل اس کے ذمے رکھتے ہوئے (کیونکہ اس میں کوئی تقسیم یا وارہ بندی ممکن نہیں کہ ایک مرتبہ عورت بچہ جن لیا کرے اور دوسری مرتبہ یہ کام مرد کر لیا کرے) اسے بھی کسب معاش کے لئے بازار میں، فیکٹریوں میں، ریسٹورانٹوں میں، دفاتروں میں، اور نمائش گاہوں میں بھی کھینچ لایا ہے۔ اب یہ

صرف خاوند ہی کے لئے محبت و مودت کی رانی نہیں بلکہ اب اسے شہوت پرستوں کی ہوس ناکیوں کا نشانہ بھی بننا پڑتا ہے۔ اب اسے نت نئے گاہکوں کی تلاش ہے جو کسی اچھے ہوٹل میں اس کے ساتھ شب باشی کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے تیار ہوں، خانگی امن و سکون کا نام و نشان نہیں۔ عصمت کا دامن تار تار ہو چکا ہے اور طلاقوں کی بھرمار ہے۔ لاکھوں لاکھ غیر شادی شدہ جوڑے گناہ کی زندگی گزار رہے ہیں جنہیں ہر طرح کا قانونی تحفظ حاصل ہے۔ یہ سب حیوانی معاشرہ میں حیوانی زندگی گزار رہے ہیں اور ثم رد دناہ اسفل سافلین (التین آیت ۵) کا مصداق بن رہے ہیں۔ اسلام انسانیت کو عصمت و عفت پر مبنی ایک پاکیزہ نظام معاشرت دیتا ہے۔ اور نکاح کے مقدس رشتے کی ضرورت و اہمیت واضح کرتے ہوئے فریقین کو باہمی حقوق کی ادائیگی کا پابند بناتے ہوئے اس رشتہ کو مضبوط اور دیرپا بنانے پر زور دیتا ہے۔ ایسے ہی معاشرہ کو فحاشی کی گندگی سے پاک رکھنے کے لئے نکاح کو علم کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ ”وانکحوا الایامی منکم والصالحین من عباد کم واماء کم۔ (النور آیت ۱۸) اگر آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ ہو تو باندیوں سے ہی نکاح کر لیا جائے۔ ”ومن لم یستطع منکم طویلاً ان ینکح المحصنات المومنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتياتکم المومنات۔“ (نساء آیت ۲۵) اس سے نکاح کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ نیز بیوی کو خوش دلی سے خاوند کی اطاعت کرنے کی ترغیب دی گئی۔ حدیث میں آتا ہے کہ : ”قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای النساء خیر قال التی تسره اذا نظروا تطیعہ اذا امر ولا تخالفہ فی نفسہا ولا مالہا بما یکرہ۔“ (مشکوٰۃ ص ۲۸۳ ج ۲) اسی طرح مردوں کو حکم دیا گیا کہ عورتوں کے حقوق کا خصوصیت سے خیال رکھیں۔ ورنہ قیامت کے دن مدعی خود اللہ تعالیٰ ہوں گے۔ ”عن حکیم بن معاویۃ القشیری عن ابیہ قال قلت یا رسول اللہ ما حق زوجۃ احدنا

علیہ قال ان تطعمها اذا طعمت۔ و تکسوها اذا اکتسیت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا فی البیت (مشکوٰۃ ص ۲۸۱ ج ۲) وعن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اکمل المؤمنین ایماناً احسنہم خلقاً وخیار کم خیار کم لنسائہم۔“ (ص ۲۸۲ ج ۲) دوسری جگہ فرمایا کہ عورتوں کو معلقہ کر کے نہ رکھو کہ نہ تو ان کے حقوق ادا کرو اور نہ انہیں طلاق دے کر فارغ کرو۔ ”فلا تمیلوا کل المیل فتذروہا کالمعلقۃ۔ (نساء آیت ۱۲۹) پھر اس مقدس رشتہ نکاح کو باقی رکھنے کی ترغیب دی گئی۔ اسباب تفریق کو ختم کرنے کی بھی ہدایات جاری کی گئیں، لیکن مع ہذا بعض حالات میں زوجین کے مابین علیحدگی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اسلام نے بہترین طریقے پر طلاق کی بھی اجازت دی ہے۔

طلاق کی اہمیت اور مسائل طلاق سے لایرواہی :

دین کے دوسرے کاموں میں جیسے آجکل سستی ہو رہی ہے اور انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اسی طرح طلاق کے بارے میں ہمارے معاشرے کے اندر شعوری یا غیر شعوری طور پر بہت سی غلطیاں کی جاتی ہیں۔ عوام کی طرف سے یہ کوتاہی کی جاتی ہے کہ نکاح اور شادی کی تقریبات بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہیں، لیکن نکاح و طلاق کے مسائل کا اجمالی تعارف بھی نہیں ہوتا اور نہ انہیں سیکھنے سکھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے، حالانکہ ضروری مسائل کا سیکھنا فرض ہے اور بہت بڑی فضیلت کا حامل ہے۔

حضرت علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : لان اغدو الی قوم اسألہم عن أوامر اللہ تعالیٰ او یسألونی احب الی من ان احمل علی مائۃ فرس فی سبیل اللہ (تنبیہ الغافلین) یعنی صبح کے وقت میں لوگوں کے پاس جاؤں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے احکام کے بارے میں سوال کروں یا وہ مجھ سے سوال کریں۔ یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ سو گھوڑے اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے دوں۔

شادی ہو جانے کے بعد کبھی طلاق کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ مسائل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے عموماً تین طلاقیں ہی دی جاتی ہیں اور پھر غلط بیانی کر کے غلط فتوے حاصل کئے جاتے ہیں۔ نتیجتاً عمر بھر کے لئے حرام کاری میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک معزز خاندان میں طلاق کا واقعہ پیش آیا۔ لڑکی کے والد دین دار تھے۔ مفتیان کرام سے مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے طلاق کا فیصلہ فرمایا۔ خاندان میں بات چلی کہ لڑکی کو تین طلاقیں ہو گئی ہیں۔ اب یہ تجدید نکاح کر کے بھی خاوند کے گھر آباد نہیں ہو سکتی۔ اس فیملی کے اکثر لوگ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہیں۔ اکثر نے ان میں سے کہا کہ اس طرح کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ہم تو اس طرح روزانہ کہتے رہتے ہیں۔ گویا کہ پورا خاندان اس گناہ میں مبتلا ہے۔ اور ایک صاحب کہنے لگے کہ اس لڑکی کو بھیج دو، گناہ کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ کبھی اس قسم کی بات برادری کی طرف سے کہی جاتی ہے۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ اللہ جل جلالہ کی حرام کردہ چیزوں کو کوئی برادری، کوئی فرد، کوئی عدالت یا کوئی پارلیمنٹ حلال نہیں کر سکتی۔

اور خواص کی طرف سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ خطبات جمعہ میں، اپنے مواعظ میں، بیانات میں اور تقریر و تحریر میں طلاق کا مسئلہ شدید ضرورت کے باوجود بھی بیان نہیں کیا جاتا۔ عوام خود تو ان مسائل کے سیکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اگر علماء کی طرف سے بھی اس کی تبلیغ و سعی نہ کی گئی تو ان مسائل کا علم آخر کیسے ہوگا؟ اسی وجہ سے عوام میں بلکہ دین دار گھرانوں تک میں تین طلاق کے واقعات پیش آنے کے باوجود بھی انہیں ہضم کر لیا جاتا ہے اور شرعی احکام پر عمل درآمد نہیں ہو پاتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ طلاق کے مسائل کی تقریر و تحریر کے ذریعہ سے اشاعت کی جائے۔

طلاق کے اہم مسائل

طلاق کی تعریف :

نکاح کی قید کو مخصوص لفظ کے ذریعہ حالاً یا مآلاً ختم کرنا۔ (در مختار علی ہامش ردالمحتار ص ۴۴۹ ج ۲)

طلاق کے ارکان :

مخصوص الفاظ جو اشتناء سے خالی ہوں۔ (در مختار علی ہامش ردالمحتار ص ۴۵۳ ج ۲)

طلاق کا حکم :

طلاق رجعی میں عدت کے بعد اور اس کے علاوہ (یعنی رجعی کے علاوہ) میں بغیر عدت کے جدائی کا واقع ہونا۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۳۴۸ ج ۱)

طلاق کی صفت :

اصل میں تو یہ ممنوع ہے، لیکن ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔ (ایضاً ص ۳۴۸ ج ۱) اور اگر عورت ضرر رساں ہے یا تارکہ صلاۃ ہے تو اسے طلاق دینا مستحب ہے۔ (در مختار علی ہامش ردالمحتار)

شرائط طلاق :

خاوند کا عاقل بالغ ہونا (فتاویٰ ہندیہ ص ۳۵۳ ج ۱) اسی لئے مجنون اور نابالغ کی طلاق شرعاً معتبر نہیں۔ نہ وہ خود طلاق دے سکتا ہے اور نہ ہی اس کی طرف سے اس کا باپ یا ولی طلاق دے سکتا ہے۔ يقع طلاق کل زوج اذا کان بالغاً عاقلاً سواء کان حرّاً أو عبداً (ایضاً)۔ ولا يقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون (ہندیہ ص ۳۵۳ ج ۱) وکذا لا تصح من غیرہ کابیہ ووصیہ

والقاضی للضرر۔ (ردالمحتار ص ۱۲۱ ج ۵)

البتہ اگر خاوند خطرناک مجنون ہے یا متعنت یا مفقود الخبر ہے تو شرعی ضوابط کے مطابق عدالت عورت کو آزاد کر سکتی ہے۔ قال محمدؑ ان كان الجنون حادثاً یؤجله سنة كالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ وان كان الجنون مطبقاً فهو كالجب وبہ ناخذ کذا فی الحاوی القدسی۔ (عالمگیری ص ۵۲۶ ج ۱) وقد قال فی البزازیة الفتوی فی زماننا علی قول مالک وقال الزاہدی کان بعض اصحابنا یفتون بہ للضرورة (ردالمحتار ص ۳۶۲ ج ۳)۔ اختیار طلاق مرد کو ہے۔ طلاق دینا مرد کا حق ہے۔ عورت یا عدالت کو عام حالات میں طلاق دینے کے اختیارات حاصل نہیں۔ قرآن و سنت میں فعل طلاق کو صرف مرد کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن (طلاق آیت نمبر ۱) اور فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ اور حدیث میں ہے کہ الطلاق لمن اخذ بالساق (ابن ماجہ ص ۱۵۲ ج ۲) قرآن و سنت میں عورتوں کو مطلقہ قرار دیا گیا ہے نہ کہ طلاق دہندہ۔ ”والمطلقات یتربصن۔“ (بقرہ آیت ۲۲۸)

یہ اختصاص بڑے مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہے۔ عدالتی طلاق میں مفاسد ہیں اور اس کے لئے بڑے مصارف کی حاجت ہوتی ہے۔ اور ضیاع وقت اور کچھریوں کے دھکے اور تذلیل الگ رہی۔ عورت کی طرف سے قبول طلاق ضروری نہیں۔ مرد کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ خواہ اسے عورت قبول کرے یا نہ کرے۔ طلاق نامہ وصول کیا جائے یا واپس کر دیا جائے۔ ثم المرسومة لا تخلوا ما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا یقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة۔ کذا فی الخلاصة۔ (ردالمحتار

زبانی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے :

جیسے تحریری طلاق نامے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، بہت سے جملاء تحریری طلاق کو ہی طلاق سمجھتے ہیں۔ اور زبانی طلاق کو طلاق تصور نہیں کرتے۔ حالانکہ اصل طلاق زبانی ہی ہے۔ تحریری طلاق زبانی طلاق کے قائم مقام ہے۔ کما قال الشامی: ”لان رکن الطلاق اللفظ أو ما يقوم مقامه“ (ردالمحتار ص ۴۶۵ ج ۲) غصے اور زبردستی کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ غصے یا کسی کے ڈرانے دھمکانے سے زبانی طلاق دے دی تو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ عام لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم نے غصے میں طلاق دی ہے، لہذا اس کا اعتبار نہ ہونا چاہئے۔ حالانکہ طلاق عموماً غصے میں ہی دی جاتی ہے۔ خوشی میں کون طلاق دیتا ہے۔ يقع طلاق کل زوج اذا كان بالغاً عاقلاً سواء كان حرّاً أو عبداً طائعاً أو مكرهاً۔ (ہندیہ ص ۳۵۳ ج ۱) ويقع طلاق من غضب۔ (ردالمحتار ص ۴۶۳ ج ۲)

کتابت طلاق مکراً معتبر نہیں :

اگر زبان سے کچھ نہیں کہا، قتل یا اتلاف عضو کی دھمکی دے کر طلاق نامہ لکھوایا گیا تو بعض حالات میں یہ تحریری طلاق نامہ شرعاً معتبر نہ ہوگا۔ ”فلو اکره علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الكتابة اقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا كذا فی الخانية۔“ (ردالمحتار ص ۴۵۷ ج ۲)

طلاق نامہ لکھ کر پھاڑنے کا حکم :

طلاق نامہ لکھ کر اگر پھاڑ دیا تب بھی ویسے ہی طلاق واقع ہو جائے گی جیسے طلاق لکھی گئی تھی۔ ”ثم المرسومة لا تخلو اما ان ارسل الطلاق بان کتب اما بعد فانت طالق فکما کتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من

وقت الكتابة كذا في الخلاصة۔“ (ردالمحتار ص ۲۶۵ ج ۲)

ہنسی مذاق کی طلاق بھی معتبر ہے :

بعض واقعات میں خاوند کہتا ہے کہ میں نے بطور ہنسی و مذاق کے طلاق دی تھی۔ یاد رہے کہ طلاق قصداً دی جائے یا ہنسی مذاق میں دی جائے، دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے : ”ثَلَاثُ جِدْهِن جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدُّ النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالرَّجْعَةُ (مشکوٰۃ ص ۲۸۳ ج ۲) و طَلَاقُ اللَّاعِبِ وَالْهَازِلِ بِهِ وَاقِعٌ۔“ (ہندیہ ص ۳۵۳ ج ۱)

ڈرامے کی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے :

واضح رہے کہ ڈرامے کی طلاق بھی شرعاً واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ طلاق ہزل ہے اور ہازل کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ہزل کی حقیقت یہی ہے کہ الفاظ طلاق کا تلفظ کیا جائے اور اس کے حکم (یعنی وقوع طلاق) کا ارادہ نہ ہو۔ ”او ہازللاً لا یقصد حقیقۃ کلامہ۔“ (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار ص ۲۱۵ ج ۱)

طلاق کا حکم :

طلاق کا عمل حدیث پاک کی رو سے ابغض المباحات ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”ابغض الحلال الی اللہ عزوجل الطلاق۔“ (ابوداؤد شریف ص ۲۹۶ ج ۱)

کیونکہ عقد نکاح بہت سے دینی و دنیاوی مصالح کو متضمن ہوتا ہے، مثلاً بقائے نسل انسانی، نظام عصمت و عفت کا قیام، نیز نسبی و صبری رشتوں کے ذریعے باہمی اخوت و محبت کا قیام وغیرہ۔ اور طلاق سے چونکہ ان مصالح کی نفی ہو جاتی ہے، اس لئے اصولی طور پر اسے محظور و ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

شیطانی قوتیں طلاق سے خوش ہوتی ہیں۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ شیطان

اعظم پانی پر اپنا دربار لگا کر شیاطین کی کارکردگی سنتا ہے۔ اور اس شیطان سے بہت خوش ہوتا ہے جو یہ بتلائے کہ میں نے میاں بیوی میں تفریق کرادی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸ ج ۱) خوشی کی وجہ ظاہر ہے کہ اس شیطان نے دو انسانوں بلکہ دو خاندانوں کے درمیان عداوت کے بیج بو دیئے ہیں جو بہت سے چھوٹے بڑے گناہوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ اس لئے ہدایت فرمائی گئی کہ عورتوں کی معمولی کج خلقی برداشت کر لینی چاہیے، کیونکہ عورت کی تخلیق ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے۔ اگر اسے سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ بیٹھو گے۔ (مسلم شریف ص ۷۵ ج ۱)

غرضیکہ اس مقدس رشتہ منکاح کو باقی رکھنے کی ترغیب دی گئی اور اسباب تفریق کو ختم کرنے کی بھی ہدایات جاری کی گئیں، تاہم بعض اوقات خانگی حالات ایسی نازک صورت اختیار کر لیتے ہیں جن میں امساک بالمعروف فوت ہو جاتا ہے اور زوجین کے درمیان ادائے حقوق اور محبت کی فضاء قائم نہیں رہ سکتی۔ تو ایسے حالات میں زوجین کا بذریعہ طلاق علیحدگی اختیار کر لینا ہی ان کے دین و دنیا کے اعتبار سے مصلحت مند و مفید ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اسلام نے بہترین طریقے پر طلاق کی بھی اجازت دی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر کام اچھی طرح سے کرو۔ یہاں تک کہ اگر جانور کو ذبح کیا جائے تو اس کے لئے بھی تیز چھری استعمال کرو تا کہ اسے غیر ضروری تکلیف سے بچایا جاسکے۔ ان اللہ کتب الاحسان علی کل شیء واذا ذبحتم فاحسنوا الذبحة۔ (نسائی ص ۱۸۳ ج ۲) اسی طرح اگر بیوی کو آباد کیا جائے تو اعزاز و اکرام اور ادائے حقوق کے ساتھ آباد کیا جائے اور اگر چھوڑنے کی نوبت آئے تو بھی احسان کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔ فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ (البقرة، آیت ۲۲۹)

طلاق دینے کے طریقے

اسلام میں طلاق دینے کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ (۱) احسن، (۲) حسن، اور (۳) بدعی۔ اس میں یہ امر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ طلاق کا کم از کم استعمال ہو، اور مطلقہ کی عدت لمبی ہونے کا احتمال نہ ہو، تاکہ اسے انتظار نکاح میں طویل مدت نہ گزارنی پڑے۔

طلاق احسن :

یہ ہے کہ ایسے طہر میں جو مجامعت سے خالی ہو، ایک طلاق رجعی دے کر چھوڑ دیا جائے۔ (ردالمحتار ص ۲۵۳، ج ۲)

طلاق حسن :

یہ ہے کہ غیر مدخولہ کو ایک طلاق دینا یا مدخولہ کو تین طلاقیں ایسے تین طہروں میں جدا جدا کر کے دینا جن میں مجامعت نہ کی ہو۔ (ردالمحتار ص ۲۵۳، ج ۲)

طلاق بدعی :

یہ ہے کہ ایک طہر میں یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا، یا حیض میں طلاق دینا، یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مجامعت ہو چکی ہو۔ (ردالمحتار ص ۲۵۴، ج ۲) پہلی دو قسم کی طلاقیں کے وقوع کے بارے میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ ایک طہر میں یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے بارے میں معمولی نوعیت کا اختلاف ہے۔ واضح رہے کہ حضرات فقہاء کرام کے فیصلے کے مطابق درحقیقت یہ اختلاف نہیں ہے، محض خلاف ہے جس سے مسئلے کے اجماعی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (بحر الرائق ص ۲۵۷، ج ۳)

قرآن پاک، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اجماع امت اور ائمہ مجتہدین کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ مدخول بھاپر ایک مجلس

کی دی ہوئی تین طلاقیں اکٹھی ہوں یا جدا جدا تین ہی واقع ہوں گی۔ لیکن اس کے برخلاف غیر مقلدین کا قول یہ ہے کہ ایک طہر میں تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق واقع ہوگی، خواہ کلمہ واحدہ سے ہو یا کلمات متفرقہ سے، مجلس ایک ہو یا مختلف مجالس میں دی گئی ہوں، بلکہ دوران طہر اگر ہر روز سو طلاقیں بھی دیتا رہے تو بھی ایک طلاق ہی ہوگی۔ (دوسری طلاق کا وقوع دوسرے طہر سے پہلے ناممکن ہے) اس حساب سے ماہوار تین ہزار طلاقیں بنتی ہیں۔ اگر مطلقہ ممتدة الطہر ہو تو پھر اس سے بھی بڑھ جائیں گی۔

زمانہ جاہلیت میں طلاق کا حق محدود نہ تھا۔ سو طلاق کے بعد بھی حق رجعت باقی رہتا تھا۔ اس میں عورت کی تذلیل و ایذا رسانی ظاہر ہے کہ روز طلاقیں مل رہی ہیں، لیکن اس ظالم سے جان چھوٹنے کی کوئی سبیل نہیں۔ لیکن غیر مقلدین کا یہ مسئلہ زمانہ جاہلیت کی طلاقوں سے بھی زیادہ رسوا کن ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت کی تو سو طلاقوں کا ذکر آتا ہے اور اسے ظلم قرار دیا گیا، مگر غیر مقلدین کے نزدیک اس کی کوئی تحدید ہی نہیں۔ ایک طہر میں ہزار، دو ہزار جتنی چاہیں طلاقیں دی جائیں، مظلوم عورت کی جان نہیں چھوٹ سکتی، فیاللہ عجب۔

آج کل ابتلائے عام کی وجہ سے یہ مسئلہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے ہم قرآن مجید اور احادیث مبارکہ، آثار صحابہؓ اور اجماع امت، نیز عقلی دلائل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک مجلس میں دی جائیں یا ایک طہر کی مختلف مجالس میں، وہ تین ہی واقع ہوتی ہیں نہ کہ ایک۔ واللہ الموفق والمعین۔



قرآن مجید میں طلاق کے احکام

(۱) فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ۔
 (الایۃ) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ عام ازیں کہ مختلف مجلسوں میں دی ہوں یا ایک ہی مجلس میں دی ہوں، ایک طہر میں ہوں یا کئی طہروں میں۔ چنانچہ امام ابو بکر رازی اپنی کتاب احکام القرآن میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں : فحکم بتحریمہا علیہ بالثالثۃ بعد الاثنین ولم یفرق بین ایقاعہما فی طہر واحد او فی اطہار فوجب الحکم بایقاع الجمع علی ای وجہ وقوعہ من مسنون او غیر مسنون ومباح او محذور وقال هذه الآية تدل علی وقوع الثلاث مع کونہ منہیا عنہا۔ (احکام القرآن ص ۳۸۶، ۳۸۷ ج ۱) محلی ابن حزم میں ہے کہ فہذا یقع علی الثلاث مجموعۃ ومفرقة ولا یجوز ان یخص بہذہ الایۃ بعض ذالک دون بعض بغیر نص۔ (محلی ابن حزم ص ۱۷۰ ج ۱۰)

(۲) یا ایہا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتہن الی قولہ ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرًا (الطلاق آیت نمبر ۱)

اس آیت مبارکہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک کر کے تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں تاکہ ایک طلاق دینے کے بعد اگر ندامت ہو تو اس کی تلافی ہو سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں اور جو ان سے تجاوز کرے گا فقد ظلم نفسہ۔ یعنی جو تین طلاقیں اکٹھی دے گا تو یہ اپنے نفس پر ظلم کرے گا، کیوں کہ پھر اگر اسے ندامت ہوئی تو یہ رجوع نہیں کر سکے گا اور تلافی ناممکن ہوگی۔ پس اگر تین طلاقیں دینے سے ایک ہی واقع ہوتی تو اس کی تلافی بھی ممکن ہوتی اور اس

کو ظلم نہ فرمایا جاتا۔

اور اگر تین طلاقیں بلفظ واحد دینے سے ایک ہی ہو تو پھر آیت مبارکہ میں اس تقویٰ سے کون سی صورت مراد ہوگی جس کو اختیار کرنے والے کے لئے ”مُخْرَجٌ“ اور آسانی کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ اور پھر تین طلاق دے کر اور آیت مذکورہ کی خلاف ورزی کر کے اپنی جان پر ظلم کرنے والے اور اللہ کی حدود کو توڑنے والے کی سزا کیا ہوگی؟ اس لئے کہ جو آدمی ایسا قول مُنْکَرٌ کہے جس کا اثر اس پر مرتب نہ ہو، اس پر شارع نے اس کی سزا مقرر کی ہے جیسے جملہ ظہار کہنے والے پر ”کفارۃ ظہار“ کی سزا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دینے والے کو اس کی طلاقیں نافذ کر کے سزا دی گئی ہے۔ اور اس کے لئے مخرج نہیں۔ بسبب اس کے حدود سے تجاوز کرنے کے، واللہ اعلم۔ اگر ایک ہی مان لیں تو نہ تقوٰیٰ اور مخرج والی صورت نکلتی ہے اور نہ ہی اس ظالم کی سزا۔ چنانچہ جمہور علماء نے اسی آیت سے طلاق ثلاثہ فی مجلس واحد کے وقوع پر استدلال کیا ہے۔ ”واحتج الجمهور بقوله تعالى ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه۔ لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً۔ قالوا معناه ان المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البينونة فلو كانت الثلاث لم تقع لم يقع طلاقه هذا لا رجعيًّا فلا يندم (نوی علی مسلم ص ۷۸، ج ۱)

اور امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ فلو لا انه اذا طلق لغير العدة وقع ما كان ظالمًا لنفسه بايقاعه ولا كان ظالمًا لنفسه بطلاقه وفي هذه الآية دلالة على وقوعها اذا طلق لغير العدة ويدل عليه قوله تعالى في نسق الخطاب ومن يتق الله يجعل له مخرجًا واللہ اعلم انه اذا وقع الطلاق على ما أمره الله كان له مخرجًا مما أوقع ان لحقه ندم وهو الرجعة وعلى هذا المعنى تأوله ابن عباسؓ۔

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : لو أن الناس طلقوا نساءهم كما أمروا لما فارق الرجل امرأته وله إليها حاجة ان أحدكم يذهب يطلق امرأته ثلاثاً ثم يقعد ثم يعصر عينيه مهلاً مهلاً برك الله عليكم فيكم كتاب الله وسنة رسوله فماذا بعد كتاب الله وسنة رسوله الا الضلال ورب الكعبة۔ (حكم الطلاق الثلاث)

پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دفعۃً دینے سے واقع ہو جاتی ہیں، اگرچہ ایسا کرنا شریعت مطہرہ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔

(۳) ”ومن يتق الله يجعل له مخرجاً“ (الطلاق آیت ۲)

اس آیت کے تحت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں :

لكنهم اجمعوا على ان من قال لامرأة انت طالق ثلاثا يقع ثلاثا بالاجماع الخ (تفسیر مظہری ص ۳۰۰ ج ۲)

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور ایک ایک کر کے طلاق دو۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے رجعت کا مخرج رکھا ہے۔ اور جو اللہ جل شانہ سے نہیں ڈرتا، اکٹھی تین طلاقیں دے دیتا ہے اس کے لئے کوئی مخرج نہیں۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ قال ابن عباس ”وانك لم تتق الله فلا جد لك مخرجاً عصيت ربك وبانت منك امرأتك“ (ابوداؤد ص ۲۹۹ ج ۱) وقال لرجل آخر ”ان عمك عصى الله فاثمه الله واطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً“ (طحاوی شریف ص ۳۷ ج ۲)

(۴) امام بخاریؒ نے اس آیت سے بھی طلاق ثلاثہ کے وقوع پر استدلال کیا ہے کہ ”الطلاق مرتان الخ۔“ پس فرمایا اپنی کتاب صحیح بخاری میں کہ باب من اجاز طلاق الثلاث لقول الله تعالى۔ الطلاق مرتان فامساک

بمعروف او تسریح کبا حسبان (بخاری ص ۷۹۱، ج ۲) اس آیت میں ترتیب طلاق کو نہیں بلکہ تعداد طلاق کو بیان کیا ہے۔

محلی میں ہے کہ واما قولہم معنی قوله الطلاق مرتان ان معناه مرة بعد مرة فخطاء بل هذه الآية كقوله تعالى نوتها اجرها مرتين ای مضاعفًا معًا (محلی ابن حزم ص ۱۶۸، ج ۱۰)

وايدہ الکرماني لانه لا يوجد من يفرق بين الاثنين والثلاث في صحة الوقوع البخ (كتاب الاشفاق في حكم الطلاق ص ۳۸) وقال الامام الرازي ان هذه الآية يدل على وقوع الثلاث مع كونه منهيًا عنها (احكام القرآن للجصاص ص ۳۸۶، ج ۱)

احادیث مبارکہ طلاق کے احکام

(۱) عن عائشة رضي الله عنها ان رجلا طلق امرأته ثلاثًا فتزوجت فطلق فسئل النبي ﷺ اتحل لاول قال لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الاول۔ (بخاری ص ۷۹۱، ج ۲۔ مسلم ص ۴۶۳، ج ۱)

یہ حدیث طلاق ثلاثہ کے بیک وقت نافذ ہونے میں ظاہر ہے۔ چنانچہ فتح الباری میں ہے کہ : فالتمسك بظاهر قوله طلقها ثلاثا فانه ظاهر في كونها مجموعة (فتح الباری، ص ۳۰۱، ج ۹) اور عمدة القاری میں ہے : مطابقتها للترجمة في قوله طلق امرأته ثلاثا فانه ظاهر في كونها مجموعة۔ (عمدة القاری، ص ۲۳۷، ج ۲)

(۲) عن محمود بن لبید قال اخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعًا فقام غضبان ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظهر كم حتى قام رجل فقال يا رسول الله الا

اقتلہ (نسائی ص ۸۲، مشکوٰۃ ص ۲۸۴، ج ۱)

یعنی رسول اللہ ﷺ کو ایک آدمی کے بارے میں بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دی ہیں تو آپ ﷺ غصہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کو کھلونا بنایا جاتا ہے اس حال میں کہ میں تم میں موجود ہوں۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے اٹھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کردوں۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، ورنہ آپ ﷺ اس قدر غصے کا اظہار کیوں فرماتے؟ محض ایک لغو بات کرنے پر اس قدر شدید ناراضگی کا اظہار فرمانا کہ پاس والے اس آدمی کے قتل کے لئے تیار ہو جائیں یہ اس پر دال ہے کہ واقع میں تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ ایسا کرنا ناپسندیدہ اور لغو عمل ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک انصاری بچہ کے فوت ہونے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ عصفور من عصفیر الجنة۔ آپ ﷺ اس بات سے روکنا چاہتے تھے تو آپ نے صرف اتنا ہی فرمایا کہ ”او غیر ذالک“۔ اس کے علاوہ نہ تو غصے ہوئے، نہ ہی زجر و توبیخ کی۔ پس معلوم ہوا کہ ایک ہی مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

(۳) وقال فی الطلاق الثلاث لا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ وقال لیث عن نافع کان ابن عمرؓ اذا سئل عن من طلق ثلاثاً قال لو طلقت مرة او مرتین فان النبی ﷺ امرنی بهذا فان طلقها ثلاثاً حرمت حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ (بخاری ص ۷۹۲، ج ۲) یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے جب ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں، تو وہ فرماتے کہ اگر ایک یا دو طلاق دی ہو تو پھر وہ حلال ہو سکتی ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے اسی کا حکم دیا تھا۔ پس اگر تین طلاقیں دی ہوں تو پھر وہ حرام ہو جاتی ہے۔ جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کر لے۔ پس اس حدیث سے بھی

معلوم ہوا کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(۴) ابوداؤد میں حضرت عویمرؓ عجلانی کے واقعہ میں ہے کہ فلما فرغ اقال عویمرؓ کذبت علیہا یا رسول اللہ! ان امسکتھا فطلقھا ثلاثا (ابوداؤد ص ۳۰۵ ج ۱۔ نسائی ص ۸۳ ج ۲) یعنی جب حضرت عویمرؓ اور ان کی بیوی لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب اگر میں اس کو روکوں تو مطلب یہ ہو گا کہ میں نے اس پر جھوٹ بولا ہے۔ یہ کہہ کر پھر انہوں نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔ آگے فرمایا : عن ابن شہاب عن سہل ابن سعد فی هذا الخبر قال فطلقھا ثلاث تطلیقات عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانفذہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ما صنع عند النبی ﷺ سنة (ابوداؤد ص ۳۰۶ ج ۱) یعنی آپ نے ان کی تین طلاقوں کو نافذ بھی کر دیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں دفعۃً دینے سے واقع ہو جاتی ہیں۔ اس پر یہ اشکال نہیں ہو سکتا کہ ”یہ تین طلاقیں امر زائد ہیں۔ جدائی تو لعان سے ہی ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ نے اس پر انکار نہ فرمایا۔ لہذا آپ کا اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں، کیونکہ صرف لعان سے بغیر قاضی کی تفریق کے جدائی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ”فتح القدیر“ میں ہے کہ : ”واذا التعنا لا تقع الفرقة حتی یفرق الحاکم بینہما (حتی لو مات احدهما قبل تفریق القاضی ورثتہ الآخر“ وقال لو ظاهر منها فی هذه الحالة او طلقها او آلی منها صح لبقاء النکاح غیر ان وطأها محرم لان ثبوت الحرمة یفوت الامساك بالمعروف فیلزمه التسریح بالاحسان“ فاذا امتنع ناب القاضی منابہ دفعًا للظلم دل علیہ قول ذلك الملا عن عند النبی ﷺ کذبت علیہا یا رسول اللہ ان امسکتھا ہی طالق ثلاثا قالہ بعد اللعان (فتح القدیر ص ۱۱۸ ج ۴) اور خصم کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ”عویمرؓ کو

مطلق لعان سے جدائی کے وقوع کا علم نہ تھا۔ ”اس لئے کہ انہوں نے یہ بات اگر بے علمی کی وجہ سے کہی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کی تقریر نہ فرماتے۔ چنانچہ نسائی شریف میں حدیث مذکور کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ : ”ومن يقول بخلافه ويعتذر بان عويمر ما كان عالما بالحكم وفيه انه لو كان عن جهل كيف قررہ النبی ﷺ علی ذالک الخ (ص ۸۳، ج ۲)

(۵) عن عامر الشعبي قال قلت لفاطمة بنت قيس حدثيني عن طلاقك قالت طلقني زوجي ثلثا وهو خارج الى اليمن فاجاز ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم (ابن ماجه ص ۱۳۷، ج ۱) یعنی عامر شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے فاطمہ بنت قیس سے ان کی طلاق کا قصہ پوچھا تو فرمایا کہ میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دیں جب کہ وہ یمن کو جا رہے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو نافذ کر دیا۔

(۶) اسی واقعہ کو نسائی نے (باب الرخصة في ذلك اي الثلاث المجموعة) میں اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ قال حدثني ابو سلمة قال حدثني فاطمة بنت قيس ان ابا عمرو بن حفص طلقها ثلثا فانطلق خالد بن الوليد في نفر من بني مخزوم الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ان ابا عمرو بن حفص المخزومي طلق فاطمة ثلثا فاجاز ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (نسائی ص ۸۳، ج ۲) کہ آپ نے ابو عمرو بن حفص مخزومی کی دفعۃً دی ہوئی تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا تھا۔ آئندہ حدیث نمبر ۱۵ سے صراحتاً معلوم ہو رہا ہے کہ ابو عمرو بن حفص نے فاطمہ کو ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ (ابوداؤد ص ۳۱۹، ج ۱)

(۷) حدثنا علي بن محمد بن عبيد الحافظ قال نا محمد بن

شاذان الجوهری نا علی بن منصور نا شعیب بن زریق ان عطاء الخراسانی حدثهم عن الحسن قال نا عبد اللہ بن عمر انه طلق امرأته تطليقة وهي حائض ثم اراد ان يتبعها بتطليقتين اخراوين عند القرئين، فبلغ ذلك رسول اللہ فقال يا ابن عمر ما هكذا امرک اللہ انک قد اخطأت السنة والسنة ان تستقبل الطهر فيطلق لكل قروء قال فامرني رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم فراجعتها ثم قال اذا هي طهرت فطلق عند ذلك او امسك فقلت يا رسول اللہ الخ ارأيت لو اني طلقته ثلاثا كان يحل لي ان اراجعتها قال لا كانت تبين منك وتكون معصية (سنن دارقطنی ص ۲۳۸ ج ۲ - زاد المعاد ص ۲۵۷ ج ۲) یعنی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی حالت حیض میں۔ پھر اس کے بعد دو اور طلاقیں دینے کا ارادہ کیا دو حیضوں میں۔ آگے فرمایا کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! بتائیے کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا اس سے رجوع کر سکتا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، وہ تجھ سے بائنے ہو جائے گی اور ایسا کرنا گناہ ہے۔

(۸) حدثنا احمد بن محمد بن سعیدنا یحییٰ بن اسماعیل الجریری حسین بن اسماعیل الجریری سیدنا یونس بن بکیرنا عمرو بن شمر عن عمران بن مسلم و ابراہیم بن عبد الا علی عن سوید بن غفلة قال لمامات علی رضی اللہ عنہ جاءت عائشة بنت خلیفة الخثعمية امرأة الحسن بن علی فقالت له لتنهک الامارة فقال لها تهنيني بموت امیر المؤمنین انطلقی فانت طالق فتقنعت بثوبها وقالت انی لم ارد الا خیرا فبعث اليها بمتعة عشرة آلاف وبقية صداقها فلما وضع بين يديها بكت وقالت متاع قليل من حبيب مفارق فاخبره الرسول فبکی وقال لولا انی ابنت الطلاق لها

لراجعتها ولكنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ايما رجل طلق امرأته ثلثا عند كل طهر تطليقة او عند رأس كل شهر تطليقة او طلقها ثلثا جميعا لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره۔ (دارقطنی ص ۴۳۸ ج ۲۔ بیہقی ص ۳۳۶ ج ۷)

اس کی سند کے متعلق ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ ”اسنادہ صحیح۔“ (کتاب الاشفاق ورواہ الطبرانی واعلاء السنن ص ۵۲۱ ج ۱۱) یعنی حضرت حسن بن علیؓ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو اس لفظ سے طلاق دی : ”انطلقی فانت طالق ثلثا۔“ تو چلی جا، تجھے تین طلاقیں ہیں۔ عائشہ چلی گئیں۔ بعد میں حضرت حسنؓ کو معلوم ہوا کہ عائشہ کو جدائی کا بہت غم ہے تو روئے اور فرمایا کہ اگر میں نے بائنہ طلاق نہ دی ہوتی تو رجوع کر لیتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق اس طرح دے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دے یا ہر مہینہ کے شروع میں ایک طلاق دے یا تین طلاق ایک ساتھ دے دے تو جب تک وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے پہلے کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ پس اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہو گیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(۹) عن ذا اذان عن علي قال سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلا طلق البتة فغضب وقال تتخذون آيات الله هزوا او دين الله هزوا ولعبا من طلق البتة الزمناه ثلثا لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره۔ (سنن دارقطنی ص ۴۳۳ ج ۲) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے متعلق سنا کہ انہوں نے طلاق بتہ دی ہے (لفظ البتہ سے تین طلاق کی بھی نیت ہو سکتی ہے) آپؐ غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو کھیل اور مذاق بناتے ہو۔ جو کوئی طلاق البتہ دے گا ہم اس کے ذمہ تین لازم کر دیں گے۔ پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کر لے۔ تو

آپؐ نے ناراضگی تو فرمائی، لیکن تین کو بھی لازم کر دیا۔

(۱۰) حدثنا محمد بن مخلد الی ان قال سمعت معاذ بن جبل یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یا معاذ من طلق للبدعة واحدة او اثنين او ثلاثا الزمناه بدعته۔ (دارقطنی ص ۴۴۳-۴۴۴ ج ۲۔ اغاثۃ اللہفان ص ۱۶۸) یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بدعی طریقے پر طلاق دے گا، چاہے ایک دے یا دو یا تین دے تو ہم وہ طلاقیں اس پر لازم کر دیں گے۔ یہ بھی طلاق ثلاثہ کے وقوع پر صراحت ہے۔

(۱۱) عن ابراہیم بن عبید اللہ بن عبادۃ بن الصامت عن ابیہ عن جدہ قال طلق بعض آبائی امرأته الفأ فانطلق بنوہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا یا رسول اللہ ان ابانا طلق أمنا الفأ فهل له من مخرج فقال ان اباکم لم یتق اللہ فیجعل له من امرہ مخرجاً بانث منه بثلاث علی غیر السنۃ وتسع مائۃ وسبعۃ وتسعون اثم فی عنقہ۔ (دارقطنی ص ۴۴۳ ج ۲۔ زاد المعاد ص ۲۵۷ ج ۲)

(۱۲) مصنف عبد الرزاق میں یہ روایت یوں ہے : عن داؤد بن عبادۃ بن الصامت قال طلق جدی امرأۃ له الف تطليقة فانطلق ابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذكر ذلك له فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما اتقی اللہ جدک اما ثلاث فله واما تسع مائۃ وسبعۃ وتسعون فعدوان وظلم ان شاء اللہ تعالیٰ عذبه وان شاء غفر له۔ (مصنف عبد الرزاق ص ۳۹۳ ج ۶۔ اغاثۃ اللہفان ص ۱۶۸ ج ۱۔ فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳) یعنی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے والد نے اپنی زوجہ کو ہزار طلاقیں دیں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان

کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی بیوی تین طلاقوں سے بائند ہو گئی ہے۔ اور نو سو ستانوے ظلم اور عدوان ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو ظلم کی سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دینے سے واقع ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) عن صفوان بن عمر الطائنی ان امرأة كانت تبغض زوجها فوجدته نائما فاخذت شفرة وجلست على صدره ثم حرکتہ وقالت لتطلقنی ثلاثا ولا ذبحنک فنادیها اللہ فابت فطلقها ثلاثا ثم جاء الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسأله عن ذلك فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا قیلولة فی الطلاق رواه محمد باسنادہ۔ (زجاجة المصابیح ص ۷۶، ج ۲۔ انوار السنن ص ۱۸۲، ج ۱) یعنی صفوان بن عمر سے روایت ہے کہ ایک عورت کو خاوند ناپسند تھا، ایک مرتبہ اس کو سوتا ہوا پا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئی اور چھری اس کے سینے پر رکھ کر کہنے لگی کہ مجھے تین طلاقیں دو، ورنہ تمہیں ذبح کر دوں گی۔ خاوند نے قسم دے کر کہا کہ میں تجھے بعد میں طلاق دے دوں گا۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ مجبور ہو کر اس نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق میں فسخ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس سے بھی پتہ چلا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں نہ کہ ایک۔

(۱۴) واحتجوا ايضا بحديث ركانه رضي الله عنه انه طلق امرأته البتة فقال له النبي صلى الله عليه وسلم آله ما اردت الا واحدة؟ فقال آله ما اردت الا واحدة فهذا دليل على انه لو اراد الثلاث لوقعن والا فلم يكن لتحليفه معني۔ (مسلم شریف مع نووی ص ۷۸، ج ۱) یعنی حضرت ركانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔ اب طلاق بتہ چونکہ

کنایات میں سے ہے اور اس کا یہ حکم ہے کہ اس میں طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو تین ہی واقع ہوں گی اور اگر ایک طلاق کی نیت کی ہے تو ایک ہی واقع ہوگی۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اللہ کی قسم دے کر پوچھا کہ کیا تم نے ایک طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے عرض کیا جی ہاں، اللہ کی قسم میں نے ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ تو جمہور رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کا ارادہ تین کا ہوتا تو تینوں واقع ہو جاتیں۔ ورنہ تو قسم دینے کی کیا ضرورت تھی۔ قسم اس لئے دی کہ تین کا ارادہ ہو گا تو تین ہوں گی، ورنہ ایک ہوگی۔ اسی حدیث کی روشنی میں حدیث علیؑ کو سمجھنا چاہیے جس میں طلاق بتہ کا ذکر ہے۔ یعنی طلاق بتہ دینے سے اس وقت تین طلاقیں واقع ہوں گی، جب کہ ایک کا ارادہ نہ کیا ہو بلکہ تین کا ارادہ کیا ہو۔

(۱۵) حدثنا ابو عبید القاسم بن اسماعیل ناسلمة بن ابی سلمة عن ابیہ انه ذکر عنده ان الطلاق الثلاث بمرة مکروه فقال طلق حفص بن عمرو بن المغيرة فاطمة بنت قيس بكلمة واحدة ثلثا فلم يبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاب ذلك علیہ۔ (سنن دارقطنی ص ۴۲۹ ج ۲) وفی رواية منها وطلق عبدالرحمن بن عوف امرأته ثلثا فلم يعب ذلك علیہ۔ (ایضاً) یعنی ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ بات ذکر کی گئی کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا مکروہ ہے۔ فرمایا حضرت حفص بن عمرو بن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس کو ایک کلمہ سے تین طلاقیں دی تھیں۔ ہمیں اس کی خبر نہیں ملی کہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہو۔ اسی طرح عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔ پس ان تمام احادیث مرفوعہ سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں دینے سے واقع ہو جاتی ہیں۔

مجموع فقہی (مسند زید) میں زید بن علی عن ابیہ عن جدہ کی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش کے ایک آدمی نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو فرمایا کہ تین کے ساتھ اس سے بائیں ہو گئی اور ستانویں طلاقیں ان کی گردن میں معصیت ہیں۔ (مسند زید ص ۲۸۹)

آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

احادیث حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

(۱۶) عن انسؓ قال کان عمرؓ اذا اتی برجل قد طلق امرأته ثلثاً فی مجلس او جعه ضرباً و فرق بینہما۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱ ج ۵۔ سنن بیہقی ص ۳۳۲ ج ۷۔ بدائع الصنائع ص ۹۶ ج ۳۔ طحاوی ص ۳۲ ج ۳) یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوئیں تو آپ اس کو سزا دیتے اور دونوں میں تفریق کر دیتے۔ اس حدیث سے بھی واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اگر ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں کوئی دے تو واقع ہو جاتی ہیں۔

(۱۷) و کان عمر بن الخطابؓ اذا اتی برجل طلق امرأته الفاً فقال لہ عمرؓ اطلقت امرأتک؟ فقال انما کنت العب فعلاہ عمرؓ بالدرة فقال انما یکفیک من ذلک ثلاث۔ (محلّی ابن حزم ص ۱۷۲ ج ۱۰۔ سنن بیہقی ص ۳۳۲ ج ۷۔ زاد المعاد ص ۲۵۹ ج ۲۔ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲ ج ۵۔ مصنف عبد الرزاق ص ۳۹۳ ج ۶) یعنی زید بن وہبؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا۔ اس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا تو نے اتنی طلاقیں دی ہیں؟ اس نے کہا میں تو مذاق

کر رہا تھا، تو حضرت عمرؓ نے اسے دڑے سے سزا دی اور فرمایا کہ تجھ کو ایک ہزار میں صرف تین کافی تھیں۔

(۱۸) حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو خط میں لکھا تھا کہ ”من قال انت طالق ثلاثاً فہی ثلث۔“ یعنی جو شخص یوں کہے کہ ”تجھے تین طلاق“ تو تین واقع ہوں گی۔ (سنن سعید بن منصور ص ۲۵۹ ج ۳۔ رقم الحدیث ص ۱۰۶۹)

حدیث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(۱۹) روی و کیع عن جعفر بن یرقان عن معاویۃ بن ابی یحییٰ انہ قال جاء رجل الی عثمان بن عفان فقال طلقت امرأتی الفأ فقال بانک ثلاث فلم ینکر الثلاث۔ (محلّی ابن حزم ص ۱۷۲ ج ۱۰۔ زاد المعاد ص ۲۵۹ ج ۲۔ فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳۔ طحاوی ص ۳۰ ج ۲) یعنی ایک شخص حضرت عثمانؓ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں تو آپؓ نے جواب دیا کہ تیری بیوی تجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہو گئی۔ اس سے بھی وقوع طلاق ثلاثہ فی مجلس ثابت ہوتا ہے۔

حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ

(۲۰) روی و کیع عن الاعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن بعض اصحابہ قال جاء رجل الی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال انی طلقت امرأتی الفأ فقال له علیؓ بانک ثلاث واقسم سائرهن بین نسائك فلم ینکر جمع الثلاث۔ (سنن بیہقی ص ۳۳۵ ج ۷۔ زاد المعاد ص ۲۵۹ ج ۲۔ محلّی ابن حزم ص ۱۷۲ ج ۱۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲-۱۳ ج ۵۔ فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳)

ایک آدمی نے آکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا: وہ تجھ سے تین سے باندھ ہو گئی۔ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ طلاق ثلاثہ کے وقوع کے قائل تھے۔ (نیل الاوطار ص ۱۹۷ ج ۶)

دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علیؑ کو آکر کہا کہ : ”انی طلقتم امرأتی عدد العرفج قال تأخذ من العرفج ثلاثاً وتدع سائرة۔ قال ابراہیم و اخبرنی ابو الحویرث عن عثمان بن عفان مثل ذلك۔ (مبصف عبدالرزاق ص ۳۹۴ ج ۶)

یعنی یہ کہ میں نے اپنی بیوی کو عرفج کے درختوں کے برابر طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا ان میں سے تین لے لو، باقی چھوڑ دو۔

(۲۱) عن الاعمش انه كان بالكوفة شيخاً..... الى قوله..... فاخرج كتابه فاذا فيه۔ بسم الله الرحمن الرحيم هذا سمعت علي بن ابي طالب۔ يقول اذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً في مجلس واحد۔ فقد بانت منه ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره قلت ويحك هذا غير الذي تقول قال الصحيح هو هذا ولكن هؤلاء ارادوني على ذلك (سنن بیہقی ص ۳۳۹ ج ۷) یعنی اعمش کوئی سے روایت ہے کہ کوفہ کے ایک بوڑھے شخص یہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی شخص ایک مجلس میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے تو اس کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا۔ میں نے شیخ سے کہا کہ تم نے حضرت علیؑ سے یہ کہاں سنا ہے؟ اس نے کہا کہ میری کتاب میں موجود ہے۔ شیخ نے کتاب نکالی۔ اس میں بسم الله الرحمن الرحيم کے بعد لکھا تھا کہ یہ حدیث میں نے حضرت علیؑ سے سنی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ جب کوئی شخص ایک مجلس میں اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دے تو عورت اس سے جدا ہو جائے گی۔

جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے طلاق دینے والے کے لئے حلال نہ ہوگی۔
میں نے کہا کہ افسوس ہے کہ یہ تو تمہارے بیان کے خلاف ہے۔ تو شیخ نے کہا کہ صحیح یہی
ہے۔ لیکن لوگوں نے مجھے مجبور کیا تھا اس لئے میں نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔

احادیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۲۲) مالکؒ انہ بلغه ان رجلاً جاء الى عبد الله بن مسعودؓ فقال
انى طلق امرأتى بمائتى تطليقات فقال ابن مسعودؓ فماذا قيل لك
قال قيل لى انها قد بانت منى فقال ابن مسعودؓ صدقوا الخ۔ (موطا امام
مالکؒ ص ۵۱۱ ج ۱۔ فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳) امام مالکؒ تک یہ روایت پہنچی کہ ایک
آدمی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو دو سو
طلاق دی ہیں۔ فرمایا کہ تم کو دو سروں (مفتیوں) کی جانب سے کیا جواب دیا گیا؟ اس
نے کہا کہ مجھے یہ جواب ملا کہ وہ عورت مجھ سے بائ نہ ہوگئی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ
نے فرمایا کہ وہ لوگ صحیح کہتے ہیں۔ ”یعنی حکم شرعی بھی یہی ہے۔“

(۲۳) عبدالرزاق عن معمر عن الاعمش عن ابراهيم عن علقمة
قال جاء رجل الى ابن مسعودؓ فقال انى طلق امرأتى تسعة
وتسعين وانى سألت فقیل لى قد بانت منى فقال ابن مسعودؓ لقد
احبوا ان يفرقوا بينك وبينها قال فما تقول رحمك الله فظن انه
سير خص له فقال ثلث تبينها منك وسائرها عدوان (مصنف عبدالرزاق
ص ۳۹۵ ج ۶) تین طلاقوں سے وہ بائ نہ ہوگئی اور باقی سب زیادتی ہے۔

(۲۴) عن مطرف عن الحكم عن ابن عباسؓ وابن مسعودؓ قالوا
فى رجل طلق امرأته ثلثاً قبل ان يدخل بها لا تحل له حتى تنكح
زوجاً غيره۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲، ۲۱ ج ۶-۵) یعنی حضرت عبداللہ بن
عباسؓ و عبداللہ بن مسعودؓ تین کو نافذ کرتے تھے۔

احادیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

(۲۵) ابوداؤد میں ہے کہ : عن مجاہد قال کنت عند ابن عباسؓ فجاءہ رجل فقال انہ طلق امرأته ثلثا قال فسکت حتی ظننت انہ رادھا الیہ ثم قال ینطلق احدکم فیرکب الحموقۃ ثم یقول یا ابن عباسؓ وان اللہ قال ”ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجًا۔ وانک لم تتق اللہ فلا اجد لک مخرجًا عصیت ربک وبانت منک امرأتک الی ان قال قال ابوداؤد‘ روی ہذا الحدیث حمید الا عرج وغیرہ عن مجاہد عن ابن عباسؓ ورواہ شعبۃ عن عمرو بن مرۃ عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ وایوب وابن جریج جمیعًا عن عکرمۃ بن خالد عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ و ابن جریج عن عبد الحمید بن رافع عن عطاء عن ابن عباسؓ ورواہ الاعمش عن مالک بن الحارث عن ابن عباسؓ وابن جریج عن عمرو بن دینار عن ابن عباسؓ کلہم قالوا فی الطلاق الثلاث انہ اجازہا قال وبانت منک نحو حدیث اسماعیل عن ایوب عن عبد اللہ بن کثیر (ابوداؤد ص ۲۹۹ ج ۱۔ فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳۔ بدائع الصنائع ص ۹۶ ج ۳۔ طحاوی ص ۳۱ ج ۳۔ دارقطنی ص ۲۵۱، ۲۳۰ ج ۳۔ سنن بیہقی ص ۳۳۱ ج ۷)

یعنی مجاہد فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس تھا۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو یک بارگی تین طلاقیں دے آیا ہوں۔ مجاہد کہتا ہے کہ ابن عباسؓ چپ رہے۔ یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ رجعت کا حکم دے دیں گے۔ پھر فرمایا کہ لوگ پہلے حماقت پر سوار ہو جاتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ اے ابن عباسؓ! اے ابن عباسؓ۔ بے شک خدائے پاک نے فرمایا ہے کہ جو خدا سے ڈرے اس کے لئے چھٹکارے کی صورت ہوتی ہے۔ اور تو نے خدا کا خوف نہیں کیا۔

اس لئے تیرے واسطے کوئی مخلص نہیں ہے۔ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری عورت تجھ سے جدا ہو گئی ہے۔ اس کے بعد امام ابو داؤد نے بیان فرمایا کہ ان حضرات نے متفقہ طور پر ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔

(۲۶) حدثنا ابراهيم بن مرزوق الى آخر السند عن مالك بن الحارث قال جاء رجل الى ابن عباس فقال ان عمي طلق امرأته ثلثا فقال ان عمك عصي الله فاثمه الله واطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجا فقلت كيف ترى في رجل يحلها له فقال من يخادع الله يخادعه (طحاوی شریف ص ۷۳ ج ۲ - مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱ ج ۵ - فتح القدير ص ۳۳۲ ج ۲ - سنن سعید بن منصور ص ۲۵۸ ج ۳ - اغاثة اللہفان ص ۱۳۶ ج ۱) کہ میرے چچا نے اپنی عورت کو دو دفعہ تین طلاقیں دی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تیرے چچا نے خدا کی نافرمانی اور شیطان کی اطاعت کی۔ اور آپ نے اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکالی۔ مالک بن حارثؓ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ آپ اس کے بارہ میں کیا کہتے ہیں جو اس عورت کو اس کے شوہر کے لئے حلال کرے تو فرمایا: ”کہ جو اللہ تعالیٰ سے چال بازی کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرے گا۔“

(۲۷) عن محمد بن اياس بن بكير انه قال طلق رجل امرأته ثلثا قبل ان يدخل بها ثم بدأه ان ينكحها فجاء يستفتي قال فذهبت معه فسأل ابا هريرة وابن عباس فقالا لا ينكحها حتى تنكح زوجا غيره فقال انما كان طلاقا اياها واحدة قال ابن عباس ارسلت من يدك ما كان لك من فضل - (موطا امام محمد ص ۲۵۹ - فتح القدير ص ۳۳۰ ج ۳ - طحاوی ص ۳۳۵ ج ۲ - سنن بیہقی ص ۳۳۵ ج ۷ - موطا امام مالک ص ۵۲۱ ج ۱)

یعنی ایک آدمی نے صحبت سے قبل ہی اپنی منکوحہ کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر چاہا کہ اس سے نکاح کرے۔ اس لئے فتویٰ دریافت کرنے کے لئے نکلا۔ محمد بن ایاسؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ ہو گیا۔ وہ ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ کے پاس گیا۔ دونوں نے فرمایا کہ اب تم اس سے نکاح نہیں کر سکتے، جب تک کہ دوسرے مرد سے وہ نکاح نہ کرے۔ اس نے کہا کہ میری نیت ایک طلاق کی تھی۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ”انت طالق ثلاثاً“ کہہ کر وہ گنجائش ختم کر دی جو تجھے حاصل تھی۔

احادیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

(۲۸) عن نافع عن ابن عمرؓ اما انت طلقته ثلاثاً فقد عصيت ربك فيما امرك به من طلاق امرأتك وبانت منك۔ (مسلم ص ۷۶ ج ۱۔ دارقطنی ص ۳۳۶ ج ۲۔ اغاثۃ اللہفان ص ۱۶۸ ج ۱) تین کو نافذ کر دیا۔

(۲۹) حدثنا سعيد المقبري قال جاء رجل الى عبد الله بن عمرؓ وانا عنده فقال يا ابا عبد الرحمن انه طلق امرأته مائة مرة قال بانت منك بثلاث وسبعة وتسعون يحاسبك الله بها يوم القيامة۔ (مصنف عبد الرزاق ص ۱۲ ج ۵) ایک آدمی نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ تین سے وہ بائنہ ہو گئی اور ستانوے کا اللہ تعالیٰ تجھ سے قیامت کے دن حساب لیں گے۔

(۳۰) عن علقمة عن عبد اللهؓ انه سئل عن رجل طلق امرأته مائة قال ثلث تبينها منك وسائرها عدوان۔ (طحاوی ص ۳۷ ج ۲) یعنی تین طلاقوں سے وہ تجھ سے بائنہ ہو گئی۔ پتہ چلا کہ تین اکٹھی واقع ہو جاتی ہیں۔

حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما

(۳۱) عن عطاء بن یسارؓ انه جاء رجلًا الى عبد الله بن عمرو بن العاصؓ فسأله عن رجل طلق امرأته ثلثًا قبل ان يمسه قال عطاء فقلت له طلاق البكر واحدة فقال عبد الله انما انت قاص الواحدة تبينها والثلث تحرّمها حتى تنكح زوجًا غيره۔ (طحاوی ص ۳۷ ج ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۵۔ مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۴ ج ۶۔ موطا امام مالک ص ۵۲۱ ج ۱) کہ عطاء بن یسارؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے پاس آیا اور اس شخص کے متعلق سوال کیا جس نے صحبت سے قبل عورت کو تین طلاقیں دے دی ہوں۔ عطاءؓ فرماتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ غیر مدخولہ پر تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ تو نراقصہ گو اور واعظ ہے۔ پھر فرمایا کہ غیر مدخولہ ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔ اور تین طلاقوں سے ایسے حرام ہو جائے گی کہ جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے حلال نہ ہوگی۔

حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

(۳۲) عن محمد بن ایاسؓ ان ابن عباسؓ و ابا هريرةؓ و عبد الله بن عمرو بن العاصؓ سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثًا فكلهم قالوا لا تحل له حتى تنكح زوجًا غيره۔

(۳۳) ان رجلا من اهل البادية طلق امرأته ثلثًا قبل ان يدخل بها فماذا تريان فقال ابن الزبيرؓ ان هذا الامر ما بلغ لنا من قول فاذهب الى ابن عباس و ابی هريرة فسألهمما ثم ائتنا فاخبرنا فاذهب فسألهمما فقال ابن عباسؓ لا بی هريرة افته يا ابا هريرة فقد جاءك معضلة فقال

ابو ہریرہؓ الواحدة تبينها والثلاث تحررها حتى تنكح زوجاً غيره۔
(طحاوی ص ۳۷ ج ۲۔ موطا امام مالک ص ۵۲۱ ج ۱۔ سنن بیہقی ص ۳۳۵ ج ۷۔
مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۴ ج ۶)

حدیث ام المومنین حضرت عائشہؓ

(۳۴) حدثنا ابوبکر قال نا عبدة عن يحيى بن سعيد عن بكير بن
عبد الله الاشج عن رجل من الانصار يقال له معاوية ان ابن عباسؓ
وابا هريرةؓ وعائشةؓ قالوا لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره۔ (مصنف
ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۵) کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور
حضرت عائشہؓ نے (اس عورت کے بارے میں جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں) فرمایا
کہ اب وہ شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرا نکاح نہ کرے۔

حدیث ام المومنین حضرت ام سلمہؓ

(۳۵) حدثنا ابوبکر قال نا عبد الله بن نمير عن اشعث عن ابي
الزبير عن جابر قال سمعت ام سلمةؓ سئلت عن رجل طلق امرأته
ثلاثاً قبل ان يدخل بها فقالت لا تحل له حتى يطأها زوجها۔ (مصنف
ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۵) یعنی ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو
صحبت سے قبل تین طلاقیں دے دی ہوں۔ آپؓ نے جواب دیا کہ اب اس شوہر کے
لئے حلال نہیں کہ اس سے وطی کرے۔ پس معلوم ہوا کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی
ہیں۔

حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہؓ

(۳۶) حدثنا ابوبکر قال حدثنا غندر عن شعبة عن طارق عن
قيس بن ابي حازم انه سمعه يحدث عن المغيرة بن شعبة انه سئل

عن رجل طلق امرأته مائة فقال ثلث تحررها عليه وسبعة وتسعون فضلاً۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳ ج ۵۔ اغاثة اللہفان ص ۳۶۹ ج ۱) طارق فرماتے ہیں کہ قیس بن ابی حازم حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہؓ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں تو فرمایا تین طلاقیں نے عورت کو شوہر پر حرام کر دیا اور بقیہ ستانوے طلاقیں بے کار ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

(۳۷) حدثنا ابوبکر الی آخر السند قال سئل عمران بن حصین عن رجل طلق امرأته ثلاثاً فی مجلسٍ قال اثم برہ و حرمت علیہ امرأته۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۰ ج ۵۔ احکام القرآن للجصاص ص ۳۸۳ ج ۱۔ اغاثة اللہفان ص ۳۷۱ ج ۱۔ سنن بیہقی ص ۳۲۳ ج ۷) حضرت عمران بن حصینؓ سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں تو فرمایا کہ اس نے گناہ کا کام کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی ہے۔

حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ

(۳۸) حدثنا سعید قال حدثنا سفیان عن شقیق سمع انس بن مالک یقول فی الرجل یطلق امرأته ثلاثاً قبل ان یدخل بہا قال ہی ثلاث لا تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ و کان عمر اذا اُتی بہ اوجعہ۔ (سنن سعید بن منصور ص ۲۶۰ ج ۲۔ طحاوی ص ۳۸ ج ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۴۵ ج ۵) یعنی شقیق فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ اس شخص کے متعلق جو صحبت سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے فرماتے تھے کہ یہ تین

طلاق ہیں۔ اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں، الخ۔

حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۳۹) عبدالرزاق عن ابی سلیمان عن الحسن بن صالح عن مطرف عن الحكم ان علیاً و ابن مسعود و زید بن ثابت قالوا اذا طلق البکر ثلاثاً فجمعها لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره فان فرقها بانت بالاولی ولم تکن الاخریین شیئاً۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۶ ج ۶۔ سنن سعید بن منصور ص ۲۶۳ ج ۳) حضرت علیؓ ابن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب مرد غیر مدخولہ عورت کو بیک لفظ تین طلاقیں دے دے تو وہ شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کر لے الخ۔

حدیث حسن بن علی رضی اللہ عنہ

(۴۰) لولا انی ابنت الطلاق لہالراجعتھا لکنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ایما رجل طلق امرأته ثلاثاً عند کل طهر تطلیقاً او عند رأس کل شهر تطلیقاً او طلقها ثلاثاً جمیعاً لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیره۔ (دارقطنی ص ۴۳۸ ج ۲۔ سنن بیہقی ص ۳۳۶ ج ۷۔ اغاثہ ص ۱۳۹ ج ۱) اس کی سند کے بارے میں ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”اسنادہ صحیح“ یعنی حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ اگر میں نے اس کو طلاق بائنہ نہ دی ہوتی تو رجوع کر لیتا، لیکن میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیوے، ہر طہر میں ایک یا ہر ماہ میں ایک یا تینوں اکٹھی دے تو وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کر لے۔

حدیث ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

(۴۱) لو ان الناس طلقوا نساءهم كما امروا لما فارق الرجل امرأته وله اليها حاجة ان احدكم يذهب فيطلق امرأته ثلثاً ثم يقعد ثم يعصر عينيه مهلاً مهلاً بارك الله عليكم فيكم كتاب الله وسنة رسوله فماذا بعد كتاب الله وسنة رسوله الا الضلال ورب الكعبة۔ (احسن الفتاویٰ ص ۳۲۱ ج ۵) کہ لوگ اگر اپنی بیویوں کو ویسے طلاق دیتے جیسے مامور ہیں تو کوئی بھی اپنی بیوی سے حاجت کے ہوتے ہوئے جدا نہ ہوتا۔ تم میں سے ایک جا کر بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیتا ہے، پھر گھر بیٹھ کر روتا ہے۔ ٹھہر ٹھہر کر طلاق دو، اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے۔ تمہارے اندر قرآن و حدیث ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ ان کے بعد تو رب کعبہ کی قسم! سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا۔

حدیث عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

(۴۲) تاریخ خمیس میں ہے کہ شہادت سے قبل غزوۂ موتہ میں انہوں نے فرمایا تھا کہ اے نفس! اب تجھے اترنا ہو گا۔ خوشی سے اترے یا ناگواری سے۔ اب تجھے کس چیز کا اشتیاق باقی ہے۔ اگر بیوی کا ہے تو اسے تین طلاق، غلاموں کا ہے تو سب آزاد الخ۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہاں ایک اور تین طلاق میں فرق تھا۔ اس لئے کہ اگر ان کے ہاں اس میں فرق نہ ہوتا تو حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ یہ عبارت نہ بولتے۔ کیونکہ وہ غلاموں اور بیوی سب کو بالکلیہ اپنے سے آزاد کرنا چاہتے تھے تو بیوی کو تین طلاق کہا۔ ان کو معلوم تھا کہ بیوی کی بالکلیہ آزادی تین طلاق سے ہی ہوگی۔ جیسا کہ غلاموں کی بالکلیہ آزادی ایک مرتبہ ”آزاد ہے“ کہنے سے ہو جاتی ہے۔ اگر میں بیوی کو ایک ہی طلاق دوں گا تو میرا مقصد

مجھے حاصل نہ ہوگا۔ یعنی بیوی کی مکمل آزادی۔

لہذا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ہاں ایک اور تین کا فرق معروف تھا اور تمام صحابہؓ کے نزدیک تین طلاقیں اکٹھی دینے سے تینوں واقع ہو جاتی تھیں۔ ان تمام مرفوع احادیث مبارکہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں، جب کہ غیر مقلدین ایک روایت بھی صحیح صریح اس بات کی نہیں دکھا سکتے کہ خیر القرون میں تین طلاقوں کو ایک مجلس میں ہونے کی وجہ سے ایک ہی شمار کیا گیا ہو۔

حدیث حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ

(۴۳) حضرت عبداللہ ابن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث حدثنا ابوبکر ناعلی بن مسہر عن اسماعیل عن الشعبي عن ابن مغفل فی رجل طلق امرأته قبل ان یدخل بها قال لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیرہ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳ ج ۵) کہ تین طلاقیں ہو جاتی ہیں۔

آثار تابعین رحمہم اللہ علیہ

(۴۴) حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثنا وکیع عن اسماعیل عن الشعبي عن شریح قال رجل انی طلقها مائة قال بانت منك بثلاث وسائرهن اسراف ومعصية۔ ایک مرد نے پوچھا کہ میں نے بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا کہ تین سے وہ تجھ سے بائہ ہو گئی ہے اور باقی سب اسراف اور گناہ ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴ ج ۵)

(۴۵) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثنا جریر عن مغيرة عن ابراهيم فی الرجل یتزوج المرأة فیطلقها ثلاثاً قبل ان یدخل بها قال ان کان قال طالق ثلاثاً کلمة واحدة لم تحل له

حتیٰ تنکح زوجًا غیرہ واذا طلقها طلاقًا متصلاً فهو كذلك۔ حضرت مغیرہ رحمہ اللہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور صحبت سے قبل تین طلاقیں دے دے تو آپ نے فرمایا کہ اگر ایک جملہ میں تین طلاقیں دی ہیں تو عورت اس کے لئے اب حلال نہیں ہے۔ یہاں تک کہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے الخ۔ اس سے بھی صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳ ج ۵)

(۴۶) حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثت عن جریر یعنی عن مغیرة عن حماد عن ابراہیم قال اذا خیرها ثلاثاً فاختارت مرة فہی ثلاث۔ فرمایا جب عورت کو تین طلاقوں کا اختیار دیا گیا تو پھر اس نے ایک ہی مرتبہ تینوں کو اختیار کر لیا تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۶۵ ج ۵)

(۴۷) حضرت مکحول رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا ابوبکر قال حدثنا حاتم بن وردان عن مکحول فیمن طلق امرأته قبل ان یدخل بها انہا لا تحل لہ حتیٰ تنکح زوجًا غیرہ۔ مکحول فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو صحبت سے قبل طلاق دے دے تو وہ جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۴ ج ۵)

(۴۸) حضرت قتادہ رحمہ اللہ کی حدیث عن معمر عن قتادة فی رجل قال لامرأته اعتدی اعتدی۔ اعتدی ہی ثلاث۔ یعنی جب شوہر نے بیوی کو اعتدی، اعتدی، اعتدی تین مرتبہ کہا تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ (مصنف عبد الرزاق ص ۳۶۳ ج ۶)

(۴۹) حضرت امام شعبی رحمہ اللہ کی حدیث عبد الرزاق عن معمر عن عطاء ابن السائب عن الشعبي قال فی الرجل یطلق البکر ثلاثاً جمیعاً ولم یدخل قال لا تحل لہ حتیٰ تنکح زوجًا غیرہ الخ۔ امام

سجی فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۶ ج ۶)

(۵۰) حضرت امام زہری رحمہ اللہ کی حدیث و کان عمرؓ و ابوہریرہؓ و ابن عباسؓ و ابن شہاب زہری و غیرہم یقولون من طلق امرأته قبل الدخول بها ثلاثاً لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ یہ سب حضرات طلاق ثلاثہ کے وقوع کے قائل تھے کہ اگر غیر مدخولہ کو صحبت سے پہلے اکٹھی تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی۔ (کشف الغمہ للشعرانی ص ۱۰۱ ج ۱)

(۵۱) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی حدیث حدثننا سعید حدثننا حزم ابن ابی حزم قال سمعت الحسن و سأله رجل فقال یا ابا سعید رجل طلق امرأته البارحة طلاقاً ثلاثاً و هو شارب فقال یجلد ثمانین و برئت منه۔ حضرت حسن بصری سے پوچھا گیا کہ ایک مرد نے گزشتہ رات اپنی بیوی کو نشہ کی حالت میں تین طلاقیں دیں۔ آپ نے فرمایا اس کو اسی کوڑے مارو اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہو گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۵)

(۵۲) حضرت مصعب بن سعید ابی ملک اور عبداللہ بن شداد رحمہم اللہ کی حدیث حدثننا ابوبکر قال ناو کیع عن سفیان عن منصور عن ابراہیم و عن جابر عن عامر و عن عمران بن مسلم عن ابن عفان عن مصعب بن سعید و ابی ملک و عبداللہ بن شداد قالوا اذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً و ہی حامل لم تحل له حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ یعنی جب کوئی حاملہ کو تین طلاق دے دے تو پھر اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے خاوند سے وہ نکاح نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳ ج ۵)

(۵۳) حضرت عطاء ابن ابی رباح کا اثر: عبدالرزاق عن ابن جریج قال

قلت لعطاء البتة قال يدين فان اراد ثلثاً فثلث وان اراد واحدة فواحدة۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو لفظ البتہ سے طلاق دے دے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اگر وہ تین طلاقوں کا ارادہ کرے گا تو تین ہوں گی۔ اگر ایک کا ارادہ کرے گا تو ایک ہی واقع ہوگی۔ (مصنف عبد الرزاق ص ۳۵۵ ج ۶)

(۵۴) حضرت امام جعفر صادقؑ کی حدیث عن ابان ابن تغلب قال سألت جعفر بن محمد عن رجل طلق امرأته ثلاثاً فقال بانك منه ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره فقال أفتى الناس بهذا قال نعم۔ حضرت ابان ابن تغلبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو کیا وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی؟ تو فرمایا کہ وہ اس سے بائنے ہوگی۔ اب وہ اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔ میں نے کہا کہ میں لوگوں کو اس کا فتویٰ دوں؟ تو فرمایا کہ ہاں دو۔ یعنی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ (سنن دارقطنی ص ۳۴۳ ج ۲)

(۵۵) حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی حدیث قال عمر بن عبد العزیز لو كان الطلاق الفأ ما ابقت البتة منه شيئاً من قال البتة فقد رمى الغاية القصوى۔ (موطا امام مالک ص ۵۱۱۔ سنن سعید بن منصور ص ۳۹۰ ج ۳۔ اعلاء السنن ص ۵۳۲ ج ۱۱) فرمایا کہ اگر مرد کو شریعت کی طرف سے ایک ہزار طلاق دینے کا اختیار ہوتا اور کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق بتہ دیتا تو ایک بھی طلاق باقی نہ رہتی ہزار ہی واقع ہو جاتیں۔

(۵۶) حضرت امام محمد بن سیرینؒ کی حدیث اخبرنا سعيد قال نا هشيم قال ابو عون عن ابن سيرين انه كان لا يرى بأساً ان يطلق ثلاثاً۔ کہ حضرت محمد ابن سيرين رحمہ اللہ تین طلاقیں دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (سنن سعید

بن منصور ص ۲۶۰ ج ۳)

(۵۷) مروان بن الحکم رحمہ اللہ کی حدیث مالک عن ابن شہاب ان مروان ابن الحکم کان یقضى فی الذی یطلق امرأته البتة انها ثلاث تطلیقات۔ ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق البتہ دیتا تو مروان اس کو تین قرار دیتے تھے۔

(۵۸) حضرت سلیمان اعمش کوئی رحمہ اللہ کی حدیث عن الاعمش انه کان بالكوفة شیخ یقول سمعت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ یقول اذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً فی مجلس واحد فانه یرد الی واحدة والناس عنقا واحداً اذا ذاک یأتونه ویسمعون منه قال فأتیته فقرعت علیہ الباب فخرج الی الشیخ فقلت له کیف سمعت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ یقول فیمن طلق امرأته ثلاثاً فی مجلس واحد فانه یرد الی واحدة قال فقلت له الحدیث۔ (بیہقی ص ۳۳۹ ج ۷) اعمش فرماتے ہیں کہ کوفہ کے ایک شیخ کہتے تھے کہ میں نے حضرت علیؑ سے سنا ہے کہ جو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے ایک کی طرف رد ہوگی۔ حدیث نمبر ۲۱ میں اس کی تفصیل گزر گئی ہے۔ اس واقعہ سے سلیمان اعمش ”کاذب بھی معلوم ہو گیا۔

حضرت مسروق رحمہ اللہ کی حدیث حدثنا سعید عن شعبی عن مسروق فیمن طلق امرأته ثلاثاً ولم یدخل بها قال لا تحل حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۴ ج ۵ کذا عن سعید بن جبیر فی مصنف عبد الرزاق ص ۳۳۴ ج ۶۔ رقم الحدیث نمبر ۵۷۱۰ و سنن سعید بن منصور ص ۲۶۳ ج ۳ رقم الحدیث ص ۱۰۸۷ و طحاوی ص ۳۷ ج ۲)

سعید بن جبیر، سعید بن المسیب اور حمید بن عبد الرحمن کی حدیث حدثنا ابوبکر قال نا عبد الا علی عن سعید عن قتادة عن سعید بن المسیب

وسعيد ابن جبیر و حمید بن عبدالرحمن قالوا لا تحل له حتی تنکح زوجاً غیرہ الخ۔ (سنن سعید بن منصور ص ۲۶۲ ج ۳)

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی حدیث و روای محمد بن الحسن فی الآثار بسندہ عن ابراہیم النخعی رحمہ اللہ فی الذی یطلق واحدة وهو ینوی ثلاثاً او یطلق ثلاثاً وهو ینوی واحدة قال ان تکلم بواحدة فهي واحدة وليست نيته بشيء و ان تکلم بثلاث كانت ثلاثاً وليست نيته بشيء قال محمد رحمہ اللہ بهذا كله نأخذ وهو قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ۔ (اعلاء السنن ص ۵۲۲ ج ۱۱) یعنی ابراہیم نخعی سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی آدمی ایک طلاق دے کر تین کی نیت کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اگر ایک طلاق کا تلفظ کیا تو ایک ہی ہوگی۔ تین کی نیت اس میں کر لینا غیر معتبر ہے۔ اور اسی طرح اگر تین طلاقیں زبان سے دیں تو وہ تین ہی واقع ہوں گی۔ ان میں ایک کی نیت کر لینا بے کار ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں ہم لیتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے۔

پس ان تمام احادیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ نیز چاروں ائمہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ کماسیاتی۔

اجماع ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ علیہ

(۱) احکام القرآن میں ہے کہ فالکتاب والسنة و اجماع السلف الصالحین توجب ایقاع الثلاث معاً وان کان معصية۔ (احکام القرآن للجصاص ص ۳۸۸ ج ۱) یعنی قرآن و سنت اور اجماع سلف کا یہی فیصلہ ہے کہ یک بارگی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ ایسا کرنا معصیت ہے۔

(۲) تفسیر مظہری میں ہے کہ لکنہم اجمعوا علی انہ من قال لامرأته

انت طالق ثلثاً يقع ثلثاً بالاجماع۔ (تفسیر مظہری ص ۳۰۰ ج ۱) یعنی جمہور علماء قائل ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں مجتمعا دے گا تو بالاجماع تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

(۳) یعنی شرح بخاری میں ہے کہ : ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الاوزاعي والنخعي والثوري وابو حنيفة واصحابه ومالك واصحابه والشافعي واصحابه واسحاق وابو ثور وابو عبيد وآخرون كثيرون على ان من طلق امرأته ثلثاً وقع ولكنه يائثم وقالوا من خالف فيه فهو شاذ مخالف لاهل السنة انما تعلق به اهل البدعة ومن لا يلتفت اليه لشذوذه عن الجماعة۔ (یعنی ص ۵۳۷ ج ۹) یعنی جمہور علماء تابعین اور ان کے بعد کے علماء و فقہاء و محدثین اور امام اوزاعی، امام نخعی، امام ثوری، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب و امام مالک اور ان کے اصحاب، امام شافعی اور ان کے اصحاب، امام اسحاق، امام ابو ثور، امام ابو عبید اور دیگر فقہاء قائل ہیں کہ ”جو کوئی اپنی عورت کو تین طلاقیں دے گا وہ پڑ جائیں گی، لیکن طلاق دینے والا گنہگار ہو گا اور ان حضرات نے کہا ہے کہ جو اس کی مخالفت کرے وہ اہل سنت کا مخالف ہے اور اہل بدعت میں داخل ہے۔ اس قول کو اہل بدعت نے اور ایسے لوگوں نے اختیار کیا ہے جن کا جماعت سے الگ ہونے کی وجہ سے کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(۴) مرقاة المفاتیح میں ہے کہ وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلث۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۹۴ ج ۶) یعنی جمہور صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین قائل ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(۵) زجاجة المصابیح میں ہے کہ ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الاوزاعي والنخعي والثوري وابو حنيفة

واصحابہ ومالك واصحابہ والشافعی واصحابہ واحمد واصحابہ
واسحاق وابو ثور وابو عیدر حمہم اللہ وآخرون كثیرون علی ان
من طلق امرأته ثلاثاً وقعن ولكنہ یأثم وقالوا من خالف فیہ فهو شاذ
مخالف لاهل السنة والجماعة۔ (زجاجة المصابیح ص ۳۶۹-۳۷۰ ج ۲)
اس کا مطلب تقریباً وہی ہے جو نمبر تین پر گزرا ہے۔

(۶) بخاری شریف میں ہے کہ : قال اهل العلم اذا طلق ثلاثاً فقد
حرمت علیہ فسموه حراماً بالطلاق والفراق وليس هذا كالذى
يحرم الطعام لانه لا يقال لطعام الحل حرامٌ ويقال للمطلقة حرام
وقال فی الطلاق الثلاث لا تحل له حتى تنكح زوجاً غیرہ۔ (بخاری
شریف ص ۷۹۲ ج ۲)

(۷) نووی علی مسلم میں ہے کہ : وقد اختلف العلماء فیمن قال
لامرأته انت طالق ثلاثاً فقال الشافعی ومالك وابو حنیفہ واحمدٌ
وجماہیر العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث۔ (نووی
ص ۷۸۸ ج ۱) جو شخص اپنی بیوی کو کہے ”انت طالق ثلاثاً“۔ اس کے حکم میں علماء
نے اختلاف کیا ہے۔ امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد اور جمہور علماء
سلفاً وخلفاً فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں ہو جاتی ہیں۔

(۸) زاد المعاد میں ہے کہ وهذا (ای وقوع الثلاث بكلمة واحدة) قول
الائمة الاربعة وجمہور التابعین وكثیر من الصحابة رضوان اللہ
علیہم اجمعین۔ (زاد المعاد ص ۲۵۵ ج ۲) یعنی ایک مجلس کی تین طلاقوں کا وقوع
ائمہ اربعہ اور جمہور تابعین اور بے شمار صحابہ کا قول ہے۔

(۹) بذل المجہود میں ہے کہ : وايضا وقع فی الحديث ان عمر بن
الخطاب رضی اللہ عنہ امضاهن وهذا بمحضر من الصحابة فی

زمن تو فرہم ولم ینکر علیہ احد فاو لا لا یظن بعمر بن الخطاب ان ینخالف رسول اللہ ﷺ فی الامر الصریح الشائع ثم لا یظن بالصحابہ ان لا ینکروا علیہ فیما ینخالف فیہ رسول اللہ ﷺ فصار الاجماع علی ذلک ولا یمکن اجماعہم علی باطل فالحق الصریح انہ اذا طلق الرجل امرأته ثلثاً مجموعاً او مفزقاً یکون ثلثاً لا واحداً وهو الذی اذین اللہ بہ۔ (بذل المجہود ص ۷۲، ج ۳) اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو نافذ کیا تھا اور یہ صحابہ کی بڑی جماعت کی موجودگی میں ہوا تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ پس پہلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک امر صریح شائع میں حضور اقدس ﷺ کی مخالفت کرتے۔ پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر انکار نہ کرتے۔ پس ”صریح حق“ یہ ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے اکٹھی یا جدا جدا تو تین ہوں گی نہ کہ ایک۔

(۱۰) اعلاء السنن میں ہے کہ والحاصل ان وقوع الثلاث مجموعۃ موضع اتفاق بین جمیع من یعتقد بقولہم کما قالہ ابن التین ولم ینقل الخلاف الا عن غلط او عمن لا یعتقد بخلافہ۔ (اعلاء السنن ص ۵۲۳، ج ۱۱) کہ اکٹھی تین طلاقوں کا وقوع سب معتبر علماء میں موضع اتفاق ہے۔

(۱۱) اعلاء السنن میں ہے کہ : قال الخطابی القول بعدم وقوع الطلاق البدعی قول الخوارج والروافض وقال ابن عبد البر لا ینخالف فی ذلک الا اهل البدع والضلال۔ اس کے تھوڑا آگے فرمایا : فوصل الی نتیجۃ ان وقوع الثلاث مجموعۃ علی المدخول بہا مسئلۃ اجماعیۃ کتحریم المتعۃ علی حد سواء۔ (اعلاء السنن

ص ۵۲۷ ج ۱۱) یعنی خطابی اور ابن عبدالبر کے نزدیک تین طلاقوں کے واقع نہ ہونے کا قول صرف بدعتی اور گمراہ خارجی اور شیعہ لوگ ہی کرتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مدخولہ عورت پر تین طلاقیں واقع ہونے کا مسئلہ اجماعی ہے۔ جیسے متعہ حرام ہے برابر درجے میں۔

(۱۲) اعلاء السنن میں ہے کہ : واما قولهم فی ایقاع الثلاث مجموعة على المدخول بها فكقول الجمهور على حد سواء وقال بعد ذلك ففي الروض النفير ص ۱۳۷ ج ۴ ان وقوع الثلاث بلفظ واحد هو مذهب جمهور اهل البيت الى ان قال فلا يصح نسبة الافتاء بعدم الوقوع اليهم بعد هذا البيان الصريح۔ (اعلاء السنن ص ۵۲۹ ج ۱۱) کہ ایک لفظ سے تین طلاقوں کا وقوع جمہور اہل بیت کا بھی مذہب ہے۔ پس ان کی طرف یہ منسوب کرنا کہ وہ ان کے عدم وقوع کا فتویٰ دیتے تھے اس صریح بیان کے بعد جائز نہیں۔

(۱۳) المغنی میں ہے کہ : قال ابن قدامة وان طلق ثلثاً بكلمة واحدة وقع الثلاث وحرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره ولا فرق بين قبل الدخول وبعده روى ذلك عن ابن عباس وابی هريرة وابن عمر وابن مسعود وانس وهو قول اكثر اهل العلم من التابعين والائمة بعدهم۔ (المغنی لابن قدامة ص ۱۰۴ ج ۷) ان سب حضرات کے نزدیک دخول سے قبل یا بعد میں ایک ہی کلمہ سے تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہو جاتی ہیں۔

(۱۴) فتح القدر میں ہے کہ : وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلث۔ (فتح القدر ص ۳۳۰ ج ۳)

(۱۵) بحر الرائق میں ہے کہ : ولا حاجة الى الاشتغال بالادلة على رد

قول من انكر وقوع الثلث جملةً لانه مخالف للاجماع كما حكاہ فی المعراج ولذا قالوا لو حکم حاکم بان الثلاث بفهم واحدة واحدة لم ينفذ حکمه لانه خلاف لا اختلاف۔ (بحر الرائق ص ۲۵۷ ج ۳) یعنی جو مجموعی تین طلاقوں کے وقوع کا قائل نہیں اس کے قول کو رد کرنے کے لئے دلائل اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اس کا یہ قول اجماع کے خلاف ہے۔ جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم فیصلہ کرے کہ ایک مرتبہ کی دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہیں تو اس کا یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ خلاف ہے (جو مذموم ہے) اختلاف نہیں (جو کہ رحمت ہے)

(۱۶) بدایۃ المجتہد میں ہے کہ : جمهور فقهاء الامصار على ان الطلاق بلفظ الثلث حکمه حکم الطلقة الثلاثة۔ (بدایۃ المجتہد لابن رشد ص ۶ ج ۳)

(۱۷) فتاویٰ خیرہ میں ہے کہ : نعم يقعن ای الثلاث بقول عامة العلماء المشهورين من فقهاء الامصار ولا عبرة بمن خالفهم في ذلك او حکم بقول مخالف والرد على المخالف القائل بعدم وقوع شيء او وقوع واحدة فقط مشهور۔ (فتاویٰ خیرہ ص ۴۳ ج ۱) کہ نہ ماننے والوں کا جواب مشہور ہے جو اکٹھی تین طلاقوں کے وقوع کے قائل نہیں ہیں۔

(۱۸) شامی میں ہے کہ : قال في فتح القدير بعد سوق الاحاديث الدالة عليه الى ان قال وقد اثبتنا النقل عن اكثرهم صريحاً بايقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال۔ (فتح القدير ص ۳۳۰ ج ۳) یعنی تین کے وقوع کی مخالفت کرنا سوائے گمراہی کے کچھ نہیں۔

(۱۹) شرح وقایہ میں ہے کہ : وعندنا الثلث دفعة سنی الوقوع ای وقوعها مذهب اهل السنة۔ (شرح وقایہ ص ۷۰ ج ۲)

(۲۰) کفاية المفتی میں ہے کہ : وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع ثلث - (کفايت المفتی ص ۳۲۹ ج ۶)

(۲۱) وقال الكاساني : واما حكم الطلاق البدعة فهو انه واقع عند عامة العلماء وقد ذكر منها الثلاث بلفظ واحد - (بدائع الصنائع ص ۹۶ ج ۳)

(۲۲) قال القرطبي : ”قال علماءنا واتفق ائمة الفتوى على لزوم ايقاع الطلاق الثلاث بكلمة واحدة وهو قول جمهور السلف -“ (تفسير قرطبي ص ۱۲۹ ج ۳) یعنی اس پر ائمہ فتویٰ کا اتفاق ہے کہ ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

(۲۳) قال المرداوي : وان طلقها ثلاثا مجموعة قبل رجعة مرة واحدة طلقت ثلاثا وان لم ينوها على الصحيح من المذهب نص عليه مراراً وعليه الاصحاب بل الائمة الاربعة واصحابهم في الجملة - (الانصاف ص ۲۵۳ ج ۸) یعنی اکٹھی تین طلاقیں دیں تو اگرچہ نیت نہ بھی ہو صحیح مذہب یہی ہے کہ تین واقع ہو جائیں گی۔ اسی پر ائمہ اربعہ ہیں۔

(۲۴) وقال شيخ الاسلام : ”في اثناء الكلام على بيان المذاهب في ذلك الثاني انه طلاق محرم لازم وهو قول مالك وابي حنيفة واحمد في الرواية المتأخرة عنه واختارهم اكثر اصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين -“ (مجموع الفتاوى ص ۳۳ ج ۸) ان سب حضرات کے ہاں یہ طلاق محرم اور لازم ہے۔

(۲۵) اضواء البيان میں ہے کہ : وقال الشيخ محمد امين الشنقيطی و على هذا القول اى اعتبارها ثلاثاً جل الصحابة واكثر العلماء

منہم الائمة الاربعة وقد استدل لهذا المذهب بالکتاب والسنة والاجماع والآثار والقياس۔ (اضواء البیان ص ۱۷۶ ج ۱)

(۲۶) قال ابن رجب حنبلي : اعلم انه لم يثبت عن احد من الصحابة ولا من التابعين ولا من ائمة السلف المعتقد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في ان الطلاق الثلث بعد الدخول يحسب واحدة اذا سبق بلفظ واحد۔ (احسن الفتاوى ص ۳۶۶ ج ۵)

(۲۷) المغنی میں ہے کہ : ان الرجل اذا قال لامرأته انت طالق ثلثاً فهي ثلث وان نوى واحدة لا نعلم فيه خلافاً لان اللفظ صريح في الثلاث والنية لا تعارض الصريح لانها اضعف من اللفظ ولذلك لا تعمل بمجردهما والصريح قوى يعمل بمجردہ من غير نية فلا يعارض القوى بالضعيف كما لا يعارض النص بالقياس ولان النية انما تعمل في صرف اللفظ الى بعض محتملاتہ والثلاث نص فيها لا يحتمل الواحدة بحال فاذا نوى واحدة فقد نوى ما لا يحتمله فلا يصح كما لو قال له علي ثلاثة دراهم وقال اردت واحدة۔ (المغنی ص ۲۳۶ ج ۷)

(۲۸) تكملة فتح الملہم میں ہے کہ : مذهب الائمة الاربعة وجمہیر العلماء من السلف والخلف وهو انه يقع به الثلاث جميعاً وتصير المرأة بها مغلظة لا تحل لزوجها الاول حتى تنكح زوجاً غيره وهو مروى عن ابن عباس و ابي هريرة و ابن عمر و عبد الله بن عمرو و ابن مسعود و انس وهو قول اكثر اهل العلم من التابعين والائمة بعدهم كما في المغنی ص ۱۰۴ ج ۷۔ وهو مروى عن عمر و عثمان و علي و الحسن بن علي و عبادة بن الصامت

رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تکملہ ص ۱۵۳ ج ۱) یعنی چاروں ائمہ، جمہور علماء سلف و خلف کا یہی مذہب ہے کہ ایک لفظ سے ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں نہ کہ ایک، اور عورت حرمت مغلطہ کے ساتھ حرام ہو جاتی ہے الخ۔

(۲۹) (وقال نقلاً عن العرف الشذی ص ۴۶ : قول العالم الجلیل الشیخ انور شاہ کاشمیری نور اللہ مرقدہ)۔ ”ان هولاء فقهاء الصحابة امثال عمرو و علی و عثمان و ابن مسعود و ابن عمرو عبد اللہ بن عمرو و عبادة بن الصامت و ابی هريرة و ابن عباس و ابن الزبیر و عاصم بن عمرو عائشة رضوان اللہ علیہم اجمعین کلهم مطبقون علی وقوع الثلاث ولو نطق بها الرجل فی مجلس واحد و کفی بهم حجة و استناداً۔ (تکملہ فتح الملہم ص ۱۵۸ ج ۱)

(۳۰) تبیان الفرقان میں ہے کہ : ثم انهم اجمعوا علی انه من قال لامرأته انت طالق ثلاثا يقع ثلاثاً بالاجماع و حکمی ابن عبد البر الاجماع قائلاً ان خلافة لا یلتفت الیه۔ (تبیان الفرقان ص ۹۱ ج ۱) یعنی اس پر اجماع ہے کہ جس آدمی نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دیں تو بالاجماع تین ہی واقع ہوں گی اور اس کے خلاف کہنے والے کی طرف التفات نہ کیا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ ”کتاب الام“ ص ۲۴۷ ج ۵ میں فرماتے ہیں : ولورای امرأة من نسائه مطلعة فقال انت طالق ثلاثا وقال لواحدة منهن هی هذه وقع علیها الطلاق (اعلاء السنن ص ۵۲۲ ج ۱۱)

سعودی علماء کرام کی سپریم کونسل کا فیصلہ

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعے حرمین شریفین اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے۔ جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے، بلکہ خود بادشاہ بھی اس کا پابند ہے۔ اس مجلس میں ”طلاق ثلاثہ“ کا مسئلہ پیش ہوا۔ مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر و حدیث کی سینتالیس (۲۷) کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد صاف اور واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ ”ایک مجلس میں ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں۔“ یہ بحث ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ میں ہوئی تھی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس مجلس میں یہ اکابر علماء موجود تھے جن کے نام یہ ہیں :

- ۱- الشیخ عبدالعزیز بن باز
- ۲- الشیخ عبداللہ بن حمید
- ۳- الشیخ محمد الامین الشنقیطی
- ۴- الشیخ سلیمان بن عبید
- ۵- الشیخ عبداللہ خیاط
- ۶- الشیخ محمد الحرکان
- ۷- الشیخ ابراہیم بن محمد آل الشیخ
- ۸- الشیخ عبدالرزاق عقیفی
- ۹- الشیخ عبدالعزیز بن صالح
- ۱۰- الشیخ صالح بن غصون
- ۱۱- الشیخ محمد بن جبیر
- ۱۲- الشیخ عبدالمجید حسن
- ۱۳- الشیخ راشد بن حنین
- ۱۴- الشیخ صالح بن الحیدان
- ۱۵- الشیخ محضار عقیل
- ۱۶- الشیخ عبداللہ بن غدیان
- ۱۷- الشیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع و دیگر علماء کرام اس میں شریک تھے۔

ان حضرات نے قرآن و حدیث اور اجماع امت کی روشنی میں اپنے اکثریتی فیصلے

میں یہی قرار دیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

قرآن کریم کی تین آیات، تقریباً ساٹھ احادیث مرفوعہ و موقوفہ اور اتفاق جمہور اور سلف صالحین کی تین تصریحات یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مدخول ہا پر ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ سلف صالحین میں کوئی بھی قابل اقتداء ایسی شخصیت نہیں ہے جو اس کے خلاف کی قائل ہو۔ چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ : اعلم انه

لم یثبت عن احد من الصحابة ولا من التابعین ولا من ائمة السلف
المعتد بقولهم فی الفتاوی فی الحلال والحرام شیء

صریح فی ان الطلاق الثلاث بعد الدخول بحسب واحدة اذا سبق
بلفظ واحد ذکرہ ابن عبد الہادی عن ابن رجب رحمہ اللہ۔ (رسالہ

”الطلاق الثلاث“ ص ۳۶۶)

گزشتہ صفحات میں جو دلائل و احادیث ذکر کی گئی ہیں ان کی روشنی میں ہم یہاں
پر ان حضرات کی مختصر فہرست ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے قائل ہیں۔

حق جل شانہ اور نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما،

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ ام

المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا،

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ

عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما، حضرت

ابوقنادہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ، حضرت قاضی شریح

رحمہ اللہ، حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، حضرت مکحول رحمہ اللہ، حضرت قتادہ رحمہ

اللہ، حضرت امام شعبی رحمہ اللہ، امام زہری رحمہ اللہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ،

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ، حضرت حمید بن

عبدالرحمن رحمہ اللہ، حضرت مصعب بن سعید رحمہ اللہ، حضرت ابومالک اور حضرت عبداللہ بن شداد رحمہما اللہ، حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ، حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ، حضرت امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ، حضرت مروان بن الحکم رحمہ اللہ، حضرت سلیمان بن اعمش کوفی رحمہ اللہ اور حضرت مسروق رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ، امام قاضی ابویوسف، امام محمد، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، حضرت امام اوزاعی و سفیان ثوری و اسحاق و نووی و بخاری رحمہم اللہ و دیگر علماء و فقہائے امت۔

اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق نقل کرنیوالے حضرات کے اسماء گرامی

امام بخاری رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ، علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ، ملا علی قاری رحمہ اللہ، امام قرطبی رحمہ اللہ، شیخ زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ، شیخ ابوبکر رازی المعروف بالجصاص رحمہ اللہ، مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فی اعلاء السنن، قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ، شیخ عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ فی کتابہ المغنی سید عبداللہ بن مظفر حسین حیدر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ، علامہ ابن رشد و علامہ محمد امین المعروف بابن غابدین و شیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبد الحمید المعروف بابن ہمام الحنفی رحمہ اللہ، شیخ محمود بن صدر الشریعہ و عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ و شیخ محمد امین الشنقیطی رحمہم اللہ و مفتی تقی عثمانی صاحب مصنف تکریم فتح الملہم، علامہ حبیب الرحمن

الا عظمیٰ و دیگر فقہائے امت۔

حضرات علماء کرام نے ایک مجلس میں طلاق ثلاثہ کے نفاذ والے مسئلے کو ان مسائل اجماعیہ میں شامل کیا ہے۔ جس کے خلاف قضاء قاضی بھی نافذ نہیں ہے، بلکہ قاضی کا اس کے خلاف کیا ہوا فیصلہ ایسے ہی ناقابل قبول ہو گا جیسے صریح قرآن و سنت یا اجماع امت کے خلاف قاضی کا فیصلہ مردود قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بحر الرائق میں ہے : ”ولا حاجة الى الاشتغال بالادلة على رد قول من انكر وقوع الثلاث جملة لانه مخالف للاجماع كما حكا في المعراج ولذا قالوا لو حكم حاكم بان الثلاث بفهم واحدة واحدة لم ينفذ حكمه لانه خلاف لاختلاف“ (بحر الرائق ص ۲۵۷ ج ۳) کہ اگر قاضی یا حاکم اس اجماع کے خلاف فیصلہ کر دے تو وہ نافذ نہیں ہو گا کیونکہ یہ خلاف ہے نہ کہ اختلاف۔

تفصیل بالا کے مطابق کسی اہل فہم و اہل دیانت کو اس میں شبہ نہیں رہنا چاہیے کہ یہی مسئلہ حق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

گزشتہ صفحات میں قرآن و سنت آثار صحابہ و تابعین فقہائے کرام و ائمہ مجتہدین مفسرین و محدثین اور اجماع امت کی تصریحات سے اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ (نیت تاکید کی صورت زیر بحث نہیں) اس مسئلہ کے اثبات کے لئے دلائل بالا صرف کافی ہی نہیں بلکہ اس سے بھی اوپر ہیں۔ البتہ اندھی تقلید تعصب و عناد اور ”میں نہ مانوں“ کی رٹ لگانے والوں کا کوئی علاج نہیں۔ دلائل کے اس انبار کو آخر کہاں پھینکا جاسکتا ہے اور اس سے اندھا پن کیسے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً جب کہ اس کے مقابلہ میں ایک بھی صحیح غیر متکلم فیہ روایت موجود نہیں۔ نہ مرفوع نہ موقوف نہ آثار تابعین اور نہ ہی ائمہ مجتہدین و مفسرین اور محدثین نے اسے قبول کیا ہے۔ اس سے زیادہ شذ و ذونکارت کیا ہو سکتی ہے۔ اس قیمتی اور لاوارثی کی کوئی حد بھی ہے کہ پورے ذخیرہ احادیث و آثار صحابہ و تابعین میں اس کی کوئی گری پڑی اصل موجود نہیں۔ علامہ ابن رجب فرماتے ہیں کہ

میں ایک عرصہ تک اس کی اصل کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ انتہائی کوشش کے باوجود مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔ قال الجوز جانی ”ہو حدیث شاذ قال ابن رجب وقد عنیت بهذا الحدیث فی قدیم الدھر فلم اجد له اصلا۔ غیر مقلدین کے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں۔ مگر وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔ کوئی صحیح دلیل نہ ہونے کے باوجود اہل سنت والجماعت کے اول الذکر ذخیرہ دلائل کو محض اپنے جھوٹے پروپیگنڈے سے باطل کرنا چاہتے ہیں اور شریعت مقدسہ کی رو سے متفقہ حرام کردہ مطلقہ کو حلال کرنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ حضور پاک ﷺ نے تین طلاقیں دینے والے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ مگر غیر مقلدین ایسے شخص کا دل و جان سے استقبال کر کے اسے ہمیشہ کے لئے حرام کاری میں مبتلا کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ اشاعت فاحشہ کی مردود سعی سے اللہ تعالیٰ حفاظت میں رکھے۔

قرآن و سنت اور اجماع کے دلائل سامنے آجانے کے بعد اگرچہ اس کی حاجت نہ تھی کہ کسی کے قیل و قال کی طرف توجہ کی جائے، مگر مخالفین کے دلائل کا سرسری جائزہ لینا بھی ابطال کے لئے ضروری ہے۔

شُبہات کے جوابات

شُبہ نمبر ۱ :

غیر مقلدین نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے : عن ابن عباس قال كانت الطلاق علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و سنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث و احدى الی آخره (صحیح مسلم ص ۷۷، ج ۱)

اس روایت کے محدثین نے بہت سے جواب دیئے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں

جواب نمبر ۱ :

یہ روایت سند اور متن کے اعتبار سے مضطرب ہے۔ کبھی یوں روایت کرتے ہیں کہ عن طاؤس عن ابن عباسؓ اور کبھی یوں روایت کرتے ہیں کہ عن ابی الجوزاء عن ابن عباسؓ۔ اور متن میں کبھی یوں نقل کرتے ہیں کہ : الم تعلم ان الرجل كان اذا طلق امرأته ثلاثاً قبل ان يدخل بها جعلوها واحدة۔ اور کبھی یوں نقل کرتے ہیں کہ الم یکن الطلاق الثلاث علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکرؓ و صدر خلافة عمرؓ واحدة۔ (الطلاق الثلاث ص ۱۳۵)

لہذا اس مضطرب روایت کا صحیح احادیث کے مقابلے میں اعتبار نہ ہوگا، خاص طور پر جب کہ وہ خود راوی کے فتوے کے خلاف ہو۔

جواب نمبر ۲ :

یہ حدیث منکر ہے، کیوں کہ اس روایت کو صرف طاؤس نے ہی ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور طاؤس کی مناکیر میں سے یہ روایت بھی ہے : قال القاضي اسماعیل فی کتابہ احکام القرآن طاؤس مع فضله و صلاحہ یروی اشياء منکرۃ منها هذا الحدیث۔ (الطلاق الثلاث ص ۱۳۵)۔ ”نوٹ“ : یہ وہ رسالہ ہے جس میں سعودی علماء کرام کی پیریم کونسل کا فیصلہ ہے۔

جواب نمبر ۳ :

یہ حدیث شاذ ہے۔ قال ابن عبد البر شذ طاؤس فی هذا الحدیث (الطلاق الثلاث ص ۱۳۵) وقال ابن رجب و كان علماء اهل مكة ينكرون علی طاؤس بما یثفرد به من شواذ الاقوال۔ (ایضاً ص ۹۸) یعنی طاؤس کے متفرد شاذ اقوال پر اہل مکہ انکار کرتے تھے۔

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب (مشکل الاحادیث الواردة فی ان الطلاق الثلاث واحدة) میں امام احمدؒ، یحییٰ القطانؒ، یحییٰ بن معینؒ، علی بن مدینی وغیرہ سے اس کے شاذ ہونے کے اقوال نقل کئے ہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ : کل اصحاب ابن عباس رضی اللہ عنہ رووا عنہ خلاف ماروی طاؤس وقال الجوز جانیؒ ہو حدیث شاذ قال ابن رجب وقد عنیت بهذا الحدیث فی قدیم الدھر فلم اجد له اصلاً قال المصنف ومتی اجمع الامة على اطراح العمل بحدیث وجب اطراحه وترك العمل به وقال ابن المہدی لا یكون اماماً فی العلم من عمل بالشاذ۔ (الطلاق الثلاث ص ۹۷) اور دیگر اہل علم نے بھی اس کو شاذ کہا ہے۔

جواب نمبر ۴ :

طاؤسؒ کی یہ روایت وہم اور غلط ہے اور ناقابل التفات ہے۔ چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے : عن ابن عبدالبر انه قال رواية طاؤس وهم "وغلط" لم يعرج عليها احد من فقهاء الامصار بالحجاز والشام والمغرب۔ (ایضاً ص ۹۸) وعن ايوب انه كان يعجب من كثرة خطأ طاؤس۔

جواب نمبر ۵ :

یہ حدیث خلاف اجماع ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایات جو تین کے وقوع کی ناطق ہیں وہ اجماع صحابہ اور جمہور امت کے موافق ہیں اور جن میں ایک طلاق کے واقع ہونے کا ذکر ہے۔ وہ روایات احادیث صحیحہ، اجماع صحابہ اور جمہور امت کے خلاف ہیں۔ لہذا تین طلاقیں واقع ہونے والی روایت معتبر ہوگی، اور ایک والی غیر معتبر۔

جواب نمبر ۶ :

یہ حدیث منسوخ ہے : کما قال ابن رجب۔ اس لئے کہ خود حضرت ابن عباسؓ اس کے خلاف فتویٰ دیتے تھے کما مر۔ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے اور پھر وہ حدیث حجت نہیں بن سکتی۔ نور الانوار میں ہے : امتناع الراوی عن العمل به مثل العمل بخلافه فيخرج عن الحجية۔ (ایضاً ص ۹۸) اور اس کے منسوخ ہونے پر اجماع صحابہ بھی دال ہے اور اجماع معصوم ہوتا ہے۔ پس وہی مقدم ہو گا اور اگر ناسخ موجود نہ ہوتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے خلاف کبھی فتویٰ نہ دیتے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اس کو منسوخ کہا ہے اور فرمایا ہے : ویقویہ ما اخرجه ابوداؤد من طریق یزید النحوی عن عکرمۃ عن ابن عباسؓ قال کان الرجل اذا طلق امرأته فهو احق برجعته وان طلقها ثلاثا فنسخ ذلك (فتح الباری ص ۲۸۹ ج ۹) لہذا یہ منسوخ ہونے کی وجہ سے متروک العمل ہے۔

جواب نمبر ۷ :

اس میں تقریر نبی ﷺ ثابت نہیں ہے۔ اگر تقریر ہوتی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے خلاف فتویٰ کبھی نہ دیتے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بھی یہ نقل فرمایا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ اس میں تقریر ثابت نہیں۔ لہذا احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے۔ حافظ ابن حزمؒ نے محلیٰ میں کہا ہے کہ یہ نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے نہ فعل فلا حجة فیہ۔ (محلیٰ ابن حزم ص ۱۶۸ ج ۱۰)

جواب نمبر ۸ :

اس میں ثلاث سے مراد ”البتہ“ ہے کیوں کہ اہل مدینہ کے ہاں ”البتہ“ تین

کے معنی میں مشہور تھا تو اس شہرت کی وجہ سے کسی راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے بتہ کی بجائے ”ثلاث“ کہہ دیا۔ اس توجیہ سے روایات میں جمع اور تطبیق ہو جائے گی۔ اور بتہ بول کر پہلے ایک مراد لی جاتی تھی، جیسا کہ رکازہؒ نے کیا تھا۔ پھر جب لوگ بتہ بول کر تین ہی کا ارادہ کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین ہی لازم کر دیں نہ کوئی نیا حکم دیا اور نہ ہی شرعی حکم کو بدلا۔

جواب نمبر ۹ :

روایت کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ ایک ہی طلاق دیتے تھے۔ تین کا استعمال شاذ و نادر تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تین طلاقیں دینے لگے۔ اس لئے یہ حکم نافذ کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اسے ابن عربی اور ابو زرہ رازی کا پسندیدہ جواب بتلایا ہے۔ (فتح الباری ص ۲۹۹ ج ۹)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس توجیہ کے اعتبار سے یہ روایت لوگوں کی عادت کے اختلاف کو بیان کر رہی ہے نہ کہ تغیر حکم کو۔

جواب نمبر ۱۰ :

یہ حدیث غیر مدخولہ کو طلاق دینے کے بارے میں ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں لوگ غیر مدخولہ کو اس طرح طلاق دیتے تھے: انت طالق طالق طالق۔ اس کے برخلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں نے انت طالق ثلاثا سے طلاق دینا شروع کر دیا تو حضرت عمرؓ نے تینوں کے وقوع کا حکم لگایا اور اس پر جمہور کا اتفاق ہے کہ غیر مدخولہ کو انت طالق طالق طالق کہنے سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور دوسری لغو شمار ہوتی ہیں اور انت طالق ثلاثا کہنے سے تین طلاقیں واقع ہو کر وہ حرام ہو جائے گی۔ پس یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے نہ کہ اہل ظاہر و غیر مقلدین کی اور اس حدیث کے غیر مدخولہ کے بارے میں ہونے کی دلیل یہ ہے کہ امام نسائیؒ نے اپنی سنن میں روایت ابن عباسؓ اس ترجمہ کے تحت بیان کی ہے : باب الطلاق

الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة (نسائی ص ۸۳، ج ۲)

امام نسائیؒ نے قبل الدخول بالزوجة کی قید کسی حدیث کی وجہ سے لگائی ہوگی۔ (یہ حدیث سنن ابی داؤد کتاب الطلاق میں باب بقیة نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلاث کے تحت موجود ہے) اس لئے کہ امام بخاری اور امام نسائی رحمہما اللہ کی عادت ہے کہ وہ جس روایت کو اپنی شرائط کے مطابق نہ پائیں اس کی طرف ترجمة الباب میں اشارہ کر دیتے ہیں۔ کما قال الحافظ ابن حجرؒ۔

جواب نمبر ۱۱ :

اصل میں طلاق کے الفاظ کو تین بار دہرانے کی دو شکلیں ہیں۔ ایک یہ کہ ارادہ بھی تین طلاق دینے کا ہو اور دوسری یہ کہ ارادہ تو ایک ہی طلاق دینے کا ہو، مگر اس کو پختہ کرنے کے لئے تین بار لفظ طلاق دہرا دیا جائے، جیسا کہ بعض لوگ نکاح میں ایجاب و قبول کے الفاظ تین بار دہراتے ہیں۔ اب چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگوں پر امانت و دیانت کا غلبہ تھا، اس لئے یہ خیال نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی شخص طلاق دیتے وقت تین طلاق کے ارادے سے تین بار یہ الفاظ کہے اور بعد میں یہ کہنے لگے کہ میں نے تو ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ بعد میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگوں کی دیانت و امانت کا وہ معیار باقی نہیں رہا تو حکم فرمایا کہ آئندہ جو شخص طلاق کے الفاظ تین بار دہرائے گا، ہم ان کو تین ہی سمجھیں گے اور کسی کا یہ عذر قابل قبول نہ ہو گا کہ میں نے ایک ہی طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تین کا نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی شرعی حکم کو نہیں بدلا۔ اور ظاہر ہے کہ دیانت و امانت کا جو معیار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تھا اب اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے اگر انہوں نے تین کے تین ہونے کا فیصلہ فرما دیا تو ہمیں اس کی پابندی کڑا بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ حرام کے جس دروازے کو بند کرنے کے لئے تھا اب

اسے کھولنا مناسب نہیں۔ اسی جواب کو علامہ نوویؒ نے ”اصح الاجوبہ“ قرار دیا ہے۔
 ”صحیح مسلم ص ۸۷۳ ج ۱“ اور دیگر مفسرین و محدثین نے بھی یہ جواب دیا ہے۔ جیسے
 علامہ قسطلانیؒ، قرطبیؒ اور ابن ہمام وغیرہ نے۔

جواب نمبر ۱۲ :

اس روایت کے راوی صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما خود تین
 طلاقوں کے وقوع کا فتویٰ دیتے تھے اور ابن قدامہؒ نے اعتماد کے ساتھ لکھا ہے کہ لا
 یسوغ لابن عباسؓ ان یروی هذا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم ویفتی بخلافہ۔ (مغنی ابن قدامہ ص ۱۰۵ ج ۷) اس لئے یہ حجت نہیں بن
 سکتی۔

جواب نمبر ۱۳ :

حسین بن علی کراہیسی ادب القضا میں بطریق علی بن عبداللہ ابن المدینی عن
 عبدالرزاق عن معمر عن ابن طاؤس اپنے والد طاؤس تابعیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں
 کہ جو شخص تمہیں طاؤس کے بارے میں یہ بتائے کہ وہ تین طلاق کے ایک ہونے کی
 روایت کرتے تھے تو اسے جھوٹا سمجھو۔ (کتاب الاشفاق ص ۳۰۹)

جواب نمبر ۱۴ :

ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء تابعیؒ سے کہا کہ آپ نے ابن عباس
 رضی اللہ عنہما سے یہ بات سنی ہے کہ بکر کی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں؟ تو فرمایا کہ
 مجھے تو ان کی یہ بات نہیں پہنچی اور عطاءؒ ابن عباسؒ کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔
 (ایضاً ص ۳۰۹)

جواب نمبر ۱۵ :

اس روایت میں دور نبوی اور دور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ایک حالت اجتماعی کا

ذکر ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے معاصر بھی اس کو روایت کرتے اور کئی طرق سے یہ بات ملتی۔ حالانکہ یہ صرف ایک غریب اور شاذ روایت ہے۔ جس کو صرف طاؤس نے ہی نقل کیا ہے جو مختلف فیہ ہے اور جمہور علماء اصول کے نزدیک ایسے موقع پر جہاں تقاضا اخبار متواترہ کا ہو ایک ہی روایت کا ملنا اس کے صحیح نہ ہونے پر دال ہوتا ہے، چہ جائیکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا اس وقت تمام صحابہ کے سکوت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو بھی اس کے خلاف معلوم نہ تھا۔ (الطلاق الثلاث ص ۱۲۷) کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا۔ اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا اور صحابہ کرام اس کے بعد بالاتفاق اسی کے مطابق فیصلے کرنے لگے۔ یہاں تک کہ خود حضرت ابن عباسؓ بھی اب پہلے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہی محال ہے کہ شرعی حکم کو بدلتے خاص طور پر جب کہ یہ مسئلہ فرج کے حلال یا حرام ہونے کا ہے۔ اگر بالفرض والی محال ایسا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی ان کی موافقت نہ کرتے اور اگر ابن عباسؓ کے پاس حدیث مرفوع ہوتی کہ تین ایک ہوتی ہیں، تو وہ کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت نہ کرتے، جیسا کہ مسئلہ عول میں اور حجب الام بالاثنتين من الاخوة والاختوات اور حج تمتع اور بیع دینار بدینارین اور بیع امہات الاولاد وغیرہ مسائل میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی۔

حج تمتع کے بارے میں فرمایا کہ یوشک ان تنزل علیکم حجارة من السماء اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتقولون قال ابوبکر و عمر (الطلاق الثلاث ص ۱۲۷) ایسے متقی اور پختہ حضرات سے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس روایت کو ظاہر پر ہی رکھا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ ہر صورت میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں۔ اگرچہ تین متفرق طہروں میں ہوں۔ اس لئے کہ اس میں فی طہر واحد کے الفاظ نہیں ہیں۔ فلا دلیل لہم۔ جب تخصیص کرنی

ہی ہے تو پھر جمہور کے موافق تاکید پر کیوں محمول نہ کر لیں۔

جواب نمبر ۱۶ :

خود راوی حدیث ابوالصبیاء کے اقرار و اعتراف کے مطابق یہ حدیث عجائبات اور مصائب میں سے ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ ابوالصبیاء حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہا کرتے تھے : هات من هناتك الم یکن الطلاق الثلث علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و ابی بکر و احدى الخ۔ اور ”هناتك“ کا معنی آفت و مصیبت ہے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے : ”فی فلان هنات“۔ فلاں کے اندر بری خصلتیں ہیں اور اس کا استعمال خیر میں نہیں ہوتا (مصباح اللغات)۔

جب یہ حدیث بقول ابوالصبیاء هنات ”مصائب“ میں سے ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی راوی کے اس الزام کو قائم رکھا اور اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث ایسی ہی ہے۔ تعجب ہے غیر مقلدین کی کورانہ تقلید پر کہ وہ احادیث صحیحہ کثیرہ کے مقابلے میں اس هنات کو اپنے گلے میں لٹکائے پھر رہے ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے غالباً حدیث ابن عباسؓ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور اول تک کوئی صحابی زیر بحث تین طلاقوں کے وقوع کا قائل نہ تھا۔ گویا کہ عدم وقوع پر تمام صحابہ کا اجماع تھا۔

جواب نمبر ۱۷ :

یہ مبالغہ آمیز دعویٰ محض خوش فہمی پر مبنی ہے، کیوں کہ اولاً تو یہ حدیث ہی ثابت نہیں جیسا کہ مفصلاً پہلے گزر چکا ہے۔ جب بنیاد ایسی حدیث ہے تو اس پر مبنی خوش فہمی کا محل بھی پارہ پارہ ہو جائیگا خصوصاً جب کہ خارج میں کسی متفق علیہ صحیح سند کے ساتھ ایک صحابی کا قول بھی اس کی تائید میں ثابت ہے نہ ہی کوئی صحیح غیر متکلم فیہ کوئی ایسی

حدیث مرفوع موجود ہے اور جن بعض صحابہ کی طرف اس مسئلے کی نسبت کی گئی ہے، حضرات علماء نے اسے صریح جھوٹ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو : ”وما نسبوا الی الصحابة کذب بحت لا اصل له فی کتاب ولا روایة له عن احد۔ الی ان قال واما حدیث الحجاج بن ارطاة فغیر مقبول فی الملة ولا عند احد من الائمة۔ (الطلاق الثلاث ص ۱۳۵) کہ صحابہؓ کی طرف یہ نسبت کہ تین کے دفعۃً وقوع کے قائل نہ تھے بالکل خالص جھوٹ ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ موصوف نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ زیر بحث طلاق ثلاثہ کے وقوع پر حضرات صحابہ کا جو اتفاق نقل کیا جاتا ہے یہ صحیح نہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ کے وقت تقریباً ایک لاکھ صحابہ موجود تھے تو ان کے عشر کے عشر کے عشر سے بھی کیا یہ چیز صراحتاً منقول ہے کہ زیر بحث طلاق ثلاثہ واقع ہو جاتی ہیں۔

جواب نمبر ۱۸ :

علامہ موصوف کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہم سے لاکھوں صحابہ کی ایسی تصریح کا مطالبہ کیوں کیا جا رہا ہے، جبکہ آپ نے اپنے دعویٰ اجماع صحابہ کے لئے ایک صحابی کی بھی نقل پیش کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اگر یہ اتفاق لاکھ یا دس ہزار صحابہ کی تصریحات کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا تو آپ نے جس اتفاق کا دعویٰ کیا ہے وہ ایک صحابی کی طرف سے تصریح نقل کئے بغیر کیسے ثابت ہو گیا؟

(ب) کیا دوسرے مسائل اجماعیہ میں بھی لاکھ یا دس ہزار صحابہ کی تصریحات ضروری ہیں یا صرف مسئلہ وقوع طلاق ثلاثہ ہی میں خصوصیت سے اس کی ضرورت پڑ گئی؟ آخر وجہ فرق کیا ہے؟ حضرات صحابہ کے دیگر متفق علیہ مسائل میں کبھی کسی نے ہزاروں اور لاکھوں صحابہ کی طرف سے نقل صریح کا مطالبہ نہیں کیا تو کیا یہ کہا جائے گا کہ صحابہ کے مابین کوئی اجماعی مسئلہ سرے سے موجود ہی نہیں، ہرگز نہیں۔

ایسے مسائل میں اتفاق و اختلاف کا مدار مجتہدین صحابہؓ پر ہوتا ہے۔ صرف صحابہؓ پر نہیں تابعین، تبع تابعین اور ہر دور میں اتفاق و اختلاف کا مدار اس زمانہ کے علمائے مجتہدین پر ہوتا ہے۔ اگر کسی مسئلہ پر مجتہدین کا اتفاق ہے تو اسے متفق علیہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس دور کی پوری مسلم آبادی کے ہر ہر فرد سے اس پر اتفاق کا منقول ہونا ضروری نہیں۔ اسی طرح سمجھئے کہ زیر بحث وقوع طلاق ثلاثہ کے مسئلے پر مجتہدین صحابہ کا اتفاق کافی ہے (لاکھ اور ہزاروں کی بات بے جا اور لغو ہے) اور گزشتہ صفحات میں تقریباً تمام اکابر صحابہ سے یہ گزر چکا ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ : فان العبرة فی نقل الاجماع نقل ما عن المجتہدین لا العوام والمائة الالف الذین توفی عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبلغ عدة المجتہدین الفقہاء منہم اکثر من عشرين كالخلفاء والعبادلة وزید بن ثابت ومعاذ بن جبل و انس و ابی ہریرة رضی اللہ عنہم و قلیل والباقون یرجعون الیہم ویستفتون منہم وقد اثبتنا النقل عن اکثرہم صریحاً بايقاع الثلاث ولم یظہر لہم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن هذا قلنا لو حکم حاکم بان الثلاث بفم واحد و احدة لم ینفذ حکمہ لانہ لا یسوغ الاجتہاد فیہ فهو خلاف لا اختلاف۔ (فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳) خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ سب سنت نبوی اور منشاء نبوت کی تکمیل میں کیا۔ اسی لئے حضرات صحابہ نے بھی بلا کسی نکیر کے اس کو قبول کیا۔ پس اجمالی طور پر اتنا اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ تفصیل اس کی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے اگر ایسا نہ کیا جائے تو خلافت راشدہ کے مقصد کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ خلفاء راشدین کا مقصد سنت نبوی اور دین متین کی تکمیل تھی، نہ کہ اس کا

ابطال۔ اب اگر مطلقہ ثلاثہ بلفظ واحد حلال تھی اور نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے اس کو حرام قرار دیا تو یہ منشاء نبوت کا ابطال ہے نہ کہ اس کی تکمیل، اور یہ بعینہ رافضیوں کا مذہب ہے کہ خلفاء راشدین نے دین نبوی کو باطل کر دیا اور اس میں تبدیلیاں کر دیں۔ جبکہ اہل سنت والجماعت کا یہ مذہب اور عقیدہ ہے کہ خلافت راشدہ تکمیل دین کے لئے تھی۔ لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی یہ تاویل کرنا عین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔

چنانچہ حضرات علماء نے حدیث ابن عباس کی مختلف توجیہات کر دی ہیں، جنہیں امت نے تسلیم کیا ہے۔ بندہ کے ناقص خیال میں ایک توجیہ یہ بھی آرہی ہے کہ بطریق عکرمہ حدیث ابن عباس میں حضرت رکانہؓ کی تین طلاقوں اور پھر رجوع کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ جو منکر ہے (ابن ہمام) دراصل یہ طلاق ثلاثہ کا واقعہ نہیں، بلکہ یہ طلاق بتہ کا قصہ ہے۔ اہل مدینہ کے عرف میں اسے طلاق ثلاثہ سے بھی تعبیر کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ رکانہ کے اہل بیت کی سند سے ظاہر ہے کہ یہ طلاق بتہ کا واقعہ تھا اور یہی اصح ہے (ابوداؤد) تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پہلے اسے طلاق ثلاثہ سے تعبیر کیا اور پھر اسی جزئی واقعہ کو ایک عام کلیہ کی شکل میں ذکر فرمادیا۔ تساہلات ابن عباس رضی اللہ عنہما معروف ہیں اور ایسا دوسری بعض احادیث میں بھی ہوا ہے۔ حضرت زید مسواک اپنے کان کے اوپر رکھ لیا کرتے تھے۔ اور دوسرے راویوں نے اسی جزئی واقعہ کو یوں تعبیر کر دیا، گویا کہ یہ تمام صحابہ کی عادت تھی۔ کانت اسوکتھم عند اذنھم موضع القلم من الکاتب۔ نیز حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں : کنت اطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحلہ قبل ان یطوف۔ حالانکہ حضورؐ نے ایک ہی حج کیا ہے تو ایک ہی مرتبہ خوشبو استعمال کی ہوگی۔ کان یصلی وهو حامل امامۃ بنت العاص، کان ینام وهو جنب۔ کان یشرو وهو صائم۔ ان سب مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ”کان“ استمرار کا فائدہ ہمیشہ نہیں دیتا۔ چنانچہ

نوویؒ فرماتے ہیں : فان المختار الذي عليه الاكثرون والمحققون من الاصوليين ان لفظ "كان" لا يلزم منها الدوام ولا التكرار فانما هي فعل ماض يدل على وقوعه مرة فان دل دليل على التكرار عمل به والا فلا تقتضيه بوضعها۔

شبہ نمبر ۲ :

عن محمد بن اسحاق عن داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس قال طلق ركانة امرأته ثلاثا في مجلس واحد قال نعم قال فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت فراجعها۔ (الطلاق الثلاث ص ۱۳۹)

جواب نمبر ۱ :

حضرت ركانةؒ کے طلاق کے واقعہ میں مختلف الفاظ احادیث میں ہیں۔ بعض میں طلق امرأته ثلاثا جیسا کہ مذکورہ روایت ہے۔ اور بعض میں "طلق امرأته البتة" کے الفاظ ہیں۔ اور امام ابو داؤد نے "بتہ" والی روایت کو دو وجہ سے ترجیح دی ہے۔ اول تو اس لئے کہ یہ روایت حضرت ركانہ کے اہل خاندان سے مروی ہے۔ وہم اعلم بہ۔ دوسرے اس لئے کہ "طلق ثلاثا" والی روایات مضطرب ہیں۔ بعض میں طلاق دینے والے کا نام "ركانہ" ہے۔ کما فی روایت احمد اور بعض میں "ابو ركانہ" ہے۔ جب کہ "البتة" والی روایت اس اضطراب سے خالی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ركانہؒ نے اپنی اہلیہ کو تین طلاقیں نہ دی تھیں بلکہ طلاق بتہ ہی دی تھی۔ اس زمانے میں چونکہ طلاق البتة کا اطلاق طلاق ثلاثہ پر بھی ہوتا تھا اس لئے کسی راوی نے اس میں روایت بالمعنی کر دی۔ اب طلاق بتہ میں تین کا ارادہ کرنا بھی صحیح ہے اور ایک کا بھی فلا اشکال۔

جواب نمبر ۲ :

”طلق ثلاثاً“ والی روایت ضعیف ہے۔ چنانچہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ
اما الروایۃ الّتی رواها المخالفون ان رکّانة طلق ثلاثاً فجعلها
واحدةً فروایةً ضعیفةً عن قوم مجهولین۔ (شرح نووی علی صحیح مسلم
ص ۷۸، ج ۱)

اور علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ : وهذا لا یصح لانه عن غیر
مسمی من بنی ابی رافع ولا حجة فی مجهول وما نعلم فی بنی ابی
رافع من یحتج به الا عبید اللہ وحده وسائرهم مجهولون۔ (محلّی
ابن حزم ص ۱۶۸، ج ۱۰) اس روایت کا صحیح روایات کے مقابلہ میں اعتبار نہ ہوگا۔

جواب نمبر ۳ :

محمد بن اسحاق اور اس کا شیخ مختلف فیہ ہیں عند المحدثین۔ قال ابوداؤد
احادیثہ عن عکرمۃ مناکیر۔ اور عکرمہ کے بارے میں علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے
کہ : ”عن عبد اللہ بن حارث قال دخلت علی علی بن عبد اللہ فاذا
عکرمۃ فی وثاق عند باب الحسن فقلت له ألا تتقی اللہ فقال ان هذا
الخبیث یکذب علی ابی ویروی عن ابن المسیب انه کذب عکرمۃ
وقال کذبة عطّار الخ۔ (میزان الاعتدال ص ۲۰۸، ج ۲) غرضیکہ ایسے متکلم فیہ
روایۃ کی سند کا احادیث صحیحہ کے مقابلے میں اعتبار نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

جواب نمبر ۴ :

یہ حدیث راوی صحابی کے فتوے کے خلاف ہے اور روایت سے سب سے زیادہ
باخبر اس کا راوی ہوتا ہے۔ لہذا ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ یقیناً کسی مرجح کے ظاہر ہونے کی
وجہ سے ہوگا۔ کیونکہ راوی کا خود اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس کے نسخ کی دلیل

ہے۔

جواب نمبر ۵ :

یہ شاذ مذہب ہے۔ اس لئے اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ جمہور کو چھوڑ کر۔

جواب نمبر ۶ :

حدیث رکانہؓ تو ہماری دلیل ہے۔ اس لئے کہ اگر کنایہ کے الفاظ میں صرف دل میں ارادے کی وجہ سے تین واقع ہو جاتی ہیں باتفاق امت جبکہ تین کا لفظ بھی زبان پر نہیں آتا تو زبان سے تین کہہ کر کیوں واقع نہ ہوں گی۔ اس لئے یقیناً یہ طلاق بتہ تھی جس میں ایک کا ارادہ معتبر ہے۔ یا جدا جدا کر کے تین دی ہوں گی اور ان میں ارادہ تاکید کا ہو گا نہ کہ تجدید کا۔

جواب نمبر ۷ :

صحیح یہی ہے کہ حضرت ابو رکانہؓ نے طلاق بتہ دی تھی۔ اس لئے کہ اگر تین کا لفظ صریح ہوتا تو آپؐ یہ کیوں پوچھتے کہ ارادہ کتنی طلاقیوں کا تھا؟ ہاں اگر طلاق، طلاق، طلاق کہا ہو تو اس میں دو احتمال ہوتے ہیں۔ ۱۔ عدد کا، ۲۔ تاکید کا۔ جیسے کوئی کہے کہ ”چور چور چور“ یا ”سانپ، سانپ، سانپ“ حالانکہ ہوتا ایک ہی ہے۔ اب چونکہ دو احتمال تھے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اس کو ایک طلاق قرار دینے سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ ان کا ارادہ ایک کا تھا۔

جواب نمبر ۸ :

حضور اکرم ﷺ کا ان کو قسمیں دے کر بار بار پوچھنا اس پر دال ہے کہ انہوں نے طلاق بتہ ہی دی تھی۔ کما رجحہ، ابو داؤد، وقال الترمذی، هذا حدیث لا نعرفه الا من هذا الوجه۔ (ترمذی ص ۲۲۲ ج ۱) وقال الدارقطنی هذا حدیث صحیح۔ (دارقطنی ص ۳۳ ج ۳) وقال ابن ماجہ ما اشرف

ہذا المحدث۔ (ابن ماجہ ص ۱۴۹ ج ۱)

ابن ابی شیبہؒ نے بھی اسی کو بیان کیا ہے۔ اور علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ :
فہذا دلیل علیٰ انہ لو اراد الثلاث لوقعن والا فلم یکن لتجلیفہ معنی
(نووی علی مسلم ص ۲۷۸ ج ۱)

یعنی اگر تین کی نیت کی ہوتی تو تین ہی واقع ہو جاتیں، ورنہ اس سے قسم لینے کا
کوئی معنی نہیں۔

جواب نمبر ۹ :

مستدرک حاکم میں محمد بن ثور کی روایت میں صرف ”طلقتها“ ہے۔ اور
”ثلثا“ کا لفظ اس میں نہیں ہے۔ اور علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے بھی محمد بن ثور کی
روایت کو عبدالرزاق کی روایت پر ترجیح دی ہے۔ اور کہا ہے کہ عبدالرزاق آخر عمر
میں مناکیر سے اہل بیت کی فضیلت بیان کرتے تھے۔ نیز عبدالرزاق کی روایت میں
”بکلمۃ واحدة“ کے الفاظ بھی نہیں ہیں۔ عبدالرزاق شیعہ ہے اور اس کی جس
روایت سے شیعوں کی طرف میلان ہو وہ معتبر نہیں۔ بعض جہلاء بعض حضرات صحابہ
کرامؓ، تابعین عظام اور علماء ربانین کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں کہ تین طلاق ایک
ہوتی ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ چنانچہ جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی
طرف تین طلاقوں سے ایک کے واقع ہونے کو منسوب کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے
کہ : وقال ابن العربی فی کتابہ الناسخ والمنسوخ ونقلہ عنہ ابن
القیمؒ فی تہذیب السنن قال تعالیٰ الطلاق مرتان زل قوم فی
آخر الزمان فقالوا ان الطلاق الثلاث فی کلمۃ واحدة لا یلزم
وجعلوا واحدة ونسبوا الی السلف الاول فحکواہ عن علیؑ والزبیرؓ و
عبدالرحمن بن عوفؓ و ابن مسعودؓ و ابن عباسؓ و عزوہ الی
الحجاج بن ارطاة الضعیف المنزلة والمغموز المرتبة ورووا فی

ذلك حديثا ليس له اصل - الى ان قال وما نسبوا الى الصحابة كذب
بحث لا اصل له في كتاب ولا رواية له عن احد - الى ان قال واما
حديث الحجاج بن ارطاة فغير مقبول في الملة ولا عند احد من
الائمة - (تمذيب السنن - الطلاق الثلاث ص ۱۳۵)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کی طرف یہ نسبت کرنا بالکل جھوٹ ہے۔ اور کسی
کتاب میں اس کا ثبوت نہیں ملتا، نہ ہی اس قسم کی کوئی روایت ان حضرات سے مروی
ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی
اللہ عنہما سے تو صراحتاً صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین
ہی واقع ہوتی ہیں۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار میں گزرا
ہے۔ اور جن تابعین کرام رحمہم اللہ کی طرف تین طلاقیں دینے سے ایک واقع
ہونے کا قول منسوب ہے وہ بھی کسی اصل اور تحقیق پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے
اکثر حضرات سے اس کی صراحت موجود ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع
ہوتی ہیں۔ چنانچہ ابراہیم نخعیؒ، قاضی شریحؒ، امام شعبیؒ، حضرت سعید بن المسیبؒ،
حضرت سعید بن جبیرؒ، امام زہریؒ، امام مکحولؒ، امام حسن بصریؒ، حمید بن عبد الرحمنؒ،
حضرت قتادہؒ، عطاء ابن ابی رباحؒ، عبد اللہ بن شدادؒ، محمد بن سیرینؒ، سلیمان اعمشؒ
اور امام مسروق رحمہم اللہ کے آثار بروایات صحیحہ بیان ہوئے ہیں۔ ابن قدامہ
نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے بھی اتفاق ائمہ نقل کیا ہے۔
امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قاضی ابن رشد کا فتویٰ پیچھے گزرا ہے۔ پس ان حضرات
کی طرف جو کہ صراحتاً تین طلاقیں واقع ہونے کے قائل ہیں۔ ایک طلاق واقع
ہونے کے قول کی نسبت کرنا بالکل غلط ہے۔

ان ناموں میں سے جن کی طرف غیر مقلدین ایک طلاق کے قول کی نسبت کرتے
ہیں ان میں سے صرف حضرت ابو الشعثاءؒ، طاؤسؒ، اور عمرو بن دینار رحمہم اللہ سے

ایک طلاق واقع ہونے کا قول ملتا ہے۔ لیکن ان کا یہ قول غیر مدخولہ کے بارے میں ہے۔ وہو مذهبنا فلا اختلاف۔ چنانچہ مغنی ابن قدامہ میں ہے کہ : ”وکان عطاء و طاؤس و سعید بن جبیر و ابو الشعثاء و عمرو بن دینار یقولون من طلق البکر ثلاثا فہی واحدة۔ تو ان کا یہ قول غیر مدخولہ کے بارے میں ہے۔ کیونکہ تین والی روایت بھی ان سے مروی ہے۔ اور غیر مدخولہ کو ہمارے نزدیک بھی اگر جدا جدا تین طلاقیں دی جائیں تو ایک ہی سے وہ بائنہ ہو جاتی ہے۔ باقی دو اس پر واقع نہیں ہوتیں۔ پس ان کی بات کو یہاں دلیل بنانا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ یہاں مدخولہ کے بارے میں بحث ہو رہی ہے کہ اس کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے تین واقع ہو جاتی ہیں۔

غیر مقلدین حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کا فتویٰ بھی دکھاتے ہیں۔ بظاہر وہ جعلی ہے۔ اس لئے کہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ باوجود اپنی وسعت علمی و تبحر فقہی کے یہ نہیں فرما سکتے کہ شوافع کے مذہب پر یہ عمل کر لے، جب کہ شوافع کا مذہب بھی یہی ہے کہ تین طلاقیں ایک مجلس کی واقع ہو جاتی ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مولانا حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب سے غافل ہوں۔ جب کہ ان کی تمام تصانیف میں اس بات کی تصریح ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کا واقع ہو جانا یہ ائمہ اربعہ کا متفقہ مذہب ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عبدالحی (ص ۵۹ ج ۲) میں تفصیلاً علمی انداز میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں : ”جمہور صحابہ، تابعین، ائمہ اربعہ، اکثر مجتہدین، امام بخاری اور جمہور محدثین کے مذہب کے موافق تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ اور شرح وقایہ میں حاشیہ ”عمدة الرعاية“ میں بھی حضرت نے یہی لکھا ہے۔ وایقاع الثلاث دفعةً وان کان بدعیاً لکنہ سنی الوقوع فاذا نوئ بقولہ للیسنة هذا المعنی صحت نیتہ ووقع الثلاث دفعةً وقال ان الثلاث تقع بایقاعہ سواء کانت المرأة مدخولة او غیر مدخولة وهو قول

جمهور الصحابة والتابعين والائمة الاربعة وغيرهم من المجتهدين واتباعهم الخ۔ (عمدة الرعاية على شرح الوقاية ص ۷۱، ج ۲) پس معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی ائمہ اربعہ کا مذہب یہی تھا۔ پھر وہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ اس صورت میں شافعی عالم سے مسئلہ پوچھ کر عمل کر لے۔ پس بظاہر یہ فتویٰ جعلی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اور غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ پوری امت کے مجتہدین و محدثین میں سے صرف امام ابو حنیفہ کا یہ قول ہے کہ تین طلاقیں تین ہوتی ہیں۔ یہ محض افتراء ہے اور بدترین جہالت ہے۔ گزشتہ تمام حوالہ جات سے ثابت ہو گیا ہے کہ یہ ائمہ اربعہ، جمهور صحابہ، جمهور تابعین و محدثین کا مذہب ہے۔

اسی طرح علماء دیوبند کی طرف تین طلاقوں سے ایک کے واقع ہونے کی نسبت بھی سفید جھوٹ ہے۔ جس سے مقصود صرف عوام کو گمراہ کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا حوالہ دیتے ہیں۔ حالانکہ کفایت المفتی میں ہے : ”وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع الثلاث۔ (کفایت المفتی ص ۳۲۹، ج ۶)

دوسری جگہ فرمایا کہ ”ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد بن حنبل اور جماہیر اہل سنت والجماعت اس امر کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں دینے سے تین پڑ جاتی ہیں۔ خواہ ایک لفظ سے دی ہوں یا ایک مجلس میں یا ایک طہر میں۔ (کفایت المفتی ص ۳۲۲، ج ۶) اس کے علاوہ بھی فتاویٰ میں یہی جواب منقول ہے۔

اسی طرح غیر مقلدین حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں تو اب وہ عورت اس مرد کے لئے حرام ہو گئی۔ اب اگر پھر سے نکاح کرے تب بھی عورت کا اس مرد کے پاس رہنا حرام ہے۔ (بہشتی زیور ص ۴۴، حصہ چہارم)

اسی طرح وہ فتاویٰ دارالعلوم کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ حالانکہ فتاویٰ دارالعلوم

میں ہے۔ یہ فتویٰ کہ ایک واقع ہوگی بالکل غلط اور خلاف نص قطعی ہے۔ اور جمہور ائمہ کے مذہب کے خلاف ہے۔ مطلقہ ثلاثہ کو بدون حلالہ کے حلال کرنا گویا کلام اللہ کا مقابلہ کرنا ہے کہ یہ بات کلام اللہ کے صریح حکم کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ص ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰ ج ۹)

اور اس کے علاوہ باقی فتاویٰ میں بھی تین کے وقوع کا حکم لگایا گیا۔ اسی طرح باقی جن حضرات اور فتاویٰ کی طرف یہ نسبت کی گئی ہے یہ کسی تحقیق پر مبنی نہیں ہے، محض غلط ہے۔ علماء دیوبند اور جمہور امت کا یہی فیصلہ ہے۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ طلاق دہندہ نے تین طلاق کہا ہے، لیکن اس کی مراد ایک طلاق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے دوسرے امور میں ایک تین نہیں اور تین ایک نہیں، اسی طرح طلاق میں بھی تین ایک نہیں۔ مثلاً اگر کسی شخص نے دوسرے کو دس روپے دیئے تو وہ دس ہی سمجھے جاتے ہیں۔ معطلی اگر یہ کہے کہ اسے ایک روپیہ تصور کیا جائے کیونکہ میں نے نیت ایک کی تھی تو اسے لغو اور ہڈیان سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ میرے ذمے زید کے تین لاکھ روپے ہیں۔ تو وہ تین لاکھ ہی متصور ہوں گے۔ اس کے بعد اگر اقرار کرنے والا یہ کہے کہ میں نے تین لاکھ میں نیت ایک لاکھ کی تھی تو اسے کسی طرح بھی قابل اعتبار نہیں سمجھا جائے گا۔ شرعاً نہ اخلاقاً نہ عرفانہ قانوناً نہ دیانتاً۔ یہ تین لاکھ، ایک لاکھ کی نیت کے باوجود تین لاکھ ہی رہیں گے۔ کوئی کہتا ہے کہ میں پانچوں نمازیں پڑھتا ہوں۔ پھر کہتا ہے کہ اس سے میری مراد ایک نماز ہے تو اسے پہلے اقرار سے رجوع اور کذب تو کہا جاسکتا ہے لیکن پانچ ایک نہیں ہو سکتیں۔

وجہ یہ ہے کہ تین کا لفظ خاص عدد کے لئے موضوع ہے اور اپنے مفہوم میں قطعی ہے۔ جس میں کمی زیادتی کا احتمال نہیں۔ نور الانوار میں ہے کہ حکم الخاص ان يتناول المخصوص قطعاً ای الذی هو مدلولہ قطعاً بحيث یقطع احتمال الغیر۔ یعنی خاص کا حکم یہ ہے کہ یہ مخصوص کو قطعاً شامل ہوتا ہے۔

مخصوص سے مراد اس خاص کا مدلول ہے۔ قطعاً سے مراد یہ ہے کہ اس میں غیر کا احتمال نہیں رہتا۔ (نور الانوار ص ۱۸)

لفظ صریح میں اس کے خلاف کی نیت کرنا معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ لفظ صریح دلالت میں نیت سے اقویٰ ہے۔ اقویٰ اور قوی کے مقابلے میں ضعیف کا کوئی اعتبار نہیں اور دوسرے اس وجہ سے کہ نیت کا اعتبار اس لفظ میں ہوتا ہے جہاں پر لغۃً وہ لفظ اس نیت کا محتمل ہو اور جو نیت ایسی ہو کہ لفظ کے مفہوم میں داخل ہی نہیں بلکہ لفظ کے مفہوم سے متباین ہے۔ اس نیت کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ مغنی ابن قدامہ کے حوالے سے واضح طور پر گزر چکا ہے کہ : ان الرجل اذا قال لامرأته انت طالق ثلاثاً فہی ثلاث وان نوى واحدة لا نعلم فیہ خلافاً لان اللفظ صریح فی الثلاث والنية لا تعارض الصریح لانها اضعف من اللفظ ولذلك لا تعمل بمجردھا والصریح قوی يعمل بمجردہ من غیر نية فلا يعارض القوی بالضعیف کما لا يعارض النص بالقیاس ولان النية انما تعمل فی صرف اللفظ الی بعض من احتمالاته والثلاث نص فیہا لا یحتمل الواحد بحال فاذا نوى واحدة فقد نوى ما لا یحتملہ فلا یصح کما لو قال له علی ثلاثة دراهم وقال اردت واحداً۔ (مغنی ابن قدامہ ص ۲۳۶ ج ۷) غرضیکہ قلم بول کر گھوڑا مراد لینا، ہوائی جہاز بول کر چارپائی مراد لینا جیسے خلاف نقل ہے ایسے ہی خلاف عقل بھی ہے۔

۲۔ اس کے نامعقول ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایک ہی لفظ کو مؤثر مانا جائے گا یا غیر مؤثر۔ یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے ۱/۳ حصے کو مؤثر مانا جائے اور ۲/۳ کو غیر مؤثر۔ جب کہ لفظ ایک ہی ہے۔ مثلاً تین طلاق کے الفاظ اگر مؤثر ہیں تو تین طلاقیں ہونی چاہئیں۔ اگر کسی وجہ سے غیر مؤثر ہیں تو ایک بھی نہیں ہونی چاہئے۔ یہ نامعقول بات ہے کہ اس کا ۱/۳ تو مؤثر ہے اور ۲/۳ حصہ غیر مؤثر ہے۔ یعنی تین

طلاق دینے سے ایک ہوگی، تین نہ ہوں گی۔ اگر بالفرض اس میں کچھ معقولیت ہو تو فریق ثانی سے دریافت کیا جائے کہ تین طلاق کے تین اجزاء کیسے قرار دیئے جائیں؟ مثلاً ”ت“ کو تین حصوں میں کیسے تقسیم کیا جائے۔ اور ”ی“ اور ”ن“ کو اور آگے طلاق کے الفاظ مفردہ کو تین تین حصوں میں کیسے تقسیم کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ میں سے ہر ایک کے تین تین جزو کرنے کے بعد یہ اجزاء محض لغو ہوں گے۔ اس میں سے کسی جزو کا بھی اعتبار نہ ہوگا۔ لہذا ایک طلاق بھی نہیں ہونی چاہئے۔ ایک کا ہونا اور تین کا واقع نہ ہونا یہ کس جزو کے عمل کرنے کے اعتبار سے ہوا؟

۳۔ اور ان اجزاء کے موثر ہونے کے سلسلے میں ترجیح بلا مرجح کا سوال بھی پیدا ہوگا۔ جب اجزاء یکساں ہیں تو بعض کو عمل دینا اور بعض کو نہ دینا یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔ الغرض تین طلاق کے لفظ سے ایک طلاق کے وقوع کی منطق نامعقول در نامعقول ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ غیر مدخولہ کے لئے ”انت طالق“ ”انت طالق“ کہنے میں پہلا لفظ موثر ہے اور دوسرا لفظ موثر نہیں ہے۔ ایسا ہی تین طلاقوں کے بارے میں سمجھ لیا جائے تو جواب ظاہر ہے کہ یہ قیاس بھی نامعقولیت پر مبنی ہے۔

کیونکہ یہاں پر پہلا لفظ مکمل طور پر موثر ہے اور دوسرا بالکل غیر موثر ہے۔ تو موثر اور غیر موثر دو الگ الگ لفظ ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک ہی لفظ میں موثر اور غیر موثر کا اجتماع ہو جائے۔ دوسری مرتبہ انت طالق کہنا غیر مدخولہ کے حق میں لغو ٹھہرا۔ کیونکہ اب وہ محل طلاق نہیں رہی۔ بخلاف مدخولہ کے کہ وہ محل طلاق ہے۔ اسے دی جانے والی طلاق غیر موثر نہیں ہو سکتی۔ جب تک محلیت باقی رہے طلاق واقع ہوگی، جب محلیت ہی ختم ہو جائے تو زائد طلاقیں لغو ٹھہریں گی۔ مثلاً کسی شخص نے اپنی عورت کو کہا کہ تجھے سو طلاق تو تین طلاقوں کا عورت محل ہے۔ لہذا تین واقع ہو جائیں گی اور باقی کے لئے وہ محل نہیں۔ لہذا وہ لغو قرار پائیں گی۔ اس لئے مدخولہ کو تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوں گی۔ کیونکہ وہ تین کا محل ہے۔ ایک واقع نہ ہوگی۔

۴۔ عموماً تمام عقود و فسخ میں ایک دفعہ کہنا تحصیل مقصد کے لئے کافی ہوتا ہے۔ جیسے بیع، شراء، اجارہ، شفیع، نذر، غلام آزاد کرنا، ان سب عقود میں صرف ایک دفعہ ایجاب و قبول کر لینا یا کہنا عقد و غیرہ کے تحقق کے لئے کافی ہوتا ہے۔ جبکہ طلاق میں تین دفعہ طلاق دینے سے ہی جدائی کامل ہوتی ہے۔ اس میں بھی یہی راز ہے کہ طلاق چونکہ بغض المباحات ہے۔ اس لئے اس میں اصل تو یہ ہے کہ طلاق دی ہی نہ جائے اور اگر سخت مجبوری ہو اور بے طلاق گزارہ نہ ہو تو شریعت مطہرہ نے اولاً ایک طلاق کی اجازت دی ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ آدمی غصے میں طلاق دے دیتا ہے اور غصہ ٹھنڈا ہونے پر جب اس کے نتائج سامنے آتے ہیں تو پچھتا تا ہے۔ اگر باقی عقود کی طرح طلاق میں بھی ایک ہی سے بیوی حرام ہو جاتی تو عمر بھر پچھتا نا پڑتا۔ اس لئے اللہ پاک نے یہ رعایت دی کہ ایک طلاق سے بیوی حرام نہیں ہوتی۔ تاکہ ندامت کی صورت میں رجوع کر لے۔ لیکن جو آدمی اکٹھی تین طلاقیں دے رہا ہے تو گویا اس نے اللہ پاک کی دی ہوئی رعایت کو ضائع کر دیا۔ لہذا اب تین اکٹھی دینے سے حرمت مغلطہ ثابت ہو جائے گی۔ چونکہ اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے اس لئے اب اسے کوئی رعایت نہ ملے گی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا غزوہ موتہ میں یہ فرمانا کہ اے دل اگر تجھے غلاموں کا خیال ہے تو سب آزاد اور بیوی کا ہے، تو اس کو تین طلاق۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق دینے سے تین ہی ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ غلام کو یہ کہنا کہ تو آزاد ہے، اس سے اس کو کامل آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی کامل آزادی عورت کو ایک طلاق سے نہیں ملتی۔ اگر مل سکتی تو جیسے غلاموں کے آزاد کرنے کا انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا تھا اسی طرح بیوی کو بھی ایک طلاق کا کہتے، کیونکہ ایک اور تین اگر برابر ہوتیں تو تین کا لفظ لغو ہوتا۔ معلوم ہوا کہ صحابہؓ میں بھی یہ بات معروف تھی اور ان حضرات کے ذہنوں میں ایک اور تین کا بین فرق موجود تھا کہ غلام کو ایک ہی مرتبہ ”انت حر“ کہنے سے کامل آزادی ملتی ہے۔ اور عورت کو کامل آزادی تین

طلاق سے ہی ملتی ہے۔

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں تو جمہور کے اس مسئلے میں اختلاف کرنے کی وجہ سے تین اور ایک ہونے میں شبہ ہو گیا اور حدیث میں شبہ سے بچنے کی تاکید آئی ہے۔ اور یہ شبہ حلال اور حرام میں دائر ہے اور حرام سے بچنا واجب ہے۔ لہذا تین ہی واقع ہوں گی۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور کی حجت عقلاً بھی خوب ظاہر ہے۔ اور وہ یہ کہ مطلقہ ثلاث خاوند کے لئے حرام ہے۔ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ۔ اور اکٹھے یا الگ الگ دینے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نہ لغت میں اور نہ شرعی طور پر۔ اور جو ظاہری فرق تھا، شریعت نے اس کو بھی لغو قرار دیا ہے۔ ولی اگر کسی کو کہے کہ میں نے ان تین کے ساتھ تیرا نکاح کیا ایک کلمے کے ساتھ تو منعقد ہو جائے گا۔ ایسے ہی جیسے وہ اگر الگ الگ جملوں سے اس کا نکاح ان تین سے پڑھاتا ہو جاتا۔ یہی حکم عتاق، اقرار اور طلاق کا بھی ہے۔

باقی رہا غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ ایک طہر میں ایک ہی طلاق ہوگی۔ دوسری کا وقوع ناممکن ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اس لئے کہ خاوند کی اہلیت طلاق اور بیوی کی محلیت طلاق باقی ہونے کے باوجود خاوند کچھ بھی کر لے طلاق واقع نہیں ہوگی (فیا سبحان اللہ) اگر خاوند کی اہلیت یا مطلقہ کی محلیت کے باطل ہو جانے کا دعویٰ ہے تو اس کے لئے دلیل قطعی کی حاجت ہوگی۔ کیونکہ قبل ازیں یہ دونوں امر (اہلیت زوج اور محلیت زوجہ) یقیناً موجود تھے۔ اب کس دلیل قطعی سے اسے باطل کہا جائے گا۔ قطعی کے ابطال کے لئے دلیل قطعی ہی کی حاجت ہے۔ ”الیقین لا یزول بالشک“۔ مسلمہ قاعدہ ہے۔ پھر اس میں قرآن کریم کی بھی صریح خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ دور جاہلیت کے اسی غیر محدود اختیارات طلاق کی تحدید کے لئے قرآن پاک کی آیت ”الطلاق مرتان“ (اصول کرنی ص ۱) نازل ہوئی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ خاوند کو

دو طلاقوں تک رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ بعد ازاں تیسری طلاق سے حرمت مغلظہ ثابت ہو جائے گی۔ اور مزید طلاق دینے کا اختیار باقی رہے گا نہ تجدید نکاح کا۔ تاوقتیکہ تحلیل کی صورت نہ پائی جائے۔ مگر ”لامذہبیت“ کے مطابق ہزار طلاق پر بھی یہ حق ختم نہیں ہوتا۔ ایک طہر میں ہزار دو ہزار طلاقات بھی اے۔ لے تو حرمت مغلظہ ثابت ہوگی نہ تجدید نکاح کی حاجت پڑے گی۔ بلکہ رجوع کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بس ایک مرتبہ رجوع ہو چکا۔ اب ادھر سے طلاقوں کی بوچھاڑ ہوتی رہے اور ساتھ ہی ساتھ عورت کے ساتھ بھرپور طریقے سے جنسی تعلقات بھی قائم رکھے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ طلاقات دھڑا دھڑ۔ نہ بینونت، نہ حرمت مغلظہ، نہ تجدید نکاح، بلکہ نہ ایک مرتبہ کے بعد حاجت رجوع، حلال حرام سب ہضم۔ استغفر اللہ عورت روزانہ طلاقوں کی بوچھاڑ بھی سنے اور خون کے گھونٹ پی کر مرد کی ہوسناکیوں کا تختہ مشق بھی بنے۔ عفت ماب خواتین کے لئے طلاق کے الفاظ سننا ہی ناقابل برداشت امر ہے۔ چہ جائیکہ روزانہ کی طلاقوں سے اسے تذلیل کی آخری حد تک پہنچانے کی گنجائش پیدا کی جائے۔

”لامذہبیت“ کا یہ طرز عمل خواتین کے لئے زمانہ جاہلیت کی طلاقوں سے بھی زیادہ رسوا کن اور ظالمانہ ہے۔

ایک صاحب لکھتے ہیں کہ جیسے مثلاً وقت سے پہلے نماز ظہر معتبر نہیں، اسی طرح دوسرے ظہر سے پہلے دوسری طلاق قابل اعتبار نہیں۔

جواب :

ابغض المباحات کو افضل العبادات پر قیاس کرنا ”لامذہبیت“ کے تفقہ کا شاہکار ہے۔ جو انہی کو مبارک ہو۔ لیکن کوئی اہل علم اس جاہلانہ قیاس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔

(ب) نمازوں کے اوقات نمازوں کے لئے اسباب وجوب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جیسا کہ تمام فقہاء اور اہل اصول نے اس کی تصریح کی ہے اور طلاق کے لئے وقت محض طرف ہے۔ اور اگر کسی صاحب کو وقت نماز اور وقت طلاق کی مماثلت پر ہی اصرار ہو تو اس سے معاملہ مزید خطرناک ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے مطابق ہر طہر میں طلاق دینا واجب قرار پائے گا۔ (ج) نماز کا وقت داخل ہونے پر نماز واجب ہو جاتی ہے) تو ”لامذہبیت“ کے مطابق ہر طہر پر طلاق نہ دینے والے تمام لوگ گناہ گار ہوں گے۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ ہر طہر پر کیا معنی؟ (یعنی ہر طہر میں طلاق دینا تو دور کی بات ہے) جبکہ مطلق طلاق دینے کو ہی شرعاً ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ نہ وجوب ہے نہ استحباب ہے۔ علاوہ ازیں یہ ہے کہ طہر کو وقت نماز کی طرح تسلیم کر لینے سے ایک طہر میں متعدد طلاقیں دینے کا جواز ثابت ہو گا۔ جیسے کسی شخص کی متعدد نمازیں قضاء ہو جائیں۔ (جنہیں وہ ان کے اوقات میں ادا نہیں کر سکا تھا) تو وہ ان قضاء شدہ نمازوں کو ایک ہی وقت میں ادا کر سکتا ہے۔ جن طہروں میں (بقول لامذہبیت) طلاقیں فوت ہو گئی ہیں، آئندہ طہر میں سب کو بیک وقت واقع کر سکتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ طلاقوں کی قضاء نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ طلاق کے لئے طہر کی وہ حیثیت نہیں جو حیثیت نماز کے لئے اوقات صلوٰۃ کی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

غیر مقلدین یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اپنے اس فیصلہ پر کہ ”ایک مجلس میں تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔“ بعد میں نادم ہو گئے تھے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دعویٰ بالکل افتراء اور جھوٹ ہے۔ چنانچہ کتاب الاشفاق میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے تین طلاق والے فیصلے پر پشیمان ہونے کی روایت غلط اور باطل ہے۔ من گھڑت اور موضوع ہے۔ اس کی سند میں خالد بن یزید بن ابی مالک ہے جو اپنے والد کے بارے میں بھی جھوٹ بولتے تھے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ خالد بن یزید اپنے باپ پر جھوٹ

بولنے پر بھی اکتفا نہیں کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے صحابہ کرامؓ پر بھی جھوٹ باندھا ہے اور اس کی کتاب ”الديات“ اس کے لائق ہے کہ اسے دفن کر دیا جائے۔ (کتاب الاشفاق ص ۵۸) قال احمد ليس بشيء قال النسائي غير ثقة قال الدارقطني ضعيف قال ابن ابی الحواری سمعت ابن معین بالشام كتاب ينبغي ان يدفن كتاب الديات لخالد بن يزيد بن ابی مالك لم ير ض ان يكذب على ابیه حتى كذب على الصحابة هكذا في ميزان الاعتدال۔ (ميزان الاعتدال ص ۳۰۳ ج ۱)

دو سر اجواب :

یہ ہے اگر یہ حدیث یا روایت مان بھی لی جاوے تو وہ مطلق ہے۔ اس میں اس مسئلہ کی صراحت نہیں۔ صرف یہ ہے کہ ”طلاق کے مسئلے پر ندامت ہوئی۔“ اب وہ کون سا مسئلہ تھا متعین نہیں۔ لہذا اسی مسئلے کو روایت کا مصداق بنانا ترجیح بلا مرجح ہے۔

تیسرا جواب :

حضرت عمرؓ کے دوز میں اس فیصلے کو نقل کرنے والے حضرت ابن عباسؓ خود بھی تین طلاقوں کا فیصلہ فرماتے تھے۔ چاہے ایک مجلس کی ہوں۔ ایسے کئی فتاویٰ ان کی کتابوں میں منقول ہیں۔ حتیٰ کہ خود علامہ ابن قیم جوزیؒ نے بھی باوجود اس تشدد کے جو ان کو اس مسئلہ میں تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کے اس فتویٰ کا انکار نہیں کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی ہیں۔ اس کے بعد رجوع جائز نہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ : ”فقد صح بلا شك عن ابن مسعود و علی و ابن عباس الزام بالثلاث ان اوقعها جملة۔“ (اغاثة اللفهان ص ۱۷۹ ج ۱) نیز اعلام الموقعین میں بھی ہے کہ ان حضرات سے بلا شک یہ بات ثابت ہے کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو تین ہی لازم ہوں گی۔

ایک اعتراض کا حل

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کے مذہب پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے مجبوری کی حالت میں امام شافعیؒ کے قول پر فتویٰ دینا جائز ہے جن کے نزدیک تین ایک ہیں؟

الجواب :

حضرات فقہائے عظام نے بدرجہ مجبوری اگر اس کی اجازت دی ہے تو یہ اس صورت میں ہے جب کہ ائمہ متبوعین میں سے کسی کا معتمد قول تو موجود ہو۔ یہاں تو سرے سے ائمہ متبوعین میں سے کسی کا یہ مذہب ہی نہیں ہے۔ امام شافعیؒ اور تینوں دوسرے اماموں اور مجتہدین کے نزدیک تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں۔ تو اس اجمالی اور متفقہ مسئلے کو چھوڑ کر کسی شاذ، گرے پڑے مردود قول پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔

نیز قرآن و سنت کے تمام احکامات کو حضرات ائمہ مجتہدین اور ارباب مذاہب نے ایک خاص ترتیب کے ساتھ مدون کر کے امت تک پہنچا دیا ہے۔ اب اصل مسئلہ ”شریعت کی تنفیذ“ کا ہے، تعبیر کا نہیں۔ لیکن ”لا دین عناصر“ تعبیر شریعت کے مخمضے میں الجھا کر قوم کو تنفیذ شریعت سے محروم کرنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ قرآن و سنت کے احکام کی تعبیر و تشریح کا حق کس کو حاصل ہے۔ اس میں اہل عقل و انصاف کے نزدیک دو رائے نہیں ہو سکتیں۔ ”برٹش قوانین“ کی تشریح کا حق اس کے ماہرین کو حاصل ہے۔ سائنسی امور میں سائنسدانوں کا قول معتبر ہے۔ طب قدیم اور جدید میں اس کے ماہرین، فیصلہ تسلیم کیا جائے گا۔ پس بالکل واضح بات ہے کہ قرآن و سنت کی تشریح و تعبیر میں ماہرین شریعت کا فیصلہ واجب التسلیم ہو گا۔

کسی بڑے سے بڑے انجینئر یا سائنس دان کو عدالت عالیہ میں بحیثیت قانون

دان پیش ہونے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اس کی تحقیق کوئی قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ ایسے ہی ائمہ مجتہدین کے مقابلے میں کسی اور غیر مجتہد کو قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

حَلَالہ

اللہ تعالیٰ نے شرعی احکام بیان کرتے ہوئے طلاق کے متعلق سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا کہ ایک طلاق دے کر اگر ندامت ہو تو رجوع کر لے۔ وبعولتھن احق بردھن فی ذلک ان ارادوا اصلاحا۔ کہ ایک طلاق کے بعد رجوع کر سکتا ہے۔ پھر آگے اس کی حد کو بیان فرمایا کہ جتنی طلاقوں کے بعد رجوع ممکن ہے وہ دو ہیں۔ الطلاق مرتان۔ چاہے الگ الگ دی ہوں یا اکٹھی۔ اس کے آگے فرمایا: فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ۔ اس میں ”قا“ تاخیر بلا مہلت کے لئے ہے کہ تیسری طلاق کے بعد رجعت کا خاوند کو کوئی حق حاصل نہیں۔ اب وہ عورت اس خاوند کے لئے حلال نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ وہ عورت (عدت کے بعد) دوسرے شوہر سے نکاح کرے (اور نکاح کے بعد دوسرا شوہر اس سے صحبت کرے۔ اس کے بعد وہ مرجائے یا از خود طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے تب یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگی۔ اور وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکے گا) یہ حلالہ شرعی ہے۔

اور تین طلاقیں دینے کے بعد عورت کا کسی کے ساتھ اس شرط پر نکاح کر لینا ”کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے“ باطل ہے۔ اور حدیث شریف میں ایسا حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ البتہ ملعون ہونے کے باوجود اگر دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت گزرنے کے بعد وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ متدرک حاکم اور ترمذی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود

رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ”لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہ۔“ یہ حدیث غیر مقلدین پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو ہماری دلیل ہے کہ اس میں آپؐ نے باوجود لعنت کرنے کے ان کو حلال کرنے والا فرمایا۔ حرام کرنے والا نہیں فرمایا اور شوہر اول کے لئے بھی اسی قسم کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ لہذا یہ حدیث ہمارے مذہب کے عین مطابق ہے۔ ہم مکمل حدیث پر عمل کرتے ہیں اور غیر مقلد آدمی پر۔ اس لئے کہ یہ شرط لگانا ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں ہے اور موجب لعنت ہے۔ اس کے جواز کا قول فقہ حنفی کے کسی بھی معتمد عالم نے نہیں کیا اور نہ ہی فقہ حنفی کی کسی کتاب میں اس کو جائز لکھا گیا ہے۔ تو ہمارے نزدیک عدم جواز تو ہے مگر نفاذ ہو جاتا ہے۔ یعنی ایسا کرنا جائز تو نہیں، البتہ اگر کوئی ایسا کر دے تو شرط باطل ہوگی اور نکاح صحیح شمار ہو کر عورت زوج اول کے لئے حلال ہوگی۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ حیض کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے، لیکن اگر کوئی دیدے تو واقع ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی یہ شرط لگانا تو باطل ہے۔ اگر وہ خود ان کا گھر آباد کرنے کے لئے طلاق دے دے تو جائز ہے۔ اور حلالہ کے خلاف شور مچانے میں غیر مقلدین کا مقصد صرف اور صرف قرآن و سنت اور صحابہ کرامؓ اور اجماع سے بغاوت کے راستے کو ہموار کرنا ہے۔ کیونکہ قرآن و سنت، اجماع کی صحیح تدوین و ترتیب اور تشکیل ائمہ اربعہ نے ہی دی ہے۔ اس لئے ان چاروں مذاہب سے امت کو بدظن کرنا اور ہٹانا ان کا نصب العین ہے۔ اور شور یہ مچاتے ہیں کہ معین امام یا فقہ کو ماننے کا حکم قرآن و حدیث میں دکھاؤ۔ اس کے علاوہ جتنی بھی روایات وہ پیش کرتے ہیں سب میں حلال کرنے والا فرمایا گیا ہے۔ غرضیکہ وہ عورت زوج اول کے لئے اگر حلال نہ ہوتی تو آپؐ اس کو یہ الفاظ ارشاد نہ فرماتے۔ آپؐ کا اس کو محلل کہنا ثبوت حل پر دال ہے۔ اور یہ چیز صحت نکاح کی مقتضی ہے۔ البتہ مرتکب حرام ہونے کے ہم بھی قائل ہیں۔ اور پھر غیر مقلد لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ حلالے کے یہ یہ نقصان ہیں۔ حالانکہ حلالے کو وہ

خود بھی مانتے ہیں۔ جبکہ کسی آدمی نے ۳ ماہ یا ۳ طہروں میں ۳ طلاقیں دی ہوں تو ان کے نزدیک بھی وہ عورت زوج اول پر حرام ہو جاتی ہے۔ اور حلال ہونے کی صورت ان کے ہاں حلالہ ہی ہے۔ جیسا کہ ان کے رسالہ ”الدعویۃ“ وغیرہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح بعض اور صورتوں میں بھی ان کے ہاں حلالہ جائز ہے، بلکہ ان کے ہاں حلالہ سنٹر بھی موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ حلالہ کے جواز و عدم جواز کا نہیں، بلکہ ایک طہر میں تین طلاقیں دینے کی صورت میں اس کے جواز و عدم جواز کا ہے۔ اور اس مسئلے کو ہم قرآن و حدیث، اجماع و قیاس سے ثابت کر چکے ہیں۔ پس ان کا یہ شور مچانا لغو ہوا۔

بعض غیر مقلدین کہتے ہیں کہ عورت تو حرام ہے، لیکن اگر ہم فتویٰ نہ دیں تو بھی لوگ اسی طرح اکٹھے رہتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ فتویٰ نہ دیتے تو لوگ گناہ سمجھ کر ایسا کرتے۔ ان فتوؤں کے حصول کے بعد وہ اتنا کوساری عمر حلال سمجھ کر کر رہے ہیں، جس سے ایمان بھی رخصت ہو جاتا ہے۔

اور اگر دوسرے شوہر سے نکاح کے وقت طلاق دینے کی شرط نہ لگائی گئی لیکن اس کے دل میں ہو کہ صحبت کے بعد عورت کو طلاق دے دے گا، تو یہ صورت موجب لعنت نہیں۔ اسی طرح اگر عورت کی نیت ہو کہ دوسرے شوہر سے طلاق لے کر پہلے شوہر سے نکاح کر لوں تب بھی گناہ نہیں۔ ہاں بغیر دوسرے خاوند سے نکاح کئے وہ عورت زوج اول پر قطعاً حرام ہے۔ اور پھر نکاح کے ساتھ پہلے کے لئے حلال ہونے کی صورت تب ہوگی جب زوج ثانی وطی بھی کر لے۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین کے ہاں آیت قرآنیہ میں نکاح بمعنی وطی کے ہے اور حضرت رفاعہ قرظیؓ کی بیوی کا واقعہ مشہور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ ”لاحتی یذوق عسیلتک و تذوقی عسیلتہ“ (بخاری ص ۷۹، ج ۲) اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تصدیق کی تھی۔ اسی طرح نکاح صحیح کا ہونا شرط ہے۔ لان المطلق

ینصرف الی الکامل۔

اب اس مسئلے پر تو اجماع ہے کہ حلالہ سے زوج اول کو تین طلاقوں کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب کہ حرمت مغلظہ کے ثبوت کے بعد حلالہ کیا گیا ہو۔ البتہ اگر ایک یا دو طلاقوں کے بعد عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کر لے تو اس کے فوت ہونے کے بعد یا از خود طلاق دینے اور عدت گزارنے کے بعد زوج اول سے دوبارہ نکاح کر لے۔ زوج اول کو اب بقیہ طلاقوں کا اختیار ہو گا یا مکمل تین کا، اس میں شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک تین طلاقوں کا مالک ہو گا۔ اور امام محمدؒ کے ہاں تین سے باقی ماندہ کا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زوج ثانی کی وطی کو حرمت مغلظہ کے لئے منتہی اور غایت بنایا ہے۔ اور اس کے ثبوت سے پہلے انتہاء اور غایت کیسے بن سکتی ہے۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ زوج ثانی کی وطی زوج اول کے لئے محلل ہے۔ فلا جناح علیہما ان یتراجعا۔ اور آپؐ نے بھی اس کو محلل کہا ہے اور حل میں اصل یہ ہے کہ حل کا محل ہو۔ پس وہ تین طلاقوں کا مالک ہو گا۔ نیز جب وطی زوج ثانی حرمت غلیظہ کو ختم کر دیتی ہے تو حرمت خفیفہ کو تو بدرجہ اولیٰ ختم کر دے گی۔ لیکن زوج ثانی کے نکاح کے بعد وہ عورت زوج اول پر قطعاً حرام ہے۔

اور غیر مقلدین نے اس گناہ کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ وہ تین طلاقوں کے بعد بھی بغیر حلالہ کے زوج اول کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جو قرآن و سنت و اجماع کے بالکل خلاف ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حلالہ سے بے حیائی پھیلے گی۔ حالانکہ اگر اس حکم پر پختگی کے ساتھ عمل کیا جاوے تو پھر تین طلاقیں دینے کا کوئی نام نہ لے۔ جس طرح چوروں اور دیگر مجرموں کو حد نہ لگا کر ان کو جرأت دلائی جاتی ہے اسی طرح شریعت کی مقرر کردہ یہ سزا نہ لگا کر لوگوں کو تین طلاقیں دینے کی جرأت دلائی جاتی ہے۔

الغرض حلالے کے خلاف غیر مقلدین کا پروپیگنڈہ دراصل قرآن و سنت سے ثابت شدہ ایک اجماعی مسئلے کے خلاف شرمناک جھوٹی مہم ہے۔ اس مسئلے کا ماخذ قرآن

پاک کی یہ آیت ہے : فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ (البقرہ)۔

اور پھر بخاری شریف وغیرہ صحاح ستہ میں مروی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس کا ماخذ ہے۔ جس میں حضرت رفاعہؓ کی بیوی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اور اس پر اجماع بھی منعقد ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

سنگسار کیا جائے

امام زہری اور قتادہ رحمہم اللہ کا فیصلہ

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ اگر کسی شخص نے سنہ میں اپنی بیوی کو دو گواہوں کے سامنے تین طلاقیں دے دیں اور وطن واپس آنے کے بعد اس نے اپنی بیوی سے وطی کی۔ اس پر گواہوں نے کہا کہ وہ ہمارے سامنے تین طلاقیں دے چکا ہے تو اس صورت میں زہری اور قتادہ نے کہا کہ اگر شوہر یہ حلف اٹھائے کہ ان دونوں نے مجھ پر جھوٹی گواہی دی ہے تب تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور مرد و عورت میں علیحدگی کر دی جائے گی۔ اور اگر مرد نے اقرار کر لیا کہ ہاں میں نے طلاق دی ہے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۹ ج ۷)

مزید تائید :

فتاویٰ عالمگیری میں ہے : ولو طلقها ثلاثاً ثم راجعها ثم وطئها بعد مضي المدة یحد اجماعاً۔ یعنی اگر کسی شخص نے تین طلاقیں دیں، پھر رجوع کر لیا اور عدت گزارنے کے بعد مطلقہ سے جماع کیا تو اس پر بالا اجماع حد زنا جاری ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ ص ۱۳۸ ج ۲)

تین طلاق کے بعد رجعت کا فتویٰ دینے والے کا حکم

امام زہریؒ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر کسی نے فتویٰ دیا کہ رجوع کرلو۔ اس بناء پر اس نے مطلقہ سے وطی کر لی تو جس نے فتویٰ دیا ہے اس کو عبرت ناک سزا دی جائے گی۔ اور مرد و عورت کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔ اور اس ناجائز وطی کا تاوان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۴۰ ج ۷)

علامہ ابن حزم نے بھی اس مسئلے میں غیر مقلدین سے اختلاف کیا ہے۔ ان کے نزدیک بھی ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اور ان کے نزدیک بنیت تحلیل نکاح کرنا بھی صحیح ہے۔ حتیٰ ان اشترط ذلك عليه قبل العقد فهو لغو من القول ولم ينعقد النكاح الا صحيحاً بريئاً من كل شرط۔ (محلی ابن حزم ص ۱۸۳ ج ۱۰)

مسئلہ :

تین طلاق کے بارے میں قرآن و سنت، آثار صحابہؓ و تابعین، مفسرین، محدثین، ائمہ مجتہدین، اجماع امت کی تصریحات پیش کی گئی ہیں۔ نیز غیر مقلدین کے عقلی و نقلی شبہات کے ازالے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازیں اور خطائیں معاف فرمائیں، آمین۔

یہود و نصاریٰ اسلام کے ازلی دشمن ہیں۔ صلیبی جنگوں میں شکست فاش کی ذلت اٹھانے کے بعد ان کے زعماء نے اسلام کے خلاف غلیظ جھوٹے پراپیگنڈے اور

تشکیکات کا محاذ کھول دیا۔ پیغمبر اسلام سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مقدس شخصیت کے خلاف یورپ میں اتالزچر لکھا گیا، جس کی فہرست کے لئے کئی الماریاں درکار ہیں اور پھر تحقیق اور ریسرچ کے نام پر اسلامی مسائل کو تختہ مشق بنایا گیا۔ ان کا طریقہ واردات ہے کہ ان ”تحقیقات“ میں حسب موقع تشکیک کے زہر کی خاص مقدار شامل کر کے اپنے بے پناہ وسائل کے ذریعہ عالم اسلام میں پھیلا دیا جاتا ہے۔ فرنگیت زدہ ذہنی غلامی میں مبتلا طبقہ ان تشکیکات کو بڑی قدر دانی سے لیتا ہے اور دشمن کے مقاصد کی تکمیل میں اس کا دست و بازو بن جاتا ہے۔ ان کے علاوہ نام نہاد دین پسند لوگوں کی ایک جماعت اور ایک گروہ ہے جو شعوری یا غیر شعوری طور پر دشمنان اسلام مستشرقین کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اور تحقیق کے نام پر تشکیک کے جراثیم چھوڑ کر عوام کو دین سے دور کر رہا ہے۔ تین طلاق جیسے دینی متفقہ مسائل کے بارے میں ابنائے زمانہ کی تشکیکی سرگرمیاں بھی بندہ کے نزدیک اسی زمرے میں آتی ہیں۔ جبکہ الحاد و زندقہ کی آندھیاں چل رہی ہیں۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ عوام کو عمل کی راہ پر ڈالا جاتا نہ یہ کہ ”تشکیکات“ کے ازالے کے لئے اہل حق کو مجبوراً جوابات لکھنے کی نوبت آتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشیں اور ہر قسم کی گمراہیوں اور فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھیں، آمین۔

مآخذ: قرآن پاک۔ بخاری شریف۔ مسلم شریف۔ ابوداؤد شریف۔ نسائی شریف۔ ابن ماجہ شریف۔ موطا امام محمد۔ موطا امام مالک۔ تفسیر منظری۔ تفسیر قرطبی۔ احکام القرآن للخصاص تبیان الفرقان۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ زجلجۃ المصابیح۔ لمحادی شریف۔ اعلام السنن۔ انوار السنن۔ سنن دارقطنی۔ سنن سعید بن مسعود۔ سنن عبد الرزاق۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ مرقاة المفاتیح۔ فتح الباری۔ عمدة القاری۔ نووی۔ التہذیب۔ میزان الاعتدال۔ تکملة فتح الملہم۔ سنن کبریٰ۔ زاد المعاد۔ اغاثۃ المحققین۔ اعلام الموقعین۔ محلی ابن حزم۔ رد المحتار۔ الاضواء۔ بذل المجہود۔ فتح القدیر۔ عمدة الرعاۃ۔ نیل الاوطار۔ کشف الغم۔ نور الانوار۔ الانصاف۔ انوار البیان۔ حسن الفتاویٰ۔ فتاویٰ خیر۔ رد مختار۔ ہندیہ۔ تیسرے قاری۔ بحر الرائق۔ بدایۃ المجتہد۔ بدائع الصنائع۔ مغنی ابن قدامہ۔ اصول کرنی بہشتی زیور۔ کفایت المفتی۔ مجتہد الفتاویٰ۔ فتاویٰ دارالعلوم۔ فتاویٰ عبدالحی۔

تین طلاق اور حلالہ

مناظر اہلسنت حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحب مدظلہ

برادران اسلام! اسلام ایک برحق اور فطری دین ہے۔ اس میں اصل اور نقل کا امتیاز نہایت واضح ہے۔ جس طرح اس دنیا میں نور کے مقابلہ میں تاریکی ہے، اسی طرح ایمان کے مقابلہ میں کفر، توحید کے مقابلہ میں شرک، سنت کے مقابلہ میں بدعت، اجتہاد کے مقابلہ میں الحاد، تقلید سلف کے مقابلہ میں ذہنی آوارگی اور نفس پرستی ہے۔ باطل نے حق کا پہلے انکار اس انداز میں کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی نبوت کا ہی انکار کیا جائے، لیکن کفر کی تمام طاقتیں مل کر بھی حق کا راستہ نہ روک سکیں اور چار دانگ عالم میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور نبوت کا ڈنکا بجنے لگا۔ حق غالب آگیا اور باطل دب گیا۔ تاہم باطل نے ہمت نہ ہاری، البتہ ایک قدم پیچھے ہٹ کر حملہ آور ہوا اور یہ طریقہ اختیار کیا کہ اب رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر براہ راست حملہ نہ کیا جائے۔ اور اسلام سے کفر براہ راست بھی نہ ٹکرائے، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بظاہر کلمہ پڑھ لیا جائے اور پھر آپ کی تعریف، مگر آپ کے صحابہ کی تکذیب کر دی جائے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کے راوی ہیں۔ ان ہی کی روایات سے دلائل نبوت یعنی معجزات پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ اور یہی مقدس جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات کے راوی اور سنت نبوی کے عملی نمونے ہیں۔ اگر ان حضرات کو معاذ اللہ

جھوٹے ثابت کر دیا جائے تو نہ ہی دنیا کے سامنے آنحضرت ﷺ کے دعویٰ نبوت کا ثبوت ہو سکے گا اور نہ ہی دلائل نبوت اور تعلیمات نبوت کا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمہ کو باقی رکھ کر آپ کے پورے دین کو مشکوک کر دیا جائے گا۔ لیکن خلافت راشدہ کے سنہری دور نے اس حیلے کی بھی کمر توڑ کر رکھ دی۔ جب باطل نے دیکھا کہ اس حیلے میں بھی ہمیں خاص کامیابی نہیں ہوئی، اس لئے ان کو ”تقیہ“ کا لحاف اوڑھنا پڑا۔ تاہم باطل نے ہمت نہ ہاری اور ایک قدم اور پیچھے ہٹا لیا اور سوچا کہ صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت سے مسلمانوں کے دل بھر پور ہیں۔ خدا کی کتاب اور نبیؐ کی سنت اس مقدس جماعت کی عظمت اور ان کے بے مثال کارناموں سے پر ہے۔ اس لئے کتاب و سنت کے ماننے والوں کو صحابہ کرامؓ سے بدظن کرنا بہت مشکل ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ آج جو دین مکمل طور پر مدون شکل میں مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور ہر جگہ عملاً متواتر ہے، یہ براہ راست صحابہ کرامؓ کا مدون کردہ نہیں، کیونکہ ان کی مقدس زندگیاں اکثر میدان جہاد میں گذر گئیں۔

اس مکمل دین کی تدوین کا سہرا ائمہ اربعہ کے سر پر ہے۔ ان ہی حضرات کے مقدس ہاتھوں سے دین حنیف کی تدوین ہوئی اور اس کو ہر طرح سے عملی تواتر اور غلبہ نصیب ہوا۔ ان میں سے بھی خصوصاً سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تدوین کو جو شہرت عام اور بقائے دوام نصیب ہوئی اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کی فقہ تقریباً بارہ سو سال تک اسلامی دنیا میں بطور قانون نافذ رہی۔ عباسی خلافت میں قاضی القضاۃ یعنی وزیر قانون سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے عظیم شاگرد قاضی ابو یوسف کو بنایا گیا۔ عباسی خلافت میں اکثر قاضی حنفی تھے۔ بعض باقی تین مذاہب کے۔ پھر سلجوقی، خوارزمی اور عثمانی خلافتیں خالص حنفی خلافتیں تھیں۔ تمام فتوحات کا سہرا بھی ان کے سر رہا اور فقہ حنفی بحیثیت قانون اسلامی نافذ رہی اور یہی خلافتیں خدمت حرمین شریفین کے شرف سے مشرف رہیں۔ فقہ اسلامی جو عروج اسلام کے دور میں صدیوں تک ہر

زمان و مکان کے مسائل کے حل کی مکمل صلاحیت رکھتی تھی۔ اب اس کے بارہ میں یہ آواز اٹھنے لگی کہ عروج اسلام کے دور میں تو یہ کار آمد تھی، لیکن آج مسلمانوں کی پریشانی کے دور میں یہ کام نہیں دے سکتی۔ اس میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس کا تواتر اور اس کی کاملیت مسلمانوں میں مغربی قوانین کے نفوذ سے مانع اور اس کی سرایت میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لئے باطل نے سوچا کہ مذاہب اربعہ جو کتاب و سنت کی صحیح اور جامع تعبیر ہے اور مراد وحی کی متواتر تشکیل ہے خاص طور پر خنفیت جو کتاب و سنت کی سب سے پہلی تعبیر و تفصیل ہے اور اپنی جامعیت اور حقانیت کی وجہ سے خیر القرون سے آج تک درساً اور عملاً متواتر ہے ان کا انکار کر دیا جائے تو نہ ہی قرآن پاک کی کوئی متواتر تعبیر دنیا کے سامنے رہ جائے گی اور نہ ہی سنت کی کوئی متواتر تفصیل دنیا کے ہاتھ میں رہے گی، نہ ہی صحابہ کرامؓ کے اعمال کا متواتر نقشہ کسی کے سامنے رہے گا۔ اس طرح متواتر فقہ سے بغاوت کے بعد قرآن و حدیث کو بچوں کا کھلونا بنا دیا جائے گا۔ ہر شخص کو اپنی خواہش نفس کی تعمیل کے لئے قرآن و حدیث کا نام استعمال کرنے کی کھلی چھٹی ہوگی۔ ہر شخص کا مذہب الگ الگ ہوگا۔

اس مقصد کے لئے یہودی لابی نے مستشرقین کی ایک کھیپ تیار کی کہ ان متواتر مذاہب سے خروج و بغاوت کی راہ ہموار کی جائے۔ انہوں نے ان متواتر مذاہب کے خلاف شاذ و مردود اقوال کی تلاش میں دن رات ایک کر دیا۔ متواتر قرآن کے مقابلہ میں شاذ و متروک قرائتیں عوام کے سامنے لا ڈالی گئیں۔ قرآن و سنت کی متواتر تعبیرات کے مقابلے میں شاذ تعبیرات کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متواتر کارناموں کو سبوتاژ کرنے کے لئے شاذ اور بے سند قصوں کو تلاش کیا گیا۔ ایک مذاہب کے متواتر مذاہب کے خلاف شاذ اقوال کا جال بٹن دیا گیا اور ایسے لوگ پیدا کئے گئے جو خود مجتہد بن کر اکابر کے خلاف استخفاف، بدگمانی، بدزبانی کو ہی دین کی خدمت سمجھتے ہیں۔

حنفیت :

چونکہ اہل اسلام میں سب سے بڑی جماعت اہلسنت والجماعت کی ہے اور ان کے چار ہی مذہب ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ ان میں بھی سب سے زیادہ تعداد احناف کی ہے۔ الحمد للہ! اسلام کے عروج کی تاریخ میں سب سے زیادہ ملک انھوں نے کافروں سے فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شریک کئے۔ ساری اسلامی سلطنت میں اسلامی قانون کو نافذ رکھا۔ سب کافروں سے جزیہ وصول کیا۔ آج بھی مسلمانوں میں یہی ایک مؤثر طاقت ہے، اس لئے یہودی لابی نے سب فرقوں کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے۔ تاکہ ان کو رات دن پریشان رکھا جائے اور مستشرقین کے مواد کو سمیٹ کر ائمہ متبوعین کے خلاف خروج و بغاوت کے لئے ایسے شاذ اقوال کا سہارا لیا جاتا ہے جو بعض لوگوں سے سہو یا غلطی سے صادر ہوئے اور امت میں ہمیشہ شاذ و متروک رہے۔ ان لوگوں کو آپ سو سمجھائیں کہ ”مَنْ شَذَّ شُدَّ فِي النَّارِ“ کی وعید سے خود بچو اور امت رسول کو بچاؤ۔ مگر یہودی لابی کی نوازشات کی وجہ سے یہ اپنے اکابر سے بدظن اور مستشرقین کے تلاش کردہ شاذ اقوال کو قرآن و حدیث کے نام سے پیش کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ متواتر مذاہب کے مٹانے میں سب سے زیادہ کردار حضرات غیر مقلدین ادا کر رہے ہیں۔ عام لوگوں میں یہ تاثر ہے کہ یہ لوگ صرف فقہ حنفی کو نہیں مانتے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ائمہ اربعہ کے متفقہ مسائل کو بھی مٹاتے ہیں اور ائمہ کے بعد صحابہ کرامؓ کے اجماع تک کی مخالفت کو اپنا دین سمجھتے ہیں۔ قرآن و سنت کی تشریحات میں ارشادات صحابہؓ اور تعبیرات ائمہ کرام کی مخالفت کر کے مستشرقین سے برآمد شدہ شاذ مسائل کو پھیلاتا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔

مسئلہ طلاق :

ایسے ہی مسائل میں سے ایک مسئلہ طلاق ہے۔ یہود کے ہاں طلاق کی کوئی تحدید نہیں۔ جتنی طلاقیں چاہے خاوند دیتا رہے اور رجوع کرتا رہے، نہ بیچاری کو بسائے نہ آزاد کرے۔ اس کے برعکس عیسائی مذہب کے ہاں طلاق جائز ہی نہیں۔ اسلام میں نہ ہی یہود کی طرح کھلی چھٹی ہے اور نہ ہی عیسائیت کی طرح بالکل ممانعت۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جو تعلقات خدا کے جوڑے ہوئے ہیں ان کو انسان توڑنے کا حق نہیں رکھتا، جیسے باپ بیٹے اور بھائی بہن کا تعلق۔ باپ سو مرتبہ کہے کہ تو میرا بیٹا نہیں، وہ پھر بھی بیٹا ہی رہتا ہے۔ بھائی سو مرتبہ کہے کہ تو میری بہن نہیں، وہ پھر بھی بہن ہی رہتی ہے۔ لیکن جو تعلقات انسان خود جوڑتا ہے وہ جس مقصد کے لئے جوڑے اگر وہ مقصد حاصل نہ ہو رہا ہو، کوئی پریشانی ہو تو اس کے توڑنے کا بھی انسان کو اختیار ہے۔ مثلاً میاں بیوی کا تعلق انسان نے خود جوڑا ہے تاکہ زندگی کا سکون و چین نصیب ہو، لیکن اگر آپس میں بالکل نہ بنتی ہو تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں : **أَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللَّهِ الطَّلَاقُ** (ابوداؤد ۱-۱۶۶) کہ حلال باتوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند طلاق ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں : **الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِیْحٍ بِاِحْسَانٍ** (البقرہ: ۲۲۹) طلاق دو مرتبہ ہے، پھر یا تو روک لینا ہے معروف طریقے سے یا آزاد کر دینا ہے اچھے طریقے سے۔

گویا دو طلاقوں کے بعد مرد کو دو اختیار دیے۔ اگر وہ اس کو پھر اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے تو معروف طریق سے روک لے۔ مثلاً طلاق رجعی ہے اور عدت باقی ہے تو رجوع کر لے، اور اگر طلاق رجعی کی عدت ختم ہو گئی یا طلاق بائن ہے تو عورت کی رضامندی سے دوبارہ اس سے نکاح کر لے۔ اور اگر یہ نہ چاہے تو اس کو جانے دے۔ لیکن اگر مرد نے تین طلاقیں دے دیں تو ارشاد باری تعالیٰ ہے : **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدِ حَتٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غٰیْرَهٗ۔** پس اگر تیسری طلاق بھی دے دی تو وہ

عورت اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ اس لئے ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ تین طلاق جس طرح بھی دی جائیں وہ واقع ہو جاتی ہیں۔ اب جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے پھر وہ طلاق دے تو اس کی عدت گزار کر یہ پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہودی مذہب میں تین طلاق کے بعد بھی بیوی سے رجوع کا حق ہے۔ یہود سے یہ مسئلہ روافض نے لے لیا (غنیۃ الطالبین) ہمارے غیر مقلدین حضرات نے ایک نئی تقسیم کر لی کہ اگر خاوند تین طہروں میں تین طلاقیں دے پھر تو حلالہ شرعی کے بغیر عورت پہلے خاوند کے پاس نہیں آ سکتی۔ لیکن اگر تین طلاقیں ایک مجلس میں دے تو وہ ایک طلاق گنی جائے گی۔ خاوند کو رجوع کا حق ہے۔ اس کو مثال سے یوں سمجھیں کہ اہل اسلام کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آ سکتا۔ مگر مرزائیوں نے ایک تقسیم کر لی ہے کہ آپ کے بعد صاحب شریعت نبی تو نہیں آ سکتا، مگر غیر تشریعی نبی آ سکتا ہے۔ اسی طرح غیر مقلدین نے تین طلاق کے مسئلہ میں تقسیم کر لی کہ بعض قسم کی تین طلاقیں تین ہوتی ہیں، اور بعض قسم کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کا فرض ہے کہ اپنے دعویٰ کے دونوں حصوں پر وہ کتاب و سنت سے واضح دلیل دیں۔ وہ پہلے حصے میں ائمہ اربعہ سے متفق ہیں اور دوسرے حصے میں یہود اور روافض سے۔ ہم موضوع کی وضاحت کے لئے ان سے چند سوالات پوچھتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ ہر سوال کا جواب صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث سے دیں گے۔

(۱) طلاق دینا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے یا ناپسند؟ ناپسند ہونے کے باوجود طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

(۲) ایک عورت خدا اور رسول کے ساتھ خاوند کی بھی پوری تابعدار ہے، مگر خاوند کی نظر کسی اور طرف لگ گئی ہے۔ اب وہ اس بیوی کو محض بلا قصور طلاق دے دیتا

ہے۔ اس مرد کو اس طلاق دینے پر کوئی گناہ ہے یا نہیں؟ اس گناہ پر کیا حد شرعی ہے اور اس گناہ کے باوجود طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۳) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس طہر میں صحبت کر چکا ہو اس میں طلاق دینی حرام ہے (دارقطنی ج ۳، ص ۵) کیا اس حرام طلاق دینے پر مرد کو گناہ ہو گا یا نہیں؟ اور یہ حرام طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

(۴) حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی فرماتے ہیں کہ بیوی کو حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے (دارقطنی ج ۳، ص ۵) اب کسی نے حالت حیض میں طلاق دی تو یہ حرام طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

(۵) ایک مرد کو تین طلاقوں کا اختیار ہے۔ وہ کس طرح طلاق دے کہ تین ہی واقع ہو جائیں؟

(۶) ایک شخص نے تین طہروں میں عورت کو تین طلاقیں دیں۔ اب وہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے تو حلالہ شرعی کے بغیر کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۷) وہ عورت غیر مقلدین کا ”الدعویۃ“ رسالہ پڑھ کر کہتی ہے کہ تین طلاقیں دینا مرد کا قصور ہے۔ میں حلالہ کیوں کرواؤں، مجھے سزا کیوں؟ دیکھو ”الدعویۃ“ والا بھی کہتا ہے تیسری طلاق کے بعد اب دونوں میاں بیوی کا معاملہ بالکل ختم ہو گیا۔ اب کبھی ملاپ نہیں ہو سکتا۔ صرف ایک شکل باقی ہے۔ وہ یہ کہ طلاق یافتہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ حق زوجیت ادا کرے۔ اس کے ساتھ پہلے سے طے نہ ہو کہ ایک

رات یا چند راتیں گزار کر یہ نیا خاوند اسے طلاق دے گا۔ ہاں البتہ اتفاق سے ان کی بھی آپس میں نہ بنے اور وہ مرد بھی اسے طلاق دے دے یا وہ خاوند ویسے ہی فوت ہو جائے

تو پھر یہ عورت اور پہلا مرد اگر چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ رہنمائی ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن میں کر رہے ہیں۔ خط کشیدہ الفاظ کا ترجمہ ہمیں قرآن میں نہیں ملا۔ ایڈیٹر الدعویۃ نے قرآن پر جھوٹ بولا ہے۔ اسی طرح یا وہ خاوند ویسے ہی فوت ہو جائے یہ

بھی قرآن پاک کی کسی آیت کا ترجمہ نہیں ہے۔ وہاں تو صرف طلاق دینے کا ذکر ہے۔

قیاس :

ہاں فقہاء اسلام نے قیاس سے یہ کہا ہے کہ اگر دو سرا خاوند فوت ہو جائے یا عورت اس سے نکاح فسخ کرا لے یا خلع کرا لے تو پھر وہ عدت گزارنے کے بعد پہلے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔

طلاق کا بہترین طریقہ :

طلاق کا بہتر طریقہ تو یہی ہے کہ مرد ایک طلاق رجعی دے دے، اس کے بعد رجوع کو دل نہ چاہے تو عدت کے بعد وہ عورت آزاد ہے۔ وہ کسی اور سے نکاح کرنا چاہے تو بھی درست ہے۔ اور ان دونوں میں کوئی صلح کی صورت ہو جائے تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر بیک وقت تین طلاقیں دی جائیں تو یہ گناہ ہے۔ عن محمود بن لبیدؓ قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطلیقات جميعا فقام غضبانا ثم قال ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظہر کم حتی قام رجل وقال یا رسول اللہ الا اقتله (نسائی ۲: ۲۹) ”حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپؐ سخت غصے کی حالت میں کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ حضرت! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں۔“

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ایک دفعہ تین طلاق دینا خدا تعالیٰ کی پاک کتاب کے ساتھ کھیلا اور آنحضرت ﷺ کو سخت ناراض کرنا ہے۔ مگر اس کے برعکس آپؐ تجربہ کر کے دیکھیں کہ جب غیر مقلدین سنتے ہیں کہ فلاں آدمی نے تین طلاقیں اکٹھی دے دی ہیں تو ان کو عید سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں اس کا استقبال کیا جاتا ہے :

ع بیس تفاوت رہ از کجاست تابکجا

جو فرقہ خدا و رسول کی ناراضگی میں اپنی خوشیاں تلاش کرتا ہو اس کا دین معلوم ہو گیا۔ اس حدیث سے تو پتہ چلا کہ اگر تین طلاقیں ایک ہی ہوتیں تو آپؐ اتنے ناراض کیوں ہوتے۔ آپؐ نہیں دکھا سکتے کہ حضور ﷺ نے کبھی ایک طلاق پر ناراضگی فرمائی ہو، یا اسے استہزاء بکتاب اللہ فرمایا ہو، بلکہ جب آپؐ کو خبر دی گئی کہ اس نے تین طلاقیں اکٹھی دی ہیں تو آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کو تین نہ کہو ایک کہو۔ جب آپؐ نے ان کے تین کہنے پر تین کو ہی برقرار رکھا تو اسی لئے امام قرطبی احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ آپؐ نے تین کو ہی نافذ فرمایا۔

غیر مقلدین کا قرآن سے اختلاف :

غیر مقلدین اس بات پر تو آیت پڑھتے ہیں کہ طلاق طہر میں دینی چاہئے فطلقوہن لعدتہن۔ اور اللہ تعالیٰ نے طلاق کی حد بیان کر دی ہے اور وہ یہ کہ ایک طہر میں ایک طلاق دے، دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے میں تیسری۔ ان کی اس بات سے ہمیں بھی اختلاف نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر کسی نے یہ حد توڑ دی اور ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہوں گی یا نہیں؟

حدیث :

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی (جو منع اور گناہ تھی) تو آنحضرت ﷺ نے انہیں فرمایا کہ اس طلاق سے رجوع کر لو (کیونکہ یہ گناہ ہونے کے باوجود طلاق نافذ ہو چکی) اور انتظار کر یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو، پھر اس کو دوسرا حیض آئے، پھر پاک ہو تو اس سے جماع کئے بغیر اس کو طلاق دے۔ یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کوئی حیض میں طلاق کا مسئلہ پوچھتا تو فرماتے اگر تو نے ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم دیا تھا، اور اگر تو ایک ہی حیض میں تین

طلاق دے چکا تو تو نے (تین اکٹھی طلاقیں دے کر) خدا کی نافرمانی بھی کی اور تیری بیوی بھی تجھ سے جدا ہو گئی (مسلم، ج ۱، ص ۷۶)۔

○ اس سے صاف معلوم ہوا کہ غیر شرعی طلاقیں بھی نافذ ہو جاتی ہیں۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید احادیث مطالعہ فرمائیں۔

غیر مقلدین کی قرآن و حدیث سے بغاوت :

امام بخاری نے ج ۲، ص ۷۹ پر ایک باب باندھا ہے: باب من اجاز طلاق الثلاث اور اپنی عادت کے موافق اس مسئلہ پر پہلے قرآن سے استدلال فرمایا ہے۔ الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان۔ طلاق دو مرتبہ ہوتی ہے، پھر یا تو روک لینا ہے معروف طریقے سے یا آزاد کر دینا اچھے طریقے سے۔ یعنی جب دو طلاقوں کا جمع کرنا صحیح ہے، جبکہ مرتان کے لفظ کو دو پر محمول کیا جائے، جیسا کہ ارشاد خداوندی نوؤتھا اجرہا مرتین میں ہے امام بخاری کی طرح ابن حزم اور کرمانی نے بھی یہی استدلال کیا ہے کہ جب اس کا معنی مرة بعد مرة ہے تو جب دو جمع ہو سکتی ہیں تو تین بھی جمع ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ آج تک کوئی شخص نہیں پایا گیا جس نے دو اور تین کے وقوع کی صحت میں فرق کیا ہو۔ اس کے بعد متصلاً امام بخاری نے حدیث لعان کا ذکر فرمایا ہے۔

۱۔ حدیث لعان :

حضرت ابو درداءؓ نے روایت کیا، فطلقھا ثلاثا قبل ان یامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ج ۲، ص ۷۹) کہ آپؐ کے حکم سے پہلے ہی اسی ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ دور نبوت میں ایک مجلس میں تین طلاقوں کے وقوع میں شک نہیں رکھتے تھے اور کسی روایت میں نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نکیر فرمائی ہو۔ پس یہ حدیث تین طلاق بیک لفظ واقع ہونے کی واضح دلیل ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں تھا کہ لوگ تین طلاق کا بلفظ

واحد واقع ہونا سمجھتے رہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اصلاح نہ فرمائیں۔
اس حدیث سے پوری امت نے یہی سمجھا۔ امام بخاری اور ابن حزم نے بھی یہی سمجھا
ہے۔

۲- حدیث عائشہؓ :

امام بخاری نے اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق بتہ دی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ تین طلاقیں دیں (اس سے بظاہر یہی معلوم ہوا کہ جیسا کہ بتہ کا لفظ ایک ہی کلمہ ہے۔ اس نے ایک ہی کلمے سے تین طلاقیں دی تھیں)۔ اس کے بعد میں نے عبدالرحمن بن الزبیر قرظیؓ سے نکاح کر لیا، لیکن وہ ناکارہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا شاید تو دوبارہ رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔ جب تک وہ تیری مٹھاس نہ چکھے اور تو اس کی مٹھاس نہ چکھے۔ (بخاری ج ۲، ص ۷۹) اب دیکھئے اس عورت نے دوسرا نکاح کیا، اس لئے تھا کہ پھر پہلے خاوند کے پاس جاسکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ مٹھاس چکھے بغیر نہیں جاسکتی۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اتفقوا علی ان تغیب الحشفة فی قبلها کاف فی ذلک (حاشیہ بخاری) کہ اس پر اتفاق ہے صرف دخول کافی ہے حلال ہونے کے لئے۔ ان زبان درازوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے جو ساری امت کو حلالی مولوی کہہ کر اپنے حرامی ہونے پر مہر لگاتے ہیں۔

۳- حدیث امام حسن بصریؒ :

روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایام ماہواری میں طلاق دے دی تھی۔ بعد ازاں انہوں نے دو طہروں میں دو مزید طلاقیں دینے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپؐ نے فرمایا : ابن عمر تجھے اللہ تعالیٰ نے اس طرح حکم نہیں دیا۔ تو نے سنت سے تجاوز کیا۔

سنت یہ ہے کہ تو طہر کا انتظار کرے، پھر ہر طہر میں طلاق دے۔ پس آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس سے رجوع کر لوں۔ چنانچہ میں نے رجوع کر لیا۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ جب وہ پاک ہو جائے تب تمہارا جی چاہے تو طلاق دے دینا اور جی چاہے تو روک رکھنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمائیے کہ اگر میں نے اسے تین طلاقیں دے دی ہوں تو میرے لئے اس سے رجوع کرنا حلال ہوتا؟ فرمایا نہیں، وہ تجھ سے بائنا ہو جاتی اور گناہ بھی ہوتا۔ (کیونکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ ہے) (طبرانی بحوالہ الاشفاق)

نوٹ: یاد رہے طبرانی کی سند میں شعیب نے براہ راست امام حسن بصری سے اس کو روایت کیا ہے نہ کہ بواسطہ عطاء خراسانی، کیونکہ اس کی دونوں سے ملاقات ہے۔

۴۔ حضرت عبادہؓ:

روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جس نے ہزار طلاقیں دیں فرمایا کہ تین کا تو اسے حق حاصل ہے اور باقی ۹۹۷ عدد ان اور ظلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس پر گرفت فرمائیں، چاہیں تو معاف فرمادیں (طبرانی بحوالہ الاشفاق)

۵۔ حضرت سدید بن غفلہؓ:

روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن بن علیؓ کی ایک بیوی عائشہ خشمیہ نامی تھی۔ امام حسن نے اسے فرمایا: اذہبی فانت طالق ثلاثا جا تجھے تین طلاقیں۔ جب اس کی عدت ختم ہو گئی تو اس کو دس ہزار بھیجے۔ اس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا: متاع قليل من حبيب مفارق۔ امام حسن کو جب یہ بات پہنچی تو وہ رو دیئے اور فرمایا: ”اگر میں نے حضور ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، خواہ ہر پاکی میں یا اکٹھی تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ لَرَا جَعْتُهَا تو میں اس کو واپس کر لیتا (دارقطنی ۳: ۱۳) امام حسنؓ تو زولہ ہے ہیں۔ ان کے پاس اس کے رکھنے کا کوئی جواز

نہیں۔ اس زمانہ میں نہ غیر مقلدین تھے نہ ان کا دفتر الدعوۃ کہ وہ کسی عورت سے پوچھ کر وہاں حاضری دیتے اور شرعی حرام بیوی کو دوبارہ لے جاتے۔

۷۔ حدیث حضرت رکانہؓ :

فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی ہے (چونکہ بتہ میں ایک کی نیت بھی ہو سکتی ہے اور تین کی بھی اور نیت دل میں پوشیدہ تھی) تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تیری نیت اس لفظ سے کتنی طلاقوں کی تھی؟ میں نے کہا ایک طلاق کی۔ آپؐ نے فرمایا کیا خداوند قدوس کی قسم کھا کر یہی کہہ سکتے ہو؟ میں نے خداوند قدوس کی قسم کھا کر یہی کہا۔ آپؐ نے فرمایا پس وہی ہے جو تو نے نیت کی (ترمذی ۱-۲۲۲، ابوداؤد ۱-۳۰۰، وقال ابوداؤد هذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانہ طلق امرأته ثلاثاً لانهم اہل بیتہ وہم اعلم بہ (دارقطنی ۳-۳۲ قال صحیح) اس حدیث پاک سے تو یہ معلوم ہوا کہ اگر طلاق دینے والا زبان پر تین کا لفظ بھی نہ لائے۔ ایسا لفظ لائے جس کی دل میں تین کی نیت ہو سکتی ہو تو بھی تین کی نیت کرنے سے تین ہی واقع ہو جائیں گی۔ پھر جب زبان و قلم پر تین آجائیں تو وہ تین کیوں نہ ہوں گی۔

۷۔ حدیث امام اعظمؒ :

فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک بوڑھا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے علی بن ابی طالبؓ سے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے ڈالے تو ان کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا۔ لوگوں کی اس کے پاس ڈار لگی ہوئی تھی۔ آتے تھے اور اس سے یہ حدیث سنتے تھے۔ میں بھی اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ تم نے حضرت علیؓ سے سنا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے ڈالے تو ان کو ایک کی طرف رد کیا جائے گا؟ میں نے کہا آپؓ نے یہ بات حضرت علیؓ سے کہاں سنی ہے؟ بولا میں تجھے اپنی کتاب نکال کر دکھا دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی

کتاب نکالی۔ اس میں لکھا تھا : بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ تحریر ہے جو میں نے حضرت علیؓ سے سنی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دے ڈالے تو وہ اس سے بائنا ہو جائے گی اور اس کے لئے حلال نہ رہے گی۔ یہاں تک کہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے۔ میں نے کہا تیرا ناس ہو جائے، تحریر کچھ اور ہے اور تو بیان کچھ اور کرتا ہے۔ بولا صحیح تو یہی ہے۔ لیکن یہ لوگ (شیعہ) مجھ سے یہی چاہتے ہیں (بیہقی)

۸۔ حدیث حضرت محمود بن لبیدؓ :

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارہ میں بتایا گیا کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو آپ سخت غصے کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک آدمی نے عرض کیا حضرت! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں (نسائی)۔

حضرات! قرآن و سنت آپ کے سامنے ہے کہ ایک دفعہ تین طلاقیں دینے والا حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ظالم ہے۔ آیات اللہ سے استہزاء کرنے والا ہے۔ اللہ اور رسول اس سے سخت ناراض ہیں۔ اس لئے اللہ و رسول نے اس کے لئے کوئی مخرج نہیں رکھا۔ اس کو دنیا میں یہ سزا دی ہے کہ اس کی بیوی اب جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے اور حقوق زوجیت ادا نہ کرے یہ اس کو دوبارہ نہیں رکھ سکتا۔ اور آخرت میں بھی وہ اس گناہ، ظلم اور آیات الہی سے استہزاء کی سزا کا مستحق ہے۔ مگر ایسے شخص سے غیر مقلد خوش ہے۔ وہ اسے ترغیب دیتا ہے تو نے خدا کی حدیں توڑ دی ہیں، حنفی تجھے پسند نہیں کرتے۔ آخدا کی حدیں توڑنے والے کی پناہ گاہ ہمارا ہی فرقہ ہے، تجھے خدا نے اپنی کتاب میں ظالم کہا، تجھ سے اللہ کا رسول ناراض ہو گیا۔ دل نہ چھوڑ ہمارا فرقہ ہی ظالموں کا ہے۔ جس سے اللہ کا رسول ناراض ہو جائے اسے ہمارے فرقے کے سوا کون قبول کرے گا۔ تو نے اگر اللہ کی آیات کا استہزاء اڑایا ہے تو کیوں

گھبراتا ہے؟ جلدی ہمارے فرقے میں آجا۔ ہمارا تو روز مرہ کا کام ہی اللہ کی آیات سے استہزاء ہے۔ یہ حنفی اللہ و رسول کی باتوں میں آگئے ہیں۔ ان کے ہاں تیرے چھٹکارے کی کوڑی صورت نہیں۔ یہ تجھے وہی سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑیں گے جو اللہ و رسول نے تیرے لئے تجویز کی ہے کہ تیری بیوی حرام ہے، جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ لیکن قربان جائیے ہمارے فرقے کے کہ جس کو اللہ و رسول وہ بیوی نہ دیں ہم دیتے ہیں، کون ہے روکنے والا۔ اے ظالم جاؤ خدا بے شک تم سے ناراض رہے۔ رسول تم سے ناراض رہے، تم میاں بیوی راضی رہو۔ ساری عمر حرام کاری کرو اور ہمارے فرقے کے زندہ باد ہونے کے نعرے لگاتے رہو اور بھی کوئی ظالم حدود اللہ کو توڑنے والا، اللہ و رسول کو ناراض کرنے والا ملے فوراً اس کی رہنمائی کرو کہ اس فرقہ میں آجائے۔ ہاں ایک فقرہ گاتے رہنا کہ مذہب حنفی منزل من اللہ نہیں ہے۔ واہ رے جمالت! تیرا ستیاناس ہو۔ مذہب حنفی کیا ہے؟ اس کی بنیادیں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس ہیں۔ کیا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ منزل من اللہ نہیں؟ کیا حنفیت کی ضد نے تجھے کفر میں تو نہیں دھکیل دیا۔ اجماع منزل من اللہ ہی کی یقینی تشریح ہے۔ اجماع کے مخالف کو اللہ و رسول جہنمی فرماتے ہیں۔ ہائے حنفیت سے عناد نے تجھے جہنم رسید کر ہی دیا اور قیاس منزل من اللہ کی ہی ایسی ظنی تشریح ہے جس پر اللہ کے نبیؐ خوشی سے الحمد للہ پڑھتے ہیں۔ اس کے صواب پر دواجر اور خطا پر ایک اجر کا وعدہ دیتے ہیں۔ اس کا مخالف معزلی، خارجی اور بدعتی ہے۔ اب سوچ کیا تیرا یہ الحاد منزل من اللہ ہے؟ تیرا پوری امت سے شذوذ منزل من اللہ ہے؟ کیا من شذ شذ فی النار کی وعید بھول چکا ہے؟ تیرا یہ جہل مرکب منزل من اللہ ہے، آہ تو نے اپنا دین بھی خراب کیا اور کتنے اور لوگوں کا دین بھی برباد کیا۔ خدا سے ڈر اور توبہ کر۔



غیر مقلدین کی صحابہ کرامؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ اور ائمہ سے بغاوت :

۱- (سیدنا عمر فاروقؓ: عن انس قال کان عمرؓ اذا اتی برجل قد طلق امرأته ثلاثاً فی مجلس او جعه ضرباً و فرق بینہما (ص ۱۱) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس جب کوئی ایسا آدمی لایا جاتا جس نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوئیں تو آپ اس آدمی کی پٹائی کرتے اور ان دونوں میاں بیوی کو الگ الگ کر دیتے۔

۲- عن زید بن وہب ان رجلاً بطالاً کان بالمدينة طلق امرأته الفأ فرجع الی عمر فقال انما کنت لعب فعلاً عمر رأسه بالدرہ و فرق بینہما (ص ۱۲) زید بن وہب سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا تجھے ہزار طلاق، پھر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے تو کھیل کھیل میں ایسا کہا۔ حضرت عمرؓ نے مارنے کے لئے درہ اٹھایا اور دونوں میں جدائی کر دی۔

۳- (سیدنا عثمانؓ) عن معاویہ بن ابی یحییٰ قال جاء رجل الی عثمان فقال انی طلقت امرأتی مائة قال ثلاثاً تحرمها علیک و سبع و تسعون عدوان (ص ۱۳) حضرت معاویہ بن ابی یحییٰ سے روایت ہے کہ ایک مرد حضرت عثمانؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین نے اس کو حرام کر دیا، باقی ستانوے عدوان ہیں۔

۴- (سیدنا علیؓ) عن حبیب قال جاء رجل الی علیؓ فقال انی طلقت امرأتی الفأ قال بانت منك بثلاث و اقسام سائرہا بین نسائك (ص ۱۳) حضرت حبیب سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی۔ آپ نے فرمایا تین طلاق سے وہ تجھ سے جدا ہو گئی، باقی طلاقیں دوسری بیویوں پر تقسیم کر لے۔

۵- عن علیؓ قال اذا طلق البکر واحدة فقد بتھا و اذا طلقھا ثلاثاً

لم تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ۔ حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ جب غیر مدخولہ بیوی کو ایک طلاق دے تو بائن ہو گئی، اور جب اس کو تین طلاقیں دے (جو صرف ایک لفظ سے ہی دی جاسکتی ہیں کہ تجھے تین طلاق) تو اب وہ اس پر حلال نہیں، یہاں تک کہ اس کے غیر سے نکاح کرے۔

۶۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اگر بیوی کو یہ کہا کہ تجھے طلاق بتہ (یعنی ایک ہی کلمہ سے) تو وہ تین طلاقیں شمار ہوں گی۔ (ج ۵، ص ۶۶)

۷۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ بیوی کو کہا تو ضیہ تو ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۶۹)

۸۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ بیوی سے کہا تو البریہ، تو اس ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۶۹)۔

۹۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کسی نے اپنی بیوی کو کہا : اَنْتِ عَلَیَّ حَرَجٌ۔ تو اس ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۷۲)۔

۱۰۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جب اپنی بیوی کو کہا تو مجھ پر حرام ہے تو اس ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۷۲)۔

۱۱۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ کسی نے اپنی بیوی کو کہا تجھے اتنی طلاق جو اونٹ کے بوجھ کے برابر ہو تو اس کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۷۸)۔

۱۲۔ حضرت عمران ابن حصینؓ صحابی رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ فرمایا اس نے اپنے رب کا بھی گناہ کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہو گئی۔ (ایضاً)

۱۳۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ جس نے رخصتی سے پہلے بیوی کو تین طلاقیں دیں (جو ایک ہی کلمہ سے تین طلاق دی جاسکتی ہیں) تو وہ عورت اس مرد پر حرام ہے جب تک کہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (ایضاً)

۱۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے آپ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ تجھے نناوے طلاق۔ اب سب مفتی کہتے ہیں کہ بیوی تجھ پر حرام ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ بیوی تو تین سے ہی حرام ہو گئی اور باقی ساری گناہ ہی گناہ رہیں۔ (ص ۱۲)

۱۵۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس آدمی نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دیں۔ فلا تحل لہ حتی تنکح زوجاً غیرہ۔ اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۲۲)

۱۶۔ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں اگر بیوی کو اپنے اوپر تین طلاق ڈالنے کا اختیار دے دیا اور اس نے اپنے نفس کے لئے تین اختیار کر لیں تو تین ہی طلاقیں واقع ہوئیں۔ (ص ۶۳)

نوٹ : یہ تمام صفحات جو لکھے ہیں یہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد پنجم کے ہیں۔

۱۷۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اپنے رب کا بھی نافرمان ہوا کیونکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا گناہ ہے اور اس کی بیوی بھی اس سے جدا ہو گئی۔

۱۸۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا ہے تجھے سو طلاق، فرمایا تین طلاقوں سے وہ تجھ سے جدا ہو گئی (یہ تو دنیا کی سزا ملی) اور باقی ۹۷ کا حساب تجھ سے اللہ تعالیٰ قیامت کو لیں گے۔ (ص ۱۳)

۱۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا جس نے بیوی کو کہا کہ تجھے نکاح دینے والی طلاق، تو ایک کلمہ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں (ص ۶۶)۔

۲۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جس نے بیوی کو کمانت بریۃ، اس ایک کلمے سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اب وہ کسی اور سے نکاح کے بغیر حلال نہیں۔

۲۱- حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جس نے بیوی کو بائن کہا، اس ایک لفظ سے تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ اب وہ حلال نہیں، جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے (ص ۷۱)۔

۲۲- حضرت مغیرہؓ سے پوچھا گیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو کہا تجھے سو طلاق، فرمایا تین سے وہ حرام ہو گئی، باقی ۹۷ زائد رہیں۔ (ص ۱۳)

۲۳- حضرت محمد بن ایاس بن بکیرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں دیں، پھر اس کا دل چاہا کہ اسی عورت سے نکاح کر لے۔ اب وہ فتویٰ لینے گیا اور میں بھی ساتھ تھا۔ اس نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا۔ دونوں نے کہا اب تیرے لئے حلال نہیں جب تک کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ اس نے کہا میں نے تو ایک ہی دفعہ طلاقیں دی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اب تیرے لئے کچھ نہیں بچا۔ حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم اسی فتویٰ کو لیتے ہیں۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے اور ہمارے عام فقہاء یہی کہتے ہیں، کیونکہ اس نے تین طلاقیں اکٹھی دیں اور اس پر اکٹھی ہی واقع ہو گئیں اور اگر وہ الگ الگ دیتا تو ایسی عورت جس کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی وہ ایک پہلی طلاق سے ہی الگ ہو جاتی اور دوسری اور تیسری طلاق اس پر واقع نہ ہوتی۔ کیونکہ ایسی عورت پر کوئی عدت نہیں۔ تو طلاق کا محل ہی نہ رہی (موطا محمد، ص ۲۵۹)

۲۴- حضرت عطاءؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا تم میں سے ایک آدمی اپنے آپ کو گندگی سے بھر لیتا ہے (کیونکہ تین طلاقیں گناہ ہیں) تو نے اپنے رب کی بھی نافرمانی کی (جس کی سزا تجھے آخرت میں ملے گی اور دنیا میں اس گناہ کی سزا یہ ہے کہ) تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی۔ اب وہ تیرے لئے ہرگز ہرگز حلال نہیں جب تک وہ کسی اور سے نکاح نہ کرے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں ہم اسی کو لیتے ہیں۔ یہی قول امام اعظم

ابو حنیفہؒ کا ہے اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ (کتاب الآثار)

۲۵۔ حضرت مالک بن الحویرثؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا کہ بے شک میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ فرمایا بے شک تیرے چچا نے (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) خدا کی نافرمانی کی (جس کی سزا آخرت میں ملے گی اور دنیا میں بھی) اس پر ایسی ندامت ڈال دی جس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔

۲۶۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہے، اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا تین طلاق سے وہ حرام ہو گئی (یہ دنیا کی سزا ہے اور اکٹھی طلاقیں دے کر) ۹۷ بار مزید تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے استہزاء کیا۔ اس لئے آخرت میں اللہ ہی تجھ سے سمجھے گا۔ (موطا مالک ص ۵۱۰)

۲۷۔ حضرت عنتربہؒ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہی مرتبہ کہا کہ تجھے سو طلاق۔ اب وہ تین طلاق کی وجہ سے مجھ پر حرام ہو گئی ہے یا اس کو ایک ہی طلاق سمجھا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا وہ تین طلاق کی وجہ سے تم سے جدا ہو گئی (یہ دنیا کی سزا ہے) اور باقی ستانوے گناہوں کا بوجھ تم پر باقی رہا (جس کا عذاب آخرت میں ہو گا) (ابن ابی شیبہ ص ۱۳)

۲۸۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ گیارہ سو طلاق۔ فرمایا ان میں سے تین کی وجہ سے وہ تجھ پر حرام ہو گئی (یہ دنیا کی سزا ہے) اور باقی سب کا گناہ اور آیات اللہ سے جو استہزاء کیا اس کا عذاب آخرت میں ہو گا (ص ۱۳)

۲۹۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آدمی کے بارہ میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو کہا تجھے ستاروں کی تعداد کے مطابق طلاق۔ تو آپؓ نے

فرمایا اس بارہ میں رأس الجوزاء ہی کافی ہے۔ (اس ستارے کے تین سینگ ہیں) (مصنف عبدالرزاق)

۳۰۔ امام حکمؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دونوں نے اس شخص کے بارہ میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل ہی (ایک کلمہ سے) تین طلاقیں دی تھیں کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۲۲)

۳۱۔ حضرت معاویہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ نے بھی اس شخص کے بارہ میں یہی فرمایا (جس نے قبل رخصتی اپنی بیوی کو ایک کلمہ سے تین طلاقیں دی تھیں) کہ وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۱۱)

۳۲۔ حضرت محمد بن ایاسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ نے اس شخص کے بارہ میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل ہی (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دیں کہ وہ عورت ہرگز اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (ص ۲۳)

۳۳۔ حضرت عطاءؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کسی مرد نے اپنی ایسی بیوی کو جس کی رخصتی نہیں ہوئی تین اکٹھی طلاقیں دیں۔ اب وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ اور اگر بیوی کو رخصتی سے قبل الگ الگ الفاظ سے کہا تجھے طلاق، طلاق، طلاق۔ تو وہ پہلی طلاق سے ہی بائن ہو گئی (اس پر اب عدت بھی نہیں، اس لئے باقی دو لغو ہو گئیں کہ محل طلاق ہی نہ تھی) (ص ۲۵)

۳۴۔ حضرت منصورؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آدمی کے بارہ میں جس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں طلاق کا اختیار تجھے دیتا ہوں۔ اس بیوی

نے فوراً کہا تین طلاق۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا عورت چوک گئی۔ اگر وہ کہتی مجھے تین طلاق تو تین ہی واقع ہو جاتیں۔ (ص ۵۸)

۳۵۔ حضرت نافعؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے ایک عزیز کو عاصم بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس لائے کہ میرے اس عزیز نے اپنی بیوی کو رخصتی سے قبل ہی طلاق بتہ دے دی ہے۔ آپ دونوں اس بارہ میں کیا کہتے ہیں؟ یا آپ کے نزدیک اس کے لئے اس کے رکھنے کا کوئی طریقہ ہے؟ دونوں نے کہا نہیں، لیکن ہم ابھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس چھوڑ کر آئے ہیں، ان سے پوچھ لو اور واپسی پر ہمیں بھی بتا دینا۔ پس وہ ان کے پاس آئے اور حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اب یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ نے بھی اس کی تائید فرمائی۔ (ج ۵، ص ۶۵)

۳۶۔ حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تھا کہ ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں (اکٹھی) دی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ خاموش رہے۔ میں سمجھا کہ شاید اس کو رجوع کی اجازت دیں گے۔ لیکن آپ نے فرمایا تم حماقت پر سوار ہو کر (اکٹھی تین طلاقیں دے لیتے ہو) پھر آکر کہتے ہو اے ابن عباسؓ! اے ابن عباسؓ! بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی رہائی کی صورت نکال دیتے ہیں۔ بے شک تو اللہ تعالیٰ سے بالکل نہیں ڈرا، اس لئے میں تیرے لئے (اس بیوی کو رکھنے کی) کوئی صورت نہیں پاتا۔ تو نے (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) اپنے خدا کی نافرمانی کر کے (آخرت برباد کر لی) اور بیوی بھی تجھ پر حرام ہو گئی (جس سے دنیا میں برباد ہو کر تو پورا خسار دنیا والاخرۃ کا مصداق بن گیا) (ابوداؤد ۱-۲۹۹، طحاوی ۲-۳۵، بیہقی

۳۷۔ حضرت ابو سلمہؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ دونوں نے اس آدمی کے بارہ میں فرمایا جس نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے ہی تین طلاقیں (ایک ہی کلمہ سے) دے دیں، اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (طحاوی ۲-۳۴)

۳۸۔ حضرت عطاءؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دیں۔ فرمایا تین ہو گئیں اور ۹ زیادتی ہیں۔ (بیہقی ۳۳۷-۷)

۳۹۔ حضرت مقسمؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک آدمی نے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ جب رمضان کا مہینہ آئے تو تجھے تین طلاق۔ اب میں بہت شرمسار ہوں۔ رمضان آنے سے چھ مہینے باقی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا تم اب اس کو ایک طلاق دے دو، تاکہ رمضان سے پہلے اس کی عدت بھی ختم ہو جائے۔ اس کے بعد رمضان گزرنے کے بعد اس سے نکاح کر لینا۔ (بیہقی ۷-۳۱۷)

۴۰۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں میں نے کہا تیرے چچا نے (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) خدا کی نافرمانی کی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو نادم کیا ہے۔ اس نے شیطان کی اطاعت کی ہے۔ اس کے لئے اس بیوی کو رکھنے کی کوئی صورت نہیں۔ (بیہقی ۷-۳۳۷)

۴۱۔ حضرت نافعؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں تین طلاقیں دیں۔ پھر اس نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا (اکٹھی تین طلاقیں دے کر) تو خدا کا بھی نافرمان ہوا، عورت بھی جدا ہو گئی۔ اب وہ تیرے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (عبدالرزاق ۶-۳۱۱)

۴۲۔ حضرت ابو داؤدؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس

عورت کے بارہ میں فرمایا جس کو رخصتی سے پہلے (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دی گئیں۔ اب پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (ایضاً)

۴۳۔ امام حکمؒ روایت کرتے ہیں بیشک حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ تینوں نے فرمایا کہ بیوی کو رخصتی سے پہلے اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں اب وہ اس کے لئے حلال نہیں، یہاں تک کہ دوسرے سے نکاح کرے الگ الگ طلاق، طلاق، طلاق کہے تو وہ پہلی طلاق سے بائن ہو گئی، باقی دو بے محل رہ گئیں۔ (عبدالرزاق ۶-۳۳۶)

۴۴۔ سیدہ عائشہؓ اس آدمی کے بارے میں فرماتی ہیں جس نے بیوی کو کہا تجھے ایک طلاق ہزار جیسی کہ اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں، جب تک دوسری جگہ نکاح نہ کرے۔ (ابن ابی شیبہ ۷۹۰)

۴۵۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ سے اس عورت کے بارہ میں پوچھا گیا جس کو خاوند نے قبل رخصتی (ایک ہی کلمہ سے) تین طلاقیں دے دیں۔ انہوں نے فرمایا اب وہ اس خاوند کے لئے حلال نہیں جب تک اور جگہ نکاح نہ کرے۔ (ابن ابی شیبہ ۲۲-۵)

○ برادران اسلام! یہ فقہاء صحابہ کرام کے فتاویٰ آپ کے سامنے ہیں جس میں بالاتفاق ایک کلمہ ۵ تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا گیا ہے اور دوسرے خاوند سے شادی کئے بغیر کسی نے بھی رجوع یا نکاح کا فتویٰ نہیں دیا۔ کسی ایک صحابیؓ سے بھی اس کا خلاف ثابت نہیں۔ اسی پر سب صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ ایک طرف صحابہ کرامؓ کا اجماع دیکھئے، دوسری طرف غیر مقلدین کے ”الدعوة“ کا جھوٹ کہ یہ صرف فقہ حنفی کا مسئلہ ہے اور اس کا یہ فتویٰ بھی پڑھیں۔ ”غصے میں آکر ہزار طلاق دے دے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ فعل غلط ہے، مگر وہ طلاق ایک ہی ہے۔“ خوف خدا کا ان کے ہاں

کوئی گزر نہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان اجماعی فتاویٰ کے ماننے والوں کو حلالی مولویوں کی پھبتی کس کر اپنے آپ کو مولویوں میں شامل کر رہے ہیں۔ اب تو بعض احباب کی یہ غلط فہمی دور ہونی چاہئے کہ یہ فرقہ صرف ائمہ کرام کا مخالف نہیں، اصل میں صحابہ کرام کا دشمن ہے اور ائمہ کی مخالفت کی وجہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام کے دین کو محفوظ کر لیا۔ صحابہ کرامؓ کے اتنے فتاویٰ کے خلاف ایک آواز بھی نہ اٹھائی گئی۔ آج جو غیر مقلدین یہ آواز اٹھا رہے ہیں یہ کوئی دین اسلام کی خدمت نہیں، بلکہ یہودی لابی کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے کوشاں ہیں کہ اسلامی عدالتوں میں اسلام کے قانون کا جو تھوڑا سا بچا کھچا حصہ ہے اس کو بھی ختم کر دیا جائے۔

○ محقق علی الاطلاق شیخ الاسلام والمسلمین علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں کہ فقہاء صحابہ میں سے ہم اکثر کی نقل صریح پیش کر چکے ہیں کہ وہ تین طلاق کے وقوع کے قائل ہیں۔ اور ان کا مخالف کوئی ظاہر نہیں ہوا۔ اب حق کے بعد باطل کے سوا کیا رہ جاتا ہے؟ اسی بناء پر ہم نے کہا کہ اگر کوئی حاکم یہ فیصلہ دے کہ تین طلاق بلفظ واحد ایک ہوگی تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں، لہذا یہ مخالفت ہے اختلاف نہیں۔ اسی طرح حافظ ابن رجبؒ تحریر فرماتے ہیں : ”جاننا چاہئے کہ صحابہ، تابعین اور ائمہ سلف سے جن کا قول حلال و حرام کے فتویٰ میں لائق اعتبار ہے کوئی صریح چیز ثابت نہیں کہ تین طلاقیں دخول کے بعد ایک شمار ہوں گی جب کہ ایک لفظ سے دی گئی ہوں۔“

اس مختصر مضمون میں زیادہ کی گنجائش نہیں، ورنہ امام زہریؒ، امام حسن بصریؒ، امام ابن سیرینؒ، امام ابراہیم نخعیؒ، علامتہ التابعین امام شعبیؒ، امام طاووسؒ، امام عطاءؒ، امام قتادہؒ سب فقہاء تابعین کے فتاویٰ مصنف ابن ابی شیبہ جلد پنجم میں موجود ہیں کہ ایک دفعہ کی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں اور فقہائے تابعین میں سے کسی ایک نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی، جس سے ثابت ہو گیا کہ تابعین اور تبع تابعین کا بھی اسی پر

اجماع تھا اور امام نووی نے صراحت فرمائی ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ کا بھی اسی پر اجماع ہے۔

غیر مقلدین کا پہلا خداع :

ایک شاذ روایت مسند احمد میں سعد بن ابراہیم عن محمد بن اسحاق، داؤد بن الحصین عکرمہ کی سند سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رکائے نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد ان کو سخت غم لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا : تو نے کیسے طلاق دی تھی؟ اس نے کہا ایک مجلس میں طلاق، طلاق، طلاق کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب ایک ہے تو اس سے رجوع کر لے۔ چنانچہ رکائے نے رجوع کر لیا۔ (مسند احمد ۱-۲۶۵، بیہقی ۷-۳۳۹)

یہ وہ شاذ روایت ہے جس پر الدعوة والے کو بڑا ناز ہے۔ یہ ایسا ناز ہے جیسے قادیانی متواتر حدیث ”لا نبی بعدی“ کے خلاف سیدہ عائشہؓ کی طرف منسوب شاذ قول قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدہ پر ناز کرتے ہیں۔ یا جیسے روافض وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فی ولایۃ علی کے آخری شاذ جملے پر ناز کرتے ہیں، لیکن پیتل کا ناز سونے کے مقابلے میں کیا؟ انجام منہ کالا ہے۔

۱۔ اس کے پہلے راوی امام احمد ہیں۔ کاش اس غیر مقلد میں ذرہ بھر بھی خدا کا خوف ہوتا تو بتاتا کہ امام احمد اس مسئلے کو ہرگز نہیں مانتے۔ چنانچہ انہوں نے جو خط مسدود بن مسرہ کو لکھا اس میں تحریر فرماتے ہیں : ”اور جس نے تین طلاقیں ایک لفظ میں دیں اس نے جہالت کا کام کیا اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی اور وہ اس کے لئے کبھی حلال نہ ہوگی، یہاں تک کہ دوسری جگہ نکاح کرے۔“ (الاشفاق) اگر یہ بیوی خدا کے ہاں حلال تھی اور امام احمد نے حرام کر دی تو کیا آپ ان کو احبار و رہبان میں شامل کریں گے؟

۲۔ ”الدعوة“ والے نے اس شاذ روایت پر بیہتی کا حوالہ بھی دیا ہے، لیکن خدا کا خوف اس کے قریب بھی نہیں پھٹکا۔ امام بیہتی اس کے بعد فرماتے ہیں : ”یہ سند ہرگز حجت نہیں، کیونکہ آٹھ ثقہ راویوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کے خلاف روایت کیا ہے (ثقات کے مخالف اگر کوئی ثقہ راوی ہو تو بھی روایت شاذ و مردود ہوتی ہے اور جب ثقات کے مخالف کذاب اور بدعتی کوئی شاذ قراءت بیان کرے، جیسے :
یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک فی ولایة علی والائمة (در منشور) کا آخری فقرہ۔ ایسی شاذ روایت کوئی کذاب اور اہل بدعت ہی قبول کر سکتا ہے۔ پھر امام بیہتیؒ فرماتے ہیں اس روایت کے شاذ مردود ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ”اولاد رکانہ“ نے اس کے خلاف روایت کیا ہے کہ رکانہؒ نے ایک طلاق دی تھی۔ لیجئے ساری بنیاد ہی ختم ہو گئی۔“

۳۔ امام ابو داؤد نے بھی یہی فرمایا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ رکانہؒ نے ایک طلاق دی تھی۔ رکانہؒ کے خاندان والے یہی بتاتے ہیں اور ایسے حالات خاندان والوں کو ہی صحیح یاد ہوتے ہیں، لیکن الدعوة والا شاید کہہ دے کہ رکانہؒ کا خاندان منزل من اللہ نہیں ہے۔

۴۔ دوسرا راوی سعد بن ابراہیم ہے۔ یہ گانا گانے والا تھا۔ حتیٰ کہ حدیث سنانے سے پہلے گانا گاتا اور ساز کے ساتھ۔ دیکھئے الدعوة والے بھی ہر درس حدیث گانے بجانے سے شروع کرتے ہیں یا نہیں۔ میزان الاعتدال کے ایک نسخہ میں تو یہ ہے کان یجید الغناء۔ بہت اچھا گاتا تھا۔ ایک نسخہ میں ہے یجیز الغناء دوسروں کے لئے بھی گانا جائز جانتا تھا۔

۵۔ اس سند کا اگلا راوی محمد بن اسحاق ہے، جسے امام مالکؒ نے دجال کہا۔ عروہؒ نے کذاب کہا۔ یہ تقدیر کا منکر تھا، اس پر اس کو سزا بھی ملی۔ تشیع کی طرف بھی مائل تھا۔ تدلیس بھی کرتا تھا۔ کسی حرام، حلال کے مسئلے میں تو کوئی محدث اس کی حدیث قبول

نہیں کرتا۔ اگر یہ منفرد ہو، اس کی حدیث بالاتفاق مردود ہے۔ یہاں یہ منفرد ہی نہیں بلکہ دوسری صحیح حدیث کے مخالف اور عبداللہ بن عباسؓ کے متواتر فتویٰ کے خلاف روایت کر رہا ہے۔ اس لئے اس کی روایت قطعاً منکر ہے۔ ہاں الدعویٰ والوں کے ہاں منزل من اللہ۔

۶۔ اس کا استاد داؤد بن الحصین ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں عکرمہ سے منکر احادیث روایت کرتا ہے۔ یہ مذہباً خارجی بھی تھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ حدیث بھی عکرمہ سے ہی ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے بھی اس کو مناکیر میں ہی ذکر کیا ہے۔ (میزان الاعتدال)

۷۔ اس کا استاد عکرمہ ہے۔ یہ بھی خارجی تھا۔ اس کو عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادہ ٹٹی خانہ کے پاس باندھ دیتے اور فرماتے یہ کذاب خبیث میرے باپ پر جھوٹ بولتا ہے۔ (عجیب بات ہے کہ یہ بھی اس نے ابن عباسؓ پر جھوٹ ہی بولا ہے) امام سعید بن المسیبؒ، امام عطاءؒ، امام ابن سیرینؒ سب اس کو جھوٹا کہتے ہیں۔ یہ خارجی مذہب کا تھا، کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مقابلات نازل کر کے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ حاکم مدینہ نے اس کی طلبی کا حکم دیا تو یہ اپنے خارجی شاگرد داؤد بن الحصین کے پاس روپوش ہو گیا اور وہیں مر گیا۔ لوگوں نے اس کا جنازہ بھی نہ پڑھا (میزان الاعتدال ۳-۹۶)۔

۸۔ آخر میں یہ عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب ہے، جن سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ تین طلاقیں واقع ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔ اس شاذ بلکہ منکر روایت کو منزل من اللہ سمجھ کر کتاب و سنت اور اجماع سے بغاوت کرنا کہاں کا دین ہے۔

۹۔ جب حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی دوسری صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ کی قسم میری نیت ایک طلاق کی تھی تو اس کو بھی اس کے موافق کیوں نہ کر لیا جائے۔ ان دو فقروں میں غور فرمائیے۔ ایک آدمی کہتا ہے تین سانپ۔ وہ کبھی یہ قسم نہیں کھا سکتا کہ میری مراد

ایک سانپ تھا۔ ہاں دوسری جگہ دو سرا آدمی شور مچا رہا ہے سانپ سانپ سانپ۔ تو اس سے پوچھا جاسکتا ہے کہ بھی کتنے سانپ ہیں۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ ایک سانپ ہے۔ باقی تو میں تاکید کے لئے بول رہا ہوں۔ اب کوئی یہ نہیں کہے گا کہ اس نے تین سانپوں کو ایک کر دیا، بلکہ یہی کہا جائے گا کہ اس نے ایک ہی سانپ کے بارے میں تاکید کے لئے بار بار کہہ دیا۔ اس طرح حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ اگر کہتے تھے تین طلاق تو وہ بھی کبھی قسم نہ کھاتے کہ ایک طلاق مراد ہے۔ ہاں انہوں نے اتنا کہا کہ طلاق طلاق طلاق۔ اب ان سے پوچھا جاسکتا تھا کہ مراد کتنی طلاق ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ ایک طلاق مراد ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو ایک قرار نہ دیا، بلکہ ایک کو ہی ایک قرار دیا۔ اس شاذ و منکر روایت کو لے کر تین طلاقوں کو ایک کرنا اور حرام کو حلال کہنا اور ساری عمر کے لئے ان کو حرام کاری کی چھٹی دینا واقعی کسی حلالی کا کام نہیں ہو سکتا۔

غیر مقلدین کا دوسرا دھوکہ :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے ایک ایسے معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا ہے جس میں ان کے لئے سوچ بچار کی گنجائش تھی۔ پس اگر ہم ان تین طلاقوں کو ان پر نافذ کر دیں تو انہوں نے تین طلاق کو نافذ قرار دیا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۸۴)

۱۔ اس قول میں تین طلاق سے کیا مراد ہے؟ اگر ہر قسم کی تین طلاقیں مراد ہوں تو پھر تو جس نے تین طہر میں تین طلاقیں دیں وہ بھی ایک شمار ہوں گی۔ اس کو غیر مقلد بھی نہیں مانتے۔ اس لئے غیر مقلدوں سے ہمارا یہی سوال ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں تین طہروں میں دیں۔ اس کے بعد پھر اپنی بیوی کو بغیر حلالہ شرعی کے رکھ لیا اور اسی قول کو وہ پیش کرتا ہے تو اس کو آپ کیا جواب دیں گے؟

۲- الدعوة والوں نے اکٹھی تین طلاقیں جو ترجمہ کیا ہے یہ کس لفظ کا ہے؟ نہ ہی اس میں ایک مجلس کا لفظ ہے، نہ ہی تین کا۔

۳- اکٹھی تین طلاقیں دینا اللہ تعالیٰ کی آیات سے استہزاء ہے۔ اللہ کے رسول کی ناراضگی ہے۔ کیا صحابہ کرامؓ بلا روک ٹوک دور نبوت، دور صدیقی اور دور فاروقی کے ابتدائی دو سالوں میں یہ گناہ کرتے رہے اور بدعی طلاق دے کر بدعتی بنتے رہے؟ صحابہ کرامؓ کے بارہ میں یہ نظریہ روافض کا تو ہے۔ کیا غیر مقلدین کا بھی ہے؟

۴- زید کو ایک مفتی نے یہ سنایا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں۔ اس نے اپنی بیوی کو کہہ دیا تجھے ۹ طلاق۔ اب زید اور مفتی صاحب میں جھگڑا ہے۔ زید کہتا ہے کہ یہ تین ہیں۔ مفتی صاحب کو حساب نہیں آتا۔ مفتی کہتا ہے ایک ہے۔ زید کہتا ہے کہ ۹ کے ایک ہونے کی حدیث دکھاؤ۔ آپ وہ حدیث دکھائیں۔

۵- زید کو مفتی غیر مقلد نے یہ حدیث سنائی کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں۔ زید نے ایک طلاق صبح، ایک دوپہر اور ایک شام کو دے دی۔ غیر مقلد مفتی کہتا ہے کہ یہ ایک ہے۔ زید کہتا ہے کہ صریح حدیث سناؤ کہ تین الگ الگ مجالس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔ آپ وہ حدیث پیش کریں۔

۶- زید نے ایک طلاق پیر کو، دوسری منگل کو، تیسری بدھ کو دی۔ کوئی ایسی حدیث پیش فرمائیں کہ تین دن میں الگ الگ دی گئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔

۷- زید نے ایک طلاق پہلے ہفتے، دوسری دوسرے ہفتے اور تیسری تیسرے ہفتے دی۔ وہ کہتا ہے کہ ایسی حدیث دکھاؤ کہ تین ہفتوں میں الگ الگ دی ہوئی تین طلاقیں ایک ہوتی ہیں۔

۸- زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق اس طہر میں دی جس میں وہ دو مرتبہ صحبت کر چکا تھا اور طلاق دینا حرام تھی۔ بیوی کو گھر سے نکال دیا۔ وہ اپنے ماموں کے ہاں چلی گئی۔ ایک ماہ بعد زید نے اس کو دوسری طلاق بھیجی۔ وہ اس وقت حائضہ تھی۔ اس کے بعد

جب تیسری طلاق بھیجی اس وقت بھی وہ حائضہ تھی۔ اس کے بعد دو سال گزر گئے۔ وہ ایک مفتی صاحب کے پاس گیا اس نے کہا کہ تینوں طلاقیں حرام تھیں، ایک بھی واقع نہیں ہوئی۔ اب وہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں۔ اگر یہ فتویٰ درست ہے تو بھی صریح حدیث پیش فرمائیں اور غلط ہے تو بھی صریح حدیث سے جواب ارشاد فرمائیں۔

۹۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت کے ابتدائی دور میں متعہ کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہمیں اس سے منع فرمادیا۔ اہل حدیث عالم کہتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں جواز متعہ پر سب صحابہ کا اجماع تھا۔ حضرت عمرؓ کا روکنا ایک سیاسی حکم تھا، کوئی شرعی حکم نہیں تھا۔ اس لئے ابن عباس وغیرہ نے ان سے اختلاف کیا اور پہلے اجماع پر قائم رہے۔ اس لئے یہ جواز متعہ پر صحابہ کا اجماع ہے اور یہی اصل حکم شرعی ہے۔ تو اس عالم کا یہ فتویٰ درست ہے یا نہیں؟ بہر دو صورت صریح صحیح دلیل بیان کریں؟

۱۰۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاق کے بعد خدا و رسول کے نزدیک بیوی خاوند کے لئے حلال تھی۔ حضرت عمرؓ نے خدا و رسول کے حلال کو حرام قرار دے دیا۔ خدا کے حلال کو حرام قرار دینے والے احبار و رہبان یہود کو قرآن نے ”ارباباً من دون اللہ“ کہا ہے یا خلفائے راشدینؓ کو جواب قرآن حدیث سے دیں قیاس سے نہ دیں۔

۱۱۔ کیا صدر مملکت کو حق ہے کہ سیاسی ضرورت کے ماتحت خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے؟

۱۲۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ اعلان فرمایا تو کتنے صحابہ کرام اللہ و رسول کے حکم پر قائم رہے اور کتنوں نے اللہ و رسول کو چھوڑ کر عمرؓ کی شریعت کو مان لیا؟ جواب صحیح

سندوں سے دیں۔

- ۱۳۔ حضرت عمرؓ کے بعد دور عثمانی میں کتنے صحابہ کرام اللہ و رسول کے ارشاد پر فتویٰ دیتے تھے اور کتنے حضرت عمرؓ کے قول پر خود حضرت عثمانؓ کس کے ساتھ تھے؟
- ۱۴۔ حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا اپنا فتویٰ اور ان کے مفتیوں کا فتویٰ اللہ و رسول کی شریعت پر رہا یا عمر کی؟

۱۵۔ اہلسنت والجماعت کے چاروں امام اللہ و رسول کی شریعت پر فتویٰ دیتے رہے یا اس مسئلہ میں عمرؓ کی شریعت پر؟ ہمیں یقین ہے کہ الدعویہ والے ہرگز ہرگز ان سوالات کا جواب صرف قرآن و حدیث سے نہیں دے سکیں گے۔ کیونکہ اس شاذ قول کا جو مطلب غیر مقلد لیتے ہیں اس کے بعد صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ کے بارہ میں وہی ذہن بنتا ہے جو روافض کا ہے۔ خود ابن عباس کا بھی متواتر فتویٰ اس شاذ قول کے خلاف ہے۔ الغرض روافض اور غیر مقلدین نے تو اس شاذ قول کا ایسا مطلب بیان کیا ہے جس سے ائمہ و صحابہ کرام بلکہ خلفائے راشدین تک پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے اعتراضات اور سیاسی اغراض کے لئے احکام شرعیہ سے خروج ثابت ہوتا ہے۔

العیاذ باللہ۔

○ ہاں اہلسنت والجماعت جو خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کو معیار حق مانتے ہیں۔ قرآن پاک، احادیث متواترہ اور اجماع قطعی کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کی عظمتوں کا نقش ان کے دلوں میں ثبت ہے۔ وہ ایسے شاذ اقوال کی یا تو تاویل کرتے ہیں یا رد کرتے ہیں۔

۱۔ اس شاذ قول کا مدار طاؤس پر ہے۔ امام حسین بن علی الکرایمی اپنی کتاب ”ادب القضاء“ میں فرماتے ہیں : اخبرنا علی بن عبد اللہ المدینی عن عبد الرزاق عن معمر عن طاؤس انه قال من حدثك عن طاؤس انه كان يروي طلاق الثلاث واحدة كذبه (الاشفاق) یعنی طاؤس نے خود

فرمایا کہ جو یہ کہے کہ طاؤس ایسی روایت کرتا ہے کہ تین طلاقیں ایک ہیں، اس کو جھوٹا جان۔ جب طاؤس نے خود ہی اس شاذ قول کو جھٹلادیا تو اس کو الد عوۃ والوں کے سوا کون قبول کر سکتا ہے جن کی فطرت ہی جھوٹ پسند ہے۔

۲۔ اس شاذ قول کا دوسرا کردار ابوالصہبہ ہے۔ یہ اگر مولیٰ بن عباس ہے تو ضعیف ہے، جیسا کہ نسائی نے کہا اگر دوسرا ہے تو مجہول۔ آخر حرام کاری کے بیوپاریوں کے پاس کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع صحابہ اور ابن عباس کے متواتر فتویٰ کے خلاف ضعیف اور مجہول راویوں کے شاذ قول کے سوا ہو بھی کیا سکتا ہے؟ بے چاروں کا اوڑھنا بچھونا ہی شاذ اقوال کے سہارے ہے۔ اور کتاب و سنت اور صحابہ کرامؓ سے بغاوت ہے۔

۳۔ ابوالصہبہ کے ان الفاظ پر بھی غور فرمائیں وہ ابن عباسؓ سے کہتے ہیں: ہات من ہناتک، یعنی اپنی قابل نفرت اور بری باتوں سے کچھ سنائیے تو ابن عباس یہ قول سنا دیتے ہیں جو ان کے نزدیک فبیح مردود اور قابل نفرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عباسؓ فتویٰ ہمیشہ اس کے خلاف ہی دیتے رہے جو قول ابن عباسؓ بلکہ سب صحابہ کے ہاں فبیح اور قابل نفرت ہے۔ اس کو اگر غیر مقلد قبول نہ کریں تو اور کون کرے گا؟ ان بے چاروں کے دسترخوان پر یہی کچھ ملتا ہے۔ ایسے شاذ اور قابل نفرت اقوال کے سہارے صحابہ کرام کو شریعت کا مخالف قرار دینا ایسی ہی شاذ پسند طبیعتوں کا کام ہے جو من شدذ فی النار سے نہیں ڈرتے۔

۴۔ امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ امام ابو بکر بن ابی شیبہؒ پھر امام ابو داؤد اور امام بیہقی نے اس قول میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ یہ اس عورت کے بارہ میں ہے جس کی رخصتی نہیں ہوئی۔ امام نسائی نے بھی اس پر یہی باب باندھا ہے اور ایسی عورت کے بارہ میں خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی وضاحت ابن ابی شیبہؒ ۵-۲۵ پر موجود ہے کہ اگر اس کو یوں کہا جائے تجھے طلاق، طلاق، طلاق، تو اس کو ایک ہی طلاق پڑتی ہے۔

(اس صورت میں دوبارہ نکاح بغیر حلالہ شرعی کے جائز ہے اور سوچ بچار کی کنجاش ہے) اور اگر یوں اس کو تین طلاقیں دی جائیں کہ تجھے تین طلاق، تو اس سے تین طلاقیں ہی واقع ہو جاتی ہیں۔ اب بغیر حلالہ شرعی کے اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ جلد بازی ہے جس میں سوچ بچار کا کوئی موقع نہیں رہتا۔

☆ اب اس شاذ قول کا مطلب یہ بنا کہ رسول پاک ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں اگر رخصتی سے پہلے کوئی طلاق دیتا تو وہ یوں کہتا طلاق، طلاق، طلاق۔ اس سے اس کو ایک ہی طلاق واقع ہوتی۔ بعد میں سوچ بچار کر کے نکاح کر سکتے تھے۔ اس کا حکم آج تک یہی ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں کثرت فتوحات سے بہت سے نو مسلم ہوئے، بہت سی لونڈیاں آئیں۔ نکاح طلاق کی کثرت ہو گئی تو بعض ناواقف لوگوں نے رخصتی سے قبل طلاق میں جلد بازی سے کام لینا شروع کر دیا۔ اور ان کو یوں طلاق دینے لگے تجھے تین طلاق۔ اب تینوں طلاقیں پڑ گئیں اور وہ حرام ہو گئی۔ بغیر حلالہ کے اب نکاح نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اعلان فرما دیا کہ جلد بازی کا طریقہ جو ہے اس کا حکم یہی ہے کہ تین طلاق نافذ ہو جاتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ یا کسی بھی صحابی یا تابعی نے کوئی حکم شرعی نہیں بدلا۔ صرف طلاق دینے والوں نے طلاق کا طریقہ بدلا۔ جو پہلا طریقہ تھا اس کا آج بھی وہی حکم ہے۔ جو بعد والا طریقہ تھا اس کا پہلے بھی وہی حکم تھا۔ اب نہ کسی خلیفہ راشد پر اعتراض اور نہ ہی کسی صحابی پر۔

○ ہاں یہ بات ثابت ہو گئی کہ غیر مقلدوں نے یقیناً حکم شرعی بدل ڈالا اور حرام کو حلال کیا۔ یہی کام یہود کے احبار و رہبان کرتے تھے اور یہود ان کے کہنے سے خدا کے حرام کردہ کو حلال سمجھ لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ یہود ان کو اربابا من دون اللہ مانتے ہیں۔ اب بھی غیر مقلدین کی ہر مسجد اور ہر رسالے کے دفتر میں غیر مقلدین کے رب بیٹھے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کرتے ہیں۔ ان کو جھوٹ کہہ کہہ کر

تین طلاقیں واقع نہیں ہونیں۔ سَمْعُونُ لِلْكَذِبِ کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اور ان سے اس حرام کاری کی دلالی کی فیس وصول کر کے اِکْلُونِ لِلْسَّحْتِ سے اپنے پیٹ کا جہنم بھرتے ہیں۔ آہ! ان لوگوں نے کتنی عصمتوں کو تار تار کرایا، کتنے ایسے جوڑے ہیں جو ساری عمر حرام کاری کر کے اپنی اور ان کی قبروں کو جہنم کے گڑھے بنا رہے ہیں۔ حرام کاری کا ایک دلال مجھے کہنے لگا اصل بات تو یہی ہے کہ وہ عورت حرام ہے، لیکن اگر فتویٰ نہ بھی دیں تو بھی لوگ اسی طرح اکٹھے رہتے ہیں۔ ہم فتویٰ دے کر کچھ فیس لے لیتے ہیں۔ میں نے کہا اگر تم حکم شرعی بدل کر فتویٰ نہ دیتے وہ پھر اکٹھے رہتے تو یقیناً گنہگار ہوتے اور اپنے کو گنہگار سمجھ کر ہی گناہ کرتے۔ گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا گناہ ہی ہے۔ مگر آپ کے فتویٰ کے بعد وہ اس ساری عمر کے گناہ کو حلال سمجھ کر کر رہے ہیں، جس سے ایمان ہی رخصت ہو جاتا ہے، مگر غیر مقلدین کو ایمان کی کیا پرواہ؟ الحاصل تین طلاق کے مسئلہ میں نہ ان کے پاس قرآن ہے، بلکہ ان کا مسئلہ قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ ”الطلاق مرتان“ میں قرآن دو طلاقوں کو دو ہی کہتا ہے۔ جب دو دو ہیں تو تین تین ہی ہیں، مگر انہوں نے الطلاق مرتان کا مطلب یہ نکالا ہے کہ دو طلاقیں ایک ہیں، یہ بالکل جھوٹ ہے۔ قرآن کا انکار ہے، ان کے پاس صرف قیاس ہے کہ جب اس نے غلط طریقے سے طلاقیں دیں تو وہ واقع نہ ہوں، مگر ان کا قیاس قرآن کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی فرمایا کہ جس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ وہ خدا سے نہ ڈرا، اب اس کے لئے کوئی صورت اس ندامت سے نکلنے کی نہیں۔ یہ جب ہو گا کہ تینوں کو نافذ مانا جائے۔ غیر مقلدین کا یہ قیاس قرآن کے بھی خلاف ہوا اور وہ احادیث جو اوپر درج ہو چکیں اور اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہوا اور امام طحاوی نے ثابت کر دیا کہ ان کا یہ قیاس بھی غلط ہے، کیونکہ روافض کہتے ہیں جس طرح نکاح غلط طریقے سے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً عورت کسی کی عدت میں ہو اور نکاح کرے تو نکاح نہ ہو گا۔ اسی طرح طلاق بھی غلط طریقے سے نافذ نہ ہو گی۔ امام

طحاویؒ فرماتے ہیں کہ یہ قیاس نصوص کے بھی خلاف ہے۔ حیض میں طلاق دینا گناہ ہے، مگر طلاق نافذ ہو جاتی ہے۔ ایسی پاکی میں طلاق دینا جس میں حقوق زوجیت ادا کر چکا ہو حرام ہے، مگر نافذ ہو جاتی ہے۔ جس طرح تمہارا قیاس نصوص کے خلاف ہے اسی طرح خود بھی غلط ہے۔ دیکھو نماز میں داخل ہونے کے لئے صحیح طریقہ سے داخل ہونا ضروری ہے کہ نماز کی شرائط مکمل ہوں، پھر نماز میں تحریمہ کہہ کر داخل ہو۔ لیکن نماز سے نکلنے کے لئے اگر صحیح طریقے سے نکلے گا سلام پھیر کر تو بھی یقیناً نماز سے نکل گیا اور کوئی گناہ نہ ہوا، لیکن اگر سلام کی بجائے بول چال شروع کر دی، اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا، کچھ کھانا پینا شروع کر دیا تو بھی یقیناً نماز سے نکل گیا۔ ہاں ساتھ گناہ بھی ہوا۔ اسی طرح اگر طلاق صحیح طریق سے دی تو ایسا ہی ہے جیسے شرعی طریقہ سے نماز سے نکل گیا۔ اور اگر طلاق غیر شرعی طریقے سے دی تو بھی طلاق ہو گئی۔ مگر ساتھ گناہ بھی ہوا، جیسے غیر شرعی طریقے سے نماز سے نکلنے والے کو گناہ ضرور ہوا مگر نماز سے نکل گیا۔ بہر حال غیر مقلدین کا یہ مسئلہ کہ شرعی طلاق ایک نافذ ہوتی ہے اور باقی دو نافذ نہیں ہوتیں، نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، نہ کسی صحابی کا مسلک نہ مجتہد کا۔ یہود کے احبار و رہبان کی طرح خدا و رسول سے بغاوت کر کے ان لوگوں نے شریعت کے حرام کو حلال کر رکھا ہے۔

نوٹ : ان شاذ اقوال کے سہارے کے لئے ایک اور جھوٹی کہانی گھڑی گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر ندامت ہوئی تھی۔ اس کا گھڑنے والا خالد بن یزید ہے۔ امام ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ اپنے باپ پر ہی جھوٹ نہ بولتا تھا بلکہ صحابہ کرام پر بھی جھوٹ بولتا تھا (میزان الاعتدال ۱-۶۴۵) آخر حرام کاروں کو حرام کاری کے لئے ایسے کذابوں کے سہارے ہی ملیں گے۔

حلالہ شرعی :

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حلال نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ وہ عورت (عدت کے بعد) دوسرے شوہر

سے نکاح (صحیح) کرے (اور نکاح کے بعد دو سرا شوہر اس سے صحبت کرے، پھر مرجائے یا از خود طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے تب یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی۔ اور وہ اس سے دوبارہ نکاح کر سکے گا) یہ حلالہ شرعی ہے۔

○ تین طلاق کے بعد عورت کا کسی سے اس شرط پر نکاح کر دینا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا یہ شرط باطل ہے، اور حدیث میں ایسا حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ تاہم ملعون ہونے کے باوجود اگر دو سرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت کے بعد عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ اور اگر دوسرے مرد سے نکاح کرتے وقت یہ نہیں کہا گیا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا، لیکن اس شخص کا اپنا خیال یہ ہو کہ وہ عورت کو صحبت کے بعد فارغ کر دے گا۔ تو یہ صورت موجب لعنت نہیں۔ اسی طرح اگر عورت کی نیت ہو کہ وہ دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کر کے پہلے شوہر کے گھر میں آباد ہونے کے لائق ہو جائے گی تب بھی گناہ نہیں۔ ہاں بغیر دوسرے خاوند سے نکاح کئے وہ عورت پہلے مرد پر قطعاً حرام ہے۔

○ غیر مقلدین نے اس حرام کاری کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ وہ تین طلاق کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کئے بغیر پہلے مرد کے سپرد کر دیتے ہیں، جو قرآن و سنت اور اجماع امت کے مطابق بالکل حرام ہے۔ آج اکثر جو لوگ غیر مقلد بن رہے ہیں وہ اسی لئے کہ مذاہب اربعہ میں اس حرام کاری کی کوئی گنجائش نہیں اور ان غیر مقلدین کے ہاں یہ ساری عمر کی حرام کاری پیشے کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ حرام کاری کے یہ دلال حلالہ کے خلاف خوب زور لگا رہے ہیں۔ تاکہ ہمارے کاروبار حرام کاری پر پردہ پڑا رہے۔ انہیں اگر باشرط حلالہ سے انکار ہے تو اس شرط کو احناف بھی ناجائز اور موجب لعنت کہتے ہیں۔ فقہ حنفی کو گالیاں دینے والے کیا اس کا جواز فقہ حنفی سے نکال سکتے ہیں۔ اور اگر وہ اس شرط والے حلالہ کے مخالف ہیں تو کیا وہ بلا شرط حلالہ کرواتے ہیں۔ ا کے کتنے سنٹر انہوں نے کھولے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے باوجود لعنت کرنے کے ان کو

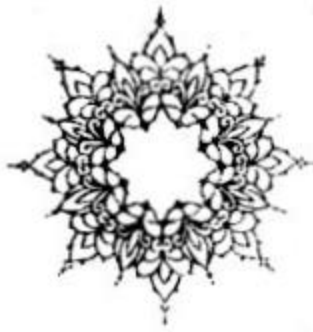
حلال کرنے والا فرمایا، حرام کرنے والا نہیں فرمایا اور جس کے لئے حلال کی گئی فرمایا، اس کے لئے حرام کی گئی نہیں فرمایا۔ غیر مقلدو! کتاب و سنت سے بغاوت کر کے کب تک شریف گھرانوں کو ساری عمر حرام کاری پر لگائے رکھو گے۔ الدعوۃ میں یہ بھی تو مانا ہے، البتہ یہ طے کئے بغیر اگر وہ خاوند اپنی مرضی سے طلاق دے، تب پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔ اور یہی طریقہ قرآن میں جائز ہے۔ تم نے کہاں اس طریقے پر عمل کرایا۔ تم تو قرآن کے اس جائز طریقے کو توڑ کر ساری عمر کی حرام کاری پر لگا رہے ہو۔

○ اس مسئلہ میں یہ بغاوت تو قرآن و سنت اور صحابہ کرام اور ائمہ اربعہ سے کر رہے ہیں، مگر شور مچاتے ہیں کہ اللہ نے کسی متعین فقہ کے ماننے کا حکم نہیں دیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کسی متعین فقہ کے ماننے سے منع فرمایا ہو تو وہ آیت یا حدیث ضرور پیش کریں۔ یہ دلائل نہیں، آپ کی بوکھلاہٹ کے آثار ہیں۔ آپ کے بڑے بھائی اہل قرآن بھی اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عربی قرآن نازل کیا تھا۔ یہ جو صحاح ستہ کے نام سے چھ عجمی قرآن بنائے گئے ان کے ماننے کا کہیں اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ اس فرقے کا حال یہی ہے کہ دلائل سے خالی ہونے کی وجہ سے اپنی پریشانی کو چھپانے کے لئے فقہ کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حلالہ کی شرط باطل ہے اور متعہ بھی حرام ہے، لیکن یہ لوگ جو بغیر دوسرے نکاح کے عورت کو پہلے مرد کے سپرد کر دیتے ہیں، یہ ان دونوں سے بڑا گناہ اور حرام ہے۔ ساری عمر کا گناہ اور ناجائز اولاد اتنے بڑے حرام پر عمل کرنا اور شرط حلالہ کے خلاف شور مچانا ایسا ہی ہے کہ کوئی بدکار عورت برسرِ عام زنا میں مشغول ہو اور کسی گھر ہستن کو گالیاں دے رہی ہو کہ بڑی بے شرم ہے، دوپٹہ سرک گیا ہے اور اس کا کان غیر محرم کو نظر آ گیا ہے۔ یہی حال ان حضرات کا ہے۔ کبھی اپنے حرام کاروں کو یہ کہہ کر تسلی دیتے ہیں کہ حلالہ سے بے حیائی اور بے شرمی پھیلے گی۔

○ یہ ایسے ہی ہے جیسے بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اگر چوروں کے ہاتھ کاٹنے

کی حد نافذ ہو گئی تو سارا ملک ٹنڈا ہو جائے گا۔ اصل بے شرمی اور بے حیائی کی ذمہ داری تو ان پر ہی عائد ہے جو بغیر دوسرے نکاح کے بیوی واپس کر دیتے ہیں۔ اس سے لوگوں میں تین طلاقیں دینے کی جرأت بڑھی ہے اور حرام کاری عام ہو گئی ہے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ ایک آدمی کو کہیں کہ قرآنی حکم کے مطابق دوسرے نکاح کے بغیر یہ (بیوی) تجھے نہیں مل سکتی اور اس عورت کا دوسرا نکاح ہو جائے تو اس ایک واقعہ کے بعد سالوں تک کوئی تین طلاق کا نام نہ لے گا۔ جس طرح چوروں پر حد نہ لگا کر چوروں کی جرأت بڑھائی گئی ہے اسی طرح اس مرد کو یہ سزا معاف کر کے مریض دلوں کو تین طلاقیں دینے کی آپ لوگوں نے جرأت دلائی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے تمام فتنوں کے شر سے محفوظ فرمائیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مجلة البحوث الإسلامية

رنا في (البحوث العلمية والافتاء) والدرع والارنا

رئيس التحرير
عثمان الصالح

الاشرف الغنى
جمال النهري

المجلد الاول العدد الثالث

سنة ١٣٩٧ هـ

الرياض - مكة العربية السعودية

حکم

الطلاق الثلاث

بلفظ واحد

ھیئۃ کبار العلماء

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعے علماء حرمین اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے، بلکہ خود بادشاہ بھی اس کا پابند ہے، اس مجلس میں ”طلاق ثلاث“ کا مسئلہ پیش ہوا مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن و حدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر و حدیث کی سینتالیس کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد بالاتفاق واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ

ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں یہ پوری بحث اور متفقہ فیصلہ حکومت سعودیہ نے زیر نظر رسالہ میں شائع کیا ہے۔ غیر مقلدین اکثر مختلف فیہ مسائل میں اہل حرمین کے عمل کو بطور حجت پیش کیا کرتے ہیں، یہ فیصلہ بھی علماء حرمین کا ہے اس لئے غیر مقلدین پر حجت ہے۔ ہمیں امید ہے کہ غیر مقلدین اس رسالہ کو بنظر انصاف دیکھیں گے۔

الداعی الی الخیر: مفتی محمد انور عفا اللہ عنہ ، مرتب خیر الفتاویٰ

مجلة البحوث الإسلامية

لجنة الاشراف

سماحة الشيخ عبدالعزيز بن عبدالله بن باز
فضيلة الشيخ عبدالله بن سليمان بن منيع
فضيلة الشيخ محمد بن عوده
فضيلة الشيخ عثمان الصالح

اشرف على التحرير

جمال النهري
عبدالله البعادي
محمد بن عبدالرحمن آل اسماعيل



تشكلت هيئة كبار العلماء بموجب الأمر الملكي رقم أ. ١٣٧ في
٨-٧-١٣٩١ هـ لتقوم بمزاولة الأعمال الآتية:

أ- إبداء الرأي فيما يحال إليها من ولي الأمر من أجل بحثه وتكوين الرأي المستند
إلى الأدلة الشرعية فيه.

ب - التوصية في القضايا الدينية المتعلقة بتقرير أحكام عامة ليسترشد بها ولي
الأمر وذلك بناء على بحوث يجرى تهيئتها وإعدادها للهيئة.

ثم صدر الأمر الملكي رقم أ- ١٣٨ في ٨-٧-١٣٩١ هـ بتعيين أصحاب المعالي
والسماحة والفضيلة الآتية أسماؤهم أعضاء فيها على أن تكون رئاسة الدورات بالتعاقب بين
خمسة من أكبر أعضاء الهيئة سنا وفيما يلي أسماء الأعضاء.

- ١ - الشيخ عبدالعزيز بن باز
- ٢ - الشيخ عبدالله بن حميد
- ٣ - الشيخ محمد الأمين الشنقيطى
- ٤ - الشيخ سليمان بن عبيد
- ٥ - الشيخ عبدالله خياط
- ٦ - الشيخ محمد الحركان
- ٧ - الشيخ ابراهيم بن محمد آل الشيخ
- ٨ - الشيخ عبدالرزاق عفيفى
- ٩ - الشيخ عبدالعزيز بن صالح
- ١٠ - الشيخ صالح بن غصون
- ١١ - الشيخ محمد بن جبير
- ١٢ - الشيخ عبدالمجيد حسن
- ١٣ - الشيخ راشد بن خنين
- ١٤ - الشيخ صالح بن لحيدان
- ١٥ - الشيخ محضار عقيل
- ١٦ - الشيخ عبدالله بن غديان
- ١٧ - الشيخ عبدالله بن ديع

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله محمد وآله وبعد:
فقد عرض على مجلس هيئة كبار العلماء مسألة "حكم الطلاق الثلاث
بلفظ واحد" وبناء عليه أعدت اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء، بحثاً في
الموضوع ونصه:

الحمد لله وحده، وبعد: فبناء على ما قرره مجلس هيئة كبار العلماء، في
دورته الثالثة المنعقدة في شهر ربيع الثاني، عام ١٣٩٣ هـ من البحث في الدورة
الرابعة عن حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد. وبناء على ما تقتضيه لائحة عمل
الهيئة، من قيام اللجنة الدائمة للبحوث والافتاء بإعداد بحث علمي عن المسئلة
التي تقرر عرضها على الهيئة. قامت اللجنة الدائمة بإعداد بحث في مسألة
الطلاق الثلاث بلفظ واحد، اشتمل على ما يلي:

١ - حكم الإقدام على جمع الطلاق الثلاث بلفظ واحد، مع الأدلة
ومناقشتها.

٢ - ما يترتب على إيقاع الطلاق ثلاثاً بلفظ واحد، مع الأدلة ومناقشتها.
وبالله التوفيق وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم.



حكم الطلاق الثلاث بلفظٍ واحدٍ

في ضوء الكتاب والسنة

فتوى كبار العلماء والمحققين

المسألة الأولى حكم الاقدام على جمع الثلاث بكلمة واحدة وفيه قولان

القول الأول :

إنه محرم، وهو مذهب الحنفية والمالكية وأحدى الروایتين عن أحمد. وقول شيخ الاسلام وابن القيم. أما المذهب الحنفى، فقال الكاسانى فى الكلام على طلاق البدعة (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع ٩٣/٣ وما بعدها) وأما الذى يرجع إلى العدد فهو إيقاع الثلاث أو الشئتين فى طهر واحد لا جماع فيه. سواء كان على الجمع: بأن أوقع الثلاث جملة واحدة، أو على التفريق واحداً بعد واحد، بعد أن كان الكل فى طهر واحد. وهذا قول أصحابنا ولنا الكتاب والسنة والمعقول:

أما الكتاب:

فقوله عز وجل (فطلقوهن لعدتهن.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) أى فى أطهار عدتهن. وهو الثلاث فى ثلاثة أطهار كذا فسرہ رسول الله ﷺ على ما ذكرنا فيما تقدم الامر بالتفريق، والامر بالتفريق يكون نهياً عن الجمع. ثم ان كان الأمر أمر إيجاب. كان نهياً عن ضده، وهو الجمع نهى تحريم. وإن كان أمر نذب، كان نهياً عن ضده. وهو الجمع نهى نذب. وكل ذلك حجة على المخالف. لأن الأول يدل على التحريم، والآخر يدل على الكراهة، وهو لا يقول بشئ من ذلك.

وقوله تعالى (الطلاق مرتان الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩)

أى دفعتان، ألا ترى أن من أعطى آخر درهمين، لم يجز أن يقول أعطاه مرتين حتى يعطيه دفعتين.

وجه الاستدلال: أن هذا وإن كان ظاهره الخبر، فإن معناه الأمر، لأن الحمل على ظاهره يؤدي إلى الخلف في خبر من لا يحتمل خبره الخلف، لأن الطلاق على سبيل الجمع قد يوجد، وقد يخرج اللفظ مخرج الخبر على إرادة الأمر، قال الله تعالى "والوالدات يرضعن اولادهن" (الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٣) أى ليرضعن ونحو ذلك، كذا هذا، فصار كأنه سبحانه وتعالى قال: طلقوهن مرتين إذا أردتم الطلاق، والأمر بالتفريق نهى عن الجمع، لأنه ضده، فيدل على كون الجمع حراماً أو مكروهاً على ما بينا.

فإن قيل:

هذه الآية حجة عليكم، لانه ذكر جنس الطلاق، وكنس الطلاق ثلاث، والثلاث إذا وقع دفعتين، كان الواقع فى دفعة طلقتان، فدل على كون الطلقتين فى دفعة مسنوتين.

فالجواب :

أن هذا أمر بتفريق الطلاقين من الثلاث لا بتفريق الثلاث، لأنه أمر بالرجعة عقب الطلاق مرتين أى دفعتين بقوله تعالى "فإمساك بمعروف" (الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) أى وهو الرجعة، وتفريق الطلاق وهو إيقاعه دفعتين لا يتعقب الرجعة، فكان هذا أمراً بتفريق الطلاقين من الثلاث، لا بتفريق كل جنس الطلاق وهو الثلاث، والأمر بتفريق طلاقين من الثلاث يكون نهياً عن الجمع بينهما.

وأما السنة : فما روى عن رسول الله ﷺ أنه قال: "تزوجوا ولا تطلقوا فان

الطلاق يهتزله عرش الرحمن“ (رواه ابن عدى فى الكامل من طريق على بن ابي طالب، وقال السيوطى فى الجامع الصغير: ضعيف) نهى ﷺ عن الطلاق، ولا يجوز أن يكون النهى عن الطلاق لعينه، لأنه قد بقى معتبراً شرعاً فى حق الحكم بعد النهى، فعلم أن ههنا غيراً حقيقياً ملازماً للطلاق يصلح أن يكون منهياً عنه، فكان النهى عنه لا عن الطلاق، ولا يجوز أن يمنع من الشرع لمكان الحرام الملازم له، كما فى الطلاق فى حالة الحيض، والبيع وقت النداء، والصلاة فى الأرض المغصوبة، وغير ذلك.

وقد ذكر عن عمر. رضى الله عنه - : أنه كان لا يؤتى برجل طلق امرأته ثلاثاً إلا أوجعه ضرباً وأجاز ذلك عليه. وذلك بمحضر من الصحابة. رضى الله عنهم. فيكون إجماعاً.

وأما المعقول : فمن وجوه:

أحدها :

أن النكاح عقد مصلحة لكونه وسيلة إلى مصالح الدين والدنيا، والطلاق إبطال له، وإبطال المصلحة مفسدة، وقد قال الله عز وجل: (والله لا يحب الفساد... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٠٥) وهذا معنى الكراهة الشرعية عندنا، أن الله تعالى لا يحب ولا يرضى به، إلا أنه قد يخرج من أن يكون مصلحة لعدم توافق الأخلاق وتباين الطبائع، أو لفساد يرجع إلى نكاحها، بأن علم الزوج أن المصالح تفوته بنكاح هذه المرأة، أو أن المقام معها يسبب فساد دينه ودنياه، فتقلب المصلحة فى الطلاق، ليستوفى مقاصد النكاح من امرأة أخرى، إلا أن احتمال أنه لم يتأمل حق التأمل، ولم ينظر حق النظر فى العاقبة قائم، فالشرع والعقل يدعوانه إلى النظر، وذلك فى أن يطلقها طليقة واحدة رجعية، حتى أن التباين والفساد إذا كان من جهة المرأة تتوب وتعود إلى الصلاح إذا ذقت مرارة

الفراق، وإن كانت لا تتوب نظر في حال نفسه، أنه هل يمكنه الصبر عنها؟ فإن علم أنه لا يمكنه الصبر عنها يراجعها، وإن علم أنه يمكنه الصبر عنها يطلقها في الطهر الثاني.

ثانياً: ويجرب نفسه، "ثم يطلقها فيخرج نكاحها من أن يكون مصلحة ظاهراً و غالباً، لأنه لا يلحقه الندم غالباً، فأبيحت الطلقة الواحدة أو الثلاث في ثلاثة أطهار على تقدير خروج نكاحها من أن يكون مصلحة، وصيرورة المصلحة في الطلاق، فإذا طلقها ثلاثاً جملة واحدة في حالة الغضب، وليست حالة الغضب حالة التأمل، لم يعرف خروج النكاح من أن يكون مصلحة فكان الطلاق إبطالا للمصلحة من حيث الظاهر، فكان مفسدة.

والثاني:

أن النكاح عقد مسنون، بل هو واجب لما ذكرنا في كتاب النكاح، فكان الطلاق قطعاً للسنة وتفويتاً للواجب، فكان الأصل هو الحظر أو الكراهة، إلا أنه رخص للتأديب أو للتخليص، والتأديب يحصل بالطلقة الواحدة الرجعية.

لأن التباين أو الفساد إذا كان من قبلها، فإذا ذقت مرارة الفراق فالظاهر أنها تتأدب وتتوب وتعود إلى الموافقة والصلاح، والتخليص يحصل بالثلاث في ثلاثة أطهار، والثابت بالرخصة يكون ثابتاً بطريق الضرورة، وحق الضرورة صار مقضياً بما ذكرنا فلا ضرورة إلى الجمع بين الثلاث في طهر واحد، فبقى ذلك على أصل الحظر.

والثالث:

أنه إذا طلقها ثلاثاً في طهر واحد فربما يلحقه الندم، وقال الله تعالى: (لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) قيل في التفسير: أي ندامة على ما سبق من فعله أو رغبة فيها، ولا يمكنه التدارك

بالنكاح، فيقع في السفاح، فكان في الجمع احتمال الوقوع في الحرام، وليس في الامتناع ذلك، والتحرز عن مثله واجب شرعاً وعقلاً، بخلاف الطلقة الواحدة لأنها لا تمنع التدارك بالرجعة، وبخلاف الثلاث في ثلاثة أطهار، لأن ذلك لا يعقب الندم ظاهراً، لأنه يجرب نفسه في الأطهار الثلاثة فلا يلحقه الندم ... انتهى المقصود.

وقال السرخسي :

وعلى هذا الأصل. أى توجيه إيقاع الثلاث في ثلاثة أطهار. قال علماؤنا رحمهم الله: إيقاع الثلاث جملة بدعة (المبسوط ٤/٦) ومابعداها ويرجع أيضاً إلى فتح القدير ٢٦/٣ ومابعداها). وبعد أن ساق مذهب الشافعي في إباحته وأدلتها، ساق الدليل على تحريمه، وهو قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) قال: معناه دفعتان، كقوله: أعطيته مرتين وضربته مرتين، والألف واللام للجنس، فيقتضى أن يكون كل الطلاق المباح في دفعتين ودفعة ثالثة في قوله تعالى: (فإن طلقها) أو في قوله عز وجل: (أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) على حسب ما اختلف فيه أهل التفسير، وفي حديث محمود بن لبيد رحمه الله تعالى: أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً بين يدي رسول الله ﷺ فقام النبي صلى الله عليه وسلم مغضباً. فقال: "أتلعبون بكتاب الله وأنا بين أظهركم".

واللعب بكتاب الله ترك العمل به، فدل أن موقع الثلاث جملة مخالف للعمل بما في الكتاب، وأن المراد من قوله: (فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) تفريق الطلقات على عدد أقراء العدة، ألا ترى، أنه خاطب الزوج بالأمر بإحصاء العدة؟ وفائدته التفريق، فإنه قال: (لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) أى يبدو له فيراجعها، وذلك

عند التفريق لا عند الجمع.

وفي حديث عبادة بن الصامت رضى الله تعالى عنه أن قوماً جاءوا إلى رسول الله ﷺ . فقالوا: إن أبانا طلق امرأته ألفاً. فقال صلى الله عليه وسلم: "بانت امرأته بثلاث في معصية الله تعالى، وبقي تسعمائة وسبعة وتسعون وزراً في عنقه إلى يوم القيامة".

وإن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما لما طلق امرأته في حالة الحيض، أمره رسول الله ﷺ أن يراجعها.

فقال: أرأيت لو طلقته ثلاثاً أكانت تحل لى؟

فقال ﷺ: "لا، بانت منك وهي معصية". وبعد أن بين وجه الرد على استدلال الشافعى رحمه الله بقصة لعان عويمر العجلانى، وأنه طلق ثلاثاً ولم ينكر عليه ﷺ.

قال: ولنا إجماع الصحابة رضى الله تعالى عنهم فقد روى عن على، و عمر و ابن مسعود و ابن عباس و ابن عمر، و أبى هريرة، و عمران بن حصين رضى الله تعالى عنهم كراهة ايقاع الطلاق الثلاث بألفاظ مختلفة.

وعن أبى قتادة الأنصارى رضى الله عنه قال: لو أن الناس طلقوا نساءهم كما أمروا لما فارق الرجل امرأته وله اليها حاجة، إن احدكم يذهب فيطلق امرأته ثلاثاً ثم يقعد فيعصر عينيه، مهلاً مهلاً بارك الله عليكم. فيكم كتاب الله وسنة رسوله، فماذا بعد كتاب الله وسنة رسوله إلا الضلال ورب الكعبة....

الكرخى:

لا أعرف بين أهل العلم خلافاً: أن ايقاع الثلاث جملة مكروه، إلا قول ابن سيرين، وإن قوله ليس بحجة ثم ساق الرد على ما استدل به الشافعى من الآثار، ثم ذكر بعد ذلك دليلاً من جهة المعنى، وقد سبق ما يوافقه عن الكاسانى.

وقال الطحاوى :

حدثنا ابن مرزوق قال : ثنا وهب ، قال : ثنا شعبة عن ابن أبي نجيح ،
وحميد الأعرج ، عن مجاهد ، أن رجلاً قال لابن عباس : رجل طلق امرأته مائة
فقال : عصيت ربك وبانت منك امرأتك ، لم تتق الله فيجعل لك مخرجاً ، من يتق
الله يجعل له مخرجاً . قال الله تعالى : (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن
في قبل عدتهن الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١)

المذهب المالكي

أما المذهب المالكي : فهذه بعض نقول عنه :

قال سحنون :

قلت لعبد الرحمن بن القاسم : هل كان مالك يكره أن يطلق الرجل امرأته
ثلاث تطليقات في مجلس واحد ، قال : نعم ؟ كان يكره أشد الكراهية (المدونة
٦٦/٢) .

وقال محمد بن احمد بن رشد :

وكذلك لا يجوز عند مالك أن يطلقها ثلاثاً في كلمة واحدة فإن ، فعل
لزمه ذلك بدليل قوله تعالى : (نلك حدود الله فلا تعتدوها ... الآية الكريمة من
سورة البقرة : ٢٢٩) . وقوله تعالى (ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدري
لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً ... الآية الكريمة من سورة الطلاق : ١) . وهي
الرجعة فجعلها فائتة بإيقاع الثلاث في كلمة واحدة ، إذ لو لم يقع ولم يلزمه لم
تفته الزوجة ولا كان ظالماً لنفسه (المقدمات وهي مع المدونة ٧٨/٢) انتهى
المقصود .

وقال الباجي : فأما العدد ، فإنه لا يحل أن يقع أكثر من طلقة واحدة ، فمن أوقع

طلقتين أو ثلاثاً فقد طلق بغير سنة والدليل على ما نقوله، قوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ١) ولا يخلو أن يكون أمراً بصفة الطلاق والأمر يقتضى الوجوب أو يكون إخباراً عن صفة الطلاق الشرعى، ومن أصحابنا من قال: إن الألف واللام تكون للحصر، وهذا يقتضى أن لا يكون الطلاق الشرعى على غير هذا الوجه.

فإن قيل: المراد بذلك الإخبار عن أن الطلاق الرجعى طلقتان، وأن ما زاد عليه ليس برجعى، قالوا: يدل على ذلك، أنه قال بعد ذلك: (فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ١) ثم أفرد الطلقة الثالثة لما لم تكن رجعية وفارق حكم الطلقتين فقال: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) وإذا كان المراد ما ذكرناه من الأخبار عن الطلاق الرجعى لم يدل ذلك على أن هذا هو الطلاق الرجعى دون غيره.

فالجواب: أن هذا أمر أضمر فى الكلام مع استقلاله دونه بغير دليل، لأنكم تضمرون الرجعى وتقولون: معناه الطلاق الرجعى مرتان، وإذا استقل الكلام دون ضمير لم يجز تعديده إلا بدليل.

وجواب ثان: وهو أنه لو أراد الإخبار عما ذكرتم لقال: الطلاق طلقتان، لأن ذلك يقتضى أنه الطلاق الرجعى أو قعهن مجتمعتين أو متفرقتين، فلما قال مرتان، ولا يكون ذلك إلا لإيقاع الطلاق متفرقاً، ثبت أنه قصد الإخبار عن صفة إيقاعه، لا الإخبار عن عدد الرجعى منه.

فإن قالوا: إن لفظ التكرار إذا علق باسم أريد به العدد دون تكرار الفعل، يدل على ذلك، قوله تعالى: (نؤتها أجراً مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١). ولم يرد تفريق الأجر وإنما أراد تضعيف العدد.

فالجواب: أن قوله: (نؤتها اجرها مرتين.. الآية الكريمة من سورة الاحزاب: ٣١). حقيقة فيما ذكرناه من تكرار الفعل دون العدد، ولا فرق في ذلك بين أن يعلق على فعل أو اسم يدل على ذلك أنك تقول: لقيت فلاناً مرتين فيقتضى تكرار الفعل، وكذلك قوله: دخلت مصر مرتين. فاذا كان ذلك أصله وحقيقته. ودل الدليل في بعض المواضع على العدول به عن حقيقته واستعماله في غير ما وضع له، لم يجز حمله على ذلك في موضع آخر إلا بدليل.

وجواب آخر: وهو أن الفضل: قال: معنى (نؤتها اجرها مرتين... ايضاً) مرة بعد مرة في الجنة. فعلى هذا لم يخرج اللفظ عن بابه ولا عدل به عن حقيقته. وإن قلنا: إن معناه التضعيف في ماله وأجره: فالفرق بينهما أن قوله تعالى: (نؤتها أجرها مرتين... ايضاً) يفيد التضعيف ويمنع الاقتصار على ضعف واحد ولو كان معنى قوله تعالى: (الطلاق مرتان.. الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) يريد به التضعيف، لمنع من إيقاع طلقة واحدة، وإلا بطل معنى التضعيف، وهذا باطل باتفاقنا.

ودليلنا من جهة السنة ماروى مخرمة بن بكير، عن ابيه قال: سمعت محمود بن لبيد، قال: أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً فقال: فعلته لاعباً ثم قال "تلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم؟" حتى قام رجل فقال: يا رسول الله ألا أقتله؟
ودليلنا من جهة القياس أن هذا معنى ذو عدد يقتضى البيونة فوجب تحريمه كاللعان.

أما مذهب الحنابلة فقد قال ابن قدامة:

والرواية الثانية أن جمع الثلاث طلاق بدعة محرم، اختارها أبوبكر و أبو حفص، روى عن عمر و علي و ابن مسعود و ابن عباس و ابن عمر و هو قول

مالك و أبي حنيفة (المغنى و معه الشرح ٢٤١/٨)

قال على رضى الله عنه :

لا يطلق أحد للسنة فيندم، وفي رواية قال: يطلقها واحدة ثم يدعها ما بينها و بين أن تحيض ثلاث حيض فمن شاء راجعها. وعن عمر رضى الله عنه: أنه كان إذا أتى برجل طلق ثلاثاً أو جعه ضرباً.

وعن مالك بن الحارث قال: جاء رجل إلى ابن عباس قال: إن عمى طلق امرأته ثلاثاً، فقال أن عمك عصى الله وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً. ووجه ذلك قول الله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة... إلى قوله... لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) ثم قال بعد ذلك: (ومن يتق الله يجعل له مخرجاً.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢). (ومن يتق الله يجعل له من أمره يسراً.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٤). ومن جمع الثلاث لم يبق له أمر يحدث، ولا يجعل الله له مخرجاً، ولا من أمره يسراً، وروى النسائي بإسناده عن محمود بن لبيد وقد سبق في استدلال المالكية وفي حديث ابن عمر قال: قلت: يا رسول الله أرأيت لو طلقته ثلاثاً؟ قال: "إذا عصيت ربك وبانت منك امرأتك". وروى الدارقطني بإسناده عن على قال: سمع النبي ﷺ رجلاً طلق البتة فغضب وقال: تتخذون آيات الله هزواً، أو دين الله هزواً ولعباً. من طلق البتة الزمناه ثلاثاً لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره".

ولأنه تحريم للبضع بقول الزوج من غير حاجة، فحرم كالظهار، بل هذا أولى، لأن الظهار يرتفع بتحريمه بالكفر، وهذا لا سبيل للزوج إلى رفعه بحال، ولأنه ضرر و اضرار بنفسه وبامراته من غير حاجة، فيدخل في عموم النهي، وربما كان وسيلة إلى عوده إليها حراماً أو بحيلة لا تزيل التحريم، ووقوع الندم،

وخسارة الدنيا والآخرة، فكان أولى بالتحريم من الطلاق في الحيض الذي ضرره
قواؤها في العدة أياماً يسيرة، أو الطلاق في طهر مسهافيه، الذي ضرره احتمال
لندم بظهور الحمل، فإن ضرر جمع الثلاث يتضاعف على ذلك أضعافاً كثيرة،
بالتحريم ثم تنبيه على التحريم.

ولأنه قول من سمي من الصحابة رواه الأثرم وغيره، ولم يصح عندنا في
عصرهم خلاف قولهم، فيكون ذلك إجماعاً.

وقال شيخ الاسلام : وأما جمع "الطلقات الثلاث" ففيه قولان :

حدهما : محرم أيضاً عند أكثر العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم وهذا
مذهب مالك وأبي حنيفة وأحمد في إحدى الروايتين عنه، واختاره أكثر أصحابه،
قال أحمد : تدبرت القرآن فإذا كل طلاق فيه فهو الطلاق الرجعي . يعنى طلاق
المدخول بها . غير قوله : (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره . . .)
الآية الكريمة من سورة البقرة : (٢٣٠) وعلى هذا القول فهل له أن يطلقها الثانية
والثالثة قبل الرجعة بأن يفرق الطلاق على ثلاثة أطهار، فيطلقها في كل طهر
طلقة؟ فيه قولان، هما روايتان عن أحمد "إحدهما" له ذلك، وهو قول طائفة من
السلف و مذهب أبي حنيفة "والثانية" ليس له ذلك وهو قول أكثر السلف، وهو
مذهب مالك و أصح الروايتين عن أحمد التي اختارها أكثر أصحابه كأبي بكر بن
عبد العزيز، والقاضي أبي يعلى وأصحابه.

القول الثاني :

أن جمع الثلاث ليس بمحرم، بل هو ترك الأفضل وهو مذهب الشافعي،
والرواية الأخرى عن أحمد : اختارها الخرقى .

واحتجوا بأن فاطمة بنت قيس طلقها زوجها أبو حفص بن المغيرة ثلاثاً،
وبأن امرأة رفاعة طلقها زوجها ثلاثاً، وبأن الملاءن طلق امرأته ثلاثاً ولم ينكر

النبي صلى الله عليه وسلم ذلك.

وأجاب الأكثرون: بأن حديث فاطمة، وامرأة رفاعة، إنما طلقها ثلاثاً متفرقات، هكذا ثبت في الصحيح أن الثالثة آخر ثلاث تطليقات، لم يطلق ثلاثاً لا هذا ولا هذا مجتمعات: وقول الصحابي: طلق ثلاثاً يتناول ما إذا طلقها ثلاثاً متفرقات بأن يطلقها ثم يراجعها، ثم يطلقها ثم يراجعها، ثم يطلقها، وهذا طلاق سني واقع باتفاق الأئمة، وهو المشهور على عهد رسول الله ﷺ في معنى الطلاق ثلاثاً وأما جمع الثلاث بكلمة فهذا إنما كان منكراً عندهم، إنما يقع قليلاً، فلا يجوز حمل اللفظ المطلق على القليل المنكر دون الكثير الحق، ولا يجوز أن يقال: يطلق مجتمعات لا هذا ولا هذا، بل هذا قول بلا دليل، بل هو بخلاف الدليل.

وأما الملاعن فإن طلاقه وقع بعد البيونة، أو بعد وجوب الإبانة التي تحرم بها المرأة أعظم مما يحرم بالطلقة الثالثة، فكان مؤكداً لموجب اللعان، والنزاع إنما هو في طلاق من يمكنه إمساكها، لا سيما والنبي ﷺ قد فرق بينهما، فإن كان ذلك قبل الثلاث لم يقع بها ثلاث ولا غيرها، وإن كان بعدها دل على بقاء النكاح. والمعروف أنه فرق بينهما بعد أن طلقها ثلاثاً. فدل ذلك على أن الثلاث لم يقع بها، إذ لو وقعت لكانت قد حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره.

وامتنع حينئذ أن يفرق النبي ﷺ بينهما لأنهما صاراً أجنبيين ولكن غاية ما يمكن أن يقال: حرّمها عليه تحريماً مؤبداً فيقال: فكان ينبغي أن يحرمها عليه لا يفرق بينهما، فلما فرق بينهما دل على بقاء النكاح، وأن الثلاث لم تقع جميعاً بخلاف ما إذا قيل: إنه يقع بها واحدة رجعية، فإنه يمكن فيه حينئذ أن يفرق بينهما.

وقول سهل بن سعد: طلقها ثلاثاً فأنفذه عليه رسول الله ﷺ دليل على

أنه احتاج إلى انفاذ النبي ﷺ واختصاص الملاعن بذلك، ولو كان من شرعه أنها تحرم بالثلاث، لم يكن للملاعن اختصاص ولا يحتاج إلى انفاذ. فدل على أنه لما قصد الملاعن بالطلاق الثلاث أن تحرم عليه أنفذ النبي ﷺ مقصوده، بل زاده، فإن تحريم اللعان أبلغ من تحريم الطلاق، إذ تحريم اللعان لا يزول وإن نكحت زوجاً غيره، وهو مؤبد في أحد قولي العلماء لا يزول إلا بالتوبة.

واستدل الأكترون: بأن القرآن العظيم يدل على أن الله لم يبح إلا الطلاق الرجعي، وإلا الطلاق للعدة، كما في قوله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة إلى قوله لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً). فإذا بلغن أجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) وهذا إنما يكون في الرجعي. وقوله: "فطلقوهن لعدتهن" يدل على أنه لا يجوز إرداف الطلاق للطلاق حتى تنقضي العدة أو يراجعها، لأنه إنما أباح الطلاق للعدة: أي لاستقبال العدة، فمتى طلقها الثانية والثالثة قبل الرجعة بنت علي العدة، ولم تستأنفها باتفاق جماهير المسلمين. فإن كان فيه خلاف شاذ عن خلاص و ابن حزم فقد بينا فسادَه في موضع آخر، فإن هذا قول ضعيف: لأنهم كانوا في أول الإسلام إذا أراد الرجل اضرار امرأته طلقها حتى إذا شارفت انقضاء العدة راجعها ثم طلقها ليطول حبسها فلو كان إذا لم يراجعها تستأنف العدة لم يكن بحاجة إلى أن يراجعها، والله تعالى قصرهم على الطلاق الثلاث دفعاً لهذا الضرر، كما جاءت بذلك الآثار، ودل على أنه كان مستقراً عند الله أن العدة لا تستأنف بدون رجعة سواء كان ذلك لأن الطلاق لا يقع قبل الرجعة، أو يقع ولا يستأنف له العدة، و ابن حزم إنما أوجب استئناف العدة بأن يكون الطلاق لاستقبال العدة. فلا يكون طلاق إلا يتعقبه عدة، إذا كان بعد الدخول، كما دل عليه القرآن، فلزمه على ذلك هذا القول الفاسد، وأما من أخذ بمقتضى القرآن

وما دلت عليه الآثار فإنه يقول: إن الطلاق الذي شرعه الله هو ما يتعقبه العدة، وما كان صاحبه مخيراً فيها بين الإمساك بمعروف والتسريح بإحسان، وهذا منتف في إيقاع الثلاث في العدة قبل الرجعة فلا يكون جائزاً. فلم يكن ذلك طلاقاً للعدة.

ولأنه تعالى قال: (فإذا بلغن أجلهن فأمسكوهن بمعروفٍ أو فارقوهن بمعروفٍ.... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) فخيره بين الرجعة وبين أن يدعها تقضى العدة فيسرحها بإحسان، فإذا طلقها ثانية قبل انقضاء العدة لم يمسك بمعروف ولم يسرح بإحسان.

وقد قال تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء. ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن أن كن يؤمن بالله واليوم الآخر، وبعولتهن أحق بردهن في ذلك... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) فهذا يقتضي أن هذا حال كل مطلقة، فلم يشرع إلا هذا الطلاق ثم قال: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٤)

أى هذا الطلاق المذكور (مرتان) وإذا قيل: سَبَّحَ مرتين أو ثلاث مرات: لم يجزه أن يقول سبحانه الله مرتين، بل لا بد أن ينطق بالتسبيح مرة بعد مرة، فكذلك لا يقال: طلق مرتين إلا إذا طلق مرة بعد مرة، فإذا قال: أنت طالق ثالثاً، أو مرتين لم يجز أن يقال: طلق ثلاث مرات ولا مرتين، وإن جاز أن يقال طلق ثلاث تطليقات أو طلقتين، ثم قال سبحانه بعد ذلك: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) فهذه الطلقة الثالثة لم يشرعها الله إلا بعد الطلاق الرجعي مرتين.

وقد قال الله تعالى: (وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٢) وهذا إنما يكون فيما دون الثلاث، وهو يعم كل طلاق، فعلم أن جمع الثلاث ليس بمشروع. ودلائل

تحريم الثلاث كثيرة قوية من الكتاب والسنة والآثار والاعتبار، كما هو مبسوط في موضعه. وسبب ذلك أن الأصل في الطلاق الحظر. وإنما أبيح منه قدر الحاجة، كما ثبت في الصحيح عن جابر عن النبي ﷺ: "إن إبليس ينصب عرشه على البحر، ويبعث سراياه فأقربهم إليه منزلة أعظمهم فتنة فيأتيه الشيطان فيقول: ما زلت به حتى فعل كذا، حتى يأتيه الشيطان فيقول: ما زلت به حتى فرقت بينه وبين امرأته، فيدنيه منه، ويقول: أنت أنت، ويلتزمه". وقد قال تعالى في ذم السحر: (ويتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء وزوجه... الآية الكريمة من سورة البقرة: ١٠١) وفي السنن عن النبي ﷺ قال "إن المختلعات والمنزعات هن المنافقات" وفي السنن أيضاً عن النبي ﷺ أنه قال: "أيا امرأة سألت زوجها الطلاق من غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة".

ولهذا لم يبح إلا ثلاث مرات، وحرمت عليه المرأة بعد الثالثة حتى تنكح زوجاً غيره، وإذا كان إنما أبيح للحاجة، فالحاجة تندفع بواحدة، فما زاد فهو باق على الحظر. ١هـ

وقال ابن القيم:

فصل في حكمه ﷺ فيمن طلق ثلاثاً بكلمة واحدة. قد تقدم حديث محمود بن لبيد، أن رسول الله ﷺ أخبر عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً، فقام مغضباً ثم قال: "أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم" وإسناده على شرط مسلم، قال ابن وهب: قد رواه مخزومة بن بكير بن الأشج عن أبيه قال: سمعت محمود بن لبيد، فذكره، ومخزومة ثقة بلا شك. وقد احتج مسلم في صحيحه بحديثه عن أبيه.

والذين أعلوه، قالوا: لم يسمع منه، وإنما هو كتاب. قال أبو طالب: سألت أحمد بن حنبل عن مخزومة بن بكير فقال: هو ثقة ولم يسمع من أبيه، وإنما هو

كتاب مخرمة، فنظر فيه كل شيء يقول: "بلغنى عن سليمان بن يسار" فهو من كتاب مخرمة وقال أبو بكر بن أبى خيثمة سمعت يحيى بن معين يقول: مخرمة بن بكير وقع إليه كتاب أبيه ولم يسمعه، وقال فى رواية عباس الدورى: هو ضعيف، وحديثه عن أبيه كتاب ولم يسمعه منه، وقال ابوداؤد لم يسمع من أبيه إلا حديثاً واحداً حديث الوتر، وقال سعيد بن أبى مريم، عن خاله موسى بن سلمة، أتيت مخرمة فقلت: حدثك أبوك فقال: لم أدرك أبى ولكن هذه كتبه.

والجواب عن هذا من وجهين

أحدهما: أن كتاب أبيه كان عنده محفوظ مضبوط، فلا فرق فى قيام الحجة بالحديث بين ما حدثه به، أو رآه فى كتابه، بل الأخذ عن النسخة أحوط، إذا تيقن الراوى أنها نسخة الشيخ بعينها، وهذه طريقة الصحابة والسلف، وقد كان رسول الله ﷺ يبعث بكتبه إلى الملوك، وتقوم عليهم بها الحجة، وكتب كتبه إلى عماله فى بلاد الاسلام فعملوا بها، واحتجوا بها، ودفع الصديق كتاب رسول الله ﷺ فى الزكاة إلى أنس بن مالك فحمله وعملت به الأمة وكذلك كتابه إلى عمرو بن حزم فى الصدقات الذى كان عند آل عمرو ولم يزل السلف والخلف يحتجون بكتاب بعضهم إلى بعض، ويقول المكتوب إليه: كتب إلى فلان أن فلانا أخبره.

ولو بطل الاحتجاج بالكتب لم يبق بأيدي الأمة إلا أيسر اليسير، فإن الاعتماد إنما هو على النسخ لا على الحفظ، والحفظ خوان، والنسخة لا تخون، ولا يحفظ فى زمن من الأزمان المتقدمة أن أحداً من أهل العلم رد الاحتجاج بالكتاب، وقال: لم يشافهني به الكاتب فلا أقبله، بل كلهم مجمعون على قبول الكتاب والعمل به إذا صح عنده أنه كتبه.

الجواب الثانى:

أن قول من قال: "ولم يسمع من أبيه" معارض بقول من قال: "سمع منه"

ومعه زيادة علم وإثبات. قال عبدالرحمن بن أبي حاتم، سئل أبي عن مخرمة بن بكير؟ فقال صالح الحديث. وقال ابن أبي ذئب: وحدث في ظهر كتاب مالك. سألت مخرمة عما يحدث به عن أبيه سمعها من أبيه، فحلف لي ورب هذه البنية. يعني المسجد. سمعت من أبي.

وقال علي بن المديني:

سمعت معن بن عيسى يقول: مخرمة سمع من أبيه، وعرض عليه ربيعة أشياء من رأى سليمان بن يسار، وقال علي: ولا أظن مخرمة سمع من أبيه كتاب سليمان لعله سمع منه الشيء اليسير، ولم أجد أحداً في المدينة يخبرني عن مخرمة بن بكير أنه كان يقول في شيء من حديثه "سمعت أبي" ومخرمة ثقة... انتهى. ويكفي أن مالكا أخذ كتابه فنظر فيه واحتج به في مؤطئه. وكان يقول: حدثني مخرمة، وكان رجلاً صالحاً.

وقال أبو حاتم:

سألت اسماعيل بن أبي اويس، قلت هذا الذي يقول مالك بن أنس: حدثني ثقة من هو؟ قال مخرمة بن بكير، وقيل لأحمد بن صالح المصري كان مخرمة من ثقات الرجال؟ قال نعم. وقال ابن عدى عن ابن وهب ومعن بن عيسى عن مخرمة: أحاديث حسان مستقيمة وأرجو أنه لا بأس به.

وفي صحيح مسلم قول ابن عمر للمطلق ثلاثاً: حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيرك، وعصيت ربك فيما أمرك به من طلاق امرأتك. وهذا تفسير منه للطلاق المأمور به، وتفسير الصحابي حجة، وقال الحاكم هو عندنا مرفوع.

ومن تأمل القرآن حق التأمل تبين له ذلك وعرف أن الطلاق المشروع بعد الدخول، هو الطلاق الذي تملك به الرجعة، ولم يشرع الله سبحانه إيقاع الثلاث جملة واحدة البتة، قال تعالى: (الطَّلَاق مَرَّتَانِ... الآية الكريمة من

سورة البقرة: (٢٢٩) ولا تعقل العرب في لغتها وقوع المرتين إلا متعاقبتين، كما قال النبي ﷺ "من سبح الله دبر كل صلاة ثلاثاً وثلاثين، وحمده ثلاثاً وثلاثين، وكبره ثلاثاً وثلاثين" ونظائره، فإنه لا يعقل من ذلك إلا تسبيح وتكبير وتحميد متوال، يتلو بعضه بعضاً. فلو قال سبحان الله ثلاثاً وثلاثين، والحمد لله ثلاثاً وثلاثين، والله أكبر ثلاثاً وثلاثين بهذا اللفظ لكان ثلاث مرات فقط، وأصرح من هذا قوله سبحانه: (والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهداء إلا أنفسهم فشهادة أحدهم أربع شهادات بالله... الآية الكريمة من سورة النور: ٦) فلو قال أشهد بالله أربع شهادات بالله إني لمن الصادقين، كانت مرة، وكذلك قوله: (ويدراً عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله إنه لمن الكاذبين.. الآية الكريمة من سورة النور: ٨) فلو قالت أشهد بالله أربع شهادات بالله إنه لمن الكاذبين كانت واحدة.

وأصرح من ذلك قوله تعالى: (سنعذبهم مرتين... الآية الكريمة من سورة التوبة: ١٠١) فهذا مرة بعد مرة.

ولا ينقض هذا بقوله تعالى: (نؤتها أجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) وقوله ﷺ: "ثلاثة يؤتون أجرهم مرتين".

فإن المرتين هنا: هما الضعفان، وهما المثلان، وهما مثلان في القدر، كقوله تعالى: (يضاعف لها العذاب ضعفين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣٠) وقوله تعالى: (فآت أكلها ضعفين... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٦٥) أي ضعف ما يعذب به غيرها، وضعف ما كانت تؤتى، ومن هذا قول أنس: "انشق القمر على عهد رسول الله ﷺ مرتين". أي شقتين وفرقتين، كما قال في اللفظ الآخر: "انشق القمر فلقتين" وهذا أمر معلوم قطعاً: أنه إنما انشق القمر مرة واحدة، والفرق معلوم بين ما يكون مرتين في الزمان

وبين ما يكون مثلين وجزئين و مرتين في المضاعفة، فالثاني يتصور فيه اجتماع المرتين في آن واحد، والأول لا يتصور فيه ذلك.

ومما : يدل على أن الله لم يشرع الثلاث جملة، أنه قال: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) إلى أن قال: (وبعولتهن أحق بردهن في ذلك ان ارادوا إصلاحاً... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) فهذا يدل على أن كل طلاق بعد الدخول، فالمطلق أحق فيه بالرجعة، سوى الثالثة المذكورة بعد هذا.

وكذلك قوله تعالى: (يا ايها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) إلى قوله: (فاذا بلغن اجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) فهذا هو الطلاق المشروع، وقد ذكر الله سبحانه أقسام الطلاق كلها في القرآن، وذكر أحكامها فذكر الطلاق قبل الدخول وأنه لا عدة فيه، وذكر الطلقة الثالثة وأنها تحرم الزوجة على المطلق حتى تنكح زوجاً غيره، وذكر طلاق الفدا الذي هو الخلع وسماه فدية، ولم يحسبه من الثلاث كما تقدم، وذكر الطلاق الرجعي الذي يحق للمطلق فيه الرجعة وهو ما عدا هذه الأقسام الثلاثة.

وبهذا احتج أحمد^٧ والشافعي^٨ وغيرهما، على أنه ليس في الشرع طلقة واحدة بعد الدخول بغير عوض بائة وأنه إذا قال لها: أنت طالق طلقة بائة كانت رجعية ويلغو وصفها بالبينونة، وأنه لا يملك إبانته إلا بعوض، وأما أبو حنيفة^٩ فقال: تبين بذلك، لأن الرجعة حق له وقد أسقطها، والجمهور يقولون: وإن كانت الرجعة حقاً له لكن نفقة الرجعية وكسوتها حق عليه، فلا يملك إسقاطه إلا باختيارها، وبذلها العوض، وسؤالها أن تفتدى نفسها بغير عوض في أحد القولين، وهو جواز الخلع بغير عوض، وأما إسقاط حقها من الكسوة والنفقة بغير سؤالها

ولا بذلها العوض فخلاص النص والقياس.

قالوا : وأيضاً فالله سبحانه شرع الطلاق على أكمل الوجوه وأنفعها للرجل والمرأة، فإنهم كانوا يطلقون في الجاهلية بغير عدد، فيطلق أحدهم المرأة كلما شاء ويرجعها، وهذا. وإن كان فيه رفق بالرجل. ففيه إضرار بالمرأة، فنسخ سبحانه ذلك بثلاث، وقصر الزوج عليها وجعله أحق بالرجعة ما لم تنقض عدتها، فإذا استوفى العدد الذي ملكه حرمت عليه، فكان في هذا رفق بالرجل إذ لم تحرم عليه بأول طلبة، وبالمرأة حيث لم يجعل إليه أكثر من ثلاث. فهذا شرعه وحكمته وحدوده التي حدها لعباده، فلو حرمت عليه بأول طلبة يطلقها، كان خلاف شرعه وحكمته، وهو لم يملك إيقاع الثلاث جملة، بل إنما ملك واحدة، فالزائد عليها غير مأذون له فيه.

قالوا: وهذا كما أنه لم يملك إبانيتها بطلقة واحدة إذ هو خلاف ما شرعه، لم يملك إبانيتها بثلاث مجموعة إذ هو خلاف ما شرعه.. ونكتة المسألة: أن الله لم يجعل للأمة طلاقاً بئناً قط إلا في موضعين: "أحدهما" طلاق غير المدخول بها، "والثاني" الطلقة الثالثة وما عداه من الطلاق فقد جعل للزوج فيه الرجعة. هذا مقتضى الكتاب كما تقدم تقريره. وهذا قول الجمهور منهم الإمام أحمد^٧ والشافعي^٧ وأهل الظاهر.. قالوا: لا يملك إبانيتها بدون الثلاث إلا في الخلع، ولأصحاب مالك^٧ ثلاثة أقوال فيما إذا قال: أنت طالق طلبة لا رجعة فيها. وساقها رحمه الله. هل هي ثلاث، أو خلع بدون عوض أو واحدة بئنة.

وقد : أجاب ابن حزم رحمه الله في كتابه المحلى عن ذلك بقوله (انظر المحلى الجزء العاشر ص ١٦٧-١٦٨) أما الآيات فإنما نزلت فيمن طلق واحدة أو اثنتين فقط، ثم نسألهم عمن طلق مرة ثم راجع ثم مرة ثم راجع ثانية ثم ثالثة، أبدعة أتى؟

فمن قولهم: لا بل سنة فنسألهم أتحكمون له بما في الآيات المذكورات؟ فمن قولهم: لا بلا خلاف فصح أن المقصود في الآيات المذكورات، من أراد أن يطلق طلاقاً رجعيًا، فبطل احتجاجهم بها في حكم من طلق ثلاثًا. وأما قولهم: معنى قوله: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) أن معناه مرة بعد مرة، فخطأ. بل هذه الآية كقوله تعالى: (نؤتها اجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) أى مضاعفًا معًا وهذه الآية أيضًا تصلح لما دون الثلاث من الطلاق وهو حجة لنا عليهم، لأنهم لا يختلفون. يعنى المخالفين لنا. فى أن طلاق السنة هو أن يطلقها واحدة ثم يتركها حتى تنقضى عدتها فى قول طائفة منهم، وفى قول آخرين منهم: أن يطلقها فى كل طهر طلقة وليس شىء من هذا فى هذه الآية، وهم لا يرون من طلق طلقتين متتابعتين فى كلام متصل طلاق سنة، فبطل تعلقهم بقوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) وأما خبر محمود بن لبيد فمرسل، ولا حجة فى مرسل، ومخرمة لم يسمع من أبيه شيئًا ويعنى ابن حزم بالإرسال ما قرره الحافظ بن حجر (أنظر فتح البارى الجزء التاسع ص ٢٩٧) وهو أن محمود بن لبيد، ولد فى عهد النبى ﷺ ولم يثبت له منه سماع وإن ذكره بعضهم فى الصحابة فلأجل الرؤية... وقد ترجم له أحمد فى مسنده وأخرج له عدة أحاديث ليس فيها شىء صرح فيه بالسماع.

وقال الحافظ ذكره ابن سعد فى الطبقة الأولى من التابعين فيمن ولد على عهد النبى ﷺ وقال: سمع من عمر، وتوفى بالمدينة سنة ست وتسعين، وكان ثقة قليل الحديث (أنظر تهذيب التهذيب الجزء العاشر ص ٦٦) كما ذكر الحافظ أن الترمذى قال فيه: "رأى النبى ﷺ وهو غلام صغير".

وقال ابن أبى حاتم: قال البخارى: له صحبة فسخط أبى عليه، وقال: لا يعرف له صحبة، روى عن ابن عباس، روى عنه عاصم بن عمر بن قتادة سمعت أبى يقول

ذلك. سئل أبو زرعة عن محمود بن لبيد؟ فقال روى عن ابن عباس، وعنه الحارث بن فضيل، مديني أنصاري ثقة، وفي رواية مخرومة عن أبيه كلام كثير. ١ هـ.

الثاني: من قول العلماء في الإقدام على جمع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة، أنه ليس بمحرم ولا بدعة، بل سنة، وهو قول الشافعي، وأبي ثور، وأحمد بن حنبل في إحدى الروايات عنه، وجماعة من أهل الظاهر، كما في زاد المعاد، ونكتفي بإيراد كلام الشافعي في الأم، و ابن حزم في المحلى. قال الإمام الشافعي:

(الخلاف في الطلاق الثلاث):

عن مالك بن أنس، عن عبد الله بن يزيد مولى الأسود بن سفيان، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن فاطمة بنت قيس. أن أبا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب بالشام فبعث إليها وكيله بشعير فسخطه فقال: والله مالك علينا من شيء. فجاءت النبي ﷺ فذكرت ذلك له فقال: "ليس لك عليه نفقة".

قال الشافعي رحمه الله: وأبو عمرو رضى الله عنهما طلق امرأته البتة وعلم ذلك النبي ﷺ فأسقط نفقتها لأنه لا رجعة له عليها، والبتة التي لا رجعة له عليها ثلاث، ولم يعب النبي ﷺ طلاق الثلاث، وحكم فيما سواها من الطلاق بالنفقة والسكنى. فإن قال قائل: ما دل على أن البتة ثلاث فهو لو لم يكن سمي أبو عمرو رضى الله عنهما ثلاثاً البتة، أو نوى بالبتة ثلاثاً، كانت واحدة يملك الرجعة وعليه نفقتها.

ومن زعم أن البتة ثلاث بلا نية المطلق، ولا تسمية ثلاث، قال: إن النبي ﷺ إذا لم يعب الطلاق الذي هو ثلاث، دل على أن الطلاق بيد الزوج، ما أبقي منه أبقي لنفسه، وما أخرج منه من يده لزمه غير محرم عليه، كما لا يحرم عليه أن يعتق رقبة، وألا يخرج من ماله صدقة، وقد يقال له: لو أبقيت ما تستغني به عن الناس كان خيراً لك.

فإن قال قائل: ما دل على أن أبا عمرو لا يعدو أن يكون سمي ثلاثاً، أو نوى بالبتة ثلاثاً؟ قلنا: الدليل عن رسول الله ﷺ.

قال الشافعي رحمه الله: أخبرنا عمي محمد بن علي بن شافع، عن عبد الله بن علي بن السائب، عن نافع ابن عجير بن عبد يزيد، أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة المزينة البتة، ثم أتى النبي ﷺ فقال: إني طلق امرأتى سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة.

فقال النبي ﷺ لركانة: "والله ما أردت إلا واحدة؟" فردها إليه النبي ﷺ فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان رضي الله عنهما. قال الشافعي رحمه الله: أخبرنا مالك عن ابن شهاب، عن سهل بن سعد، أنه أخبره أنه تلاعن عويمر وامرأته بين يدي النبي ﷺ وهو مع الناس فلما فرغا من ملا عنتهما.

قال عويمر: كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها. فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله ﷺ قال مالك: قال ابن شهاب فكانت تلك سنة المتلاعنين. قال الشافعي رحمه الله: فقد طلق عويمر ثلاثاً بين يدي النبي ﷺ ولو كان ذلك محرماً لنهاه عنه. وقال: إن الطلاق وإن لزمك فأنت عاص بأن تجمع ثلاثاً. فافعل كذا. كما أمر النبي ﷺ عمر أن يأمر عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، حين طلق امرأته حائضاً، أن يراجعها ثم يمسكها حتى تطهر، ثم تحيض ثم تطهر، ثم إن شاء طلق وإن شاء أمسك، فلا يقر النبي ﷺ بطلاق لا يفعله أحد بين يديه، إلا نهاه عنه، لأنه العلم بين الحق والباطل، لا باطل بين يديه إلا غيره.

قال الشافعي: أخبرنا ابن عيينة عن عمرو بن دينار. قال: سمعت محمد بن عباد بن جعفر يقول: أخبرني المطلب ابن حنطب، أنه طلق امرأته البتة ثم أتى عمر فذكر ذلك له.

فقال: ما حملك على ذلك؟ قال: قد فعلته فتلا: (ولو أنهم فعلوا ما يوعظون به لكان خيراً لهم واشد تثبيتاً... الآية الكريمة من سورة النساء: ٦٦) ما حملك على ذلك؟ قال: قد فعلته. قال: أمسك عليك امرأتك فإن الواحدة تبت.

أخبرنا الربيع، قال: أخبرنا الشافعي، قال: أخبرنا ابن عيينة، عن عمرو بن دينار، عن عبد الله بن أبي سلمة، عن سليمان ابن يسار أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه. قال: للتوئمة مثل ما قال للمطلب.

قال الشافعي: أخبرنا الثقة، عن الليث بن سعد، عن بكير عن سليمان، أن رجلاً من بني زريق طلق امرأته البتة، قال عمر رضي الله عنه: ما أردت بذلك؟ قال: أتراني أقيم على حرام والنساء كثير؟ فأحلفه فحلف. قال الشافعي رحمه الله: أراه قال فردها عليه.

قال: وهذا الخبر في الحديث في الزرقى، يدل على أن قول عمر بن الخطاب رضي الله عنه للمطلب ما أردت بذلك؟ يريد واحدة أو ثلاثاً؟ فلما أخبره أنه لم يرد به زيادة في عدد الطلاق، وأنه قال: بلانية زيادة. ألزمه واحدة وهي أقل الطلاق، وقوله: (ولو أنهم فعلوا ما يوعظون به... أيضاً) لو طلق فلم يذكر البتة، إذ كانت كلمة محدثة ليست في أصل الطلاق تحتمل صفة الطلاق وزيادة في عدده ومعنى غير ذلك، فنهاه عن المشكل من القول. ولم ينهه عن الطلاق، ولم يعبه ولم يقل له: لو أردت ثلاثاً كان مكروهاً عليك، وهو لا يحلفه على ما أراد إلا ولو أراد أكثر من واحدة ألزمه ذلك.

أخبرنا الربيع: قال أخبرنا الشافعي قال: أخبرنا مالك عن ابن شهاب، عن طلحة بن عبد الله ابن عوف، وكان أعلمهم بذلك، وعن أبي سلمة بن عبد الرحمن، أن عبد الرحمن طلق امرأته البتة وهو مريض فورثها عثمان منه بعد انقضاء عدتها.

قال الشافعي رحمه الله أخبرنا عبد الوهاب، عن أيوب، عن ابن سيرين. أن امرأة عبد الرحمن نشدته الطلاق فقال: إذا حضت ثم طهرت فأذنيني، فطهرت وهو مريض فأذنته فطلقها ثلاثاً. قال الشافعي رحمه الله: والبتة في حديث مالك بيان هذا الحديث ثلاثاً، لما وصفنا من أن يقول طالق البتة ينوي ثلاثاً وقد بينه ابن سيرين فقطع موضع الشك فيه.

أخبرنا الربيع، قال: أخبرنا الشافعي، قال: أخبرنا مالك، عن ابن شهاب، عن محمد بن عبد الرحمن ابن ثوبان عن محمد بن إياس بن بكير، قال: طلق رجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها، ثم بدا له أن ينكحها، فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له. فسأل أبا هريرة، وعبد الله بن عباس رضي الله عنهما عن ذلك فقالا: لا نرى أن تنكحها حتى تنكح زوجاً غيرك. قال: إنما كان طلاقاً إياها واحدة، فقال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل.

قال الشافعي رحمه الله: وما عاب ابن عباس ولا أبو هريرة عليه أن يطلق ثلاثاً، ولو كان ذلك معيباً، لقالا له: لزمتك الطلاق وبئسما صنعت، ثم سمي حين راجعه فما زاده ابن عباس على الذي هو عليه أن قال له: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل، ولم يقل ببئسما صنعت، ولا خرجت في إرساله.

أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعي، قال: أخبرنا مالك، عن يحيى بن سعيد، عن بكير، عن النعمان ابن أبي عياش الانصاري عن عطاء بن يسار، قال: جاء رجل يستفتي عبد الله بن عمرو: عن رجل طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يمسه، قال عطاء فقلت: إنما طلاق البكر واحدة. فقال عبد الله بن عمرو: إنما أنت قاص الواحدة تبينها، والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره.

ولم يقل له عبد الله: ببئسما صنعت حين طلقت ثلاثاً. أخبرنا الربيع: قال أخبرنا الشافعي قال: أخبرنا مالك عن يحيى بن سعيد، أن بكيراً أخبره عن النعمان

بن أبي عياش أنه كان جالساً عند عبدالله بن الزبير^{رض}، وعاصم بن عمر فجاءهما محمد بن إياس بن البكير فقال: إن رجلاً من أهل البادية طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فماذا تريان؟ فقال ابن الزبير^{رض}: إن هذا الأمر ما لنا فيه قول، اذهب إلى ابن العباس^{رض} وأبي هريرة^{رض}، فإني تركتهما عند عائشة^{رض} فسئلتهما؟ ثم اتنا فأخبرنا. فذهب فسألتهما؟ فقال ابن عباس^{رض} لأبي هريرة^{رض}: أفته يا أبا هريرة^{رض}، فقد جاءتك معضلة، فقال أبو هريرة رضي الله عنه: الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره.

وقال ابن عباس^{رض} مثل ذلك ولم يعيبا عليه الثلاث ولا عائشة^{رض}. أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعي^{رض} قال: أخبرني مالك^{رض} عن ابن شهاب^{رض} عن عروة أن مولاة لبنى عدى يقال لها: زيراء أخبرته أنها كانت تحت عبد وهي يومئذ أمة، فعتقت فقالت: فأرسلت إلى حفصة^{رض} فدعتنى يومئذ فقالت: إني مخبرتك خبراً ولا أحب أن تصنعى شيئاً، إن أمرك بيدك ما لم يمسك زوجك، فقالت: ففارقته ثلاثاً، فلم تقل لها حفصة: لا يجوز لك أن تطلقى ثلاثاً. ولو كان ذلك معيماً على الرجل، إذا كان ذلك معيماً عليها إذا كان بيدها فيه ما بيده.

أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعي^{رض} قال: أخبرنا مالك^{رض} عن هشام، عن أبيه، عن جهمان، عن أم بكرة الأسلمية أنها اختلعت من زوجها عبدالله بن أسيد، ثم أتيا عثمان^{رض} في ذلك فقال: هي تطليقة، إلا أن تكون سميت شيئاً فهو ما سميت. فعثمان رضي الله عنه: يخبره أنه إن سمى أكثر من واحدة كان ما سمى، ولا يقول له: لا ينبغي لك أن تسمى أكثر من واحدة، بل في هذا القول دلالة على أنه جائز له أن يسمى أكثر من واحدة. أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعي^{رض} قال: أخبرنا مالك، عن يحيى بن سعيد، عن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم، أن عمر بن عبدالعزيز رضي الله عنه قال: البتة ما يقول الناس فيها؟ فقال أبو بكر^{رض}،

فقلت له: كان أبان بن عثمان يجعلها واحدة، فقال عمر: لو كان الطلاق ألفاً ما أبقت البتة منه شيئاً، من قال البتة فقد رمى الغاية القصوى.

قال الشافعي: ولم يحك عن واحد منهم على اختلافهم في البتة أنه عاب البتة ولا عاب ثلاثاً. قال الشافعي قال مالك في المخيرة: إن خيرها زوجها فاختارت نفسها فقد طلقت ثلاثاً: وإن قال زوجها: لم أخيرك إلا في واحدة فليس له في ذلك قول، وهذا أحسن ما سمعت.

قال الشافعي: فإذا كان مالك يزعم أن من مضى من سلف هذه الأمة قد خيروا وخير رسول الله صلى الله عليه وسلم. والخيار إذا اختارت المرأة نفسها يكون ثلاثاً، كان ينبغي بزعمهم أن الخيار لا يحل، لأنها إذا اختارت كان ثلاثاً، وإذا زعم أن الخيار يحل وهي إذا اختارت نفسها طلقت ثلاثاً فقد زعم أن النبي ﷺ قد أجاز الطلاق الثلاث، وأصحاب النبي صلى الله عليه وسلم.

قال الشافعي رحمه الله - أخبرنا سعيد بن سالم عن ابن جريج عن عكرمة بن خالد، أن سعيد بن جبير أخبره أن رجلاً أتى ابن عباس فقال: طلقت امرأتى مائة فقال ابن عباس رضي الله عنه تأخذ ثلاثاً وتدع سبعا وتسعين.

قال الشافعي: أخبرنا سعيد، عن ابن جريج، أن عطاء ومجاهداً قالا: إن رجلاً أتى ابن عباس، فقال: طلقت امرأتى مائة، فقال ابن عباس: تأخذ ثلاثاً وتدع سبعا وتسعين.

أخبرنا الربيع قال: أخبرنا الشافعي قال: أخبرنا مسلم بن خالد، عن ابن جريج، عن عطاء وحده، عن ابن عباس أنه قال: سبعا وتسعين عدواناً، اتخذت بها آيات الله هزواً، فعاب عليه ابن عباس كل مازاد عن عدد الطلاق الذي لم يجعله الله إليه ولم يعب عليه ما جعل الله إليه من الثلاث، وفي هذا دلالة على أنه يجوز له عنده أن يطلق ثلاثاً ولا يجوز له ما لم يكن إليه. ١هـ

المذهب الحنبلي

وأما المذهب الحنبلي فقد

قال ابن قدامة: اختلفت الرواية عن أحمد في جمع الثلاث، فروى عنه أنه غير محرم اختاره الخرقى، وهو مذهب الشافعى، وأبى ثور وداؤد، وروى ذلك عن الحسن بن على و عبد الرحمن بن عوف، والشعبى، لأن عويمراً العجلانى لما لاعن امرأته قال: كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها تطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله ﷺ متفق عليه ولم ينقل إنكار النسي ﷺ.

وعن عائشة: أن امرأة رفاعه جاءت إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله إن رفاعه طلقنى فبت طلاقى متفق عليه، وفى حديث فاطمة بنت قيس، أن زوجها أرسل إليها ثلاث تطليقات. ولأنه طلاق جاز تفريقه فجاز جمعه كطلاق النساء.

وقد أجاب ابن قدامة عن أدلة القائلين بالإباحة جواباً اجمالياً: فقال (المغنى ومعه الشرح الكبير ٢/٨) وأما حديث المتلاعنين فغير لازم، لأن الفرقة لم تقع بالطلاق، فإنها وقعت بمجرد لعان الزوج فلا حجة فيه. ثم إن اللعان يوجب تحريماً مؤبداً، فالطلاق بعده كالطلاق بعد انفساخ النكاح بالرضاع أو غيره.

ولأن جمع الثلاث إنما حرم لما يعقبه من الندم، ويحصل به من الضر ويفوت عليه من حل نكاحها، ولا يحصل ذلك بالطلاق بعد اللعان لحصوله باللعان.

وسائر الأحاديث لم يقع فيها جمع الثلاث بين يدي النبى ﷺ فيكون مقراً عليه، ولا حضر المطلق عند النبى ﷺ حين أخبر بذلك لينكر عليه. على أن حديث فاطمة قد جاء فيه: أنه أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها

من طلاقها، وحديث امرأة رفاعة جاء فيه أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات متفق عليه، فلم يكن في شيء من ذلك جمع الثلاث. ولا خلاف بين الجميع في أن الاختيار والأولى أن يطلق واحدة ثم يدعها حتى تنقضي عدتها، إلا ما حكينا من قول من قال إنه يطلقها في كل قرء طلقة، والأولى أولى، فإن في ذلك امتثالا لأمر الله - سبحانه - وموافقة لقول السلف، وأما من الندم، فإنه متى ندم راجعها فإن فاتته ذلك بانقضاء عدتها فله نكاحها.....

وقال ابن حزم :

وجدنا من حجة من قال: إن الطلاق الثلاث مجموعة سنة لا بدعة، قول الله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة أمن سورة البقرة: ٢٣٠) فهذا يقع على الثلاث مجموعة ومفرقة ولا يجوز أن يخص بهذه الآية بعض ذلك دون بعض بغير نص.

وكذلك قوله تعالى: (إذا نكحتم المومنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فمالكم عليهن من عدة تعتدونها... الآية الكريمة من سورة الاحزاب: ٤٩) غموم لإباحة الثلاث والاثنين والواحدة.

وقوله تعالى: (وللمطلقات متاع بالمعروف... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٤١) فلم يخص تعالى مطلقة واحدة من مطلقة اثنتين ومن مطلقة ثلاثاً.

ووجدنا ما روينا من طريق مالك، عن ابن شهاب، أن سهل بن سعد الساعدي أخبره عن حديث النعمان عويمر العجلاني مع امرأته، وفي آخره أنه قال: "كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله ﷺ ثم قال: وأنا مع الناس عند رسول الله ﷺ.

قال ابو محمد - ابن حزم - لو كانت طلاق الثلاث مجموعة معصية لله تعالى، لما سكت رسول الله ﷺ عن بيان ذلك فصح يقيناً أنها سنة مباحة.

وقال بعض أصحابنا: لا يخلو من أن يكون طلقها وهي امرأته، أو طلقها وقد حرمت عليه ووجب التفريق بينهما، فإن كان طلقها وهي امرأته، فليس هذا قولكم، لأن قولكم إنها بتمام اللعان تبين عنه إلى الأبد، وإن كان طلقها أجنبية فإنما نحن فيمن طلق امرأته لا فيمن طلق أجنبية.

فقلنا: إنما طلقها وهو يقدر أنها امرأته هذا ما لا يشك فيه أحد، فلو كان ذلك معصية لسبقكم رسول الله ﷺ إلى هذا الاعتراض، فإنما حجتنا كلها في ترك رسول الله ﷺ الإنكار على من طلق ثلاثاً مجموعة امرأة يظنها امرأته: ولا يشك أنها في عصمته فقط.

فإن قالوا: ليس كل مسكوت عن ذكره في الأخبار يكون ترك ذكره حجة. فقلنا: نعم، هو حجة لازمة إلا أن يوجد بيان في خبر آخر لم يذكر في هذا الخبر، فحينئذ لا يكون السكوت عنه في خبر آخر حجة.

ومن طريق البخاري، نا محمد بن بشار، نا يحيى هو ابن سعيد القطان، عن عبيد الله بن عمر، نا القاسم بن محمد ابن أبي بكر، عن عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها. قالت: إن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلق، فسئل رسول الله ﷺ: أتحل للأول؟ قال: "لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول" فلم ينكر عليه الصلاة والسلام. هذا السؤال ولو كان لا يجوز لأخبر بذلك. وخبر فاطمة بنت قيس المشهور رويناه من طريق يحيى بن أبي كثير، أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن، أن فاطمة بنت قيس أخبرته أن زوجها ابن حفص بن المغيرة المخزومي طلقها ثلاثاً ثم انطلق إلى اليمن فانطلق خالد بن الوليد في نفر فأتوا رسول الله ﷺ في بيت ميمونة أم المؤمنين فقالوا إن ابن حفص طلق امرأته ثلاثاً فهل لها من نفقة؟ فقال رسول الله ﷺ: "ليس لها نفقة وعليها العدة" وذكر باقي الخبر.

ومن طريق مسلم، نامحمد بن المشي، ناحفص بن غياث، نا هشام بن عروة، عن أبيه، عن فاطمة بنت قيس قالت: قلت: يا رسول الله إن زوجي طلقني ثلاثاً وأنا أجاف أن يقتحم علي قال: فأمرها فتحولت ومن طريق مسلم، نا محمد بن المشي، نا عبدالرحمن بن مهدي، نا سفيان الثوري، عن سلمة بن كهيل: عن الشعبي عن فاطمة بنت قيس، عن النبي ﷺ في المطلقة ثلاثاً قال: "ليس لها سكنى ولا نفقة". فهذا نقل تواتر عن فاطمة بأن رسول الله ﷺ أخبرها هي ونفر سواها بأن زوجها طلقها ثلاثاً (كذا في الأصل المنقول عنه) وبأنه عليه الصلاة والسلام حكم في المطلقة ثلاثاً ولم ينكر عليه الصلاة والسلام ذلك ولا أخبر بأنه ليس بسنة، وفي هذا كفاية لمن نصح نفسه.

فإن قيل: إن الزهري روى عن أبي سلمة هذا الخبر، فقال فيه: أنها ذكرت أنه طلقها آخر ثلاث طلاقات وروى الزهري عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة، أن زوجها أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها من طلاقها فذكر الخبر وفيه: فأرسل مروان إليها قبيصة بن ذؤيب فحدثته وذكر باقي الخبر.

قلنا: نعم. هكذا رواه الزهري، فأما روايته من طريق عبيد الله بن عبد الله فمقطعة، لم يذكر عبيد الله ذلك عنها ولا عن قبيصة عنها، إنما قال: إن فاطمة طلقها زوجها وأن مروان بعث إليها قبيصة فحدثته وأما خبره عن أبي سلمة فمتصل، إلا أن كلا الخبرين ليس فيهما أن رسول الله ﷺ أخبرته هي ولا غيرها بذلك، إنما السند الصحيح الذي فيه أنه عليه الصلاة والسلام سأل عن كمية طلاقها؟ وأنها أخبرته، فهي التي قدمنا أولاً، وعلى ذلك الإجمال جاء حكمه عليه الصلاة والسلام. وكذلك كل لفظ روى به خبر فاطمة من (أبت طلاقها) و (طلقها البتة) و (طلقها طلاقاً باتاً) و (طلاقاً بائناً) فليس في شيء منه أن رسول الله ﷺ وقف عليه أصلاً فسقط كل ذلك وثبت حكمه عليه الصلاة والسلام على ما صح

أنه، أخبر به من أنه طلقها ثلاثاً فقط.

وأما الصحابة رضي الله عنهم فإن الثابت عن عمر رضي الله عنه الذي لا يثبت عن غيره، ما روينا من طريق عبدالرزاق، عن سفيان الثوري، عن سلمة بن كهيل، نازيد بن وهب: أنه رفع إلى عمر بن الخطاب برجل طلق امرأته ألفاً فقال له عمر: أطلقت امرأتك؟ فقال: إنما كنت ألعب فعلاه عمر بالدرة وقال: إنما يكفيك من ذلك ثلاث. وإنما ضربه عمر على الزيادة على الثلاث، وأحسن عمر في ذلك، وأعلمه أن الثلاث تكفي ولم ينكرها.

ومن طريق وكيع، عن الأعمش، عن حبيب بن أبي ثابت، جاء رجل إلى علي بن أبي طالب فقال: إني طلقّت امرأتى ألفاً. فقال له علي: بانت منك بثلاث، واقسم سائرهن بين نساءك. فلم ينكر جمع الثلاث.

ومن طريق وكيع، عن جعفر بن برقان، عن معاوية بن أبي يحيى قال: جاء رجل إلى عثمان بن عفان فقال: طلقّت امرأتى ألفاً، فقال: بانت منك بثلاث... فلم ينكر الثلاث.

ومن طريق عبدالرزاق، عن سفيان الثوري، عن عمرو بن مرة، عن سعيد بن جبير قال: قال رجل لابن عباس: طلقّت امرأتى ألفاً. فقال له ابن عباس: ثلاث تحرمها عليك، وبقيتها عليك وزراً، اتخذت آيات الله هزواً. فلم ينكر الثلاث، سوأنكر ما زاد.

والذي جاء عنه من قوله لمن طلق ثلاثاً ثم ندم. لو اتقيت الله لجعل لك مخرجاً، وهو على ظاهره، نعم إن اتقى الله جعل له مخرجاً، وليس فيه أن طلاقه الثلاث معصية.

ومن طريق عبدالرزاق، عن معمر، عن الأعمش، عن إبراهيم عن علقمة قال: جاء رجل إلى ابن مسعود فقال: إني طلقّت امرأتى تسعة وتسعين. فقال له ابن

مسعود: ثلاث تبينها، وسائرها عدوان.

وهذان خبران في غاية الصحة، لم ينكر ابن مسعود و ابن عباس الثلاث مجموعة أصلاً، وإنما أنكر الزيادة على الثلاث. ومن طريق أحمد بن شعيب، أنا عمرو بن علي، نا يحيى بن سعيد القطان، عن سفيان الثوري، عن أبي اسحاق السبيعي عن أبي الأحوص، عن عبد الله بن مسعود قال: طلاق السنة أن يطلقها طاهراً من غير جماع، وهذا في غاية الصحة عن ابن مسعود، فلم يخص طلقة من طلقتين من ثلاث.

فإن قيل: قد روى الأعمش، عن أبي اسحاق، عن أبي الأحوص، عن ابن مسعود وفيه: فإذا حاضت وطهرت طلقها أخرى، فإذا حاضت وطهرت طلقها أخرى.

قلنا نعم، هذا أيضاً سنة، وليس فيه أن ما عدا ذلك حرام وبدعة. فإن قيل: قد رويت من طريق حماد بن زيد، نا يحيى بن عتيق، عن محمد بن سيرين قال: قال علي بن أبي طالب: لو أن الناس أخذوا بأمر الله تعالى في الطلاق ما يبيح رجل نفسه في امرأة أبداً يبدأ فيطلقها تطليقة ثم يتربص ما بينها وبين أن تنقضي عدتها فمتى شاء راجعها.

قلنا: هذا منقطع عنه، لأن ابن سيرين لم يسمع من علي كلمة، ثم ليس فيه أيضاً أن ما عدا ذلك معصية ولا بدعة لا يعلم عن الصحابة رضي الله عنهم غير ما ذكرنا. وأما التابعون فروينا من طريق وكيع عن اسماعيل ابن أبي خالد، عن الشعبي قال: قال رجل لشريح القاضي: طلقت امرأتى مائة. فقال: بانت منك بثلاث، وسبع وتسعون إسراف ومعصية.

فلم ينكر شريح الثلاث، وإنما جعل الإسراف والمعصية ما زاد على الثلاث. ومن طريق عبدالرزاق عن معمر عن قتادة، عن سعيد بن المسيب، قال:

طلاق العدة أن يطلقها إذا طهرت من الحيضة بغير جماع.

قال أبو محمد: فلم يخص واحدة من ثلاث من اثنتين لا يعلم عن أحد من التابعين أن الثلاث معصية، صرح بذلك، إلا الحسن، والقول بأن الثلاث سنة هو قول للشافعي وأبي ذر وأصحابهما.

وقال ابن أبي شيبة (انظر المصنف بن أبي شيبة الجزء الخامس ص ١١):
 "من رخص الرجل أن يطلق ثلاثاً في مجلس" حدثنا أبو أسامة، عن هشام قال:
 سئل محمد عن الرجل يطلق امرأته ثلاثاً في مقعد واحد. قال: لا أعلم بذلك بأساً،
 قد طلق عبد الرحمن بن عوف امرأته ثلاثاً فلم يعب عليه ذلك.

حدثنا أبو أسامة، عن ابن عون عن محمد قال: كان لا يرى بذلك بأساً.
 حدثنا غندر عن شعبة، عن عبد الله بن أبي السفر، عن الشعبي، في رجل أراد أن
 تبين منه امرأته، قال: يطلقها ثلاثاً.



المسألة الثانية

ما يترتب على ايتاع الطلاق الثلاث بلفظ واحد

وفى ذلك مذاهب

"المسألة الثانية ما يترتب على إيقاع الطلاق الثلاث بلفظ واحد وفى

ذلك مذاهب".

المذهب الاول :

أن الرجل إذا طلق زوجته ثلاثاً بلفظ واحد وقعت ثلاثاً دخل بها أولاً.

ذكر من قال بهذا القول :

١- وقال الكاسانى :

وأما حكم طلاق البدعة: فهو أنه واقع عند عامة العلماء، وقد ذكر هذا

بعد سياقه للألفاظ التى يقع بها طلاق البدعة وذكر منها الثلاث بلفظ واحد (بدائع

الصنائع ٩٦/٣)

٢- وقال ابن الهمام :

وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه

يقع ثلاثاً (فتح القدير ٢٥/٣)

٣- وقال الطحاوى :

بعد سياقه لأدلة وقوعها ثلاثاً (شرح معانى الآثار ٥٩/٣) فهذا كله قول

أبى حنيفة وأبى يوسف ومحمد رحمة الله عليهم اجمعين.

٤- وقال سحنون بن سعيد التنوخى :

قلت : أرأيت إن طلقها ثلاثاً وهى حامل فى مجلس واحد أو مجالس

شتى، أيلزمه ذلك أم لا؟ قال : قال مالك يلزمه ذلك (المدونة ٦٨/٢)

٥- وقال الخطاب:

(تنبيه) قال أبو الحسن في شرح كلام المدونة المتقدم صورته: أن يقول لها أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق في مجلس واحد، فإن كان على غير هذه الصفة كما إذا قال: أنت طالق ثلاثاً في كلمة واحدة، فقال عبد الحميد الصائغ: ثلاث تطبيقات في كلمة أشد منه في ثلاثة مجالس، وفي ثلاثة مجالس أشد منه في ثلاثة أطهار. وكلما طلق يلزمه... انتهى... (مواهب الجليل ٤/ ٣٩)

٦- وقال الباجي:

إذا ثبت ذلك أي كلامه على تحريم إيقاع الثلاث بلفظ واحد، فمن أوقع الطلاق الثلاث بلفظة واحدة لزمه ما أوقعه من الثلاث وبه قال جماعة الفقهاء (المنتقى ٣/ ٤)

٧- وقال القرطبي:

قال علماؤنا: واتفق أئمة الفتوى على لزوم إيقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة، وهو قول جمهور السلف (تفسير القرطبي ٣/ ١٢٩)

٨- وقد سبق أدلة كثيرة عن الإمام الشافعي رحمه الله:

في الكلام على المسألة الأولى وأنه يوقعها ثلاثاً (المهذب ٢/ ٨٤)

٩- وقال الشيرازي:

وإن قال لغير المدخول بها أنت طالق ثلاثاً وقع الثلاث لأن الجميع صادف الزوجية فوقع الجميع كما لو قال ذلك للمدخول بها.

١٠- وقال ابن قدامة:

وإن طلق ثلاثاً بكلمة واحدة وقع الثلاث وحرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره، ولا فرق بين قبل الدخول وبعده، روى ذلك عن ابن عباس، وأبي هريرة، وابن عمر، وعبد الله بن عمرو، وابن مسعود، وأنس، وهو قول أكثر أهل العلم من

التابعين، والأئمة بعدهم (المغنى ٨/٢٤٣)

١١- وقال المرداوى :

وإن طلقها ثلاثاً مجموعة قبل رجعة مرة واحدة طلقت ثلاثاً وإن لم ينوها على الصحيح من المذهب، نص عليه مراراً وعليه الأصحاب بل الأئمة الأربعة رحمهم الله وأصحابهم فى الجملة (الانصاف ٨/٤٥٣)

١٢- وقال شيخ الاسلام :

فى أثناء الكلام على بيان المذاهب فى ذلك - الثانى أنه طلاق محرم لازم وهو قول مالك، وأبى حنيفة، وأحمد فى الرواية المتأخرة عنه، اختارها أكثر أصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين (مجموع الفتاوى ٨/٣٣)

١٣- وقال ابن القيم :

فاختلف الناس فيها - أى وقوع الثلاث بكلمة واحدة - على أربعة مذاهب: أحدها: أنه يقع وهذا قول الأئمة الأربعة، وجمهور التابعين، وكثير من الصحابة ... (زاد المعاد ٤/١٠٤)

١٤- وقال يوسف بن عبدالرحمن بن عبدالهادى :

الفصل الأول فى أن الطلاق الثلاث يقع ثلاثاً هذا هو الصحيح من المذهب، ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره كما سيأتى، وهذا القول مجزوم به فى أكثر كتب أصحاب الإمام أحمد كالخرقى والمقنع، والمحزر والهداية وغيرهم، من كتب أصحاب الإمام أحمد ولا يعدل عنه.

قال الأثرم: سألت أبا عبد الله عن حديث ابن عباس "كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وعمر واحدة بأى شىء تدفعه؟ فقال برواية الناس عن ابن عباس أنها ثلاث" وقدمه فى الفروع وجزم به فى المغنى، وأكثرهم

لم يحك غيره والله أعلم بالصواب (سيرالحاثة إلى علم الطلاق الثلاث ٧٠)

١٥- وقال أيضاً الفصل الثاني فيمن قال بهذا القول ومن أفتى به:

قال به ابن عباس غير مرة، و ابن عمر، و عبدالله بن عمرو، و عثمان، و علي، و ابن مسعود وهو قول أكثر أهل العلم، وبه قال أحمد، والشافعي، و أبو حنيفة، و مالك، و أنس، و ابن أبي ليلى، و الأوزاعي، وقال به من أصحابنا الخرقى، والقاضى و أبوبكر، و ابن حامد، و ابن عقيل، و أبو الخطاب، والشيرازى، والشيخ موفق الدين، والشيخ مجد الدين - وليس مطلقاً كما سيأتى - والشرىف حتى أكثر أصحاب الإمام أحمد على هذا القول.

وفى إجماع ابن المنذر ما يدل على أنه إجماع ليس بصريح فيه. وهذا القول اختاره ابن رجب. وقد صنف ردّاً على من قال بخلافه، والله أعلم بالصواب (سيرالحاثة إلى علم الطلاق الثلاث ٧٧)

١٦- وقال ابن عبدالمجادى :

قال ابن رجب: أعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتد بقولهم فى الفتاوى فى الحلال والحرام شىء صريح فى أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد.

١٧- وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطى :

وعلى هذا القول - أى اعتبارها ثلاثاً - جل الصحابة وأكثر العلماء منهم الأئمة الأربعة. ١هـ. وقد استدلل لهذا المذهب بالكتاب والسنة والاجماع والآثار والقياس (أضواء البيان ١/ ١٧٦)

أما الكتاب :

فأولاً قوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان...

الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩)

قال أبو بكر الرازي تحت عنوان "ذكر الحجج لإيقاع الطلاق الثلاث معاً" قوله تعالى: الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) يدل على وقوع الثلاث معاً مع كونه منهيًا عنه. وذلك لأن قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣١) قد أبان عن حكمه إذا وقع اثنتين بأن يقول: أنت طالق، أنت طالق في طهر واحد وقد بينا أن ذلك خلاف السنة، فإذا كان في مضمون الآية الحكم بجواز وقوع اثنتين على هذا الوجه دل ذلك على صحة وقوعهما لو أوقعهما معاً، لأن أحداً لم يفرق بينهما.

وفيها الدلالة عليه من وجه آخر وهو قوله تعالى: فلا تحل لهما من بعد حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠. فحكم بتحريمها عليه بالثالثة بعد اثنتين ولم يفرق بين إيقاعهما في طهر واحد أو في أطهار، فهو محرم الحكم بإيقاع الجميع على أى وجه أوقعه من مسنون أو غير مسنون و مباح أو محظور.

فإن قيل: قد دلت في معنى الآية أن المراد بها بيان المندوب إليه والمأمور به من الطلاق وإيقاع الطلاق الثلاث معاً خلاف المسنون عندك، فكيف تحتج بها في إيقاعها على غير الوجه المباح والآية لم تتضمنها على هذا الوجه؟ قيل له: قد دلت الآية على هذه المعاني كلها من إيقاع اثنتين والثلاث لغير السنة وأن المندوب إليه والمسنون تفريقها في الأطهار، وليس يمتنع أن يكون مراد الآية جميع ذلك. ألا ترى أنه لو قال: طلقوا ثلاثاً في الأطهار وإن طلقتم جميعاً معاً وقعن كان جائزاً، وإذا لم يتناف المعنيان واحتملتها الآية وجب حملها عليهما.

فإن قيل: معنى هذه الآية محمول على ما بينه بقوله تعالى: فطلقوهن

لعدتهن... (الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) وقد بين الشارع الطلاق للعدة، وهو أن يطلقها في ثلاثة أطهار إن أراد إيقاع الثلاث، ومتى خالف ذلك لم يقع طلاقه.

قيل له: نستعمل الآيتين على ما تقتضيان من أحكامهما فنقول: إن المندوب إليه والمأمور به هو الطلاق للعدة على ما بينه في هذه الآية، وإن طلق لغير العدة وجمع الثلاث وقعن لما اقتضته الآية الأخرى وهي قوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) وقوله تعالى: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) إذ ليس في قوله: فطلقوهن - نفى لما اقتضته هذه الآية الأخرى، على أن في فحوى الآية التي فيها ذكر الطلاق للعدة دلالة على وقوعها إذا طلق لغير العدة. وهو قوله تعالى: (فطلقوهن لعدتهن) إلى قوله تعالى: (وتلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) فلو لا أنه إذا طلق لغير العدة وقع ما كان ظالماً لنفسه بإيقاعه، ولا كان ظالماً لنفسه بطلاقه.

وفي هذه الآية دلالة على وقوعها إذا طلق لغير العدة، ويدل عليه قوله تعالى في نسق الخطاب: (ومن يتق الله يجعل له مخرجاً... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) يعني - والله اعلم - أنه إذا وقع الطلاق على ما أمره الله كان له مخرجاً مما أوقع إن لحقه ندم وهو الرجعة، وعلى هذا المعنى تأوله ابن عباس حين قال للسائل الذي سأله وقد طلق ثلاثاً: إن الله تعالى يقول: (ومن يتق الله يجعل له مخرجاً... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) وإنك لم تتق الله فلم أجد لك مخرجاً، عصيت ربك وبانت منك امرأتك، ولذلك قال علي بن أبي طالب - كرم الله وجهه: لو أن الناس أصابوا حد الطلاق ما ندم رجل طلق امرأته.

فإن قيل: لما كان عاصياً في إيقاع الثلاث معاً لم يقع، إذ ليس هو الطلاق

المأمور به، كما لو وكل رجل رجلاً بأن يطلق امرأته ثلاثاً في ثلاثة أطهار لم يقع إذا جمعهن في طهر واحد.

قيل له: أما كونه عاصياً في الطلاق فغير مانع صحة وقوعه لما دللنا عليه فيما سلف، ومع ذلك فإن الله جعل الظهار منكراً من القول وزوراً، وحكم مع ذلك بصحة وقوعه، فكونه عاصياً لا يمنع لزوم حكمه والانسان عاص لله في رده عن الإسلام، ولم يمنع عصيانه من لزوم حكمه وفراق امرأته، وقد نهاه الله من مراجعتها ضراراً بقوله تعالى: (ولا تمسكوهن ضراراً لتعتدوا... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣١) فلو راجعها وهو يريد ضرارها لثبت حكمها وصحت رجعتها.

وأما الفرق بينه وبين الوكيل فهو: أن الوكيل إنما يطلق لغيره وعنه يعبر وليس يطلق لنفسه ولا يملك ما يوقعه. ألا ترى أنه لا يتعلق به شيء من حقوق الطلاق وأحكامه، فلما لم يكن مالكا لما يوقعه، وإنما يصح إيقاعه لغيره من جهة الأمر إذ كانت أحكامه تتعلق بالأمر دونه لم يقع متى خالف الأمر، وأما الزوج فهو مالك الطلاق وبه تتعلق أحكامه وليس يوقع لغيره فوجب أن يقع من حيث كان مالكا للثلاث وارتكاب النهي في طلاقه غير مانع وقوعه كما وصفنا في الظهار والرجعة والردة وسائر ما يكون به عاصياً، ألا ترى أنه لو وطأ أم امرأته بشبهة حرمت عليه امرأته وهذا المعنى الذي ذكرناه من حكم الزوج في ملكه للثلاث من الوجوه التي ذكرنا يدل على أنه إذا وقعها معاً وقع إذ هو موقع لما ملك. ١هـ.

وقال القرطبي:

في تفسير قوله تعالى: (الطلاق مرتان): ترجم البخاري على هذه الآية باب من أجاز الطلاق الثلاث لقوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو

تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: (٢٢٩) وهذا إشارة منه إلى أن هذا التعدد إنما هو فسحة لهم فمن ضيق على نفسه لزمه. ١هـ (أنظر تفسير القرطبي الجزء الثالث ص ١٢٨)

وقال العيني :

وجه الاستدلال به أن قوله تعالى: (الطلاق مرتان) معناه مرة بعد مرة فإذا جاز الجمع بين اثنتين جاز بين الثلاث وأحسن منه أن يقال: إن قوله تعالى: (أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) عام متناول لإيقاع الثلاث دفعة واحدة. وقال ابن أبي حاتم: أنا يونس بن عبد الأعلى قراءة عليه، أنا ابن وهب، أخبرني سفيان الثوري، حدثني اسماعيل بن سميع، سمعت أبا رزين يقول: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله أرأيت قول الله عز وجل: (فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... أيضاً) أين الثالثة؟ قال: "التسريح بالإحسان". هذا إسناد صحيح، ولكنه مرسل ورواه ابن مردويه من طريق قيس بن الربيع عن إسماعيل بن سميع عن أبي رزين مرسلًا قال: حدثنا عبد الله بن أحمد بن عبد الرحيم، حدثنا أحمد بن يحيى حدثنا عبيد الله بن جرير بن خالد، حدثنا ابن عائشة، عن حماد بن سلمة عن قتادة، عن أنس ابن مالك رضى الله عنه. قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال: يا رسول الله ذكر الله الطلاق مرتين، فأين الثالثة؟ قال: "إمساك بمعروف أو تسريح بإحسان"... ١هـ (أنظر عمدة القارى الجزء التاسع ص ٥٣٨)

وقد سبقت مناقشة ابن القيم لهذه الآية وبين أنها دليل على عدم وقوع الثلاث وذلك عند الكلام عليها فى المسألة الأولى.

وقال الشيخ جمال الدين الامام :

ردًا على الاستدلال بقوله تعالى: الطلاق مرتان... (الآية الكريمة من

سورة البقرة: ٢٢٩) وبين انها لا تدل على وقوع الثلاث قال (بواسطة سير الحاث لابن عبد الهادي ٩٣/٩٤): فصل: ومما بين ويوضح بطلان تركيبتهم شرعاً ولغة في الطلاق الثلاث وغيره: أن لفظ التعدد فيه منصوب نصب المصدر، فإن تقدير الكلام طلقك طلاقاً، ومعنى المصدر في الكلام طلقك تطليقات ثلاث، ومعنى المصدر في الكلام إنما هو حكاية حال الفعل في صدوره عن الفاعل.

والفعل له حالتان في صدوره عن الفاعل: حالة يكون فيها خبراً عما صدر وقوعه من الفاعل في الماضي وحالة يكون فيها أداة لما يستعمل فيه من إنشاء العقود والفسوخ استعارة أو اشتراكاً، فإذا أريد به الحكاية والخبر عن الماضي، فإن أريد به اخبار عن حقيقة الفعل ونفى المجاز عنه اتبع بالمصدر مطلقاً.

وأما إذا استعمل الماضي في إنشاء عقد أو فسخ سواء قيل إنه على وجه الاستعارة أو الاشتراك فإن أريد حقيقة العقد أو الفسخ اتبع المصدر مطلقاً مثل: طلقها تطليقاً، وأما إن أريد تعدد العقد أو الفسخ بلفظ واحد في مرة واحدة بمنزلة تعدده بالتكرار مرة بعد مرة وأتبع بالعدد وحده، أو مضافاً إلى المصدر المجموع، مثل طلقك ثلاثاً وقصد به التعدد، أو قال في اللعان أشهد بالله خمساً، أو خمس شهادات، أو قال في القسامة أقسم بالله خمسين يمينا أو قال بعد الصلاة "سبحان الله" مرة ثم قال: "ثلاثاً وثلاثين" وكذا "الحمد لله" وكذا "الله أكبر" وكذا لو قال في اليوم مرة واحدة "سبحان الله وبحمده" وأتبعها مائة مرة لم يكن بتكراره في الأيام والأوقات والعدد: فأما غير الطلاق فلا خلاف فيه، وأما الطلاق فوقع الغلط فيه من بعد الصحابة.

ثانياً قال النووي:

واحتج الجمهور بقوله تعالى: (ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا

تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

قالوا: معناه أن المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البينونة فلو كانت الثلاث لا تقع لم يقع طلاقه إلا رجعيًا فلا يندم.

قال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي (اضواء البيان ١/١٧٥/١٧٦) ومما يؤيد هذا الاستدلال القرآني ما أخرجه أبو داود بسند صحيح عن طريق مجاهد قال: كنت عند ابن عباس، فجاءه رجل فقال إنه طلق امرأته ثلاثًا، فسكت، حتى ظننت أنه سيردها إليه. فقال: ينطلق أحدكم فيركب الأحموقة ثم يقول: يا ابن عباس، الله قال: (ومن يتق الله يجعل له مخرجًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) وإنك لم تتق الله، فلا أجد لك مخرجًا، عصيت ربك، وبانت منك امرأتك...

وأخرج له أبو داود متابعات عن ابن عباس بنحوه، وهذا تفسير من ابن عباس للآية بأنها يدخل في معناها ومن يتق الله، ولم يجعل الطلاق في لفظة واحدة يجعل له مخرجًا بالرجعة، ومن لم يتق الله في ذلك بأن جمع الطلقات في لفظ واحد لم يجعل له مخرجًا لوقوع البينونة بها مجتمعة، هذا هو معنى كلامه الذي لا يحتمل غيره، وهو قوى جدًا في محل النزاع لأنه مفسر به قرآنًا، وهو ترجمان القرآن، وقد قال ﷺ: "اللهم علمه التأويل".

ثالثًا قال ابن عبد الهادي:

نقلًا عن ابن رجب: قوله في سياق آية (ولا تتخذوا آيات الله هزواً) قال الحسن: "وكان الرجل في عهد النبي ﷺ يطلق ويقول: كنت لاعبًا، ويعتق ويقول: كنت لاعبًا ويزوج ابنه ويقول كنت لاعبًا فقال رسول الله ﷺ: "ثلاث من قالهن لا عبًا جائزات عليهم: العتاق، والطلاق، والنكاح" فأنزل الله (ولا تتخذوا آيات الله هزواً... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣١)

وقال ابن عبد الهادي ردًا على ابن رجب في استدلاله بالآيات التي سبقت

(سيرالحوادث ٨٩-٩٠) وأما استدلاله بقوله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن - إلى قوله: ومن يتق الله يجعل له مخرجاً... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١-٢) قال: فليس بمسلم، لأن في حديث ركناة لما قال له "راجعها" تلا هذه الآية فهذه الآية دليل لنا لا لكم، لأن النبي ﷺ لما قضى له بهذا استدلالاً بالآية، فلو كان فيها دليل عليه لم يستدل بها، واستدلاله بالآية بقول ابن عباس فإن ابن عباس قد صح عنه أنه كان يفتي بهذا القول - أي واحدة - كما تقدم فليس لكم في الآية دليل.

وأما استدلاله بقوله تعالى: (ولا تتخذوا آيات الله هزواً... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣١) - واستدلاله بالحديث - أي حديث الحسن وقد مضى مع الآية - فالآية والحديث ليس فيهما دليل له، لأنه لم يثبت طلاق الثلاث بالكلية وإنما كان يطلق ويقول كنت لاعباً فنزلت هذه الآية، إن الطلاق لا لعب فيه فليس في هذا دليل.

وأما استدلاله بالآية الأخرى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) فليس فيها دليل أيضاً، لأن الطلاق هنا لم يذكر أنه بلفظة واحدة، بل الآية فيها إذا أتى بالطلاق مرة بعد أخرى، وليس في الآيات دليل له، بل كلها دليل عليه.

وأما السنة فقد استدلوها بالأدلة الآتية

الدليل الأول

ما ثبت في الصحيحين (صحيح البخاري وعليه الفتح ٣٩١/٩ - صحيح مسلم وعليه شرح النووي ١٠/١٢٣) في قصة لعان عويمر وزوجته وفيه: "فلما فرغ قال عويمر: كذبت عليها يا رسول الله إن أمسكتها فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره

رسول الله ﷺ قال ابن شهاب فكانت سنة المتلاعنين. متفق عليه.

قال النووي (النووي على مسلم ١٠/١٢٢، ويرجع أيضاً إلى الفتح ٩/٣٦٧) واستدل به أصحابنا على أن جمع الطلقات الثلاث بلفظ واحد ليس حراماً، وموضع الدلالة أنه لم ينكر عليه اطلاق لفظ الثلاث. وقد يعترض على هذا فيقال: إنما لم ينكره عليه، لأنه لم يصادف الطلاق محلاً مملوكاً له ولا نفوذاً. ويجاب عن هذا الاعتراض، بأنه لو كان الثلاث محرماً لأنكر عليه، وقال له: كيف ترسل لفظ الطلاق الثلاث مع أنه حرام، والله اعلم.

وقال ابن نافع من أصحاب مالك: إنما طلقها ثلاثاً بعد اللعان، لأنه يستحب إظهار الطلاق بعد اللعان، مع أنه قد حصلت الفرقة بنفس اللعان. وهذا فاسد، وكيف يستحب للإنسان أن يطلق من صارت أجنبية. وقال محمد بن أبي صفرة المالكي: لا تحصل الفرقة بنفس اللعان، واحتج بطلاق عويمر وبقوله: إن أمسكتها، وتأوله الجمهور كما سبق، والله اعلم. وأما قوله: وقال ابن شهاب فكانت سنة المتلاعنين. فقد تأوله ابن نافع المالكي على أن معناه استحباب الطلاق بعد اللعان كما سبق، وقال الجمهور معناه حصول الفرقة بنفس اللعان.

وقال شيخ الإسلام (مجموع الفتاوى ٣٣/٧٧-٧٨ ويرجع أيضاً إلى ٤/١١٥ زاد المعاد وإغاثة اللهفان ١/٣١٤): وأما الملاعن فإن طلاقه وقع بعد البينة أو بعد وجوب الإبانة التي تحرم بها المرأة أعظم مما يحرم بالطلقة الثالثة، فكان مؤكداً لموجب اللعان، والنزاع إنما هو طلاق من يمكنه إمساكها، لا سيما والنبي ﷺ قد فرق بينهما، فإن كان ذلك قبل الثلاث لم يقع بها الثلاث ولا غيرها، وإن كان بعدها دل على بقاء النكاح، والمعروف أنه فرق بينهما بعد

أن طلقها ثلاثاً، فدل ذلك على أن الثلاث لم يقع بها، إذ لو وقعت لكانت قد حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره، وامتنع حينئذ أن يفرق النبي ﷺ بينهما لأنها صارا أجنبيين.

ولكن غاية ما يمكن أن يقال: حرمتها عليه تحريماً مؤبداً. فيقال: فكان ينبغي أن يحرمها عليه لا يفرق بينهما، فلما فرق بينهما دل على بقاء النكاح، وأن الثلاث لم تقع جميعاً، بخلاف ما إذا قيل: إنه يقع بها واحدة رجعية فإنه يمكن فيه حينئذ أن يفرق بينهما.

وقول سهل بن سعد :

فأنفذه عليه رسول الله ﷺ دليل على أنه محتاج إلى إنفاذ النبي ﷺ واختصاص الملاعن بذلك ولو كان من شرعه أنها تحرم بالثلاث لم يكن للملاعن اختصاص ولا يحتاج إلى إنفاذ، فدل على أنه لما قصد الملاعن بالطلاق الثلاث أن تحرم عليه انفاذ النبي ﷺ مقصوده بل زاده، فإن تحريم اللعان أبلغ من تحريم الطلاق، إذ تحريم اللعان لا يزول وإن نكحت زوجاً غيره، وهو مؤبد في أحد قولي العلماء لا يزول بالتوبة.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي :

بعد ذكره استدلال البخاري بحديث عويمر، ووجه الدلالة والاعتراض عليها، والجواب عن الاعتراض من وجهين، وكل ذلك سبق نقله عن النووي إلا الوجه الثاني، وقال: (اضواء البيان الجزء الأول ص ١٦٢ وما بعدها) وبأن الفرقة لم يدل على أنها بنفس اللعان كتاب ولا سنة صريحة ولا إجماع.

وبعد أن عرض بعض مذاهب العلماء وأدلتهم ومناقشتها في اللعان هل تحصل به الفرقة أم لا؟ قال: واختلف في هذا اللفظ - أي ما جاء في الحديث المتقدم من قوله: فكانت سنة المتلاعنين - هل هو مدرج من كلام الزهري فيكون

مرسلاً وبه قال جماعة من العلماء، أو هو من كلام سهل فهو مرفوع متصل، ويؤيد كونه من كلام سهل ما وقع في حديث أبي داود من طريق عياض بن عبد الله الفهرى: عن ابن شهاب عن سهل قال: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فأنفذه رسول الله ﷺ وكان ما صنع عند رسول الله ﷺ سنة، قال سهل: حضرت هذا عند رسول الله ﷺ فمضت السنة بعد في المتلاعنين أن يفرق بينهما ثم لا يجتمعان أبداً. هذا الحديث سكت عليه أبو داود والمنذرى.

قال الشوكاني في نيل الأوطار ورجاله رجال الصحيح، قال مقيده عفا الله عنه: ومعلوم أن ما سكت عليه أبو داود فأقل درجاته عنده الحسن، وهذه الرواية ظاهرة في محل النزاع، وبها تعلم أن احتجاج البخارى لوقوع الثلاث دفعة بحديث سهل المذكور واقع موقعه، لأن المطلع على غوامض إشارات البخارى رحمه الله يفهم أن هذا اللفظ الثابت في سنن أبي داود مطابق لترجمة البخارى، وأنه أشار بالترجمة إلى هذه الرواية ولم يخرجها لأنها ليست على شرطه، فتصريح هذا الصحابى الجليل في هذه الرواية الثابتة بأن النبى ﷺ أنفذ طلاق الثلاث دفعة يبطل بإيضاح أنه لا عبرة بسكوته ﷺ وتقريره له، بناء على أن الفرقة بنفس اللعان كما ترى. وبعد سياقه لبقية المذاهب فى الفرقة باللعان قال: وبهذا تعلم أن كون الفرقة بنفس اللعان ليس أمراً قطعياً حتى ترد به دلالة تقرير النبى ﷺ عويصراً العجلانى على إيقاع الثلاث دفعة الثابت فى الصحيح، لا سيما وقد عرفت أن بعض الروايات فيها التصريح بأنه ﷺ أنفذ ذلك. وبعد أن عرض مذاهب العلماء فى نفقة البائن وسكنائها قال:

فإن قبل: أنفاذه ﷺ الثلاث دفعة من المتلاعنين على الرواية المذكورة لا يكون حجة فى غير اللعان، لأن اللعان تجب فيه الفرقة الأبدية، فإنفاذ الثلاث يؤكد لذلك الأمر الزاجب بخلاف الواقع فى غير اللعان، ويدل لهذا أن النبى ﷺ

غضب من إيقاع الثلاث دفعة في غير اللعان، وقال: "أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم" كما أخرجه النسائي من حديث محمود بن لبيد.

فالجواب من أربعة أوجه

الأول : الكلام في حديث محمود بن لبيد، فإنه تكلم فيه من جهتين:

الأولى :

أنه مرسل، لأن محمود بن لبيد لم يثبت له سماع من رسول الله ﷺ وإن كانت ولادته في عهده ﷺ وذكره في الصحابة من أجل الرؤية، فقد ترجم له أحمد في مسنده وأخرج له عدة أحاديث ليس فيها شيء صريح فيه بالسماع.

الثانية :

أن النسائي قال بعد تخريجه لهذا الحديث: لا أعلم أحداً رواه غير مخرمة بن بكير يعني ابن الأشج عن أبيه، ورواية مخرمة عن أبيه وجادة من كتابه. قاله أحمد، وابن معين وغيرهما، وقال ابن المديني: سمع من أبيه قليلاً. قال ابن حجر في التقريب روايته عن أبيه وجادة من كتابه. قاله أحمد وابن معين وغيرهما، وقال ابن المديني: سمع من أبيه قليلاً، قال مقبده عفا الله عنه.

أما الاعلال الأول :

بأنه مرسل فهو مردود بأنه مرسل صحابي ومراسيل الصحابة لها حكم الوصل، ومحمود بن لبيد المذكور جل روايته عن الصحابة كما قاله ابن حجر في التقريب وغيره.

والاعلال الثاني :

بأن رواية مخرمة عن أبيه وجادة من كتابه فيه أن مسلماً أخرج في

صحيحه عدة أحاديث من رواية مخرمة عن أبيه، والمسلمون مجتمعون على قبول أحاديث مسلم إلا بموجب صريح يقتضى الرد، والحق أن الحديث ثابت إلا أن الاستدلال به يرد.

الوجه الثاني :

وهو أن حديث محمود ليس فيه التصريح بأنه ﷺ أنفذ الثلاث، ولا أنه لم ينفذها، وحديث سهل على الرواية المذكورة فيه التصريح بأنه أنفذها، والمبين مقدم على المجمل كما تقرر في الأصول، بل بعض العلماء احتج لإيقاع الثلاث دفعة بحديث محمود هذا.

• ووجه استدلاله به، أنه طلق ثلاثاً يظن لزومها، فلو كانت غير لازمة لبين النبي ﷺ أنها غير لازمة، لأن البيان لا يجوز تأخيرها عن وقت الحاجة.

الوجه الثالث :

أن إمام المحدثين محمد بن إسماعيل البخاري رحمه الله أخرج حديث سهل تحت الترجمة التي هي قوله: "باب من أجاز الطلاق الثلاث" وهو دليل على أنه يرى عدم الفرق بين اللعان وغيره في الاحتجاج بانفاذ الثلاث دفعة.

الوجه الرابع :

هو ما سيأتي من الأحاديث الدالة على وقوع الثلاث دفعة كحديث ابن عمر وحديث الحسن بن علي، وإن كان الكل لا يخلو من كلام.... وبهذا كله تعلم أن رد الاحتجاج بتقريره ﷺ عويمراً العجلاني على إيقاع الثلاث دفعة، بأن الفرقة بنفس اللعان لا يخلو من نظر، ولو سلمنا أن الفرقة بنفس اللعان فإننا لا نسلم أن سكوته ﷺ لا دليل فيه بل نقول: لو كانت لا تقع دفعة لبين أنها لا تقع دفعة، ولو كانت الفرقة بنفس اللعان كما تقدم.

الدليل الثاني :

ثبت في الصحيحين عن عائشة رضي الله عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلقت فسئل النبي ﷺ أتحل للأول؟ قال: "حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول".

وجه الدلالة : ذكر البخاري هذا الحديث تحت ترجمة "باب من أجاز الطلاق الثلاث". وقال ابن حجر (فتح الباري ٣٠١/٩) والعيني (عمدة القاري ٥٤١/٩) هو ظاهر في كونها مجموعة.

وقال ابن القيم :

في وجه استدلالهم بالحديث : فلم ينكر ﷺ ذلك وهذا يدل على إباحة جمع الثلاث وعلى وقوعها، إذ لو لم يقع لم يتوقف رجوعها إلى الأول على ذوق الثاني عسيلتها، وقد أجاب ابن القيم عن الاستدلال بهذا الدليل (زاد المعاد ١٠٨/٤) فقال : وأما استدلالكم بحديث عائشة - وساق الحديث - فهذا مما لا ننازعكم فيه، نعم، هو حجة على من اكتفى بمجرد عقد الثاني، ولكن أين في الحديث أنه طلق الثلاث بفم واحد؟ بل الحديث حجة لنا، فإنه لا يقال : فعل ذلك ثلاثاً، وقال ثلاثاً إلا لمن فعل وقال مرة بعد مرة، وهذا هو المعقول في لغات الأمم عربهم وعجمهم، كما يقال : قذفه ثلاثاً، وشتمه ثلاثاً، وسلم عليه ثلاثاً.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي :

واعترض الاستدلال بهذا الحديث بأنه مختصر من قصة رفاعه وقد قدمنا قريباً أن بعض الروايات الصحيحة دل على أنها ثلاث متفرقة لا مجموعة انتهى ... مقصوده (أضواء البيان ١٦٧/١) بعض الروايات هي رواية مسلم "أنها طلقها زوجها آخر ثلاث نطليقات فلم يجعل لها رسول الله ﷺ نفقة ولا سكنى". ثم قال : ورد هذا الاعتراض بأن غير رفاعه قد وقع له مع امرأته نظير ما وقع لرفاعة فلا مانع من التعدد، وكون الحديث الأخير في قصة أخرى كما ذكره الحافظ بن

حجر في الكلام على قصة رفاعه فإنه قال فيها ما نصه: وهذا الحديث إن كان محفوظاً فالواضح من سياقه أنها قصة أخرى، وأن كلا من رفاعه القرظي، ورفاعة النضري وقع له مع زوجة له طلاق فتزوج كلا منهما عبدالرحمن بن الزبير فطلقها قبل أن يمسه، فالحكم في قصتهما متحد مع تغاير الأشخاص. وبهذا يتبين خطأ من وحد بينهما ظناً منه أن رفاعه بن سموء ل هو رفاعه بن وهب... ١ هـ

الدليل الثالث

ثبت في الصحيح في قصة رفاعه القرظي وامراته فإن فيه "فقلت: يا رسول الله إن رفاعه طلقني فبت طلاقى..." الحديث، وقد أخرجه البخاري تحت ترجمة (باب من أجاز الطلاق الثلاث).

وجه الدلالة: قال الشيخ محمد الأمين الشنقيطي (أضواء البيان ١/١٦٦) إن قولها: فبت طلاقى ظاهر في أنه قال لها: أنت طالق البتة. وأجاب عن ذلك فقال: قال مقيد عفا الله عنه الاستدلال بهذا الحديث غير ناهض فيما يظهر، لأن مرادها بقولها فبت طلاقى أي بحصول الطلقة الثالثة. ويبينه، أن البخاري ذكر في الأدب المفرد من وجه آخر، أنها قالت: طلقني آخر ثلاث تطليقات. وهذه الرواية تبين المراد من قولها فبت طلاقى وأنه لم يكن دفعة واحدة.

وقال شيخ الاسلام (مجموع الفتاوى ٣٣/٧٧): وأجاب الأكثرون حديث فاطمة وامرأة رفاعه إنما طلقها ثلاثاً متفرقات، هكذا ثبت في الصحيح أن الثالثة آخر ثلاث تطليقات، لم يطلق ثلاثاً، لا هذا ولا هذا مجتمعات. وقول الصحابي طلق ثلاثاً، يتناول ما إذا طلقها ثلاثاً متفرقات بأن يطلقها ثم يراجعها ثم يطلقها ثم يراجعها ثم يطلقها، وهذا طلاق سني واقع باتفاق الأئمة وهو المشهور

على عهد رسول الله ﷺ في معنى الطلاق ثلاثاً، وأما جمع الثلاث بكلمة فهذا كان منكراً عندهم إنما يقع قليلاً فلا يجوز حمل اللفظ المطلق على القليل المنكر دون الكثير الحق، ولا يجوز أن يقال: يطلق مجتمعات لا هذا ولا هذا بل هذا قول بلا دليل، بل هو خلاف الدليل.

الدليل الرابع :

ثبت في الصحيحين من حديث أبي سلمة بن عبد الرحمن أن فاطمة بنت قيس أخبرته: أن زوجها أبا حفص بن المغيرة المخزومي طلقها ثلاثاً، ثم انطلق إلى اليمن، فانطلق خالد بن الوليد في نفر فأتوا رسول الله ﷺ في بيت ميمونة أم المؤمنين فقالوا: إن أبا حفص طلق امرأته ثلاثاً فهل لها نفقة؟ فقال رسول الله ﷺ: "ليس لها نفقة وعليها العدة".

وفي صحيح مسلم في هذه القصة قالت فاطمة: فاتيت رسول الله ﷺ فقال: "كم طلقك؟" قلت ثلاثاً، فقال: "صدق، ليس لك نفقة".. وفي لفظ له قالت: يا رسول الله إن زوجي طلقني ثلاثاً وإنني أخاف أن يقتحم علي، وفي لفظ له عنها.. أن النبي ﷺ قال: في المطلقة ثلاثاً: "ليس لها نفقة ولا سكنى".

وفي الصحيحين أيضاً عن فاطمة بنت قيس: أن أبا حفص بن المغيرة طلقها البتة وهو غائب، الحديث. وقد جاء تفسير هذه البتة بأنها ثلاث كما سبق. وفي المسند أن هذه الثلاث كانت جميعاً "فروى من حديث الشعبي أن فاطمة خاصمت أخا زوجها إلى النبي ﷺ لما أخرجها من الدار ومنعها النفقة، فقال: "مالك ولابنة قيس" قال يا رسول الله إن أخي طلقها ثلاثاً جميعاً. وذكر الحديث:

وجه الدلالة: أن لفظ البتة جاء مفسراً بأنه طلقها ثلاثاً وأنها مجموعة. فدل على اعتبار وقوع الثلاث مجموعة إذ لو لم يكن ذلك واقعاً لبين ﷺ بقاءها

في عصمة زوجها فتأخير البيان عن وقت الحاجة لا يجوز في حقه عليه السلام وقد أجاب ابن القيم عن الاستدلال بحديث فاطمة بنت قيس فقال (إغاثة اللهفان: ١/٣١٣): أما حديث فاطمة بنت قيس فمن أصح الأحاديث، مع أن أكثر المنازعين لنا في هذه المسألة قد خالفوه. ولم يأخذوا به، فأوجبوا للمبتوتة النفقة والسكنى، ولم يلتفتوا إلى هذا الحديث ولا عملوا به وهذا قول أبي حنيفة وأصحابه.

وأما الشافعي ومالك فأوجبوا لها السكنى، والحديث قد صرح فيه بأنه لا نفقة لها ولا سكنى فخالفوه ولم يعملوا به، فإن كان الحديث صحيحاً فهو حجة عليكم، وإن لم يكن محفوظاً بل هو غلط - كما قال بعض المتقدمين - فليس حجة علينا في جمع الثلاث فأما أن يكون لكم على منازعتكم، وليس حجة لهم عليكم فبعيد من الإنصاف والعدل.

هذا مع أننا ننزل عن هذا المقام، ونقول: الاحتجاج بهذا الحديث فيه نوع سهو من المحتج به، ولو تأمل طرق الحديث، وكيف وقعت القصة لم يحتج به، فإن الثلاث المذكورة فيه لم تكن مجموعة، وإنما كان قد طلقها تطليقتين من قبل ذلك، ثم طلقها آخر ثلاث، هكذا جاء مصرحاً به في الصحيح فروى مسلم في صحيحه عن عبيد الله بن عتبة - أن أبا عمرو بن حفص بن المغيرة خرج مع علي بن أبي طالب رضي الله عنه إلى اليمن، فأرسل إلى امرأته فاطمة بنت قيس بتطليقة كانت بقيت من طلاقها - الحديث، فهذا المفسر يبين ذلك المجمل وهو قوله: "طلقها ثلاثاً".

وقال الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن أبي سلمة، عن فاطمة بنت قيس، أنها أخبرته أنها كانت تحت أبي حفص بن المغيرة، وأن أبا حفص بن المغيرة طلقها آخر ثلاث تطليقات، وساق الحديث وذكره أبو داود ثم قال:

”وكذلك رواه صالح بن كيسان، وابن جريج، وشعيب بن أبي حمزة، كلهم عن الزهري.

ثم ساق من طريق عبدالرزاق، عن معمر، عن الزهري، عن عبيدالله قال: أرسل مروان إلى فاطمة، فسألها فأخبرته أنها كانت عند أبي حفص بن المغيرة وكان النبي ﷺ أمر علي بن أبي طالب رضي الله عنه على بعض اليمن، فخرج معه زوجها، فبعث إليها بتطليقة كانت بقيت لها وذكر الحديث بتمامه، والواسطة بين مروان وبينها هو فيصة بن ذؤيب، كذلك ذكره أبو داود في طريق أخرى. فهذا بيان حديث فاطمة بنت قيس.

قالوا: ونحن أخذنا به جميعه، ولم نخالف شيئاً منه إذ كان صحيحاً صريحاً لا مطعن فيه ولا معارض له فمن خالفه فهو محتاج إلى الاعتذار. وقد جاء هذا الحديث بخمسة ألفاظ ”طلقها ثلاثاً“ و ”طلقها البتة“ و ”طلقها آخر تطليقات“ و ”أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها“، و ”طلقها ثلاثاً جميعاً“ هذه جملة ألفاظ الحديث.. وبالله التوفيق.

فأما اللفظ الخامس وهو قوله: ”طلقتها ثلاثاً جميعاً“. فهذا:

أولاً: من حديث مجالد عن الشعبي ولم يقل ذلك عن الشعبي غيره، مع كثرة من روى هذه القصة عن الشعبي، فتفرد مجالد على ضعفه من بينهم بقوله: ”ثلاثاً جميعاً“ وعلى تقدير صحته، فالمراد به أنه اجتمع لها التطليقات الثلاث، لا أنها وقعت بكلمة واحدة، فإذا طلقها آخر ثلاث. صح أن يقال: طلقها ثلاثاً جميعاً، فإن هذه اللفظة يراد بها تأكيد العدد، وهو الأغلب عليها، لا الاجتماع في الآن الواحد لقوله تعالى: (ولو شاء ربك لآمن من في الأرض كلهم جميعاً... الآية الكريمة من سورة يونس: ٩٩) فالمراد حصول الإيمان من الجميع، لا إيمانهم كلهم في آن واحد سابقهم ولا حقهم.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطى بعد سياقه بعض روايات الحديث وتوجيه الاستدلال ورد التوجيه.

قال (أضواء البيان ١/ ١٧٠): ورد بعضهم هذا الاعتراض بأن الروايات المذكورة تدل على عدم تفريق الصحابة والتابعين بين صيغ البيونة الثلاث - يعنون لفظ البتة - والثلاث المجتمعة، والثلاث المتفرقة، لتعيرها فى بعض الروايات بلفظ طلقنى ثلاثاً، وفى بعضها بلفظ طلقنى البتة، وفى بعضها بلفظ فطلقنى آخر ثلاث تطليقات، فلم تخص لفظاً منها عن لفظ، لعلها بتساوى الصيغ، ولو علمت أن بعضها لا يحرم لا حترزت منه.

قالوا: والشعبى قال لها: حدثينى عن طلاقك، أى عن كيفيته وحاله، فكيف يسأل عن الكيفية ويقبل الجواب بما فيه عنده من إجمال من غير أن يستفسر عنه؟ وأبو سلمة روى عنها الصيغ الثلاث، فلو كان بينها عنده تفاوت لا عترض عليها باختلاف ألفاظها، وثبت حتى يعلم منها بأن الصيغ وقعت بينونها، فتركة لذلك دليل على تساوى الصيغ المذكورة عنده، هكذا ذكر بعض الأجلء والظاهر أن هذا الحديث لا دليل فيه لأن الروايات التى فيها إجمال بينها الرواية الصحيحة الأخرى، كما هو ظاهر، والعلم عند الله تعالى. انتهى... وقد سبق فى آخر الكلام على الدليل الثالث جواب مشترك لشيخ الاسلام عن الحديث الثالث، وعن هذا الحديث فيرجع اليه..

الدليل الخامس :

ما رواه الشافعى وأبو داود والترمذى وابن ماجه وابن حبان والحاكم عن ركانة بن عبد يزيد أنه طلق امرأته سهيمة البتة، فأخبر النبى ﷺ وقال والله ما أردت إلا واحدة.

فقال رسول الله ﷺ: "والله ما أردت إلا واحدة؟"

قال ركانة: والله ما أردت إلا واحدة. فردها إليه رسول الله ﷺ:

ووجه الاستدلال بهذا الحديث يتضح في أن النبي ﷺ حلف ركانة، أنه ما أراد بالبتة إلا واحدة، فدل على أنه لو أراد بها أكثر لوقع ما أراده ولو لم يفتقر في الحال لم يحلفه، وممن استدل بهذا الحديث لمذهب الجمهور أبو بكر الرازي الجصاص قال: لو لم تقع الثلاث إذا أرادها لما استحلفه بالله ما أردت إلا واحدة. ١هـ (أحكام القرآن ٨/٤٥٩)

وكذلك ابن قدامة قال: ومتى طلقها ثلاثاً بكلمة واحدة أو بكلمات حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره لما روى أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة ثم أتى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله طلقت امرأتى سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة فقال رسول الله ﷺ: "والله ما أردت إلا واحدة؟" فقال ركانة: والله ما أردت إلا واحدة فقال: "هو ما أردت" فردها إليه رسول الله ﷺ رواه الترمذي والدارقطني وأبو داود وقال: الحديث صحيح.

فلو لم تقع الثلاث لم يكن للاستحلاف معنى. ١هـ (الكافي ٢/٧٨٦) وحديث ركانة هذا وإن تكلم فيه بعض أهل العلم فقد قبله غير واحد منهم. قال أبو الحسن علي بن محمد الطنافسي: "ما أشرف هذا الحديث" (سنن ابن ماجه ١/٦٣٢)

روى ذلك عنه ابن ماجه في "باب طلاق البتة" من سننه بعد أن ساقه من طريق الزبير بن سعيد عن عبد الله ابن علي بن يزيد بن ركانة، عن أبيه عن جده. وقال الحاكم بعد روايته من طريق الزبير بن سعيد هذه (المستدرک ١/١٩٩-٢٠٠) قد انحرف الشيخان عن الزبير بن سعيد الهاشمي في الصحيحين.

غير أن لهذا الحديث متابعاً من بيت ركانة بن عبد يزيد المطلبي، فيصح

به الحديث، حدثناه أبو العباس محمد ابن محمد بن يعقوب، أنبأ الربيع بن سليمان، أنبأ الشافعي، أخبرني محمد ابن علي بن شافع، عن نافع بن عجير بن عبد يزيد، أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة، ثم أتى رسول الله ﷺ.

فقال: إني طلقت امرأتى سهيمة البتة والله ما أردت إلا واحدة فردها إليه رسول الله ﷺ، فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان رضى الله عنهما فقد صح الحديث بهذه الرواية، فإن الإمام الشافعي قد أتقنه وحفظه عن أهل بيته. والسائب ابن عبد يزيد أبو الشافع بن السائب، وهو أخ ركانة بن عبد يزيد، ومحمد بن علي بن شافع عم الشافعي شيخ قریش في عصره. ١هـ. كلام الحاكم، وصححه أيضاً ابن حبان كما في "التلخيص الحبير" للحافظ ابن حجر هذا بالنسبة لرواية الزبير بن سعيّد.

أما رواية نافع بن عجير فقد صححها أبوداؤد كما جاء في سنن الدارقطني (سنن الدارقطني ٤٣٩/٢) فقد قال بعد أن ساقها: "قال أبوداؤد هذا حديث صحيح".

ونقل ذلك عن الدارقطني أبوبكر بن العربي (العارضة على الترمذي ١٣٥/٥) وجزم به في (العارضة) والمنذرى في مختصر سنن أبي داؤد.

والقرطبي في تفسيره (تفسير القرطبي ١٣٢/٣) واعتمد عليه وتعقب به دعوى الاضطراب في هذا الحديث. وكذلك قال الحافظ ابن حجر في التلخيص الحبير "صححه أبوداؤد" وممن ارتضى مسلك الإمام أبي داؤد في هذه الرواية الحافظ أبو عمر بن عبد البر رحمه الله فقد قال: كما في "تفسير القرطبي" (تفسير القرطبي ١٣٢/٣) رواية الشافعي لحديث ركانة عن عمه أتم، وقد زاد زيادة لا تردّها الأصول فوجب قبولها لثقة ناقلها، والشافعي وعمه وجده أهل بيت ركانة كلهم من بني عبد المطلب بن عبد مناف، وهم أعلم بالقصة التي عرضت لهم" ١هـ.

وأما الحافظ بن كثير فيرى: أن الحديث حسن حسبما نقله عنه الشوكاني في "نيل الأوطار" بهذا كله ظهرت قوة رواية نافع بن عجير ... وأما اعلال رواية نافع بن عجير. بدعوى جهالته فلا وجه له لأن نافعاً هذا بعيد من الجهالة إذ هو نافع بن عجير، بن عبد يزيد، بن المطلب، بن عبد مناف القرشي، فأخو ركانة ذكره ابن حبان في الثقات وذكره بعض من صنف في الصحابة. قال الحافظ بن حجر في تهذيب التهذيب: ذكره ابن حبان أيضاً في الصحابة، وكذا أبو القاسم البغوي وأبو نعيم و أبو موسى في الذيل وغيرهم، وقد بينت أمره في مختصرى في الصحابة. ١هـ. ويعنى الحافظ مختصره في الصحابة "الإصابة في تمييز الصحابة" وقد ذكره فيه قال: "ذكره البغوي في الصحابة" وذكر له حديثه في "البتة" وتكلم على رواياته ثم قال: "وذكره ابن حبان في الصحابة" ١هـ.

وممن جزم بتصحيح أبي داود لهذا الحديث المجد بن تيمية في "المنتقى" بشرح نيل الأوطار إلا أنه عزا إليه التحسين والتصحيح معاً ونصه (نيل الأوطار ٢٢٧/٦) "قال أبو داود - أى في حديث نافع بن عجير - هذا حديث حسن صحيح" وفي جزمه هو و ابن العربي والمنذرى والقرطبي والحافظ بن حجر بتصحيح أبي داود لهذه الرواية الرد على من قال: بأن أبا داود لم يحكم بصحة حديث نافع ابن عجير. وإنما قال فيه: هذا أصح من حديث ابن جريج ... الخ، وهذا لا يدل على أن الحديث عنده صحيح، فإن حديث ابن جريج ضعيف، وحديث نافع بن عجير ضعيف، وإنما يعنى أبو داود أنه أصح الضعيفين عنده" ١هـ. ومما يقوى حديث نافع بن عجير في البتة صنيع الأئمة الذين أو ردوه في مصنفاتهم في الحديث. فقد قال الدارمى في مسنده: "باب في الطلاق البتة" وقال أبو داود ما جاء في "البتة" وقال الترمذى: باب ما جاء في الرجل يطلق امرأته البتة.

الجواب عن حديث ركانه :

أما حديث ركانه فقد ضعف الإمام أحمد بن حنبل جميع طرقه كما ذكره المنذرى، وكذلك ضعفه البخارى قال الترمذى فى "باب ما جاء فى الرجل يطلق امرأته البتة" من سننه بعد أن ساقه من طريق الزبير بن سعيد بن عبد الله بن يزيد بن ركانه عن أبيه عن جده قال (مختصر سنن أبى داود ٣/١٢٢): "وسألت محمداً - يعنى البخارى - عن هذا الحديث فقال: فيه اضطراب، ويروى عن عكرمة عن ابن عباس أن ركانه طلق امرأته ثلاثاً" ١ هـ. وذكر الترمذى فى موضع آخر (جامع الترمذى ٥/١٣٢) أن حديث ركانه مضطرب فيه، تارة قيل فيه "ثلاثاً" وتارة قيل فيه "واحدة".

فعلى قول هذين الإمامين أحمد بن حنبل والبخارى لا احتجاج برواية "ثلاثاً" ولا برواية "البتة" بل غاية ما فى الأمر أن تتساقط الروايتان المتعارضتان فيرجع إلى غيرهما كما ذكره الزرقانى، وعلى غير ذلك المسلك الذى سلكه الإمامان أحمد بن حنبل والبخارى نقول: إن لهذا الحديث روايتين:

أحدهما: عند الإمام أحمد بن حنبل "ثنا سعد بن إبراهيم، ثنى أبى عن محمد بن إسحاق، قال: حدثنى داود ابن الحصين، عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق ركانه بن عبد يزيد أخو بنى مطلب امرأته ثلاثاً فى مجلس واحد، فحزن عليها حزناً شديداً قال: فسأله رسول الله ﷺ "كيف طلقتهما؟" قال طلقتهما ثلاثاً، فقال: "فى مجلس واحد؟" قال: نعم. قال "فإنما تلك واحدة، فارجعها إن شئت" قال: فارجعها فكان ابن عباس يرى إنما الطلاق عند كل طهر.

وقد أجيب عن هذه الرواية فقال البيهقى: "إن هذا الإسناد لا تقوم به الحجة مع ثمانية روى عن ابن عباس رضى الله عنهما فتياه، بخلاف ذلك ومع رواية أولاد ركانه أن طلاق ركانه كان واحدة" يعنى البيهقى بأولئك الثمانية

الذين رووا فتيا ابن عباس، بخلاف ذلك سعيد بن جبير وعطاء بن أبي رباح، ومجاهد، وعكرمة، وعمرو بن دينار، ومالك ابن الحارث، ومحمد بن إياس ابن البكير، ومعاوية بن أبي عياش الأنصاري، وقد ذكر رواياتهم: عنه (السنن الكبرى البيهقي ٣٣٧/٧) في "باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد في خلاف ذلك" ويعني برواية أولاد ركانة روايتهم أن ركانة إنما طلق امرأته البتة التي جزم أبو داود بأنها أصح، لأنهم أهلهم وهم أعلم بخبره كما سيأتي.

الثانية :

ما أخرجه أبو داود في "سننه" قال: حدثنا أحمد بن صالح، نا عبد الرزاق بن جريح، أخبرني بعض بني أبي رافع مولى النبي ﷺ عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة، ونكح امرأة من مزينة، فجاءت النبي ﷺ فقالت: ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ففرق بيني وبينه فأخذت النبي ﷺ حمية فدعا بركانة وإخوته. ثم قال لجلسائه: "أترون فلانا يشبه منه كذا وكذا من عبد يزيد، وفلان يشبه منه كذا وكذا؟"

قالوا: نعم.

قال النبي ﷺ لعبد يزيد "طلقها" ففعل.

قال: "راجع امرأتك أم ركانة وإخوته" فقال: إني طلقها ثلاثاً يا رسول الله. قال: "قد علمت فراجعها" وتلا: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) وقد أجيب عن هذه الرواية بما يلي:

اعلالها بجهالة بعض بني أبي رافع: قال الخطابي (معالم السنن ١٢٦/٣)

"في اسناد هذا الحديث مقال، لأن ابن جريح إنما رواه عن بعض بني أبي رافع ولم يسمه والمجهول لا تقوم به الحجة.

وقال ابن حزم: هذا لا يصح لأنه من غير مسمى من بنى أبى رافع، ولا حجة فى مجهول، وما نعلم فى بنى أبى رافع من يحتج به إلا عبيد الله وحده، وسائرهم مجهولون (المحلى - ١٠/١٦٨)

وقال ابن القيم (تهذيب سنن أبى داود ٣/١٢١) إن ابن جريج إنما رواه عن بعض بنى أبى رافع مولى النبى ﷺ عن عكرمة، عن ابن عباس، ولأبى رافع بنون، ليس فيهم من يحتج به إلا عبيد الله بن أبى رافع، ولا نعلم هل هو هذا أو غيره، ولهذا - والله اعلم - رجع أبو داود حديث نافع بن عجير عليه ١٠ هـ.

وقد يقال، بأن فى هذا الإعلال نظراً، لأن كلام أبى داود فى غاية التصريح، بأن ترجيحه لحديث نافع ابن عجير إنما هو لأنهم أهل بيت ركانة وأهل بيت الشخص أعلم بخبره ... وقد استجاز الحافظ زين الدين العراقى أن يكون ذلك المجهول الفضل بن عبيد الله بن رافع (المستفاد من مبهمات المتن والاسناد: ٦٦) وتبعه فى ذلك ابن حجر فى "تقريب التهذيب" والخزرجى فى "الخلاصة" لكن ذكر الحافظ بن رجب فى "مشكل الأحاديث الواردة فى أن الطلاق الثلاث واحدة" أن ذلك الرجل الذى لم يسم فى رواية عبدالرزاق: هو محمد ابن عبيد الله بن أبى رافع، قال ابن رجب: وهو رجل ضعيف الحديث بالاتفاق، وأحاديثه منكورة، وقيل إنه متروك فسقط هذا الحديث حينئذ. ١٠ هـ.

وأورد له الذهبى فى "ميزان الاعتدال" عدة مناكير من روايته عن أبيه عن جده وقال: قال فيه يحيى بن معين: ليس حديثه بشيء، وقال أبو حاتم: منكر الحديث جداً، وقال ابن عدى: هو فى عداد شيعة الكوفة. ١٠ هـ.

إن رواية محمد بن ثور الثقة العابد الكبير ليس فيها أنه طلقها ثلاثاً وإنما فيها "إنى طلقها" وهى عند الحاكم فى تفسير سورة الطلاق قال الحاكم (المستدرک: ٢/٢٩١): أخبرنا أبو عبد الله محمد بن على الصنعانى بمكة، ثنا

على بن المبارك الصنعاني، ثنا يزيد بن المبارك، ثنا محمد بن ثور، عن ابن جريج، عن محمد بن عبيد الله ابن أبي رافع مولى النبي ﷺ عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: طلق عبد يزيد أبو ركانة أم ركانة ثم نكح امرأة من مزينة فجاءت إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها، فأخذت رسول الله ﷺ حمية عند ذلك، فدعا ركانة وإخوته ثم قال لجلسائه: "أترون كذا من كذا؟" فقال رسول الله ﷺ لعبد يزيد "طلقها". ففعل فقال لأبي ركانة: "ارتجعها" فقال: يا رسول الله إني طلقها ثلاثاً فقال رسول الله ﷺ: "قد علمت ذلك فارتجعها" فنزلت: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق ١) ويرى ابن رجب تقديم رواية محمد بن ثور هذه على رواية عبدالرزاق محتجاً بأن عبدالرزاق حدث في آخر عمره بأحاديث منكراً جداً في فضائل أهل البيت وذم غيرهم، قال: وكان له ميل إلى التشيع، وهذا الحكم ما يوافق هوى الشيعة.

أن في حديث ابن جريج غلطاً: لأن عبد يزيد لم يدرك الإسلام، نبه على ذلك الحافظ الذهبي في كتابه "تلخيص المستدرک" و "التجريد لأسماء الصحابة" وقال (تلخيص المستدرک ٤٩١/٢) تعقيباً لقول الحاكم في حديث محمد بن ثور عن ابن جريج المتقدم: "هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه" قال محمد أي ابن عبيد الله ابن أبي رافع: "واه، والخبر خطأ وعبد يزيد لم يدرك الإسلام" وقال (التجريد ٣٨٨) عبد يزيد بن هاشم بن المطلب بن عبد مناف: أبو ركانة طلق أم ركانة وهذا لا يصح والمعروف أن صاحب القصة ركانة. ١هـ.

حصل الحديث على أنه من قبيل الرواية بالمعنى وذلك أن الناس قد اختلفوا في البتة فقال بعضهم: هي ثلاثة، وقال بعضهم: هي واحدة، وكان الراوى

ممن يذهب مذهب الثلاث فحكى أنه قال: "طلقها ثلاثاً" يريد "البتة" التي حكمها عنده حكم الثلاث ذكر ذلك الخطابي (معالم السنن ١٢٢/٣) ... وقال النووي في شرح صحيح مسلم "ولعل صاحب هذه الرواية الضعيفة اعتقد أن لفظ "البتة" يقتضي الثلاث فرواه بالمعنى الذي فهمه وغلط في ذلك" ١هـ.

أن حديث عبدالرزاق لو صح مته ليس فيه أنه طلقها ثلاثاً بكلمة واحدة، فيحمل على أنه طلقها ثلاثاً في مرات متعددة، وتكون هذه الواقعة قبل حصر عدد الطلاق في الثلاث، ذكر هذا المسلك الحافظ بن رجب في كتابه مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة....

أن قضية ركانة من باب خصائص النبي ﷺ فإن له أن يخص من شاء بما شاء من الأحكام، فقد قال ضمن الأحكام التي خص بها من شاء، قال: "وإعادة امرأة أبي ركانة إليه بعد أن طلقها ثلاثاً من غير محلل" ١هـ.

أن رواية أهل بيت ركانة أن ركانة طلق امرأته البتة أولى بالتقديم على رواية من يروى أنه إنما طلقها ثلاثاً وهذا مسلك أبي داود و ابن عبدالبر والقرطبي. قال أبو داود في "باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث" (سنن أبي داود ٥٠٧، ٥٠٨) "من سنه" حدثنا أحمد بن صالح، ثنا عبدالرزاق، أخبرنا ابن جريج أخبرني بعض بني أبي رافع مولى النبي ﷺ عن عكرمة مولى ابن عباس عن ابن عباس قال طلق عبد يزيد أبو ركانة وإخوته أم ركانة ونكح امرأة من مزيعة. فجاءت النبي ﷺ فقالت: ما يغني عني إلا كما تغني هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها، ففرق بيني وبينه، فأخذت النبي ﷺ حمية. إلى آخر الحديث المتقدم ثم قال: وحديث نافع بن عجير وعبدالله بن علي بن يزيد ابن ركانة عن أبيه عن جده. أن ركانة طلق امرأته البتة فردها إليه النبي ﷺ أصح، لأنهم ولد الرجل وأهله أعلم به. إن ركانة إنما طلق امرأته البتة فجعلها النبي ﷺ

وأوضح الأمر غاية الإيضاح في "باب في البتة" فقال: حدثنا ابن السرح، وإبراهيم بن خالد الكلبي أبو ثور في آخرين: قالوا ثنا محمد بن إدريس الشافعي، حدثني عمي محمد بن علي بن شافع، عن عبيد الله بن علي بن السائب عن نافع بن عجير بن عبد يزيد بن ركانة أن ركانة بن عبد يزيد طلق امرأته سهيمة البتة، فأخبر النبي ﷺ بذلك وقال: والله ما أردت إلا واحدة، فقال رسول الله ﷺ: "والله ما أردت إلا واحدة؟" فقال ركانة: والله ما أردت إلا واحدة. فردها إليه رسول الله ﷺ فطلقها الثانية في زمان عمر، والثالثة في زمان عثمان. قال أبو داود أوله لفظ إبراهيم، وآخره لفظ ابن السرح... حدثنا محمد بن يونس النسائي، أن عبد الله بن الزبير حدثهم عن محمد بن إدريس، حدثني عمي محمد بن علي عن ابن السائب، عن نافع بن عجير، عن ركانة بن عبد يزيد، عن النبي ﷺ بهذا الحديث.

حدثنا سليمان بن داود العتكي، ثنا جرير بن حازم، عن الزبير بن سعيد، عن عبد الله بن علي بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده، أنه طلق امرأته البتة فأتى رسول الله ﷺ.

فقال: "ما أردت؟" قال: واحدة. قال: "آله؟" قال: آله. قال: "هو علي ما أردت."

قال أبو داود: وهذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً لأنهم أهل بيته وهم أعلم به، وحديث ابن جريج رواه عن بعض بني أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس "١هـ".

وقال ابن عبد البر في رواية الشافعي (تفسير القرطبي ٣/١٣١-١٣٢) "رواية الشافعي لحديث ركانة عن عمه أتم، وقد زاد زيادة لا تردّها الأصول

فوجب قبولها لثقة ناقلها، والشافعي وعمه وجده أهل بيت ركانة كلهم من بن المطلب بن عبد مناف وهم أعلم بالقصة التي عرضت لهم. ١هـ.

وقال القرطبي بعد أن ذكر رواية الدارقطني حديث الشافعي من طريق أبي داود (تفسير القرطبي ١٣١/٣) فالذي صح من حديث ركانة أنه طلق امرأته البتة لا ثلاثاً، وطلاق البتة قد اختلف فيه على ما يأتي بيانه فسقط الاحتجاج بغيره والله أعلم. ١هـ.. وممن قوى هذا المسلك الحافظ بن حجر قال (فتح الباري ٢٩٧/٩) "إن أبا داود رجح أن ركانة إنما طلق امرأته البتة كما أخرجه هو من طريق آل ركانة وهو تعليل قوى لجواز أن يكون بعض رواته حمل "البتة" على الثلاث فقال "طلقها ثلاثاً" فهذه النكتة يقف الاستدلال بحديث ابن عباس، ولشيخ الاسلام ابن تيمية مناقشة لحديث ركانة هذا، ذكرها في كلامه على المقارنة الاجمالية بين أدلة الفريقين تركنا ذكرها هنا وسندكر في آخر البحث.

وقد أجاب ابن القيم أيضاً عن حديث ركانة فقال (زاد المعاد ١١٥-١١٦/٤، واغاثة اللهفان ٣١٥-٣١٦/١) : وأما حديث نافع بن عجير الذي رواه أبو داود أن ركانة طلق امرأته البتة فأحلفه رسول الله ﷺ ما أراد إلا واحدة، فمن العجب تقديم نافع بن عجير المجهول الذي لا يعرف حاله البتة، ولا يدري من هو "ولا ما هو" على ابن جريج ومعمرو عبد الله ابن طاؤس في قصة أبي الصهباء، وقد شهد إمام الحديث محمد بن اسماعيل البخاري بأن فيه اضطراباً. هكذا قال الترمذي في الجامع، وذكر عنه في مواضع أنه مضطرب، فتارة يقول: "طلقها ثلاثاً" وتارة يقول: "واحدة" وتارة يقول: "البتة" وقال الإمام أحمد: وطرقه كلها ضعيفة، وضعفه أيضاً البخاري حكاه المنذري عنه. ثم كيف يقدم هذا الحديث المضطرب المجهول رواه على حديث عبد الرزاق عن ابن جريج لجهالة بعض بني أبي رافع، وأبو رافع هذا وأولاده تابعيون وإن كان عبيد الله

أشهرهم، وليس فيهم متهم بالكذب.

وقد روى عنه ابن جريح ومن يقبل رواية المجهول، أو يقول رواية العدل عند تعديل له فهذا حجة عده، فأما أن يضعفه ويقدم عليه رواية من هو مثله في الجهالة أو أشد فكلًا، فغاية الأمر أن يتساقط روايتا هذين المجهولين ويعدل إلى غيرهما، وإذا فعلنا ذلك نظرنا في حديث سعد ابن إبراهيم فوجدناه صحيح الإسناد، وقد زالت علة تدليس محمد بن اسحاق بقوله: "حدثني داود بن الحصين" ولكن رواه أبو عبد الله الحاكم في مستدركه وقال إسناده صحيح فوجدنا الحديث لا علة له.

وقد احتج أحمد بإسناده في مواضع، وقد صحح هو وغيره بهذا الإسناد بعينه "أن رسول الله ﷺ رد زينب على زوجها أبي العاص بن الربيع بالنكاح الأول ولم يحدث شيئا" وأما داود بن الحصين عن عكرمة فلم تزل الأئمة تحتج به، وقد احتجوا به في حديث "العرانا" فيما شك فيه ولم يجزم به من تقديرها بخمسة أو سق أو دونها، مع كونها على خلاف الأحاديث التي نهى فيها عن بيع الرطب بالتمر فما ذنبه في هذا الحديث سوى رواية ما لا يقولون به وإن قد حتم في عكرمة ولعلكم فاعلون جاءكم ما لا قبل لكم به من التناقض فيما احتججتم به أنتم وأئمة الحديث من روايته، وارتضاه البخاري لإدخال حديثه في صحيحه.

الدليل السادس :

روى الدارقطني من حديث الحسن البصري قال: حدثنا عبد الله أنه طلق امرأته وهي حائض، ثم أراد أن يتبعها بتطليقتين أخريين عند القرءان فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقال: "يا ابن عمر، ما هكذا أمرك الله تعالى، إنك قد أخطأت السنة والسنة أن تستقبل الطهر فتطلق عند ذلك أو أمسك"، فقلت يا رسول الله أرايت لو طلقته ثلاثا أكان يحل لي أن أراجعها؟ قال: "لا. كانت تين منك

وتكون معصية“.

وأجيب بمعارضته بما رواه الدارقطني في سننه: نا محمد بن أحمد بن يوسف بن يزيد الكوفي أبوبكر ببغداد، وأبوبكر أحمد بن دارم، قالوا: نا أحمد بن موسى بن اسحاق، نا أحمد بن صبيح الأسدي، نا ظريف ابن ناصح عن معاوية، عن عمار اندهني، عن أبي الزبير، قال: سألت ابن عمر عن رجل طلق امرأته ثلاثاً وهي حائض؟ فقال: أتعرف ابن عمر؟ قلت: نعم. قال: طلقت امرأتى ثلاثاً على عهد رسول الله ﷺ وهي حائض، فردها رسول الله ﷺ إلى السنة.

ففيه دليل على أنه طلقها ثلاثاً بالفعل وردت إلى الواحدة.

وأجاب القرطبي وابن رجب عن حديث تطليق ابن عمر امرأته ثلاثاً وهي حائض ورد النبي ﷺ ذلك إلى السنة، قال القرطبي (تفسير القرطبي ٣/ ١٣٠): ما نصه: قال الدارقطني أي في رواته كلهم من الشيعة، والمحموظ أن ابن عمر طلق امرأته واحدة في الحيض قال عبيد الله: وكان تطليقه إياها في الحيض واحدة غير أنه خالف السنة، وكذلك قال صالح بن كيسان، وموسى بن عقبة، واسماعيل بن أمية، وليث بن سعد، وابن أبي ذئب و ابن جريج، وجابر، واسماعيل بن ابراهيم بن عقبة، عن نافع، أن ابن عمر طلق تطليقة واحدة. وكذلك قال الزهري عن سالم، عن أبيه، ويونس بن جبير، والشعبي، والحسن. أهد. كلام القرطبي.

وممن ذكر رواية الليث ابن سعد مسلم بن الحجاج في صحيحه قال: حدثنا يحيى بن يحيى وقتيبة بن سعيد، وابن رزم، واللفظ ليحيى قال قتيبة: حدثنا ليث، وقال الآخرون: أخبرنا الليث بن سعد، عن نافع عن عبد الله أنه طلق امرأة له وهي حائض تطليقة واحدة فأمره رسول الله ﷺ أن يراجعها ثم يمسكها حتى تطهر، ثم تحيض عنده حيضة أخرى ثم يمهلها حتى تطهر من حيضتها، فإن أراد أن يطلقها فليطلقها حين تطهر من قبل أن يجمعها، فتلك العدة التي أمر الله أن

يطلق لها النساء. وزاد ابن رمح في روايته وكان عبدالله إذا سئل عن ذلك قال لأحدهم: أما أنت إن طلقت امرأتك مرة أو مرتين فإن رسول الله ﷺ أمرني بهذا، وإن كنت طلقته ثلاثاً فقد حرمت عليك حتى تنكح زوجاً غيرك وعصيت الله فيما أمرك من طلاق امرأتك.

قال مسلم: جود الليث في قوله "تطليقة واحدة" يعنى مسلم بذلك كما بينه النووي أن الليث حفظ وأتقن قدر الطلاق الذي لم يتقنه غيره، ولم يهمله كما أهمله غيره، ولا غلط فيه وجعله ثلاثاً كما غلط فيه غيره.

وقد اطلال الدارقطني في سرد الروايات عن الأئمة المذكورين وأتى في ذلك بما لا يدع مجالاً للشك في أن تطليقة ابن عمر لامرأته كانت واحدة. كما صرح النووي في شرح صحيح مسلم، بأن الروايات الصحيحة التي ذكرها مسلم وغيره أن ابن عمر إنما طلق امرأته واحدة.

وقال (جامع العلوم والحكم - ٥٦-٥٧- شرح حديث "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد") الحافظ ابن رجب في الرد على رواية الثلاث أيضاً: قد كان طائف من الناس يعتقدون أن طلاق ابن عمر كان ثلاثاً، وأن النبي ﷺ إنما ردها عليه لأنه لم يقع الطلاق في الحيض، وقد روى ذلك عن أبي الزبير أيضاً من رواية معاوية بن عمار الدهني عنه. فلعل أبا الزبير اعتقد هذا حقاً فروى تلك اللفظة بالمعنى الذي فهمه، وروى ابن لهيعة هذا الحديث عن أبي الزبير فقال عن جابر أن ابن عمر طلق امرأته وهي حائض، وأخطأ في ذكر جابر في هذا الإسناد. وتفرد بقوله: "فإنها امرأته" ولا يدل على عدم وقوع الطلاق إلا على تقدير أن يكون ثلاثاً، فقد اختلف في هذا الحديث على أبي الزبير. وأصحاب ابن عمر الثقات الحفاظ العارفون به الملازمون له لم يختلف عليهم فيه.

فروى أيوب عن ابن سيرين قال: مكثت عشرين سنة يحدثني من لا

اتهمهم أن ابن عمر طلق امرأته ثلاثاً وهي حائض، فأمره النبي ﷺ أن يراجعها. فجعلت لا أتهمهم ولا أعرف الحديث حتى لقيت أبا غلاب يونس بن جبير وكان ذا ثبوت، فحدثني أنه سأل ابن عمر فحدثه أنه طلقها واحدة. خرجه مسلم وفي رواية: قال له ابن سيرين: فجعلت لا أعرف للحديث وجهاً ولا أفهمه. وهذا يدل على أنه كان قد شاع بين الثقات من غير أهل الفقه والعلم. أن طلاق ابن عمر كان ثلاثاً ولعل أبا الزبير من هذا القبيل. ولذلك كان نافع يسأل كثيراً عن طلاق ابن عمر. هل كان ثلاثاً أو واحدة؟ ولما قدم نافع مكة أرسلوا إليه من مجلس عطاء يسألونه عن ذلك.

واستكار ابن سيرين لرواية الثلاث يدل على أنه لم يعرف قائلاً معتبراً يقول: إن الطلاق المحرم غير واقع، وأن هذا القول لا وجه له. قال الإمام أحمد في رواية أبي الحارث، وسئل عن قال: لا يقع الطلاق المحرم لأنه يخالف ما أمر به فقال: هذا قول سوء ردئي، ثم ذكر قصة ابن عمر وأنه احتسب بطلاقه في الحيض وقال أبو عبيدة: الوقوع هو الذي عليه العلماء مجمعون في جميع الأمصار حجازهم وتهامهم ويمنهم وشامهم وعراقهم ومصرهم، وحكى ابن المنذر ذلك عن كل من يحفظ قوله من أهل العلم، إلا ناساً من أهل البدع لا يعتد بهم.

وقد أجاب ابن القيم عن حديث ابن عمر من رواية الحسن فقال (إغاثة اللهفان ٣١٨/١): وأما حديث الحسن عن ابن عمر فهو امثل هذه الأحاديث الضعاف. قال الدارقطني: حدثنا علي بن محمد بن عبيد الحافظ، حدثنا محمد بن شاذان الجوهري، حدثنا يعلى بن منصور، حدثنا شعيب بن زريق، أن عطاء الخراساني حدثهم عن الحسن، قال: حدثنا عبدالله بن عمر فذكره وشعيب وثقه الدارقطني، وقال أبو الفتح الأزدي فيه لين وقال البيهقي وقد روى هذا الحديث،

وهذه الزيادات انفرد بها شعيب وقد تكلموا فيه.

ولا ريب أن الثقات الاثبات الأئمة رووا حديث ابن عمر فلم يأت أحد منهم بما أتى به شعيب البتة، ولهذا لم يرو حديثه هذا أحد من أصحاب الصحاح، ولا السنن.

الدليل السابع :

روى الدارقطني من حديث ابراهيم بن عبيد الله بن عبادة بن الصامت عن أبيه عن جده، قال: "طلق بعض آبائي امرأته ألفاً فانطلق بنوه إلى رسول الله ﷺ فقالوا يا رسول الله إن أبانا طلق امرأته ألفاً، فهل له من مخرج؟ فقال: "إن أباكم لم يتق الله فيجعل له مخرجاً، بانت منه بثلاث على غير السنة وتسعمائة وسبعة وتسعون إثم في عنقه."

قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ٣١٧/١): وأما حديث عبادة بن الصامت الذي رواه الدارقطني فقد قال عقيب إخراج: رواه مجهولون وضعفاء، إلا شيخنا وابن عبد الباقي.

الدليل الثامن :

روى الدارقطني من حديث حماد بن زيد، حدثنا عبد العزيز بن صهيب عن أنس قال: سمعت أنس بن مالك يقول، سمعت معاذ بن جبل يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول: "يا معاذ من طلق للبدعة واحدة أو اثنتين أو ثلاثاً الزمناه بدعته". ورد بأن في إسناده اسماعيل بن أمية الذراع وهو ضعيف.

قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ٣١٧/١): وأما حديث معاذ بن جبل فلقد وهت مسألة يحتج فيها بمثل هذا الحديث الباطل، والدارقطني إنما رواه للمعرفة وهو أجل من أن يحتج به، وفي إسناده اسماعيل بن أمية الذراع، يرويه عن حماد قال الدارقطني بعد روايته: اسماعيل بن أمية ضعيف متروك الحديث.

الدليل التاسع :

روى الدارقطني من حديث زاذان عن علي رضي الله عنه قال: سمع النبي ﷺ رجلاً طلق البتة فغضب، وقال: "أتتخذون آيات الله هزواً، أو دين الله هزواً أو لعباً. من طلق البتة ألزمناه ثلاثاً، لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره".
ورد هذا (إغاثة اللهفان ٣١٧/١) الحديث بأن فيه إسماعيل بن أمية القرشي، قال فيه الدارقطني كوفي ضعيف. وقال ابن القيم: قلت وفي إسناده مجاهيل وضعفاء.

وأما الإجماع فقد نقله كثير من العلماء في مسألة النزاع وقالوا إنه مقدم على خبر الواحد، قال الشافعي: الإجماع أكثر من الخبر المنفرد، وذلك أن الخبر مجوز الخطأ والوهم على روايه بخلاف الإجماع فإنه معصوم... وممن حكى الإجماع على لزوم الثلاث في الطلاق بكلمة واحدة، أبو بكر الرازي، والباجي، وابن العربي وابن رجب.

قال أبو بكر الرازي (أحكام القرآن ٤٥٩/١): فالكتاب والسنة وإجماع السلف توجب إيقاع الثلاث معاً وإن كان معصية.

وقال الباجي: من أوقع الطلاق الثلاث بلفظة واحدة لزمه ما أوقعه من الثلاث وبه قال جماعة الفقهاء وحكى القاضي أبو محمد في إشرافه عن بعض المبتدعة يلزمه طلقة واحدة، وعن بعض أهل الظاهر لا يلزمه شيء وإنما يروى هذا عن الحجاج بن أرطاة ومحمد بن إسحاق، والدليل على ما نقوله: إجماع الصحابة لأن هذا مروي عن ابن عمر وعمران بن حصين، وعبد الله بن مسعود وابن عباس وأبي هريرة، وعائشة رضي الله تعالى عنهم ولا مخالف لهم وما روى عن ابن عباس في ذلك من رواية طاؤس، قال فيه بعض المحدثين وهم، وقد روى ابن طاؤس عن أبيه وكذا عن ابن وهب خلاف ذلك، وإنما وقع الوهم في

التأويل. ١هـ. (المنتقى ٣/٤)

وقال القاضي أبوبكر بن العربي في ضمن أجوبته عن حديث ابن عباس قال: إنه حديث مختلف في صحته فكيف يقدم على إجماع الأمة، ولم يعرف لها في هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين وقد سبق العصران الكريمان، والاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رزوا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم نقل العدل عن العدل، ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبداً. ١هـ. (الناسخ والمنسوخ)

وقال بعد ما بين أن المراد بالطلاق في الآية الكريمة (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) المشروع قال: قد نقول بأن غيره ليس بمشروع لو لا تظاهر الأخبار (أحكام القرآن ٨١/١) وقال ابن رجب في "بيان مشكل الأحاديث الواردة في أن الطلاق الثلاث واحدة": "اعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف المعتقد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سبق بلفظ واحد" ١هـ.

وقد أجاب ابن القيم عن الاستدلال بالاجماع مبيناً وجوه نقضه فقال: وبيان هذا من وجوه:

أحدها:

ما رواه أبوداؤد وغيره من حديث حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما "إذا قال: أنت طالق ثلاثاً بفم واحد، فهي واحدة" وهذا الإسناد على شرط البخاري... وقال عبدالرزاق: أخبرنا معمر عن أيوب قال: دخل الحكم بن عيينة على الزهري بمكة، وأنا معهم، فسأله عن البكر تطلق ثلاثاً؟ فقال: سئل عن ذلك ابن عباس، وأبو هريرة، وعبدالله بن عمرو، فكلهم

قالوا: لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، قال: فخرج الحكم وأنا معه فأتى طاوساً وهو في المسجد، فأكب عليه فسأله عن قول ابن عباس فيها، وأخبره بقول الزهري، قال: فرأيت طاوساً رفع يديه تعجباً من ذلك وقال: والله ما كان ابن عباس يجعلها إلا واحدة.

أخبرنا ابن جريج قال: وأخبرني حسن بن مسلم عن ابن شهاب أن ابن عباس قال: "إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً، ولم يجمع، كن ثلاثاً، قال: فأخبرت طاوساً، فقال: أشهد ما كان ابن عباس يراهن إلا واحدة".

فقوله: "إذا طلق ثلاثاً ولم يجمع كن ثلاثاً" أي إذا كن متفرقات، فدل على أنه إذا جمعهن كانت واحدة. وهذا هو الذي حلف عليه طاوس أن ابن عباس كان يجعله واحدة. ونحن لا نشك أن ابن عباس صح عنه خلاف ذلك، وأنها ثلاث. فهما روايتان ثابتتان عن ابن عباس بلا شك.

الوجه الثاني :

أن هذا مذهب طاوس، قال عبدالرزاق: أخبرنا ابن جريج عن ابن طاوس عن أبيه أنه كان لا يرى طلاقاً ما خالف وجه الطلاق. ووجه العدة، وأنه كان يقول: يطلقها واحدة، ثم يدعها حتى تنقضي عدتها.. وقال أبوبكر بن أبي شيبه: حدثنا اسماعيل بن علية عن ليث عن طاوس وعطاء أنهما قالا: "إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فهي واحدة".

الوجه الثالث :

أنه قول عطاء بن أبي رباح. قال ابن أبي شيبه: حدثنا محمد بن بشر، حدثنا اسماعيل عن قتادة عن طاوس وعطاء وجابر بن زيد أنهم قالوا: "إذا طلقها ثلاثاً قبل أن يدخل بها فهي واحدة".

الوجه الرابع :

أنه قول جابر بن زيد كما تقدم.

الوجه الخامس :

أن هذا مذهب محمد بن اسحاق عن داود بن الحصين، حكاه عنه الإمام أحمد في رواية الأثرم، ولفظه: حدثنا سعيد بن إبراهيم عن أبيه عن ابن اسحاق عن داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس "أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً، فجعلها النبي ﷺ واحدة" قال أبو عبد الله: "وكان هذا مذهب ابن إسحاق، يقول: يخالف السنة، فيرد إلى السنة".

الوجه السادس :

أنه مذهب اسحاق بن راهويه في البكر. قال محمد بن نصر المروزي في كتاب "اختلاف العلماء" له: وكان اسحاق يقول: طلاق الثلاث للبكر واحدة، وتأول حديث طاؤس عن ابن عباس "كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وعمر يجعل واحدة" على هذا، قال: "فإن قال لها ولم يدخل بها أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، فإن سفيان وأصحاب الرأي، والشافعي، وأحمد، وأبا عبيد قالوا: بانت منه بالأولى، وليست الشتان بشيء، لأن غير المدخول بها تبين بواحدة، ولا عدة عليها".

وقال مالك، وربيعه، وأهل المدينة، والاوزاعي، وابن أبي ليلى إذا قال لها ثلاث مرات أنت طالق، نسقاً متتابعة، حرمت عليه حتى تنكح زوجاً غيره. فإن هو سكت بين التطليقتين، بانت بالأولى. ولم تلحقها الثانية فصار في وقوع الثلاث بغير المدخول بها ثلاثة مذاهب للصحابة والتابعين، ومن بعدهم:

أحدها : أنها واحدة، سواء قالها بلفظ واحد، أو بثلاثة ألفاظ.

الثاني : أنها ثلاث، سواء أوقع الثلاث بلفظ واحد، أو بثلاثة ألفاظ.

امام طحاویؒ کی عبارت کے استدلال درست نہیں،

السبلاغ صلا بابت رمضان المبارک مسئلہ جو میں امام طحاویؒ کی ایک عبارت سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ: مصدق بھیج کر امام کو اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ کے مکمل اختیارات ہیں۔ حالانکہ سیاق و سباق و دیگر قرائن کی روشنی میں یہ استدلال قطعاً درست نہیں۔

امام طحاویؒ اس پورے باب میں جو احادیث لئے ہیں ان سے بلا کسی اشتباہ کے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ "حق وصولی" عام نہیں۔ بلکہ یہ حق اُس سونے، چاندی اور اموال تجارت کے بارے میں ہے جن کو لے کر تاجر عاشر کے پاس سے گزرے۔ اس باب میں امام طحاویؒ کی ذکر کردہ روایات یہ ہیں جو سب عاشر کے بارے میں ہیں:

مثلاً ۱: ليس على المسلمين عشور انما لعشور على اهل الذمة ۱ لا يدخل

الجنة صاحب مكس يعني عاشرًا ۲ ۱ فأعشر المسلمين فقال رسول الله صلى

الله عليه وسلم: انما يعشر لليهود والنصارى ۳ ان عمر بن عبد العزيز كتب الى

اثوب بن شرحبيل ان خذ من المسلمين من كل اربعين دينار ديناراً

ومن اهل الكتاب من كل عشرين دينار ديناراً اذا كانوا يريدون زناش ۴ لا

تأخذ منهم شيئاً حتى رأس الحول فاني سمعت ذلك ممن سمع النبي

صلى الله عليه وسلم يقول ذلك ۵ ۱ اشعره رضي الله عنه قال انس بن سيرين

لانس بن مالك اكتب لي ستمعمر قال فكتب خذ من المسلمين من كل

اربعين دراهم درهماً ومن اهل الذمة من كل عشرين دراهم درهماً ومن

لاذمة له من كل عشرة دراهم درهماً ۶ وغير ذلك من الروایات۔

یہی روایات کتاب الاموال لابی عبید میں باب العاشر کے تحت مسند درج ہیں۔ بلکہ فقہاء محدثین

میں سے جس نے بھی عاشر کے مسائل بیان کئے ہیں انہی روایات سے استدلال کیا ہے۔ آخر الذکر دو آثار

یعنی اثر عمر بن عبد العزیز اور اثر عمر رضی اللہ عنہما کو تو مسائل عاشر میں مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ تفصیل

کے لئے ملاحظہ ہو: (بدائع ص ۳۵۲) (احکام القرآن ص ۱۵۵) (موطاء امام مالکؒ، باب زکوٰۃ العروص)۔

موطاء امام محمدؒ (شرح نقایہ) (کتاب الآثار لمحمدؒ) (شرح مختصر الخرنجی) (مبسوط مسخر خرنجی) (البحر الرائق ص ۲۴۲) وغیرہ

اول الذکر احادیث سے بظاہر عاشر مقرر کرنے کی مانعت معلوم ہوتی ہے۔ امام طحاویؒ نے ان احادیث

کا صحیح محل بیان کرتے ہوئے اپنے دعویٰ کے لئے آخری دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن کا قدر مشترک یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے (دور دراز راستوں پر) عاشر مقرر کئے اور انہیں لکھا کہ جو مسلمان ذمی یا عربی تاجر متہائے پاس سے گزرے اس سے زکوٰۃ ویکس وصول کرو، باب العاشر میں دیگر فقہاء محدثین نے بھی یہی طرز عمل اختیار کیا ہے۔ مثلاً لایہ خل الجنتہ صاحب مکس کی توجیہ کرتے ہیں اور حدیث عمر رضی اللہ عنہ سے تقریر عاشر کے جواز پر استدلال کرتے ہیں جس کا جی چاہے کتابیں کھول کر دیکھ لیں۔ اہم طحاویؒ دلیل نقلی پیش کرنے کے بعد حسب عادت اپنے دعویٰ کو قیاس و نظر سے مبرہن فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سائمہ اور شمار کی وصولی زکوٰۃ میں کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح ایسے سونے اور چاندی اور اموال تجارت کی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ جو بیرون شہر ہونے میں سائمہ کے مشابہ ہوں۔

جس دعویٰ کے لئے آثار عمر بن رضی اللہ عنہما سے استدلال کیا ہے قیاس و نظر سے بھی اسی دعویٰ کی تائید کی جائے گی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ احادیث الباب سے تو مائتر علی العاشر کی وصولی زکوٰۃ کا جواز ثابت کریں اور "نظر" سے گھروں اور دکانوں میں رکھے ہوئے اموال کی زکوٰۃ کا مسئلہ چھیڑ دیں اسی طرح وجہ بطریق النظر کی ضمیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ جو مسئلہ احادیث سے ثابت کر چکے ہیں۔ اس کی دلیل نظری بیان کرنا چاہتے ہیں اور وہ مسئلہ مائتر علی العاشر سے وصولی زکوٰۃ کا مسئلہ ہے نہ کہ تمام اموال تجارت کا۔

اہم طحاویؒ کی طرح دیگر حضرات فقہاء کرام نے بھی سفر پر لے جائے گئے اموال تجارت کو سائمہ پر قیاس کرتے ہوئے انہیں مال ظاہر قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ وجہ شبہ اور علت جامعہ ان دونوں کا شہر سے باہر پایا جانا ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر کا سانیؒ فرماتے ہیں۔

وَكُذَّ السَّالُّ الْبَاحِلُنْ اِذَا مَرَّ بِهٖ التَّاجِرُ عَلٰى الْعَاشِرِ كَانَ لَهُ اَنْ يَّاْخُذَ فِي الْجُمْلَةِ

لَا نَدَّ لِمَا سَافَرَبُهُ اَخْرَجَهُ مِنَ الْعِمْرَانِ صَادِرَ ظَاهِرًا وَ اَلْتَحَقَّ بِالسَّوَامِ (ص ۳۵)

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں:۔

ثُمَّ الْمُسْلِمُ حِيْنَ اَخْرَجَ مَالَ الْجَارَةِ اِلَى الْمَفَاذَةِ فَقَدْ اَحْتَاجَ اِلَى حِمَايَةِ الْاِمَامِ

فِيْشَبْتِ لَهُ حَتَّى اَخْذَ الزَّكَاةَ مِنْهُ كَمَا فِي السَّوَامِ۔

ان عبارات سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں مولیشیوں پر جس مال تجارت کو قیاس کیا گیا ہے وہ ایسا مال تجارت ہے جسے تاجر لے کر عاشر کے پاس گزرے۔ ہر مال تجارت نہیں اور وجہ قیاس اور علت التحاق شہر سے باہر آکر اس مال کا امام کے زیر حمایت آ جانا ہے اور اموال ظاہرہ کی وصولی زکوٰۃ کا حق امام کو حاصل ہی ہے امام طحاویؒ بھی یہی مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔ الغرض دلالت سیاق و سباق و دیگر قرآن کی بناء پر پورے

وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ امام طحاویؒ کی اس عبارت سے مراد "ما مر علی العاشر" ہے بشہری اموال تجارت اور سونا چاندی نہیں۔

احادیث الباب کی اس قطعی دلالت کے علاوہ زیر بحث عبارت کو مطلق سمجھنے میں ایک مخطوریہ بھی ہے کہ حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات کی مخالفت لازم آئے گی۔ کیونکہ شہری اموال کی وصولی زکوٰۃ کے لئے محصل مقرر کرنے کا کوئی امام قائل نہیں۔ حتیٰ کہ عہد رسالت و خلافت شیخین میں بھی اس غرض کے لئے محصلین کا تقرر عمل میں نہیں لایا گیا۔ امام ابو بکر جصاص رازی امام الہدیٰ کے حوالے سے پہلے یہ بات ہم نقل کر چکے ہیں۔ امام طحاویؒ ان حقائق سے بے خبر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور خلاف اجماع بات کیونکہ کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر امام عظیم امام ابو یوسفؒ اور امام محمد کا مذہب بھی قرار دے رہے ہیں۔ فیا سبحان اللہ۔ ان ائمہ ثلاثہ کا مذہب روز روشن کی طرح واضح ہے۔ جسے تمام فقہاء نے نقل کیا ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ اندرون شہر حکومت وصول نہیں کر سکتی۔ اگر بالفرض امام طحاویؒ کی رائے اس کے خلاف ہوتی تو وہ اسے مذہب ائمہ ثلاثہ قرار نہ دیتے بلکہ اپنی اختلافی رائے کی حیثیت سے پیش کرتے جیسا کہ بعض دوسرے مقامات پر امام طحاویؒ ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں: "بکہ کسی اور فقیہ نے بھی اس مسئلہ میں امام طحاویؒ کا اپنے ائمہ ثلاثہ سے اختلاف ذکر نہیں کیا! تعجب ہے کہ اگر ان حضرات ائمہ ثلاثہ کا مذہب وہی ہوتا جس کی نشاندہی بقول البلاغ امام طحاویؒ کر رہے ہیں تو کتب فقہ میں بالاتفاق جو نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ وہ کس کا مذہب ہے۔"۔

تو مؤدبانہ گزارش ہے کہ مندرجہ بالا سب مخطورات زیر بحث عبارت کو مطلق سمجھ لینے سے لازم آتے ہیں۔ لیکن جب اس اطلاق کو سیاق و سباق و دیگر قرآن کی روشنی میں "ما مر علی العاشر" کے ساتھ مقید کر دیا جائے۔ جیسا کہ واقعہ میں ایسا ہی ہے۔ تو اس سے مخالفت اجماع لازم آتی ہے نہ اپنے ائمہ ثلاثہ کے مذہب کا حوالہ غلط قرار پاتا ہے۔ نہ ہی کوئی دوسرا مخطور لازم آتا ہے۔ اس صحیح و سلامتی کے راستے کو چھوڑ کر اپنی رائے اور سمجھ کو امام طحاویؒ کے ذمہ لگانا انصاف سے بعید ہے۔ سوچنے کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر امام طحاویؒ کی عبارت کو شہری اموال کے بارے میں بھی عام رکھا جاتا ہے تو اس کے لئے امام طحاویؒ کا مستدل کیا ہوگا اور وہ کہاں ہے جبکہ احادیث الباب تو سب کی سب ما مر علی العاشر کے بارے میں تقریباً صریح ہیں۔

خود امام طحاویؒ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ باب عاشر اور ان کی یہ ساری بحث ان اموال کے متعلق ہے۔ جو عاشر کے پاس سے لے کر گذریں۔ حدیث:۔

لیس علی المسلمین عشور انما العشور علی الیہود والنصارى: کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ ان المسلمین لا یجب علیہم بمرورہم علی العاشر فی اموالہم ما لم یکن واجباً

عليهم لولم يهرجا عليهم لان عليهم الزكوة على اى حال كانوا عليها واليهود
والنصارى لولم يهرجوا با موالهم على العاشر لم يجب عليهم فيها شئ فالذى
رفع عن المسلمين هو الذى يوجب المروءة بالمال على العاشر ولم يرفع ذلك عن

اليهود والنصارى: —

امام طحاویٰ حدیث کی شرح کرتے ہوئے ایک ہی عبارت میں چار مرتبہ عاشر کے پاس سے مال لے کر گزرنے
کی تصریح فرما رہے ہیں۔ اتنی واضح تصریحات — کی موجودگی میں امام طحاویٰ کی پہلی عبارت کو مطلق سمجھ
لینا باعث حیرانی ہے۔ مرور علی العاشر کی تصریح کے باوجود دعویٰ یہ کیا جا رہا ہے کہ خروج عن المصر کی کوئی قید
ذکر نہیں کی گئی۔ تعجب پر تعجب ہے کہ عبارت طحاویٰ کو اس صریح قید سے مقید کرنے پر توراضی نہیں لیکن ایک خیالی
قید جو اپنی سمجھ میں آئی ہے (یعنی مضرت تفتیش) اس کے ساتھ طحاویٰ کی عبارت کو مقید فرما رہے ہیں۔ حالانکہ
امام طحاویٰ نے اس باب بلکہ پوری کتاب الزکاة میں صراحتاً تو کجا اشارہ بھی اس خیالی قید کا ذکر نہیں کیا۔ یہ طرز عمل
ہماری سمجھ سے بالا ہے کہ سیاق و سباق میں مذکورہ صریح قید سے تو قطع نظر کیا جائے اور خارج سے ایک قید
برآمد کر لی جائے۔ جس کا امام طحاویٰ رحمہ اللہ کی پوری کتاب میں کوئی نشان نہیں بلکہ اس قید کا وجود خارجی بھی
اس وقت تک محل بحث بنا ہوا ہے —



عہد رسالت اور خلافتِ اشدہ میں زکوٰۃ کی نجی ادائیگی بھی معتبر تھی،

ایک قول کے مطابق زکوٰۃ کی فرضیت مکی ہے۔ کیونکہ سورۃ مزل کی آخری آیت میں ﴿تَوَالِیْ زَکٰوٰۃٍ﴾ کا حکم موجود ہے لیکن جہور علماء قائل ہیں کہ زکوٰۃ سۃ میں صدقہ فطر کے بعد فرض ہوئی (کما حققہ المحافظ فی الفتح) ابتداء اسلام میں لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ لاکر خدمت نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں پیش کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک سے ان کے لئے بے ساختہ دُعائیں نکلتی تھیں۔ چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خدمت نبوی میں زکوٰۃ پیش کرنے کو اپنے لئے صلوات الرسول اور قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے ﴿یَتَّخِذْ مَا یَنْفِقُ قُرْبًاۤی عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلٰتِ الرِّسُوْلِ اِلَّا اَنْفَاقًا رِّبَیْۃً لِّہُمْ اَلَا یَۤتٰی (توبہ آیت ۹۹)﴾

ترجمہ :- اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے اور پیغمبر کی دُعاؤں کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ خبردار بے شک وہ ان کے لئے نزدیکی کا سبب ہے۔

اسی طرح علانیہ زکوٰۃ ادا کرنے میں ایک مصلحت یہ تھی کہ کوئی عمل اگر اجتماعی شکل میں معاشرے کے اندر رواج پا جائے تو اس کا ترک کرنا دُشوار ہو جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز باجماعت کے مصالح میں سے ایک بڑی مصلحت یہی تحریر فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں ہجرتِ مکہ کے آنے والے نادار اور دیگر فقراء صحابہؓ کا ایک مجمع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام پذیر رہتا تھا۔ یہ لوگ مصارفِ زکوٰۃ تھے یہ اور اسی نوعیت کی دیگر مصالح کے پیشِ نظر حضرات صحابہ کرام اپنے صدقاتِ خدمتِ اقدس میں لاکر پیش کرتے تھے اور یہ سارا نظام زکوٰۃ طوع و رغبت پر مبنی تھا کسی پر کوئی جبر نہ تھا۔ صرف صدقاتِ واجبہ ہی نہیں بلکہ نفلی صدقات میں بھی ان حضرات کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ یہ بھی خدمتِ نبوی میں پیش کئے جائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے جہاں مناسب ہو خرچ فرمائیں۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ اَتِیْتُمْ شَرِیْفَہٗ نَازِلٌ ہُوَی تُو حضرت طلحہؓ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا :

يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تَنْفُقُوا مِمَّا
تُحِبُّونَ وَإِنَّ أَحَبَّ مَالِي إِلَى بَيْرِ حَاءٍ وَأَنْهَا صَدَقَةٌ لِلَّهِ تَعَالَى
أَرْجُو بَرَّهَا وَذَخَرَهَا عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى فَضَعَهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ حَيْثُ
أَرَاكَ اللَّهُ الْحَدِيثُ (مشکوٰۃ ص ۱۷۲ ج ۱)

ترجمہ: یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تَنْفُقُوا مِمَّا
تُحِبُّونَ اور مجھے اپنے مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ بیرحاء ہے اور وہ اللہ
کے لئے صدقہ ہے مجھے امید ہے کہ وہ میرے لئے اللہ کے ہاں ذخیرہ بنے گا۔ پس اللہ تعالیٰ
کے منشاء کے مطابق اسے جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔

اور غزوہ نبوک سے تَخَلُّف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولِ توبہ کی خوشخبری ملنے کے
بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا مال صدقہ کر دیا تھا اور اس کا اعلان خدمتِ نبویؐ میں حاضر
ہو کر کیا: "إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنْ أَخْلَعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِبَعْضِ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ (مسلم ص ۳۶۲ ج ۲)
اور حسبِ ضرورت اپنے طور پر بھی حضراتِ صحابہؓ زکوٰۃ ادا فرماتے تھے۔ فرضیتِ زکوٰۃ کے
ابتدائی سالوں میں دونوں طرح سے زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی ہوتی رہی یعنی بنی طور پر بھی زکوٰۃ ادا کی
جاتی تھی اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں بھی پیش کر دی جاتی تھی کئی سالوں کے
بعد سورہ حج میں آیت کریمہ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمُ الْآيَةُ نَافِلٌ هُوَ تَوْبَتِي
اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوائم اور پھلوں کی زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سرکاری
سطح پر انتظامات کئے گئے۔ محصلین کا تقرر ہوا اور انہیں وصولیِ زکوٰۃ کے لئے بیرونِ شہر جنگلوں
اور کھیتوں میں بھیجا گیا لیکن اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اندرونِ شہر کسی محصل کا بھیجنا
ثابت نہیں۔ امام جصاص رازی فرماتے ہیں:

"وَلَمْ يَبْلُغْنَا أَنْ بَعَثَ سَعَاةٌ عَلَى زَكَاةِ الْأَمْوَالِ كَمَا بَعَثَهُمْ عَلَى

صَدَقَاتِ الْمَوَاشِي وَالْأَشْيَاءِ ذَلِكُ أَهْلٌ" (احکام القرآن ص ۱۵۵ ج ۲)

خلافتِ راشدہ میں بھی اسی پر عمل جاری رہا تا آنکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مالکان
کو اپنے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ خود ادا کرنے کا اعلان فرمایا۔ مالِ زکوٰۃ چونکہ محض فقراء و مساکین

وغیرہ کا حق ہے اور سرکاری سطح پر وصولی فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نہ بحیثیت رکن تھی نہ بحیثیت شرط اس لئے حضرات صحابہ کرام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کو بلا تردد قبول کیا پُناپنے حضرات ائمہ و فقہاء نے لکھا ہے کہ اعلان عثمان سے امام کا وصولی زکوٰۃ کا عرفی حق (سبب) کچھ تھا ختم ہو گیا۔ اب عام حالات میں سرکاری سطح پر اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا امام کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ اسقاط حق خلیفہ راشد کا فیصلہ ہے۔ جس کی اتباع امت پر لازم ہے۔ امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں :

ثم خطب عثمان فقال هذا شهر زكاةكم فمن كان عليه دين
فليؤده ثم ليترك بقية ماله فجعل لهم ادائها الى المساكين
وسقط من اجل ذلك حق الامام في اخذها لانه عقد عقدة
امام من ائمة العدل فهو نافذ على الامة لقوله عليه السلام
وليعقد عليهم اوقالهم (احكام القرآن ج ۳ ص ۱۵۵)

واضح رہے اس حق سے مراد ایسا عرفی استحقاق ہے جو عہد نبوت سے لیکر خلافت عثمان کے وسط تک کے مسلسل تعامل سے ظاہر ہو رہا تھا کیونکہ اس عرصہ میں معطین اپنی زکوٰۃ و صدقات واجبہ و نافلہ عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے پاس جمع کراتے تھے۔ اگرچہ بعض حضرات اپنے طور پر بھی غریب و مساکین کو ادا کرتے تھے۔ کما سبباً تھی۔

صرف امام جصاص ہی نے نہیں بلکہ تمام فقہاء نے متفقہ طور پر **حق ساقط ہو گیا :** یہی تحریر فرمایا ہے کہ خلافت عثمانی کے بعد امام کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں رہا ہے۔ علامہ ابن نجیم متعدد کتب کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں:

ليس للسلطان ولاية اخذ زكاة اموال الباطنة فلم يصح
اخذها كذا في الوقعات والتجنيس والولوالجية (البحر الرائق ص ۲۷۶)
ترجمہ: بادشاہ کو اموال باطنہ سے وصولی زکوٰۃ کا اختیار نہیں پس اس کا وصول کرنا صحیح نہیں۔
مولانا ظفر احمد عثمانی نے لکھا ہے :

ان السلطان له ولاية الجبر في اموال الظاهرة
لا في اموال الباطنة - (اعلاء السنن ص ۹)

ترجمہ: بادشاہ کو جبراً وصولی کا حق اموال ظاہرہ میں ہے اموال باطنہ میں نہیں بلکہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ عام **زکوٰۃ ادا نہ ہوگی :** حالات میں اگر اموال باطنہ کی زکوٰۃ جبری طور پر وصول کر لیا۔ تو اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ امام ابو جبر کا سانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

ولهذا قلنا انه ليس للامام ان يأخذ الزكاة من صاحب المال من غير اذنه جبراً ولو اخذ لا تسقط عنه الزكاة -

(بدائع ج ۲ ص ۵۳ و هكذا في البحر ص ۲۲ ج ۲)

ترجمہ: امام کو یہ حق نہیں کہ صاحب مال سے جبراً اس کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ ایسے وصول کر لیا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

اگے چل کر ایک دوسرے مسئلہ کے ضمن میں امام موصوف لکھتے ہیں :

بخلاف الزكاة فان الامام لا يملك الاخذ جبراً وان اخذ لا تسقط

الزكاة عن صاحب المال - (بدائع ص ۵۶ ج ۲)

ترجمہ: زکوٰۃ کا مسئلہ ایسا نہیں۔ کیونکہ امام جبراً وصول کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اور اگر زبردستی وصول کر لیا تو مالدار کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

خودار باب مال کی ذمہ داری ہے : شہر میں ہوتے ہوئے اموال باطنہ کی زکوٰۃ ادا کرنا خودار باب مال

کی ذمہ داری ہے، امام کو ان میں وصولی زکوٰۃ کا حق نہیں.... ہاں جب یہ اموال شہر سے باہر لائے جائیں۔ اس وقت وصولی زکوٰۃ کے اختیارات امام کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ کیونکہ اب یہ ”اموال ظاہرہ“ میں شامل ہو جائیں گے۔

علامہ محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :

ان ولاية الاداء بنفسه انما كان في الاموال الباطنة

حال كونها

ترجمہ: بذات خود زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار ”اموال باطنہ“ میں صرف شہر میں موجود ہونے کی حالت میں ہے۔

فی المصر و بمجرد خروجہ انتقلت الی الامام (فتح القدیر ج ۲ ص ۸۲)

ترجمہ: اور شہر سے نکلنے کے ساتھ ہی یہ اختیار امام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(۲) امام قاضی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح جامع صغیر میں تصریح فرماتے ہیں :

انما تثبت ولایت المطالبة للامام بعد الاخراج الی المفاضة

(بحوالہ شامی ج ۲ ص ۵۳)

ترجمہ: (اموال باطنہ میں) امام کو مطالبہ زکوٰۃ کے اختیارات تجارتی اموال کو صرف بیرون شہر

لیجانے ہی کی صورت میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر نہیں (کیونکہ ایسی صورت

میں یہ "اموال باطنہ" نہیں رہتے بلکہ اموال ظاہرہ بن جاتے ہیں)

اموال باطنہ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا حق امام کو نہ ہونے پر صحابہؓ

اجماع صحابہؓ: کا اجماع ہو چکا ہے۔ امام کے وصول کرنے کو اجماع صحابہؓ

کے خلاف قرار دیتے ہوئے امام کا سانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

اذا اراد الامام ان يأخذ بنفسه من غير تهمة الترك من

اربابها ليس له ذلك لما فيه من مخالفة اجماع الصحابة

رضی اللہ عنہم۔ (بدائع ص ۲ ج ۲)

ترجمہ: جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مالداروں سے زکوٰۃ خود وصول کرے جبکہ ان پر

ترک اداء زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ اس

میں اجماع صحابہؓ کی مخالفت ہے۔

امام کا سانیؒ کے دعویٰ اجماع کے بارے میں اگر کسی کو بعض صحابہؓ

ازالہ شبہ: کے اختلاف کا شبہ ہو تو وہ شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے کلام سے

زائل کیا جاسکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

معنی اجماع این نیست کہ ہمہ مجتہدین لایشذ فرد در عصر واحد بر مسئلہ اتفاق کنند

بلکہ معنی اجماع حکم خلیفہ است بخیر بعد مشاورۃ ذوی الرأي یا بغیر آں و نفاذ آں حکم

تا آنکہ شائع شد و در عالم متکثر گشت۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیکم بسنتی و

سنة الخلفاء الراشدين من بعدى الحديث (ازالة الخفاء ص ۲۶)

ان تصریحات سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے کہ خلافت عثمانی کے بعد سے امام کا وصولیٰ زکوٰۃ کا حق ساقط ہو چکا ہے۔ عام حالات میں ”اموال باطنہ“ کی زکوٰۃ وصول کرنے کے اختیار اُسے حاصل نہیں رہے۔ مگر اس کے باوجود بھی بعض حضرات کو شبہ ہو گیا ہے کہ امام کا یہ وصولیٰ زکوٰۃ کا حق ساقط نہیں ہوا۔ اور ایسا نہیں کہ وہ اب زکوٰۃ وصول کرنا چاہے تو وصول نہیں کر سکتا۔ گویا کہ امام عملاً بھی وصولیٰ زکوٰۃ جب چاہے شروع کر سکتا ہے۔

حضرات ائمہ کرام اور فقہائے عظام، حضرت امام ابو بکر جصاص رازیؒ، امام ابو بکر کاسانیؒ، علامہ محقق ابن ہمامؒ، امام الفقیہ قاضی خاںؒ، علامہ ابن نجیمؒ وغیرہ اساطین اُمت کی سابقہ عبارات کی روشنی میں اس شبہ کا بے دلیل اور غلط ہونا ظاہر ہے۔ ان حضرات نے تصریح فرمادی ہے کہ امام کا یہ حق ساقط ہو چکا ہے۔ امام کا اب اموال باطنہ کی زکوٰۃ وصول کرنا اجماع صحابہؓ کے خلاف ہے۔ عام حالات میں امام کو یہ اختیارات نہیں ہیں۔ اور وصول کرنے کی صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ واضح رہے کہ اس وقت بحث صرف اس میں ہے کہ بغیر تہمت ترک

تہمت ترک : عام حالات میں امام کو ”اموال باطنہ“ کی زکوٰۃ جبراً وصول کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں حضرات ائمہ و فقہاء کی تصریحات ابھی نقل کی جا چکی ہیں کہ ”اموال باطنہ“ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار نہیں۔ بصورت وصولی مالکان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ وغیرہ ذاکث۔ اور بعض فقہاء کی عبارات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کا حق بالکلیہ ساقط نہیں ہوا۔ اس کا ثمرہ صرف یہ ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں امام اداۓ زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا امام کا یہ حق عام حالات میں ساقط ہو چکا ہے۔ اور تہمت ترک کی صورت میں یہ حق عود کر آتا ہے۔ پس بالکلیہ ساقط نہ ہونے کا یہی معنی ہے۔ الغرض سقوط حق عام حالات میں ہے اور اس کا عود کر آنا ایک خاص حالت میں ہے۔ پس ان باتوں میں کوئی منافات ہے اور نہ ہی ان عبارتوں کو لیکر حکومت کے لئے عمومی حق ثابت کرنا درست ہے۔ چنانچہ امام ابو بکر کاسانیؒ نے ایک ہی مقام پر دونوں باتوں کی صراحت کر دی ہے۔ تہمت ترک کی صورت میں مطالبہ زکوٰۃ کا حق بھی امام کے لئے تسلیم کیا ہے اور بدون اس کے وصولیٰ زکوٰۃ کو اجماع صحابہؓ کے خلاف بھی قرار دیدیا ہے۔ بدائع میں ہے :

ان الامام اذا علم من اهل بلدة انهم يتركون اداء الزكوة من
الاموال الباطنة فانه يطالبهم بها لكن اذا اراد الامام ان يأخذ
بنفسه من غير تسمية الترك من اربابها ليس له ذلك لما
فيه من مخالفة اجماع الصحابة رضي الله عنهم اه (بدائع ج ۲ ص ۲۸)
ترجمہ: کسی شہر والوں کے متعلق جب امام کو معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اموالِ باطنہ کی
زکوٰۃ کی ادائیگی ترک کر دی ہے تو وہ ان سے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن
جب امام کا ارادہ ہو کہ وہ مال والوں سے زکوٰۃ خود وصول کرے۔ جبکہ ان پر ترک
اداء زکوٰۃ کا الزام نہیں تو اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں کیونکہ یہ اجماع صحابہؓ کے
غلاف ہے۔

قابل غور : لوگوں کے فریضہ زکوٰۃ ترک کر دینے کی صورت میں امام کو مطالبہ زکوٰۃ کا جو
حق ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر قابل غور ہے کہ کیا یہ وہی حق ہے جو ساقط
ہو گیا تھا۔ یا یہ دوسری نوعیت کا ایک عمومی حق ہے جو فرائض و شعائر اسلام کی توہین یا انہیں
ترک کر دینے کی صورت میں امام کو حاصل ہوتا ہے۔ (بظاہر ترک زکوٰۃ کی صورت میں یہ حق امام
دوسری نوعیت کا ہے) کیونکہ اگر کوئی شخص بے نماز ہے تو حکومت کو اس کی گرفتاری اور حبس
دوام کی سزا دینے کا حق حاصل ہے۔ الا یہ کہ وہ توبہ کر لے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان المبارک
میں بلا عذر علانیہ کھاتا پیتا ہے تو حکومت کو اسے سخت ترین سزا دینے کے اختیارات ہیں۔ بلکہ
امام محمدؑ نے تو یہاں تک تصریح فرمائی ہے کہ اگر امام کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے
اذان کی سنت ترک کر دی ہے تو تائب نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں کے ساتھ
قتال واجب ہے۔۔۔ گویا کہ نماز۔ روزہ۔ اذان کی بحالی اور ان شعائر اسلام کو
قائم کرنے کے لئے جبر و قتال تک کی اجازت ہے۔ بلکہ واجب ہے تو ترک فریضہ زکوٰۃ کی صورت
میں بھی اس فریضہ کو بحال کرنے کے اختیارات ویسے ہی ہیں جیسے کہ مذکورہ بالا فرائض کی اقامت
کے سلسلہ میں امام کو حاصل ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاص حالات میں امام کے یہ اختیارات
امر بالمعروف کے قبیل سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کی زکوٰۃ امام خود وصول نہیں کر لگا۔
بلکہ بذریعہ قید و بند اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود ادا کرے۔ اسی صورت کے بارے
میں علامہ ابن نجیمؒ تحریر فرماتے ہیں :

و (اشار) الح انه لو امتنع من ادائها فالساعي لا يأخذ منه
كرهاً ولو اخذ لا يقع عن الزكاة لكونها بلا اختيار ولكن
يُجبرُ بالحبس ليؤدى بنفسه لان الاكراه لا يسلب الاختيار
بل الطوعية فيتحقق الاداء عن اختيار كذا في المحيط (ج ۲ ص ۲۲۴)

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ تہمت ترک کی صورت میں
مُطالبہ امام : امام لوگوں سے ”اموال باطنہ“ کی زکوٰۃ کا بھی مُطالبہ کر سکتا ہے۔ اس
کا مطلب سمجھنے میں بھی تسامح ہوا ہے۔

واضح رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صورتِ بالا میں امام کو جبری کٹوتی یا لوگوں کے اموال
پر بنام زکوٰۃ زبردستی قبضہ کر لینے کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ اس کا
مطلب یہ ہے کہ امام (عذابِ اخروی اور دنیوی سزا) یاد دلا کر اولاً نہمائش کرے گا۔
ابن عبدالبر فرماتے ہیں :

والواجب ان يعظ الامام من منع الزكاة ويؤخذه اهـ
اگر نہمائش کے باوجود یہ شخص (یا لوگ) زکوٰۃ ادا نہ کریں تو تعزیراً اسے سزا دے
اور جیل بھیج دے ، تاوقتیکہ وہ ادائیگی زکوٰۃ نہ کر دے۔ کفایہ میں ہے :
وفي التفاريق ان وقف على اهل بلدة لا يؤدون زكاة الاموال
الباطنة طالبهم وكذا من عرف بذلك ضرب وطولب بالاداء
وفي الاشارات اذا امتنع عن اداء الزكاة يحبس حتى يؤدى (ص ۱۸۲)

بحر الرائق میں بھی ایسے ہی ہے کہ ایسے متمنع کے مال پر بغرض زکوٰۃ جبراً قبضہ کر لینا درست
نہیں بلکہ اسے قید کر دیا جائے گا تاوقتیکہ وہ خود زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ حوالہ ابھی گزر چکا ہے۔

اور یہ مقصود شریعت کے عین مطابق ہے کیونکہ عبادات
ٹیکس اور زکوٰۃ : میں اصل یہ ہے کہ لوگ با اختیار خود انہیں بجالاتیں مخلوق کو

صراطِ مستقیم پر چلانا مطلوب ہے۔ جمع مال مقصود نہیں ٹیکسوں اور زکوٰۃ میں یہ ایک بنیادی
فرق ہے ٹیکس میں مقصود صرف حصولِ مال ہوتا ہے۔ اور زکوٰۃ میں فعلِ مکلف کا پایا جانا
ضروری ہے۔ وصولِ مال ثانوی درجے میں ہے۔ بعض اُمراء بنو امیہ نے نو مسلموں سے

جز یہ کی وصولی کو بحال رکھا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عامل کو لکھا :
 اما بعد فان الله تعالى قد بعث محمداً صلى الله عليه وسلم
 داعياً ولم يبعثه جابياً فاذا اتاك كتابي هذا فارفع الحزبة
 عن من اسلم من اهل الذمة۔ (اوجز ص ۲۶ ج ۳)

اور لوگوں کو فرض زکوٰۃ کی ادائیگی کا عادی بنانا جبری کٹوتی کے اعلان سے نہیں ہو
 سکتا۔ بلکہ ادائیگی زکوٰۃ میں مالکان کا فعل پایا جانا ضروری ہے۔ گو اس فعل میں قدرے
 جبر ہو۔ جبر محض اہل سنت کا مذہب نہیں بلکہ وہ جبر و اختیار کے مابین کے قائل ہیں۔
 کسی مالِ مسلم کے متعلق کُلّی یا جزوی ضبطی قُرتی جبری کٹوتی کے احکام بالکل انتہائی اقدام تو
 ہو سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ ابتداءً اس سے کی جائے۔

متعدد حوالہ جات سے پہلے یہ گزرا کہ ”اموال باطنہ“ میں امام کا حق
بعید توجیبہ : ساقط ہو چکا ہے۔ بعض اجاب نے اس عبارت کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ

اس سقوط حق سے مراد یہ ہے کہ اس اعلان عثمانی سے قبل اپنے طور پر ادا کی جانے والی زکوٰۃ کی ادائیگی
 شرعاً معتبر نہ تھی۔ اگر کوئی شخص فقیر کو از خود زکوٰۃ دے دیتا تو اسکی زکوٰۃ ادا نہ ہوتی۔ اعلان
 عثمانی سے مالکان کو اتنا حق مل گیا کہ مالک کے خود کسی فقیر کو دینے کی صورت میں بھی اب زکوٰۃ ادا
 ہو جایا کرے گی۔ اور بس۔! گویا کہ امام کا ”حق وصول زکوٰۃ“ اعلان عثمانی سے ساقط ہوا نہ متاثر ہوا۔

توجیہ بالا کے ضمن میں ایک بڑا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ عہد رسالت سے
دعویٰ : لیکر خلافت عثمانی تک زکوٰۃ کی نجی ادائیگی معتبر نہ تھی فقیر کو براہ راست خود

دینے سے سونے چاندی کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوتی تھی۔ دلائل سے قطع نظر یہ بات بڑی عجیب سی معلوم
 ہوتی ہے کہ نال زکوٰۃ جس کی فرضیت کا ایک بنیادی مقصد ہی فقر اور مساکین کی حاجت برآری
 ہے اور شرعاً اسے غریب ہی کا حق تصور کیا جاتا ہے۔ اس مال زکوٰۃ سے اگر کوئی مالدار اپنے بھوکے
 پڑوسی۔ بیوہ اور مسکین۔ بہن۔ یتیم بچے۔ لاچار مریض کی کچھ مدد کر دے تو اسکی یہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔
 تاوقتیکہ یہ سرکاری خزانے میں جمع ہو کر حکومتی کارندوں کے ذریعہ تقسیم نہ ہو۔ شہر میں ہو یا دیہات میں۔

البلاغ اپنے مندرجہ بالا دعویٰ کی تائید میں امام جصاص کی یہ
ناتمام استدلال : عبارت پیش کی ہے :

قوله تعالى: خذ من اموالهم صدقة، يدل على ان اخذ
الصدقات الى الامام وانه متى اداها من وجبت عليه الى المساكين
لم يجزه لان حق الامام قائم في اخذها فلا سبيل الى اسقاطه
وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يوجه العمال على صدقات
المواشي ويأمرهم بان يأخذوا على المياة في مواضعها (الى ان قال)
وكذلك صدقة الثمار۔

اور لم يجزه کے لفظ سے استدلال کیا ہے حالانکہ یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ
ممکن ہے کہ اس جزیہ میں صرف اموال ظاہرہ کا حکم بیان کیا گیا ہو دیگر دلائل کے علاوہ جیسے کہ
”فلا سبیل الی اسقاطہ“ کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے کیونکہ امام کے حق وصولی کا
ناقابل اسقاط ہونا یہ اموال ظاہرہ کے صدقہ کے بارے میں ہی ہو سکتا ہے۔ اموال باطنہ کی وصولی
زکوٰۃ کے متعلق تو امام کا حق ناقابل اسقاط نہیں بلکہ خود امام جصاص اس کے متصل اگلی عبارت
میں اس کے ساقط ہو جانے کی تصریح فرما رہے ہیں کہ اموال باطنہ کی وصولی میں امام کا حق ساقط
ہو چکا ہے۔ (پورا حوالہ آگے آ رہا ہے) — اور اگر بالفرض فلا سبیل الی اسقاطہ کو
دونوں قسم کے اموال کے لئے عام رکھا جائے اور اس حق امام کو بہر حال بہ نص قرآن ناقابل اسقاط
تصور کیا جائے تو سوال پیدا ہو گا کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ایک اعلان کے ذریعہ اسے جزیہ طوہر
پر کیسے ساقط کر دیا۔ اور صحابہ کرامؓ نے اس خلاف قرآن اقدام کو کیسے قبول کر لیا؟ حقیقت یہ ہے
کہ یہ ”ناقابل اسقاط حق وصولی صرف اموال ظاہرہ کے بارے میں ہے۔ اموال باطنہ سے متعلق
نہیں۔ پس البلاغ کا استدلال اس عبارت سے صحیح نہیں۔ چنانچہ سیاق و سباق اور دیگر
قرائن کی روشنی میں یہ امر متعین ہے کہ امام ابو بکر جصاصؓ اس عبارت سے عموم مراد نہیں لے
رہے ہیں بلکہ صرف اموال ظاہرہ کے متعلق لم يجزه فرما رہے ہیں جیسا کہ یوجہ العدال علی
صدقات المواشی وكذلك صدقة الثمار کے الفاظ اس پر صاف دلالت کر رہے
ہیں۔ اور اسکی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ خود امام موصوف نے دوسرے دو مقامات پر
مسئلہ بالاین ”اموال ظاہرہ“ کی قید ذکر کی ہے۔ حق امام پر بحث کرتے ہوئے امام موصوف
لکھتے ہیں :

ویدل ایضاً علی ان اخذ الصدقات الی الامام وانه لا یجزی ان
 یعطی رب الماشیة صدقتها الفقراء فان فعل اخذها الامام ثانیاً
 (احکام القرآن ص ۱۲۳ ج ۲)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

ان من ادى صدقة مواشیه الی الفقراء ان الامام لا
 یحتسب له بها۔ (احکام القرآن ص ۱۲۰ ج ۲)

دیکھتے بالکل وہی الفاظ ہیں کہ وصولی صدقات کا حق امام کو ہے، لیکن اگلے جزیئہ میں "رب الماشیة"
 کی قید ذکر کر کے اس کا اموال ظاہرہ کے متعلق ہونا بھی واضح فرما دیا ہے۔ اہل اصول کے ہاں یہ مسلم
 ہے کہ ایک ہی حادثہ میں جب مطلق و مقید وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے پس اس ضابطے
 کی رو سے زیر بحث "جزئیہ" اموال ظاہرہ کے بارے میں تصور کیا جائے گا کہ نجی ادائیگی صحیح نہ ہونے
 کا حکم امام جصاص کے نزدیک مولشیوں کی زکوٰۃ کے متعلق ہے۔ تمام اموال زکوٰۃ کے بارے میں
 نہیں۔ اس کا ایک واضح قرینہ یہ ہے کہ زیر بحث عبارت کے متصل بعد آگے اموال باطنہ کی وصولی زکوٰۃ
 کی تفصیل مستقل طور پر بیان کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

واما زکاة الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم وابی بکر و عمر و عثمان ثم خطب عثمان فقال هذا شهر
 زکوتکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک بقیتہ فجعل لهم
 اداءها الی المساکین وسقط من اجل ذالک حق الامام
 ف اخذها۔

علاوہ ازیں اموال ظاہرہ اور باطنہ کی زکوٰۃ کے بارے میں امام جصاص نے ایک دوسری طرح
 سے بھی فرق کیا ہے۔ یہ ہے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ کے متعلق صدقات کا لفظ استعمال کرتے
 ہیں اور اموال باطنہ کی "زکوٰۃ" کے لئے لفظ "زکوٰۃ" استعمال کرتے ہیں۔ یہ فرق البلاغ کی
 زیر بحث عبارت اور ہماری نقل کردہ اس عبارت سے بھی واضح ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے
 کہ مالک کی خود ادائیگی معتبر نہ ہونے کا حکم اموال ظاہرہ سے متعلق ہے۔ کیونکہ زیر بحث عبارت
 میں صدقات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ نہ کہ زکوٰۃ کا۔ اور ہمارے اس دعویٰ کی ایک بین

دلیل امام ابو بکر جصاصؓ کی ایک دوسری عبارت ہے جس میں قطعی طور پر یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں ابتدائے اسلام سے ہی وصولی امام کی شرط نہیں تھی، البتہ یہ شرط اموال ظاہرہ کے صدقہ میں ہے۔ امام موصوف لکھتے ہیں :

انہ (تعالیٰ) قال فی الزکوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ ولم یشرط فیہا اخذ الامام (الح ان قال) فلما خص الزکاۃ بالامر بالایفاء دون اخذ الامام و امر فی الصدقة بان يأخذها الامام وجب ان يكون اداء الزکوٰۃ موكولا بالح ار بابها الا ما یرہم التاجر علی العاشر۔ (احکام القرآن ج ۱۵ ص ۲)

امام جصاصؓ نے فیصلہ فرمادیا کہ فرضیت زکوٰۃ کے وقت سے ہی اموال باطنہ کی ادائیگی کا اصل اختیار مالکان کو برہنہ قرآنی حاصل تھا البتہ مال ظاہرہ کے صدقہ میں وصولی امام شرط ہے۔ اس عبارت میں لفظ زکوٰۃ اور لفظ صدقہ کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایسی تصریحات کے باوجود ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ارباب "البلغ" اپنے ناقص استدلال پر اتنا بڑا دعویٰ کیسے کر بیٹھے اور سیاق و سباق دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ الحاصلہ امام جصاص رازی کی زیر بحث عبارت سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عثمانؓ کے اعلان سے قبل اگر کوئی شخص اپنے مال باطن کی زکوٰۃ خود فقیر کو دے دیتا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی تھی۔

امام موصوف نے تصریح کر دی ہے کہ اموال باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں وصولی امام شرط نہ تھی جیسا کہ آتوا الزکوٰۃ کا صیغہ اس پر دال ہے اسکی مزید تحقیق آگے ملاحظہ فرمائیے :

ادائے زکوٰۃ کے لئے سرکاری وصولی شرط نہیں : امام جصاصؓ کی عبارت سے

قطع نظر دیگر دلائل قرآن پاک، احادیث مبارکہ، اجماع صحابہؓ، اقوال ائمہ تفسیر، تصریحات فقہاء و محدثین سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں بھی اگر کوئی مالک اپنی نقدی کی زکوٰۃ براہ راست فقیر کو دے دیتا تو اسکی یہ ادائیگی زکوٰۃ شرعاً معتبر تھی۔ اس سلسلہ میں مختصراً بطور نمونہ چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں — قرآن کریم میں ہے :

(۱) و آتوا الزکوٰۃ : زکوٰۃ کے متعلق لفظ "آیتا" وارد ہوا ہے اور عربی لغت

بمثل ذلك لكان أقوى لها.

وقال القرطبي (فتح الباري ٣٦٥/٩) وحجة الجمهور من جهة اللزوم من حيث النظر ظاهرة جداً: وهو أن المطلقة ثلاثاً لا تحل للمطلق حتى تنكح زوجاً غيره، ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغة وشرعاً، وما يتخيل من الفرق صوري ألغاه الشارع اتفاقاً في النكاح والعق والأقارير، فلو قال الولي: أنكحتك هؤلاء الثلاث في كلمة واحدة انعقد كما لو قال أنكحتك هذه وهذه وهذه، وكذا في العق والإقرار وغير ذلك من الأحكام. نقله عنه ابن حجر العسقلاني (أيضاً).

ويرد عليه بأن (أيضاً) من قال: أحلف بالله ثلاثاً لا يعد حلفه إلا يمينا واحدة فليكن المطلق مثله، وتعقب باختلاف الصيغتين فإن المطلق ينشئ طلاق امرأته وقد جعل أمر طلاقها ثلاثاً، فإذا قال: أنت طالق ثلاثاً فكأنه قال أنت طالق جميع الطلاق، وأما الحلف فلا أمد لعدد أيمانه، فافترقا ١هـ.

المذهب الثاني

إن الرجل إذا طلق زوجته ثلاثاً بلفظ واحد وقعت واحدة دخل بها أولاً.

قال ابن الهمام (فتح القدير ٦٥/٣): وقال قوم يقع به: واحدة وهو مروي عن ابن عباس رضي الله عنهما وبه قال إسحق، ونقل عن طاؤس وعكرمة أنهم يقولون خالف السنة فيرد إلى السنة.

قال الباجي (المنتقى شرح الموطأ ٣/٤): وحكى القاضي أبو محمد في إشرافه عن بعض المبتدعة يلزمه طلقة واحدة.... وإنما يروى هذا عن الحجاج بن أرطاة ومحمد بن إسحق. انتهى المقصود.

قال شيخ الإسلام - في أثناء الكلام على ذكر المذاهب في ذلك (مجموع

الفتاوى ٨/٢٣) الثالث أنه محرم ولا يلزم منه إلا طلبة واحدة، وهذا القول منقول عن طائفة من السلف والخلف من أصحاب رسول الله ﷺ مثل: الزبير بن العوام، وعبد الرحمن بن عوف، ويروى عن علي و ابن مسعود و ابن عباس القولان وهو قول كثير من التابعين ومن بعدهم مثل طاؤس: وخلاس بن عمرو، و محمد بن اسحق، وهو قول داود وأكثر أصحابه، ويروى ذلك عن أبي جعفر محمد بن علي بن الحسين وابنه جعفر بن محمد، ولهذا ذهب إلى ذلك من ذهب من الشيعة، وهو قول بعض أصحاب أبي حنيفة ومالك و أحمد بن حنبل. ١هـ.

قال ابن القيم (زاد المعاد ٤/١٠٥): وهو اختيار شيخ الإسلام ابن تيمية. ١هـ.

قال المرداوى (الانصاف ٨/٤٥٣): وحكى أى شيخ الإسلام ابن تيمية عدم وقوع الطلاق الثلاث جملة بل واحدة، فى المجموعة أو المتفرقة عن جده المجد وأنه كان يفتى به سرا أحيانا. ١هـ.

قال ابن القيم (أعلام الموقعين ٣/٢٩، ٢٨، ٢٤): المثل السابع: أن المطلق فى زمن النبى ﷺ وزمن خليفته أبى بكر، وصدر من خلافة عمر كان إذا جمع الطلقات الثلاث بفم واحد جعلت واحدة ... وكل صحابى من لدن خلافة الصديق إلى ثلاث سنين من خلافة عمر كان على أن الثلاث واحدة فتوى أو إقراراً أو سكوتاً، ولهذا ادعى بعض أهل العلم أن هذا إجماع قديم، ولم تجمع الأمة ولله الحمد على خلافه. بل لم يزل فيهم من يفتى به قرناً بعد قرن إلى يومنا هذا.

فأفتى به حبر الأمة وترجمان القرآن: عبد الله بن عباس، كما رواه حماد بن زيد، عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس، إذا قال أنت طالق ثلاثاً بفم واحد فهي واحدة، وأفتى أيضاً بالثلاث، أفتى بهذا وهذا، وأفتى بأنها واحدة الزبير بن العوام، وعبد الرحمن بن عوف، حكاه عنهما ابن وضاح، وعن علي كرم الله وجهه و ابن مسعود روايتان كما عن ابن عباس.

وأما التابعون فأفتى به عكرمة رواه اسماعيل بن ابراهيم عن أيوب عنه،
وأفتى به طاؤس.

وأما اتباع التابعين فأفتى به محمد بن اسحق حكاه الإمام أحمد وغيره
عنه، وأفتى به خلاص بن عمرو والحارث العكلي.

وأما أتباع تابعي التابعين فأفتى به داود بن علي وأكثر أصحابه حكاه عنهم
أبو العكلي و ابن حزم وغيرهما. وأفتى به بعض أصحاب مالك حكاه التلمساني
في شرح تفريع ابن الجلاب قولاً لبعض المالكية.

وأفتى به بعض الحنفية حكاه أبو بكر الرازي عن محمد بن مقاتل. وأفتى به
بعض أصحاب أحمد حكاه شيخ الإسلام ابن تيمية عنه قال: وكان يفتي به أحياناً.

وأما الإمام أحمد نفسه فقد قال الأثرم: سألت أبا عبد الله عن حديث ابن
عباس كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وعمر واحدة
بأى شيء تدفعه، قال: برواية الناس عن ابن عباس من وجوه خلافه، ثم ذكر عن
عدة عن ابن عباس أنها ثلاث، فقد صرح بأنه إنما ترك القول به لمخالفة راويه له.

وأصل مذهبه وقاعدته التي بنى عليها، أن الحديث إذا صح لم يرد
لمخالفة راويه، بل الأخذ عنده بما رواه كما فعل في رواية ابن عباس وفتواه في
بيع الأمة، فأخذ بروايته أنه لا يكون طلاقاً وترك رأيه. وعلى أصله يخرج له قول:
أن الثلاث واحدة، فإنه إذا صرح بأنه إنما ترك الحديث لمخالفة الراوي، وصرح
في عدة مواضع أن مخالفة الراوي لا توجب ترك الحديث. خرج له في المسألة
قولان، وأصحابه يخرجون على مذهبه أقوالاً دون ذلك بكثير. ١هـ.

قال يوسف بن حسن بن عبد الرحمن بن عبد الهادي (سير الحاث إلى علم
الطلاق الثلاث ضمن مجموعة علمية: (٨١): الفصل الرابع في أنه إنما يقع
بالثلاث للفظ الواحد واحدة، وهذه رواية عن أحمد، روايتها باطلة، لكنها قول في

المذهب حكاة الشيخ شمس الدين ابن القيم في كتابه أعلام الموقعين. وذكره في الفروع، وقال: إنه اختيار شيخه، وهو اختياره بلا خلاف، وهو الذي إليه جنح الشيخ شمس الدين بن القيم في كتبه "الهدى وأعلام الموقعين، وإغاثة اللهفان" وقواه جدنا جمال الدين الإمام وقد صنف فيه مصنفات وهو اختيار شيخه الشيخ تقي الدين بن تيمية وحكاة أيضاً عن جده الشيخ مجد الدين وغيره. ١هـ.

وقال أيضاً (سيرالحاث إلى علم الطلاق الثلاث ضمن مجموعة علمية ٨٢-٨٣): الفصل الخامس - فيمن قال بهذا القول وأفتى به - وبعد أن ذكر ما سبق ذكره عن ابن القيم من أعلام الموقعين قال: قلت وقد كان يفتى به فيما يظهر لي ابن القيم، وكان يفتى به شيخ الإسلام ابن تيمية رحمة الله عليه، بلا خلاف، وكان يفتى به جدنا جمال الدين الإمام، ولم يرو عنه أنه أفتى بغيره.

قلت وقد كان يفتى به في زماننا الشيخ علي الدواليبي البغدادي، وجرى له من أجله محنة ونكايه فلم يدعه، وقد سمعت بعض شيوخنا يقويه، وظاهر اجماع (قبله) "وظاهر إجماع بن حزم... الخ" هكذا بالأصل المطبوع (ابن حزم أنه إجماع لكن لم يصرح به. ١هـ).

وقد استدل لهذا المذهب بالكتاب والسنة والجماع والأثر والقياس. الدليل الأول: قال تعالى (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) إلى قوله تعالى: (حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠)

وجه الاستدلال: قال ابن عبد الهادي (سيرالحاث/ ٩٠ وما بعدها ويرجع إلى ما ذكره ابن القيم في الإغاثة: ١/ ٣٠١): قال الشيخ جمال الدين الإمام في أول أحد كتبه: فقد حكم الله تعالى في هذه الآيات الكريمات في هذه المسألة ثلاثة أحكام، فمن فهمها وتصورها على حقيقة ما هي عليه وقد أراد الله هدايته إلى

قبول الحق إذا ظهر له صح كلامه.

واعلم أن كتاب الله نص صريح ... أن الطلاق الثلاث واحدة شرعاً لا يحتمل خلافاً صحيحاً وهذا هو النص شرعاً، فإن كل كلام له معنى لا يحتمل غيره فهو نص فيه. فإن كان لا يحتمل غيره لغة فهو نص لغة، وإن كان لا يحتمل غيره شرعاً فهو نص شرعاً، وكتاب الله في هذه الآيات لا يحتمل شرعاً غير أن الطلاق الثلاث واحدة... والألف واللام في قوله (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) للعهد والمعهود هنا هو الطلاق المفهوم من قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) وهو الرجعي بقوله: (وبعولتهن أحق بردهن في ذلك) فصار المعنى: الطلاق الذي الزوج أحق فيه بالرد مرتان فقط، فقد تقيّد الرد الذي كان مطلقاً في كل مرة من الطلاق بمرتين منه فقط فلم يعرف (قوله "يعرف" كذا في الأصل المطبوع)، ولا فرق في الآية بين قوله في كل مرة: طلقك واحدة، أو ثلاثاً، أو ثلاثين ألفاً.

ثم قال فصل: الكلام هنا على معنى الآيات الكريمات في حكم الطلاق الثلاث جملة سواء كانت ثلاث مرات أو مائة مرة أو ثلاثين ألفاً.

ثم قال: وذلك أن ضمير الآيات في قوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) أى: إن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له بعدها، المفهوم من قوله: (الطلاق مرتان) لا يجوز فيه شرعاً غير ذلك وهذا الحكم مختص به شرعاً: أى بتحريم المطلقة عليه حتى تنكح زوجاً غيره، ويلزم أن يكون التحريم فيما بعد المرتين الأولين فإن كل واحدة من الأولين له فيها الخيار بين الإمساك والتسريح بنص الآية، فيكون التقدير: فإن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له، هذا لا يحتمل خلافاً.

قلت : هذه الآية صريحها على هذا : أن الثلاث متفرقات والله اعلم .

ثم قال : ويدل على التقدير لزوم أنه لا يجوز في الآية أن يقال : فإن طلقها فلا تحل له لا يجوز أن يكون مستقلاً بنفسه، منفصلاً عما قبله، لما في ذلك من لزوم نسخ مشروعية الرجعة في الطلاق من دين الإسلام ولا قائل به . وذلك لما فيه من عود الضمير المطلق فيه إلى غير موجود في الكلام قبله، معين له، مختص بحكمه، فيكون عاماً في كل مطلق ومطلقة، ولا قائل به، وذلك أن قوله تعالى : (فإن طلقها فلا تحل له... ايضاً) جملة مفيدة، والجملة نكرة، وهى فى سياق شرط ونفى فتعم كل مطلق ومطلقة، فيكون ذلك ناسخاً لمشروعية الرد فى الطلاق فى دين الإسلام، ولا قائل به، فتعين أن يكون قوله : (فإن طلقها فلا تحل له... ايضاً) إتماماً لما قبله أى متصلاً به، ويكون الضمير فيه عائداً على موجود فى الكلام قبله، ومعين له، مختص بحكم تحريمه فى طلاقه إن طلق، وليس فيما قبله ما يصلح عود هذا الضمير إليه، واختصاصه بهذا الحكم من التحريم شرعاً إلا المطلق المفهوم من قوله : (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) لأنه لو عاد إلى من يطلق فى صورة المفاداة المذكورة قبله كان التحريم مختصاً بطلاق المفادات، ولا قائل به، ولو عاد إلى من يطلق فى صورة الإيلاء المذكورة قبل هذه الآيات كان التحريم مختصاً بطلاق المولى ولا قائل به، فتعين أن يكون الضمير عائداً، إلى المطلق المفهوم من قوله : (الطلاق مرتان) وهو فى نظم الكلام متعين له شرعاً، لا يجوز عوده إلى غيره شرعاً، وأن يكون تقدير الكلام : فإن طلقها مرة ثالثة فلا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره، وقد تبين أن معنى هذا الكلام وتقديره : أن الطلاق الرجعى مرتان، فإن طلقها بعدهما مرة ثالثة فلا تحل له بعدهما حتى تنكح زوجاً غيره، فلم يشرع الله التحريم إلا بعد المرة الثالثة من الطلاق، والمرة الثالثة لا تكون إلا بعد مرتين شرعاً ولغة وعرفاً وإجماعاً، إلا

ما وقع في هذه المسألة بقضاء الله وقدره. انتهى.

وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في المسألة الأولى والإجابة عنه في كلام

الباجي - ص ٧ - وما ذكر عن شيخ الإسلام في - ص ١١ - وكلام ابن القيم في - ص ١٣ - ١٤ .

الدليل الثاني :

قوله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء - إلى قوله - فأمسكوهن

بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

قال ابن القيم: الاستدلال بالآية من وجوه.

الوجه الأول :

أنه سبحانه وتعالى إنما شرع أن تطلق لعدتها أى لاستقبال عدتها فتطلق

طلاقاً يعقبه شروعهها في العدة، ولهذا أمر رسول الله ﷺ عبد الله بن عمر رضي

الله عنهما لما طلق امرأته في حيضها أن يراجعها، وتلا هذه الآية تفسيراً للمراد

بها. وأن المراد بها الطلاق في قبل العدة وكذلك كان يقرأها عبد الله بن عمر.

ولهذا قال كل من قال بتحريم جمع الثلاث أنه لا يجوز له أن يردف الطلقة بأخرى

في ذلك الطهر، لأنه غير مطلق للعدة فإن العدة قد استقبلت من حين الطلقة

الأولى فلا تكون الثانية للعدة، ثم قال الإمام أحمد في ظاهر مذهبه ومن وافقه: إذا

أراد أن يطلقها ثانية طلقها بعد عقد أو رجعة لأن العدة تنقطع بذلك، فإذا طلقها

بعد ذلك أخرى طلقها للعدة. وقال في رواية أخرى عنه: له أن يطلقها الثانية في

الطهر الثاني، ويطلقها الثالثة في الطهر الثالث، وهو قول أبي حنيفة، فيكون مطلقاً

للعدة أيضاً. لأنها تبنى على ما مضى والصحيح هو الأول، وأنه ليس له أن يردف

الطلاق قبل الرجعة أو العقد لأن الطلاق الثاني لم يكن لاستقبال العدة بل هو

طلاق لغير العدة فلا يكون مأذوناً فيه، فإن العدة إنما تجب من الطلقة الأولى لأنها

طلاق العدة، بخلاف الثانية والثالثة. ومن جعله مشروعاً، قال: هو الطلاق لتمام العدة، والطلاق لتمامها كالطلاق لاستقبالها وكلاهما طلاق للعدة.

وأصحاب القول الأول يقولون: المراد بالطلاق للعدة الطلاق لاستقبالها كما في القراءة الأخرى التي تفسر القراءة المشهورة: (فطلقوهن في قبل عدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

قالوا: فإذا لم يشرع إرداف الطلاق للطلاق قبل الرجعة أو العقد، فإن لا يشرع جمعه معه أولى وأحرى فإن إرداف الطلاق أسهل من جمعه ولهذا يسوغ الإرداف في الأطهار من لا يجوز الجمع في الطهر الواحد.

وقد احتج عبدالله بن عباس على تحريم الثلاث بهذه الآية. وساق الأثر عن ابن عباس وقد سبق.

الوجه الثاني :

من الاستدلال بالآية، قوله تعالى: (لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) وهذا إنما هو في الطلاق الرجعي، فأما البائن فلا سكنى لها ولا نفقة لسنة رسول الله ﷺ الصحيحة التي لا مطعن في صحتها الصريحة التي لا شبهة في دلالتها فدل على أن هذا حكم كل طلاق شرعه الله تعالى ما لم يسبقه طلقان قبله، ولهذا قال الجمهور: إنه لا يشرع له ولا يملك إبانته بطلقة واحدة بدون العوض.

وأبو حنيفة قال: يملك ذلك لأن الرجعة حقه وقد أسقطها.

والجمهور يقولون: ثبوت الرجعة وإن كان حقاً له، فلها عليه حقوق الزوجة فلا يملك إسقاطها إلا بمخالصة أو باستيفاء العدد كما دل عليه القرآن.

الوجه الثالث :

أنه قال: (وتلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه... الآية

الكريمة من سورة الطلاق: ١) فإذا طلقها ثلاثاً جملة واحدة فقد تعدى حدود الله فيكون ظالماً.

الوجه الرابع :

أنه سبحانه قال: (لا تدري لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً... أيضاً) وقد فهم أعلم الأمة بالقرآن وهم الصحابة أن الأمر ههنا هو الرجعة، قالوا: وأى أمر يحدث بعد الثلاث.

الوجه الخامس :

قوله تعالى: (فإذا بلغن أجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) فهذا حكم كل طلاق شرعه الله، إلا أن يسبق بطلقتين قبله، وقد احتج ابن عباس على تحريم جمع الثلاث بقوله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) كما تقدم قصده رحمه الله الأثر الذي أشرنا إليه سابقاً وهذا حق، فإن الآية إذا دلت على منع ارادف الطلاق في طهر أو أطهار قبل رجعة أو عقد كما تقدم لأنه يكون مطلقاً في غير قبل العدة فلأن تدل على تحريم الجمع أولى وأحرى.

ومضى رحمه الله إلى أن قال: فهذه الوجوه ونحوها مما بين الجمهور أن جمع الثلاث غير مشروع هي بعينها تبين عدم الوقوع وأنه إنما يقع المشروع وحده وهي الواحدة. ١هـ. وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في المسألة الأولى.

وأما السنة : فقد استدلو بالأدلة الآتية:

الدليل الأول : روى مسلم في صحيحه من طريق ابن طاؤس عن أبيه عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: "كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر و سنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر رضي الله عنه إن الناس ق.

استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم، فأمضاه عليهم“.

وفي صحيحه أيضاً عن طاؤس : أن أبا الصهباء قال لابن عباس ”هات من

هنالك ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر واحدة؟

فقال : قد كان ذلك فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فأجازه

عليهم وفي لفظ لأبي داود : أن رجلاً يقال له أبو الصهباء كان كثير السؤال لابن

عباس قال : أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها

جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من إمارة عمر رضى

الله عنهما - فقال ابن عباس : بلى ، كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل

بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من إمارة عمر

رضى الله عنهما فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال : أُجيزوهن عليهم ... هكذا في

هذه الرواية قبل أن يدخل بها .

وفي مستدرك الحاكم من حديث عبد الله بن المؤمل ، عن ابن أبي مليكة ،

أن أبا الجوزاء أتى ابن عباس فقال : أتعلم أن الثلاث كن يرددن على عهد رسول

الله ﷺ إلى واحدة؟ قال : نعم ”قال الحاكم : هذا حديث صحيح الإسناد وهذه

غير طريق طاؤس عن أبي الصهباء ، وقد أجاب القائلون بأن الثلاث بلفظ واحد تقع

ثلاثاً عن حديث ابن عباس بأجوبة :

الجواب الأول : أنه منسوخ وهو قول الشافعي وأبي داود والطحاوي .

قال الشافعي :

بعد سياقه لحديث أبي الصهباء وأثر ابن عباس في الذي طلق امرأته ألفاً

وأفتاه بوقوع الثلاث ، والذي طلق مائة وقد سبق ، قال بعد ذلك : فإن كان معنى

قول ابن عباس أن الثلاث كانت تحسب على عهد رسول الله ﷺ واحدة يعنى

أنه بأمر النبي ﷺ فالذى يشبهه والله اعلم . أن يكون ابن عباس قد علم أن كان

شيئاً ففسخ.

فإن قيل: فما دل على ما وصفت؟ قيل: لا يشبه أن يكون يروى عن رسول الله ﷺ شيئاً ثم يخالفه بشيء لم يعلمه كان من النبي فيه خلافه.

فإن قيل: فلعل هذا شيء روى عن عمر فقال فيه ابن عباس بقول عمر، قيل: قد علمنا أن ابن عباس يخالف عمر في نكاح المتعة، وبيع الدينار بالدينارين، وفي بيع أمهات الأولاد وغيره، فكيف يوافق في شيء يروى عن النبي ﷺ فيه خلافه؟

فإن قيل فلم لم يذكره؟

قيل: فقد يسأل الرجل عن الشيء فيجيب فيه ولا ينقص فيه الجواب، ويأتى على الشيء ويكون جائزاً له كما يجوز له، لو قيل: أصلى الناس على عهد رسول الله ﷺ إلى بيت المقدس: أن يقول نعم، وإن لم يقل ثم حولت القبلة.

قال: فإن قيل فقد ذكر على عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر؟ قيل والله أعلم. وجوابه حين استفتى يخالف ذلك كما وصفت.

فإن قيل: فهل من دليل تقوم به الحجة في ترك أن تحسب الثلاث واحدة في كتاب أو سنة أو أمرأين مما ذكرت؟

قيل: نعم. أخبرنا مالك عن هشام بن عروة عن أبيه قال كان الرجل إذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل أن تنقضى عدتها كان ذلك له، وإن طلقها ألف مرة. فعمد رجل إلى امرأة له فطلقها ثم أمهلها حتى إذا شارفت انقضاء عدتها ارتجعها ثم طلقها وقال: والله لا آويك... ولا تخلين بدءاً، فأنزل الله تعالى: الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... (الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩)

فاستقبل الناس الطلاق جديداً من يومئذ، من كان منهم طلق أو لم يطلق. وذكر بعض أهل التفسير هذا فلعل ابن عباس أجاب أن الثلاث والواحدة سواء، وإذا

جعل الله عدد الطلاق إلى الزوج وأن يطلق متى شاء، فسواء الثلاث والواحدة وأكثر من الثلاث في أن يقضى بطلاقه.

قال الشافعي: وحكم الله في الطلاق أنه مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان. وقوله: (فإن طلقها) يعني - والله اعلم - الثلاث (فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) فدل حكمه أن المرأة تحرم بعد الطلاق ثلاثاً حتى تنكح زوجاً غيره، وجعل حكمه بأن الطلاق إلى الأزواج يدل على أنه إذا حدث تحريم المرأة بطلاق ثلاث وجعل الطلاق إلى زوجها فطلقها ثلاثاً مجموعة أو مفرقة حرمت عليه بعدهن حتى تنكح زوجاً غيره كما كانوا مملكين عتق رقيقهم، فإن اعتق واحداً أو مائة في كلمة لزمه ذلك كما يلزمه كلها، جمع الكلام فيه أو فرقه مثل قوله لنسوة له: أنتن طوالق، والله لا أقربكن، وأنتن على كظهر أمي، وقوله: لفلان على كذا، ولفلان على كذا، ولفلان على كذا، فلا يسقط عنه بجمع الكلام معنى من المعاني. جميعه كلام فيلزمه بجمع الكلام ما يلزمه بتفريقه.

فإن قال قائل: فهل من سنة تدل على هذا قيل نعم. حدثنا الربيع قال: أخبرنا الشافعي قال أخبرنا سفيان عن الزهري عن عروة بن الزبير عن عائشة أنه سمعها تقول:

جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله فقالت إني كنت عند رفاعة فطلقني فبت طلاقى فتزوجت عبدالرحمن بن الزبير وأنا معه مثل هدبة الثوب فتبسم رسول الله وقال: أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة، لا حتى يذوق عسيلتك وتذوقي عسيلته قال وابوبكر عند النبي و خالد بن سعيد بن العاص بالباب ينتظر أن يؤذن له فنادى يا أبا بكر ألا تسمع ما تجهر به هذه عند رسول الله ﷺ.

قال الشافعي: فإن قيل: فقد يحتمل أن يكون رفاعة بت طلاقها في

مرات. قلت: ظاهره في مرة واحدة (وبت) إنما هي ثلاث إذا احتملت ثلاثاً وقال رسول الله "أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة لا حتى يذوق عسيلتك" ولو كانت عائشة حسبت طلاقها واحدة كان لها أن ترجع إلى رفاعة بلا زوج.

فإن قيل: أطلق أحد ثلاثاً على عهد النبي ﷺ قيل: نعم. عويمر العجلاني طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يخبره النبي أنها تحرم عليه باللعان فلما أعلم النبي نهاه. وفاطمة بنت قيس تحكى للنبي: أن زوجها بت طلاقها: تعنى والله أعلم. أنه طلقها ثلاثاً، وقال النبي: "ليس لك عليه نفقة" (الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) لأنه والله أعلم لا رجعة له عليها، ولم أعلمه عاب طلاق ثلاث معاً، قال الشافعي: فلما كان حديث عائشة في رفاعة موافقاً ظاهر القرآن، وكان ثابتاً، كان أولى الحديثين أن يؤخذ به والله أعلم. وإن كان ليس بالبين فيه جداً. قال الشافعي: ولو كان الحديث الآخر له مخالفاً كان الحديث الآخر يكون ناسخاً - والله أعلم - وإن كان ذلك ليس بالبين فيه جداً. ١ هـ.

وقال ابوداؤد :

في سننه "باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث" حدثنا أحمد بن سعيد المروزي حدثني علي بن حسين بن واقد عن أبيه عن يزيد النحوي، عن عكرمة عن ابن عباس قال: (والمطلقات يترصن بأنفسهن ثلاثة قروء ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعته وإن طلقها ثلاثاً ففسخ ذلك فقال: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) ثم اورد ابوداؤد في نفس الباب حديث ابن طاؤس عن أبيه أن أبا الصهباء قال لابن عباس: أتعلم إنما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر، وثلاثاً من إمارة عمر قال ابن عباس نعم.

وقال الطحاوى :

فى "باب الرجل يطلق امرأته ثلاثاً معاً" حدثنا روح بن الفرع، ثنا أحمد بن صالح قال: ثنا عبدالرزاق، قال: أخبرنا ابن جريج، قال: أخبرنى ابن طاؤس عن أبيه أن أبا الصهباء قال لابن عباس: أعلم أن الثلاث كانت تجعل واحدة على عهد النبى ﷺ وأبى بكر وثلاثاً من إمارة عمر، قال ابن عباس: نعم.

وقال الطحاوى :

بعد استعراض بعض الآراء فى المسألة : وفى حديث ابن عباس ما لو اكتفينا به كانت حجة قاطعة، وذلك أنه قال: فلما كان زمان عمر رضى الله عنه قال: أيها الناس قد كانت لكم فى الطلاق أناة وأنه من تعجل أناة الله فى الطلاق ألزمناه إياه. حدثنا بذلك ابن أبى عمران. قال: حدثنا اسحق بن أبى اسرئيل قال: أخبرنا عبدالرزاق - ح - وحدثنا عبدالحميد بن عبدالعزيز قال: ثنا أحمد بن منصور الرمادى قال: ثنا عبدالرزاق عن معمر عن ابن طاؤس عن أبيه عن ابن عباس مثل الحديث الذى ذكرناه فى أول هذا الباب، غير أنهما لم يذكرأ أبا الصهباء ولا سؤاله ابن عباس رضى الله عنهما وإنما ذكرأ مثل جواب ابن عباس رضى الله عنهما الذى فى ذلك الحديث، وذكرأ بعد ذلك من كلام عمر رضى الله عنه ما قد ذكرناه قبل هذا الحديث، فخاطب عمر رضى الله عنه بذلك الناس جميعاً وفيهم أصحاب رسول الله ﷺ ورضى عنهم، الذين قد علموا ما تقدم من ذلك فى زمن رسول الله ﷺ فلم ينكره عليه منهم منكر، ولم يدفعه دافع فكان ذلك أكبر الحجة فى نسخ ما تقدم من ذلك لأنه لما كان فعل أصحاب رسول الله ﷺ جميعاً فعلاً يجب به الحجة كان كذلك أيضاً إجماعهم على القول إجماعاً يجب به الحجة، وكما كان إجماعهم على النقل بريئاً من الوهم والزلل كان كذلك إجماعهم على الرأى بريئاً من الوهم والزلل، وقد رأينا أشياء قد كانت على عهد

رسول الله ﷺ على معاني فجعلها أصحابه رضى الله عنهم. من بعده على خلاف تلك المعاني، لما رأوا فيه مما خفى على من بعدهم، فكان ذلك حجة ناسخاً لما تقدمه. من ذلك تدوين الدواوين، والمنع من بيع أمهات الأولاد، وقد كن يبعن قبل ذلك، والتوقيت فى حد الخمر ولم يكن فيه توقيت قبل ذلك، فلما كان ما عملوا به من ذلك ووقفنا عليه لا يجوز لنا خلافه إلى ما قد رأيناه مما تقدم فعلهم له، كان كذلك ما وقفونا عليه من الطلاق الثلاث الموقع معاً أنه يلزم لا يجوز لنا خلافه إلى غيره مما قد روى أنه كان قبله على خلاف ذلك. ١ هـ. المراد من كلام الطحاوى.

وقال الطحاوى :

بعد كلامه فى النسخ (شرح معانى الآثار ٣/٣٣) "ثم هذا ابن عباس رضى الله عنهما قد كان من بعد ذلك يفتى من طلق امرأته ثلاثاً معاً أن طلاقه قد لزمه وحرمها عليه.

حدثنا ابراهيم بن مرزوق قال: ثنا أبو حذيفة قال: ثنا سفيان عن الأعمش عن مالك ابن الحارث قال: جاء رجل إلى ابن عباس فقال: إن عمى طلق امرأته ثلاثاً؟ فقال: إن عمك عصى الله فأثمه الله وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً. فقلت كيف ترى فى رجل يحلها له؟ فقال: من يخادع الله يخادعه. حدثنا يونس قال: أخبرنا ابن وهب أن مالكا أخبره عن ابن شهاب عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان، عن محمد بن إياس بن البكير قال: طلق رجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها ثم بدا له أن ينكحها، فجاء يستفتى فذهبت معه أسأل له أبا هريرة و عبد الله بن عباس عن ذلك فقالا: لا نرى أن تنكحها حتى تتزوج زوجاً غيرك. فقال: إنما كان طلاقى إياها واحدة، فقال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل. حدثنا يونس قال أخبرنا ابن وهب أن مالكا أخبره عن يحيى بن سعيد أن بكير بن

الأشج أخبر عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري أنه كان جالساً مع عبدالله بن الزبير وعاصم بن عمر فجاءهما محمد بن إياس بن البكير فقال: إن رجلاً من أهل البادية طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها فماذا تريان؟ فقال ابن الزبير إن هذا الأمر ما لنا فيه من قول، فاذهب إلى عبدالله بن عباس و أبي هريرة رضي الله عنهم فاسألهمما ثم اتنا فأخبرنا. فذهب فسالهما فقال ابن عباس لأبي هريرة: أفته يا أبا هريرة: فقد جاءك معضلة، فقال أبو هريرة: الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره. حدثنا ربيع المؤذن، قال: ثنا خالد بن عبدالرحمن قال: أخبرني ابن أبي ذئب عن الزهري عن محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان، عن محمد بن إياس بن البكير، أن رجلاً سأل ابن عباس وأبا هريرة و ابن عمر عن طلاق البكر ثلاثاً وهو معه فكلهم قالوا: حرمت عليك. حدثنا يونس قال أخبرنا سفيان عن الزهري عن أبي سلمة عن أبي هريرة و ابن عباس أنهما قالاً في الرجل يطلق البكر ثلاثاً: لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. حدثنا أبو بكر، قال ثنا مؤمل قال ثنا سفيان عن عمرو بن مرة عن سعيد بن جبیر أن رجلاً سأل ابن عباس عن رجل طلق امرأته مائة فقال: ثلاث تحرمها عليه وسبعة وتسعون في رقبته إنه اتخذ آيات الله هزواً.

حدثنا علي بن شيبه حدثنا أبونعيم قال ثنا اسراييل عن عبدالأعلى عن سعيد بن جبیر عن ابن عباس مثله.

حدثنا ابن مرزوق ثنا ابن وهب قال ثنا شعبة عن ابن أبي نجیح و حميد الأعرج عن مجاهد، أن رجلاً قال لابن عباس: رجل طلق امرأته مائة فقال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تتق الله فيجعل لك مخرجاً "ومن يتق الله يجعل له مخرجاً". قال تعالى: يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن... (الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) انتهى المراد من كلام الطحاوي.

وممن ارتضى هذا المسلك الذي هو مسلك النسخ. الحافظ بن حجر

العسقلانى فى نهاية بحثه الطويل فى هذه المسألة قال (فتح البارى ٢٩٩/٩):
وفى الجملة فالذى وقع فى هذه المسألة نظير ما وقع فى مسألة المتعة سواء أعنى
قول جابر أنها كانت تفعل فى عهد النبى ﷺ وأبى بكر وصدر من خلافة عمر،
قال: ثم نهانا عمر عنها فانتهينا، فالراجع فى الموضوعين تحريم المتعة وإيقاع
الثلاث للإجماع الذى انعقد فى عهد عمر على ذلك، ولا يحفظ أن أحداً فى عهد
عمر خالفه فى واحدة منهما وقد دل إجماعهم على وجود ناسخ وإن كان خفى
عن بعضهم قبل ذلك، حتى ظهر لجميعهم فى عهد عمر، فالمخالف بعد هذا
الإجماع منابذ له، والمجهور على عدم اعتبار من أحدث الاختلاف
بعد الاتفاق. ١هـ.

واعترض المازرى على ذلك قال: "زعم بعضهم أن هذا الحكم منسوخ
وهو غلط فإن عمر لا ينسخ ولو نسخ وحاشاه لبادر الصحابة إلى انكاره. وإن أراد
القائل أنه نسخ فى زمن النبى ﷺ فلا يمتنع لكن يخرج عن ظاهر الحديث لأنه لو
كان كذلك لم يجوز للراوى أن يخبر ببقاء الحكم فى خلافة أبى بكر وبعض خلافة
عمر قال: فإن قيل فقد يجمع الصحابة ويقبل منهم ذلك قلنا إنما يقبل ذلك لأنه
يستدل بإجماعهم على ناسخ وأما أنهم ينسخون من تلقاء أنفسهم فمعاذ الله لأنه
إجماع على الخطأ وهم معصومون عن ذلك. قال: فإن قيل: فلعل النسخ إنما
ظهر فى زمن عمر، قلنا: هذا أيضاً غلط لأنه يكون قد حصل الإجماع على الخطأ
فى زمن أبى بكر وليس انقراض العصر شرطاً فى صحة الإجماع على الرجوع. هذا
ما أورده المازرى، وأجاب عليه الحافظ بقوله (فتح البارى ٢٩٨/٩): وهو
متعقب فى مواضع:

أحدها: أن الذى ادعى نسخ الحكم لم يقل إن عمر هو الذى نسخ حتى يلزم
منه ما ذكر، وإنما قال ما تقدم "يشبه أن يكون علم شيئاً من ذلك نسخ" أى اطلع

على ناسخ الحكم الذي رواه مرفوعاً، ولذلك أفتى بخلافه، وقد سلم المازري في أثناء كلامه أن إجماعهم يدل على ناسخ وهذا هو مراد من ادعى النسخ.

الثاني : إنكاره الخروج عن الظاهر عجيب، فإن الذي يحاول الجمع بالتأويل يرتكب خلاف الظاهر حتماً.

الثالث :

أن تغليظه من قال المراد ظهور النسخ عجيب أيضاً لأن المراد بظهوره انتشاره، وكلام ابن عباس أنه يفعل في زمن أبي بكر محمول على أن الذي كان يفعله من لم يبلغه النسخ، فلا يلزم ما ذكر من إجماعهم على الخطأ، وما أشار إليه من مسألة انقراض العصر لا يجيء هنا لأن عصر الصحابة لم ينقرض في زمن أبي بكر بل ولا عمر، فإن المراد بالعصر الطبقة من المجتهدين وهم في زمن أبي بكر وعمر بل وبعدهما طبقة واحدة. ١ هـ. كلام الحافظ.

وقد أجاب ابن القيم عن دعوى النسخ فقال (زاد المعاد ٤/ ١١٧، ١١٨) وأما دعواكم لنسخ الحديث فموقوف على ثبوت معارض مقاوم متراخ فأين هذا؟ وأما حديث عكرمة عن ابن عباس في نسخ المراجعة بعد الطلاق الثلاث فلو صح لم يكن فيه حجة فإنما فيه "أن الرجل كان يطلق امرأته ويراجعها بغير عدد" فنسخ ذلك، وقصر على ثلاث فيها تنقطع الرجعة. فأين في ذلك الإلزام بالثلاث بقم واحد؟ ثم كيف يستمر المنسوخ على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر لا تعلم به الأمة، وهو من أهم الأمور المتعلقة بحل الفروج؟ ثم كيف يقول عمر: "إن الناس قد استعجلوا في شيء كانت لهم فيه أناة" وهل للأمة أناة في المنسوخ بوجه ما؟ ثم كيف يعارض الحديث الصحيح بهذا الذي فيه على بن الحسين بن واقد وضعفه معلوم.

وقد أجاب عن ذلك الشيخ محمد الأمين الشنقيطي فقال (أضواء البيان

١/١٨٦-١٨٧): وأوضح دليل يزيل الإشكال عن القول بالنسخ المذكور وقوع مثله واعتراف المخالف به في نكاح المتعة، فإن مسلماً روى عن جابر رضى الله عنه أن متعة النساء كانت تفعل في عهد النبي ﷺ وأبى بكر وصدر من خلافة عمر، قال: ثم نهانا عمر عنها فانتهينا وهذا مثل ما وقع في طلاق الثلاث طبقاً... فمن الغريب أن يسلم منصف إمكان النسخ في إحداهما ويدعى استحالة في الأخرى مع أن كلا منهما روى مسلم فيها عن صحابي جليل أن ذلك الأمر كان يفعل في زمن النبي ﷺ وأبى بكر وصدر من خلافة عمر في مسألة تتعلق بالفروج ثم غيره عمر. ومن أجاز نسخ نكاح المتعة وأحال جعل الثلاث واحدة، يقال له ما لبائك تجر وبائي لا تجر؟

فإن قيل: نكاح المتعة صح النص بنسخه؟ قلنا قد رأيت الروايات المتقدمة بنسخ المراجعة بعد الثلاث. وممن جزم بنسخ جعل الثلاث واحدة الإمام أبو داود رحمه الله تعالى ورأى أن جعلها واحدة إنما هو في الزمن الذي كان يرتجع فيه بعد ثلاث تطليقات وأكثر قال في سننه: "باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث" ثم ساق بسنده حديث ابن عباس في قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء ولا يحل لهن أن يكتمن ما خلق الله في أرحامهن... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) الآية وذلك أن الرجل كان إذا طلق امرأته فهو أحق برجعها وإن طلقها ثلاثاً فنسخ ذلك. وقال (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩)، وأخرج نحوه النسائي، وفي إسناده على بن الحسين بن واقد، قال فيه ابن حجر في التقريب صدوق يبههم.

وروى مالك في الموطأ عن هشام بن عروة عن أبيه أنه قال: كان الرجل إذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل أن تنقضى عدتها كان ذلك له، وإن طلقها ألف مرة،

فعمد رجل إلى امرأته فطلقها حتى إذا أشرفت على انقضاء عدتها راجعها، ثم قال: لا أويك ولا أطلقك، فأنزل الله (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) فاستقبل الناس الطلاق جديداً من يومئذ من كان طلق منهم أو لم يطلق.

ويؤيد هذا أن عمر لم ينكر عليه أحد من أصحاب رسول الله ﷺ إيقاع الثلاث. دفعة مع كثرتهم وعلمهم وورعهم.

ويؤيده أن كثيراً من الصحابة الأجلاء العلماء صح عنهم القول بذلك كابن عباس وعمر وابن عمر وخلق لا يحصى. والناسخ الذي نسخ المراجعة بعد الثلاث قال بعض العلماء إنه قوله تعالى: (الطلاق مرتان) كما جاء مبيناً في الروايات المتقدمة، ولا مانع عقلاً ولا عادة من أن يجهل مثل هذا الناسخ كثير من الناس إلى خلافة عمر، مع أنه ﷺ صرح بنسخها وتحريمها إلى يوم القيامة في غزوة الفتح وفي حجة الوداع أيضاً كما جاء في رواية عند مسلم ومع أن القرآن دل على تحريم غير الزوجة والسرية بقوله تعالى: ((والذين هم لفروجهم حافظون: إلا على أزواجهم أو ما ملكت أيمانهم... الآية الكريمة من سورة المؤمنون: ٦، ٥)) ومعلوم أن المرأة المتمتع بها ليست بزوجة ولا سرية... والذين قالوا بالنسخ. قالوا معنى قول عمر: إن الناس استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، أن المراد بالأناة أنهم كانوا يتأنون في الطلاق فلا يوقعون الثلاث في وقت واحد، ومعنى استعجالهم أنهم صاروا يوقعونها بلفظ واحد. على القول بأن ذلك هو معنى الحديث، وقد قدمنا أنه لا يتعين كونه هو معناه وامضاؤه له عليهم إذن هو اللازم، ولا ينافيه قوله فلو أمضيناه عليهم، يعني ألزمناهم بمقتضى ما قالوا، ونظيره قول جابر عند مسلم في نكاح المتعة فنهانا عنها عمر، فظاهر كل منهما أنه اجتهاد من عمر والنسخ ثابت فيهما كما رأيت، وليست الأناة في المنسوخ وإنما

هى فى عدم الاستعجال بإيقاع الثلاث دفعة... أما كون عمر كان يعلم أن رسول الله ﷺ كان يجعل الثلاث بلفظ واحد واحدة فتعمد مخالفة رسول الله ﷺ وجعلها ثلاثاً ولم ينكر عليه أحد من الصحابة فلا يخفى بعده، والعلم عند الله تعالى. انتهى.

الجواب الثانى :

حمل الحديث على أن الناس اعتادوا فى عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدر من خلافة عمر إيقاع المطلق الطلقة الواحدة ثم يدعها حتى تنقضى عدتها ثم اعتادوا الطلاق الثلاث جملة وتتابعوا فيه. فمعنى الحديث على هذا كان الطلاق الذى يوقعه المطلق الآن ثلاثاً يوقعه المطلق على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدر من خلافة عمر واحدة، فالحديث على هذا اخبار عن الواقع لا عن المشروع.

وهذا جواب أبى زرعة، والباجى، والقاضى أبى محمد عبد الوهاب، ونقل القرطبى عن الكيا الطبرى أنه قول علماء الحديث ورجحه ابن العربى، وذكره ابن قدامة.

أما أبو زرعة الرازى فقد نقله عنه البيهقى بسنده إلى عبد الرحمن بن أبى حاتم قال (السنن الكبرى: ٣٣٨/٧): سمعت أبا زرعة يقول: "معنى هذا الحديث عندى أن ما تطلقون أنتم ثلاثاً كانوا يطلقون واحدة فى زمن النبى ﷺ وأبى بكر وعمر رضى الله عنهما.

وأما الباجى فقال (المنتقى: ٤/٤): "معنى الحديث أنهم كانوا يوقعون طلقة واحدة بدل إيقاع الناس ثلاث طلقات. قال: ويدل على صحة هذا التأويل أن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال: "إن الناس قد استعجلوا فى أمر كانت لهم فيه أناة" فأنكر عليهم أن أحدثوا فى الطلاق استعجال أمر كان لهم فيه أناة فلو

كان حالهم ذلك من أول الإسلام في زمن النبي ﷺ ما قاله وما عاب عليهم أنهم استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، ويدل لصحة هذا التأويل ما روى عن ابن عباس من غير طريق أنه أفتى بلزوم الطلاق الثلاث لمن أوقعها مجتمعة، فإن كان معنى حديث ابن طاؤس فهو الذي قلناه، وإن حمل حديث ابن طاؤس على ما يتأول فيه من لا يعاباً بقوله فقد رجع ابن عباس إلى قول الجماعة وانعقد به الإجماع... انتهى كلام الباجي.

وأما القاضي فقد نقل عنه القرطبي أنه قال (تفسير القرطبي: ٣/١٣٠): "معناه أن الناس كانوا يقتصرون على طلقة واحدة ثم أكثروا أيام عمر من إيقاع الثلاث قال - قال القاضي: وهذا هو الأشبه بقول الراوي إن الناس في أيام عمر استعجلوا الثلاث فعجل عليهم معناه ألزمهم حكمها". انتهى.

وأما ما نسب إلى علماء الحديث فقد قال القرطبي بعد ذكره تأويل الباجي حديث ابن عباس وما أوله به أبو زرعة، قال: قلت ما تأوله الباجي هو الذي ذكر معناه الكيا الطبري عن علماء الحديث أي أنهم كانوا يطلقون طلقة واحدة هو الذي تطلقون ثلاثاً أي ما كانوا يطلقون في كل قرء طلقة وإنما كانوا يطلقون في جميع العدة واحدة إلى أن تبين وتنقضي العدة. انتهى كلام القرطبي. وأما ترجيح ابن العربي فقد نقله عنه ابن حجر (الفتح ٩/٢٩٩).

وأما ذكر ابن قدامة له فقد قال (المغنى ومعه الشرح ٧/٣٠٤): قيل معنى حديث ابن عباس أن الناس كانوا يطلقون واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وإلا فلا يجوز أن يخالف عمر ما كان في عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر، ولا يسوغ لابن عباس أن يروى هذا عن رسول الله ﷺ ويفتى بخلافه.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (زاد المعاد ٤/١١٩): وأما قول من قال: إن معناه كان وقوع الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ واحدة، فإن

حقيقة هذا التأويل كان الناس على عهد رسول الله ﷺ يطلقون واحدة وعلى عهد عمر صاروا يطلقون ثلاثاً، والتأويل إذا وصل إلى هذا الحد كان من باب الألغاز والتحريف لا من باب بيان المراد ولا يصح ذلك بوجه ما، فإن الناس ما زالوا يطلقون واحدة وثلاثاً، وقد طلق رجال نساء هم على عهد رسول الله ﷺ ثلاثاً فمنهم من رد إلى واحدة كما في حديث عكرمة عن ابن عباس، ومنهم من أنكر عليه وغضب وجعله متلاعباً بكتاب الله، ولم يعرف ما حكم به عليهم، وفيهم من أقره لتأكيد التحريم الذي أوجبه اللعان، ومنهم من ألزمه بالثلاث لكون ما أتى به من الطلاق آخر الثلاث. فلم يصح أن يقال: إن الناس ما زالوا يطلقون واحدة إلى أثناء خلافة عمر فطلقوا ثلاثاً، ولا يصح أن يقال: إنهم قد استعجلوا في شيء كانت لهم فيه أناة فنمضيه عليهم ولا يلائم هذا الكلام الفرق بين عهد رسول الله ﷺ وبين عهده بوجه ما. فإنه ماض منكم على عهده بعد عهده، ثم إن في بعض ألفاظ الحديث الصحيحة "ألم تعلم أنه من طلق ثلاثاً جعلت واحدة على عهد رسول الله ﷺ؟" ولفظ "أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدر من خلافة عمر؟ فقال ابن عباس بلى كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدر من أمانة عمر فلما رأى الناس يعني عمر قد تتابعوا فيها قال اجيزوهم عليهم" هذا لفظ الحديث وهو بأصح إسناد وهو لا يحتمل ما ذكرتم من التأويل بوجه ما. ولكن هذا كله عمل من جعل الأدلة تبعاً للمذهب فاعتقد ثم استدل، وأما من جعل المذهب تبعاً للدليل واستدل ثم اعتقد لم يمكنه هذا العمل. ١هـ.

الجواب الثالث : حمل الحديث على غير المدخول بها :

فقد سلك أبو عبدالرحمن النسائي في سننه في الحديث مسلكاً آخر

وقوى جانبها عنده فقال: باب الطلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة، ثم ساقه فقال: حدثنا أبو داود حدثنا أبو عاصم عن ابن جريج عن ابن طاؤس عن أبيه أن أبا الصهباء جاء إلى ابن عباس رضى الله عنهما فقال: يا ابن عباس، ألم تعلم أن الثلاث كانت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم. وأبى بكر وصدر من خلافة عمر ترد إلى الواحدة قال: نعم.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (إغاثة اللهفان: ٢٩٨): وأنت إذا طابقت بين هذه الترجمة وبين لفظ الحديث وجدتها لا يدل عليها ولا يشعر بها بوجه من الوجوه بل الترجمة لون والحديث لون آخر وكأنه لما أشكل عليه لفظ الحديث جملة على ما إذا قال لغير المدخول بها: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق طلقت واحدة، ومعلوم أن هذا الحكم لم يزل ولا يزال كذلك ولا يتقيد ذلك بزمان رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدر من خلافة عمر رضى الله عنه، ثم يتغير في خلافة عمر رضى الله عنه، ويمضى الثلاث بعد ذلك على المطلق فالحديث لا يندفع بمثل هذا البتة. ١هـ.

وهناك توجيه آخر للحديث قال ابن حجر (فتح الباري: ٣٦٣/٩): وهو جواب اسحق بن راهويه وجماعة وبه جزم زكريا الساجي من الشافعية.

ووجهه بأن غير المدخول بها تبين إذا قال لها زوجها: أنت طالق، فإذا قال ثلاثاً لغى العدد لوقوعه بعد البينونة.

وتعقبه القرطبي بأن قوله أنت طالق ثلاثاً كلام متصل غير منفصل فكيف جعله كلمتين؟ وتعطى كل كلمة حكماً؟

وقال النووي أنت طالق معناه: أنت ذات الطلاق، وهذا اللفظ يصح تفسيره بالواحدة وبالثلاث وغير ذلك. انتهى كلام ابن حجر.

وأجاب ابن القيم عن الرواية التي فيها ذكر غير المدخول بها فقال (إغاثة

اللهفان: ٢٨٥/١/٢٨٦): ورواية طاؤس نفسه عن ابن عباس ليس فى شىء منها قبل الدخول، وإنما حكى ذلك طاؤس عن سؤال أبى الصهباء لابن عباس فأجابه ابن عباس بما سأله عنه ولعله إنما بلغه جعل الثلاث واحدة فى حق مطلق قبل الدخول، فسأل عن ذلك ابن عباس وقال: "كانوا يجعلونها واحدة؟" فقال له ابن عباس "نعم" أى الأمر ما قلت وهذا لا مفهوم له فإن التقييد فى الجواب وقع فى مقابلة تقييد السؤال ومثل هذا لا يعتبر مفهوماً.

نعم لو لم يكن السؤال مقيداً فقيده المسؤول الجواب كان مفهوماً معتبراً، وهذا كما إذا سئل عن فأرة وقعت فى سمن فقال "إذا وقعت الفأرة فى السمن فألقوها وما حولها وكلوه" لم يدل ذلك على تعيين الحكم بالسمن خاصة، وبالجمله فغير المدخول بها فرد من أفراد النساء فذكر النساء مطلقاً فى أحد الحديثين وذكر بعض أفرادهن فى الحديث الآخر لا تعارض بينهما.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطى (أضواء البيان: ١٩٦-١٩٧-١٩٨): وحجة هذا القول أن بعض الروايات كرواية أبى داود جاء فيها التقييد بغير المدخول بها، والمقرر فى الأصول هو حمل المطلق على المقيد ولا سيما إذا اتحد الحكم والسبب كما هنا، قال فى مراقى السعود:

وحمل مطلق على ذاك وجب إن فيهما اتحد حكم والسبب

وما ذكره الأبو رحمه الله من أن الإطلاق والتقييد إنما هو فى حديثين، أما فى حديث واحد من طريقين فمن زيادة العدل فمردود بأنه لا دليل عليه وإنه مخالف لظاهر كلام عامة العلماء ولا وجه للفرق بينهما، وما ذكره الشوكانى رحمه الله فى نيل الأوطار من أن رواية أبى داود التى فيها التقييد بعدم الدخول فرد من أفراد الروايات العامة، وذكر بعض أفراد العام بحكم العام لا يخصه، لا يظهر، لأن هذه المسألة من مسائل المطلق والمقيد، لا من مسائل ذكر بعض أفراد العام،

فالروايات التي أخرجها مسلم مطلقة عن قيد الدخول، والرواية التي أخرجها أبو داود مقيدة بعدم الدخول كما ترى، والمقرر في الأصول حمل المطلق على المقيد، ولا سيما إن اتحد الحكم والسبب كما هنا.

نعم لقائل أن يقول: إن كلام ابن عباس في رواية أبي داود المذكورة وارد على سؤال أبي الصهباء و أبو الصهباء لم يسأل إلا عن غير المدخول بها فجواب ابن عباس لا مفهوم مخالفة له، لأنه إنما خص غير المدخول بها لمطابقة الجواب للسؤال.

وقد تقرر في الأصول أن من موانع اعتبار دليل الخطاب أعنى مفهوم المخالفة كون الكلام وارداً جواباً لسؤال، لأن تخصيص المنطوق بالذكر لمطابقة السؤال فلا يتعين كونه لإخراج المفهوم عن المنطوق، وأشار إليه في مراقى السعود في ذكر موانع اعتبار مفهوم المخالفة بقوله:

وجهل الحكم والنطق انجلب للسؤال أو جرى على الذى غلب

ومحل الشاهد منه قوله: أو النطق انجلب للسؤال.

وقد قدمنا أن رواية أبي داود المذكورة عن أيوب السختياني عن غير واحد عن طاؤس، وهو صريح في أن من روى عنهم أيوب مجهولون، ومن لم يعرف من هو لا يصح الحكم بروايته، ولذا قال النووي في شرح مسلم ما نصه: وأما هذه الرواية لأبي داود فضعيفة رواها أيوب عن قوم مجهولين عن طاؤس عن ابن عباس فلا يحتج بها، والله أعلم. انتهى منه بلفظه.

وقال المنذرى في مختصر سنن أبي داود بعد أن ساق الحديث المذكور ما نصه: الرواة عن طاؤس مجاهيل. انتهى منه بلفظه. وضعف رواية أبي داود هذه ظاهر كما ترى للجهل بمن روى عن طاؤس فيها، وقال العلامة ابن القيم رحمه الله تعالى في زاد المعاد بعد أن ساق لفظ هذه الرواية ما نصه: وهذا لفظ الحديث

وهو بأصح إسناد. انتهى محل الغرض منه بلفظه فانظره مع ما تقدم. انتهى كلام الشيخ محمد الأمين الشنقيطي.

الجواب الرابع :

ليس في الحديث ما يدل على أن الرسول ﷺ هو الذي جعل ذلك ولا إنه علم به وأقر عليه وهذا جواب ابن المنذر و ابن حزم ومن وافقهما. قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ١/٢٩١): وأما ابن المنذر فقال: لم يكن ذلك عن علم النبي ﷺ ولا عن أمره، قال: وغير جائز أن يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبي ﷺ شيئاً ثم يفتي بخلافه، فلما لم يجر ذلك دل فتيا ابن عباس رضي الله عنه على أن ذلك لم يكن عن علم النبي ﷺ ولا عن أمره، إذ لو كان ذلك عن علم النبي ﷺ ما استحل ابن عباس أن يفتي بخلافه أو يكون ذلك منسوخاً استدلالاً لا بفتيا ابن عباس.

وقال ابن حزم (المحلى ١٠/١٦٨/١٦٩): وأما حديث طاؤس عن ابن عباس الذي فيه أن الثلاث كانت واحدة وترد إلى واحدة "وتجعل واحدة" فليس في شيء منه أنه عليه الصلاة والسلام هو الذي جعلها واحدة وأوردها إلى واحدة ولأنه عليه الصلاة والسلام علم بذلك فأقره، ولا حجة إلا فيما صح أنه عليه الصلاة والسلام قاله أو فعله أو علمه فلم ينكره وإنما يلزم هذا الخبر من قال في قول أبي سعيد الخدري "كنا نخرج زكاة الفطر على عهد رسول الله ﷺ صاعاً من كذا وأما نحن فلا. انتهى كلام ابن حزم.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (زاد المعاد ٤/١٢٠): سبحانه هذا بهتان عظيم أن يستمر هذا الجعل الحرام المتضمن لتغيير شرع الله ودينه وإباحة الفرج لمن هو عليه حرام وتحريم على من هو عليه حلال على عهد رسول الله ﷺ وأصحابه خير الخلق وهم يفعلونه ولا يعلمونه ولا يعلمه هو، والوحي ينزل

عليه وهو يقرهم عليه، فهب أن رسول الله ﷺ لم يكن يعلمه، وأصحابه يعلمونه ويبدلون دينه وشرعه والله يعلم ذلك ولا يوحيه إلى رسوله ولا يعلمه به، ثم يتوفى الله رسوله والأمر على ذلك فيستمر هذا الضلال العظيم والخطأ المبين عندكم مدة خلافة الصديق كلها ويعمل به ولا يغيره إلى أن فارق الصديق الدنيا، واستمر الخطاء والضلال المركب صدرًا من خلافة عمر حتى رأى بعد ذلك رأيه أن يلزم الناس بالصواب، فهل بالجهل بالصحابة وما كانوا عليه في عهد نبيهم وخلفائه أقبح من هذا؟ وتالله لو كان جعل الثلاث واحدة خطأ محضًا لكان أسهل من هذا الخطأ الذي ارتكبتموه، والتأويل الذي تأولتموه، ولو تركتم المسألة بهياتها لكان أقوى لشأنها من هذه الأدلة والأجوبة.

وذكر الشيخ محمد الأمين الشنقيطي (أضواء البيان ١/ ١٩٦): ضعف هذا الجواب لأن جماهير المحدثين والأصوليين على أن ما أسنده الصحابي إلى عهد النبي ﷺ له حكم المرفوع، وإن لم يصرح بأنه بلغه ﷺ وأقره.

الجواب الخامس :

ما ذكره المجدد قال: وتأوله بعضهم على صورة تكرير لفظ الطلاق بأن يقول: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق فإنه يلزمه واحدة إذا قصد التوكيد وثلاثًا إذا قصد تكرير الإيقاع، فكان الناس في عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر على صدقهم وسلامتهم وقصدتهم في الغالب الفضيلة والاختيار، لم يظهر فيهم خب ولا خداع، وكانوا يصدقون في إرادة التوكيد فلما رأى عمر في زمانه أمورًا ظهرت وأحوالًا تغيرت وفشا إيقاع الثلاث جملة بلفظ لا يحتمل التأويل ألزمهم الثلاث في صورة التكرير إذ صار الغالب عليهم قصدتها، وقد أشار إليه بقوله: "إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة". انتهى كلام المجدد.

وهذا جواب ابن سريج كما قاله (معالم السنن ٣/ ٢٧) الخطابي

والمندري (المختصر المندري ٣/ ١١٢٦).

وقال ابن حجر (الفتح ٩/ ٢٩٨): هذا الجواب ارتضاه القرطبي وقواه بقول عمر: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، وكذا قال النووي إنه أصح الأجوبة.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (زاد المعاد ٤/ ١١٨، ١١٩): وأما حملكم الحديث على قول المطلق: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، ومقصوده التأكيد بما بعد الأول فسياق الحديث من أوله إلى آخره يردده فإن هذا الذي أولتم الحديث عليه لا يتغير ب وفاة رسول الله ﷺ لا يختلف على عهده وعهد خلفائه، وهلم جراً... آخر الدهر، ومن ينويه في قصد التأكيد لا يفرق بين بر وفاجر وصادق وكاذب بل يرده إلى نيته، وكذلك من لا يقبله في الحكم لا يقبله مطلقاً برّاً كان أو فاجراً.

وأيضاً فإن قوله: "إن الناس قد استعجلوا وتتابعوا في شيء كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم" إخبار من عمر بأن الناس قد استعجلوا ما جعلهم الله في فسحة منه وشرعه متراحياً بعضه عن بعض رحمة بهم ورفقاً وأناة لهم لئلا يندم مطلق فيذهب حبيب من يده من أول وهلة فيعز عليه تداركه فجعل له أناة ومهلة يستعته فيها ويرضيه، ويزول ما أحدثه الغضب الداعي إلى الفراق ويراجع كل منهما الذي عليه بالمعروف، فاستعجلوا فيما جعل لهم فيه أناة ومهلة وأوقعوه بغم واحد، فرأى عمر أن يلزمهم ما التزموا عقوبة لهم فإذا علم المطلق أن زوجته وسكنه تحرم عليه من أول مرة بجمعه الثلاث كف عنها ورجع إلى الطلاق المشروع المأذون فيه وكان هذا من تأديب عمر لرعيته لما أكثروا من الطلاق الثلاث... هذا وجه الحديث الذي لا وجه له غيره فأين هذا من تأويلكم المستنكر المستبعد الذي لا توافقه ألفاظ الحديث بل تنبوعه وتنافره.

ويمكن أن يجاب عن جواب ابن القيم بما قاله الشيخ محمد الأمين الشنقيطي قال (أضواء البيان: ١٨٠-١٨٣): وللجمهور عن حديث ابن عباس هذا عدة أجوبة. الأول: أن الثلاث المذكورة فيها التي كانت تجعل واحدة ليس في شيء من روايات الحديث، التصريح بأنها دفعة بلفظ واحد، ولفظ كلامه الثلاث لا يلزم منه لغة ولا عقلاً ولا شرعاً أن تكون بلفظ واحد، فمن قال لزوجته: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق ثلاث مرات في وقت واحد فطلاقه هذا طلاق الثلاث، لأنه صريح بالطلاق فيه ثلاث مرات، وإذا قيل لمن جزم بأن المراد في الحديث إيقاع الثلاث بكلمة واحدة من أين أخذت كونها بكلمة واحدة، فهل في لفظ من ألفاظ الحديث أنها بكلمة واحدة؟ وهل يمنع إطلاق الطلاق الثلاث على الطلاق بكلمات متعددة؟

فإن قال: لا يقال له طلاق الثلاث إلا إذا كان بكلمة واحدة، فلا شك في أن دعواه هذه غير صحيحة، وإن اعترف بالحق وقال: يجوز إطلاقه على ما أوقع بكلمة واحدة وعلى ما أوقع بكلمات متعددة وهو أشد بظاهر اللفظ، قيل له، وإذا فجزمك بكونه بكلمة واحدة لا وجه له، وإذا لم يتعين في الحديث كون الثلاث بلفظ واحد سقط الاستدلال به من أصله في محل النزاع.

ومما يدل على أنه لا يلزم من لفظ طلاق الثلاث في هذا الحديث كونها بكلمة واحدة أن الإمام أبا عبد الرحمن النسائي مع جلالته وعلمه وشدة فهمه ما فهم من هذا الحديث إلا أن المراد بطلاق الثلاث لفظه أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق بتفريق الطلقات لأن لفظ الثلاث أظهر في إيقاع الطلاق ثلاث مرات ولذا ترجم في سننه لرواية أبي داود المذكورة في هذا الحديث وقد سبق في الوجه الثالث ثم قال: فنرى هذا الإمام الجليل صرح بأن طلاق الثلاث في هذا الحديث ليس بلفظ واحد بل بألفاظ متفرقة ويدل على صحة ما فهمه النسائي رحمه الله

من الحديث ما ذكره العلامة ابن القيم رحمه الله في زاد المعاد في الرد على من استدل لوقوع الثلاث دفعة بحديث عائشة، أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت الحديث، فإنه قال فيه ما نصه، ولكن أين في الحديث أنه طلق الثلاث بفهم واحد؟ بل الحديث حجة لنا فإنه لا يقال فعل ذلك ثلاثاً، وقال ثلاثاً إلا من فعل وقال مرة بعد مرة وهذا هو المعقول في لغات الأمم عربهم وعجمهم، كما يقال قذفه ثلاثاً وشتمه ثلاثاً وسلم عليه ثلاثاً. ١ هـ. بلفظه.

وهو دليل واضح لصحة ما فهمه النسائي رحمه الله من الحديث، لأن لفظ الثلاث في جميع رواياته أظهر في أنها طلقات ثلاث واقعة مرة بعد مرة كما أو ضحه ابن القيم في حديث عائشة آنفاً. وبعد أن نقل كلام ابن سريج وأن القرطبي ارتضى هذا الجواب ونقل عن النووي جوابه عنه وقد سبقت الإشارة إلى ذلك كله في أول الجواب ثم قال - قال مقيده عفا الله عنه: وهذا الوجه لا إشكال فيه لجواز تغيير الحال عند تفسير القصد لأن الأعمال بالنيات ولكل امرئ ما نوى، وظاهر اللفظ يدل لهذا كما قدمنا.

وعلى كل حال فادعاء الحزم بأن معنى حديث طاؤس المذكور أن الثلاث بلفظ واحد ادعاء خال من دليل كما رأيت، فليتق الله من تجرأ على عز و ذلك إلى النبي ﷺ مع أنه ليس في شيء من روايات حديث طاؤس كون الثلاث المذكورة بلفظ واحد، ولم يتعين ذلك من اللغة ولا من الشرع ولا من العقل كما ترى. قال مقيده عفا الله عنه ويدل لكون الثلاث المذكورة ليست بلفظ واحد ما تقدم من حديث ابن اسحق عن داود بن الحصين عن عكرمة، عن ابن عباس، عن أحمد و أبي يعلى، من قوله طلق امرأته ثلاثاً في مجلس واحد وقوله ﷺ "كيف طلقتها؟" قال ثلاثاً في مجلس واحد لأن التعبير بلفظ المجلس يفهم منه أنها ليست بلفظ واحد، إذ لو كان اللفظ واحداً لقال بلفظ واحد ولم يحتج إلى ذكر

المجلس، إذ لا داعي لذكر الوصف الأعم وترك الأخص بلا موجب كما هو ظاهر. انتهى كلام الشيخ الشنقيطى.

الجواب السادس :

عن حديث طاؤس عن ابن عباس أن سائر أصحاب ابن عباس رووا عنه افتاءه بخلاف ذلك وما كان ابن عباس ليروى عن النبي ﷺ شيئاً ثم يخالفه إلى رأى نفسه، بل المعروف عنه أنه كان يقول: أنا أقول لكم سنة رسول الله ﷺ وتقولون قال أبو بكر وعمر قاله فى فسخ الحج وغيره، ولهذا اتجه الإمام أحمد بن حنبل إلى دفع حديث طاؤس هذا بما رواه سائر أصحاب ابن عباس عن ابن عباس، قال الأثرم: سألت أبا عبد الله عن حديث ابن عباس: كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وعمر رضى الله تعالى عنهما. طلاق الثلاث واحدة بأى شىء تدفعه، قال: برواية الناس عن ابن عباس من وجوه خلافه وكذلك نقل عنه ابن منصور، ذكر جميع ذلك الإمام ابن القيم (إغاثة اللهفان ١/١٥٨-١٥٩) وجاء فى مسودة آل تيمية ما نصه (السودة ٢٤٢):

”وفيه - أى معانى الحديث للأثرم - أيضاً فى حديث ابن عباس: كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدرًا من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال أبو عبد الله: أدفع هذا الحديث بأنه قد روى عن ابن عباس خلافه من عشرة وجوه، أنه كان يرى طلاق الثلاث ثلاثاً“ ١هـ.

وقال البيهقى فى ”باب من جعل الثلاث واحدة وما ورد فى خلاف ذلك“ (السنن الكبرى ٧/٣٣٧-٣٣٨) هذا الحديث أحد ما اختلف فيه البخارى ومسلم فأخرجه مسلم وتركه البخارى وأظنه إنما تركه لمخالفته سائر الروايات عن ابن عباس... ومنها ما أخبرنا أبو زكريا بن أبى اسحاق، نا أبو العباس محمد بن يعقوب، أنا الربيع، أنا الشافعى، أنا مسلم وعبد المجيد، عن ابن جريج قال:

أخبرني عكرمة بن خالد أن سعيد بن جبير أخبره، أن رجلاً جاء إلى ابن عباس فقال: طلقت امرأتى ألفاً، فقال: تأخذ ثلاثاً وتدع تسعمائة وسبعة وتسعين، ورواه عمرو بن مرة عن سعيد بن جبير عن ابن عباس أنه قال لرجل طلق امرأته ثلاثاً حرمت عليك.

وأخبرنا أبو زكريا بن أبي اسحاق وأبو بكر بن الحسن قالا: نا أبو العباس، نا الربيع، نا الشافعي، نا مسلم بن خالد و عبد المجيد عن ابن جريج عن مجاهد قال: قال رجل لابن عباس طلقت امرأتى مائة قال: تأخذ ثلاثاً وتدع سبعة وتسعين...

وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ: نا أبو عمرو بن مطر، نا يحيى بن محمد، نا عبيد الله بن معاذ، نا أبي، نا شعبة عن ابن أبي نجيح و حميد الأعرج، عن مجاهد قال: سئل ابن عباس عن رجل طلق امرأته مائة فقال: عصيت ربك وبانت منك امرأتك لم تتق الله فيجعل لك مخرجاً (ومن يتق الله يجعل له مخرجاً) يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن الآية الكريمة من سورة الطلاق: (١) وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ و عبيد بن محمد بن محمد بن مهدي قالا: نا أبو العباس محمد بن يعقوب، نا يحيى بن أبي طالب، نا عبد الوهاب بن عطاء، نا ابن جريج، عن عبد الحميد بن رافع، عن عطاء أن رجلاً قال لابن عباس طلقت امرأتى مائة فقال: تأخذ ثلاثاً وتدع سبعة وتسعين، وأخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ وأحمد بن الحسن القاضي قالا: نا أبو العباس محمد بن يعقوب، نا محمد بن اسحاق أنا حسين بن محمد، نا جرير بن حازم، عن أيوب عن عمرو بن دينار، أن ابن عباس سئل عن رجل طلق امرأته عدد النجوم فقال: إنما يكفيك رأس الجوزاء.

وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ، نا أبو العباس محمد بن يعقوب، نا الحسن بن علي بن عفان، نا ابن نمير عن الأعمش عن مالك بن الحارث عن ابن عباس قال: أتاني رجل فقال: إن عمى طلق امرأته ثلاثاً فقال: إن عمك عصى الله فأندمه الله

وأطاع الشيطان فلم يجعل له مخرجاً. قال: أفلا يحللها له رجل؟ فقال: من يخادع الله يخدعه..

أخبرنا أبو أحمد المهرجاني، أنا أبو بكر بن جعفر المزكي، نا محمد بن ابراهيم البوشنجي، نا ابن بكير، نا مالك عن ابن شهاب، عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان، عن محمد بن إياس بن البكير أنه قال: طلق رجل امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها ثم بداله أن ينكحها فجاء يستفتي فذهبت معه أسأل له فسأل أبا هريرة وعبد الله بن عباس عن ذلك فقالا له: لا نرى أن تنكحها حتى تزوج زوجاً غيرك. قال: فإنما كان طلاقاً إياها واحدة فقال ابن عباس: إنك أرسلت من يدك ما كان لك من فضل.

فهذه رواية سعيد بن جبير وعطاء ابن أبي رباح ومجاهد وعكرمة وعمرو بن دينار ومالك بن الحارث ومحمد بن إياس بن البكير، ورواية عن معاوية بن أبي عياش الأنصاري كلهم عن ابن عباس، أنه أجاز الطلاق بالثلاث وأمضاهن... ١هـ. كلام البيهقي رحمه الله تعالى.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال (أعلام الموقعين ٣/ ٣١ وما بعدها): لا يترك الحديث الصحيح المعصوم لمخالفة راويه له فإن مخالفته ليست معصومة. وقد قدم الشافعي رواية ابن عباس في شأن بريرة على فتواه التي تخالفها في كون بيع الأمة طلاقها، وأخذ هو وأحمد وغيرهما بحديث أبي هريرة: من استقاء فعليه القضاء وقد خالفه أبو هريرة وأفتى بأنه لا قضاء عليه. وذكر جملة أمثلة نسبها إلى الحنابلة والحنفية والمالكية والشافعية إلى أن قال رحمه الله والذي ندين الله به ولا يسعنا غيره وهو القصد في هذا الباب أن الحديث إذا صح عن رسول الله ﷺ ولم يصح عنه حديث آخر ينسخه، أن الفرض علينا وعلى الأمة الأخذ بحديثه وترك كل ما خالفه ولا نتركه لخلاف أحد من الناس كائناً من كان لا راويه

ولا غيره، إذ من الممكن أن ينسى الراوى الحديث، أو لا يحضره وقت الفتيا أو لا يتفطن لدلالته على تلك المسألة، أو يتأول فيه تأويلاً مرجوحاً، أو يقوم فى ظنه ما يعارضه، ولا يكون معارضاً فى نفس الأمر أو يقلد غيره فى فتواه بخلافه لاعتقاده أنه أعلم منه وأنه إنما خالفه لما هو أقوى منه. ولو قدر انتفاء ذلك كله ولا سبيل إلى العلم بانتفائه ولا ظنه لم يكن الراوى معصوماً ولم توجب مخالفته لما رواه سقوط عدالته حتى تغلب سيئاته حسناته، وبخلاف هذا الحديث الواحد لا يحصل له ذلك. ١هـ.

وقال الشيخ محمد الأمين الشنقيطى تعليقا على هذا الوجه (أضواء البيان ١/ ١٨٩-١٩١): قال مقيده عفا الله عنه: فهذا إمام المحدثين وسيد المسلمين فى عصره الذى تدارك به الاسلام بعد ما كاد تنزل قواعده وتغير عقائده أبو عبد الله أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى قال للأثرم وابن منصور: أنه رفض حديث ابن عباس قصداً لأنه يرى عدم الاحتجاج به فى لزوم الثلاث بلفظ واحد لرواية الحفاظ عن ابن عباس ما يخالف ذلك، وهذا الإمام محمد بن إسماعيل البخارى - وهو هو - ذكر عنه الحافظ البيهقى أنه ترك الحديث عمداً لذلك الموجب الذى تركه من أجله الإمام أحمد، ولا شك أنهما ما تركاه إلا لموجب يقتضى ذلك.

فإن قيل رواية طاؤس فى حكم المرفوع ورواية الجماعة المذكورين موقوفة على ابن عباس والمرفوع لا يعارض بالموقوف. فالجواب أن الصحابى إذا خالف ما روى ففیه للعلماء قولان وهما روايتان عن أحمد رحمه الله، الأولى: أنه لا يحتج بالحديث لأن أعلم الناس به راويه وقد ترك العمل به وهو عدل عارف وعلى هذه الرواية فلا إشكال.

وعلى الرواية الأخرى التى هى المشهورة عند العلماء أن العبرة بروايته لا

بقوله فإنه لا تقدم روايته إلا إذا كانت صريحة المعنى أو ظاهرة فيه ظهوراً يضعف معه احتمال مقابله، أما إذا كانت محتملة لغير ذلك المعنى احتمالاً قوياً فإن مخالفة الراوى لما روى تدل على أن ذلك المحتمل الذى ترك ليس هو معنى ما روى، وقد قدمنا أن لفظ طلاق الثلاث فى حديث طاؤس المذكور محتمل احتمالاً قوياً لأن تكون الطلقات مفرقة كما جزم به النسائى وصححه النووى والقرطبى وابن سريج.

فالحاصل أن ترك ابن عباس لجعل الثلاث بفم واحد واحدة يدل على أن معنى الحديث الذى روى ليس كونها بلفظ واحد... واعلم أن ابن عباس لم يثبت عنه أنه أفتى بالثلاث بفم واحد أنها واحدة، وما روى عنه أبو داود من طريق حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة أن ابن عباس قال إذا قال أنت طالق ثلاثاً بفم واحد فهي واحدة فهو معارض بما رواه أبو داود نفسه من طريق اسماعيل بن إبراهيم عن أيوب عن عكرمة أن ذلك من قول عكرمة لا من قول ابن عباس، وترجح رواية اسماعيل بن إبراهيم على رواية حماد بموافقة الحفاظ لإسماعيل فى أن ابن عباس يجعلها ثلاثاً لا واحدة. انتهى.

الجواب السابع :

حمل الثلاث فيه على أن المراد بها لفظ البتة، وكان يراد بها واحدة على عهد رسول الله ﷺ كما أراد بهار كانه ثم تتابع الناس فأرادوا بها الثلاث فألزمهم عمر إياها.

وهذا جواب الخطابى وقواه ابن حجر قال الخطابى (معالم السنن ١٢٦/٣) ويشبه أن يكون معنى الحديث منصرفاً إلى طلاق البتة لأنه قد روى عن النبى ﷺ فى حديث ركانه أنه جعل البتة واحدة، وكان عمر بن الخطاب رضى الله عنه يراها واحدة، ثم تتابع الناس فى ذلك فألزمهم الثلاث وإليه ذهب غير

واحد من الصحابة رضى الله تعالى عنهم روى عن على بن أبى طالب رضى الله تعالى عنه أنه جعلها ثلاثاً، وكذلك روى عن ابن عمر وكان يقول: أبت الطلاق طلاق البتة، وإليه ذهب سعيد بن المسيب وعروة و عمر بن عبدالعزيز والزهرى، وبه قال مالك والأوزاعى وابن أبى ليلى وأحمد بن حنبل، وهذا كصنيعه بشارب الخمر فإن الحد كان فى زمان النبى ﷺ وأبى بكر أربعين، ثم أن عمر لما رأى الناس تشايعوا فى الخمر واستخفوا بالعقوبة فيها قال: أرى أن تبلغ فيها حد المفترى، لأنه إذا سكر هذى وإذا هذى افترى وكان ذلك على ملاء من الصحابة فلا ينكر أن يكون الأمر فى طلاق "البتة" على شاكلته. انتهى كلام الخطابى.

وقال ابن حجر (فتح البارى ٢٩٩/٩) هو قوى ويؤيده إدخال البخارى فى هذا الباب الآثار التى فيها "البتة" والأحاديث التى فيها التصريح بالثلاث كأنه يشير إلى عدم الفرق بينهما، وأن "البتة" إذا أطلقت حملت على الثلاث إلا إن أراد المطلق واحدة فيقبل فكأن بعض رواه حمل لفظ (البتة) على الثلاث لاشتهار التسوية بينهما فرواها بلفظ الثلاث وإنما المراد لفظ البتة وكانوا فى العصر الأول يقبلون ممن قال أردت بالبتة الواحدة فلما كان عهد عمر أمضى الثلاث فى ظاهر الحكم ... انتهى كلام الحافظ بن حجر.

الجواب الثامن :

حمل الحديث على أنه شاذ وقد حمله على ذلك جماعة من أهل العلم فقال ابن عبد الهادى قال ابن رجب فى كتاب "مشكل الأحاديث الواردة فى أن الطلاق الثلاث واحدة" وساق حديث ابن عباس ثم قال (سيرالحا: ٧٤): فهذا الحديث لأئمة الإسلام فيه طريقان:

أحدهما وهو مسلك الإمام أحمد ومن وافقه ويرجع الكلام فى إسناد الحديث بشذوذه وانفراد طاؤس به، وأنه لم يتابع عليه، وانفراد الراوى بالحديث

وإن كان ثقة هو علة في الحديث يوجب التوقف فيه وأن يكون شاذاً ومنكراً إذا لم يرو معناه من وجه يصح وهذه طريقة أئمة الحديث المتقدمين، كالإمام أحمد ويحيى القطان ويحيى بن معين وعلي بن المديني وغيرهم، وهذا الحديث لا يرويه عن ابن عباس غير طاؤس قال الإمام أحمد في رواية ابن منصور: كل أصحاب ابن عباس يعني روى عنه خلاف ما روى طاؤس.

وقال الجوزجاني: هو حديث شاذ، قال وقد عنت بهذا الحديث في قديم الدهر فلم أجد له أصلاً. قال المصنف ومتى أجمع الأمة على إطراح العمل بحديث وجب اطراحه وترك العمل به، وقال ابن مهدي لا يكون إماماً في العلم من عمل بالشاذ.

وقال النخعي: كانوا يكرهون الغريب من الحديث. وقال يزيد بن أبي حبيب: إذا سمعت الحديث فأنشده كما تنشد الضالة فإن عرف وإلا فدعه، وعن مالك قال: "شر العلم الغريب" وخير العلم الظاهر الذي قد رواه الناس وفي هذا الباب شيء كثير لعدم جواز العمل بالغريب وغير المشهور... قال ابن رجب: وقد صح عن ابن عباس وهو راوي الحديث أنه أفتى بخلاف هذا الحديث ولزوم الثلاث المجموعة، وقد علل بهذا أحمد والشافعي كما ذكره في المغني وهذه أيضاً علة في الحديث بانفرادها فكيف وقد ضم إليها علة الشذوذ والإنكار وإجماع الأمة.

وقال القاضي إسماعيل في كتاب "أحكام القرآن": طاؤس مع فضله وصلاحه يروي أشياء منكرة منها هذا الحديث، وعن أيوب أنه كان يعجب من كثرة خطأ طاؤس.

وقال ابن عبد البر: شذ طاؤس في هذا الحديث.

قال ابن رجب وكان علماء أهل مكة ينكرون على طاؤس ما ينفرد به من

شواذ الأقاويل. انتهى المقصود. الثاني: أنه منسوخ وقد سبق ما يغنى عن إعادته.

ونقل القرطبي عن ابن عبد البر أنه قال (تفسير القرطبي ١٢٩/٣): رواية طاؤس وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من فقهاء الأمصار بالحجاز والشام والمغرب. قال - وقد قيل: إن أبا الصهباء لا يعرف في موالى ابن عباس.

ونقل الشيخ محمد الأمين الشنقيطي عن ابن العربي المالكي ما يختص بحديث ابن عباس هذا فقال (أضواء البيان ١٩٢): فإن قيل ففي صحيح مسلم عن ابن عباس وذكر حديث أبي الصهباء المذكور؟ قلنا هذا لا متعلق فيه من خمسة أوجه:

الأول :

أنه حديث مختلف في صحته، فكيف يقدم على إجماع الأمة ولم يعرف لها في هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين، وقد سبق العصر أن الكريمان والاتفاق على لزوم الثلاث، فإن روي ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم نقل العدل عن العدل، ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبداً.

الثاني :

أن هذا الحديث لم يرد إلا عن ابن عباس ولم يرو عنه إلا عن طريق طاؤس فكيف يقبل ما لم يروه من الصحابة إلا واحد ومالم يروه عن ذلك الصحابي إلا واحد، وكيف خفي على جميع الصحابة وسكتوا عنه إلا ابن عباس، وكيف خفي على أصحاب ابن عباس إلا طاؤس؟ انتهى محل الغرض من كلام ابن العربي. انتهى.

وقال ابن حجر (الفتح ٣٦٣/٩): الجواب الثاني دعوى شذوذ ورواية طاؤس وهي طريقة البيهقي فإنه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث، ثم

نقل عن ابن المنذر أنه لا يظن بابن عباس أن يحفظ عن النبي ﷺ شيئاً ويفتي بخلافه، فيتعين المصير إلى الترجيح والأخذ بقول الأكثر أولى من الأخذ بقول الواحد إذا خالفهم. انتهى.

وقال ابن التركماني و طائوس بقول: إن أبا الصهباء مولاة سأله عن ذلك ولا يصح ذلك عن ابن عباس لرواية الثقات عنه خلافة ولو صح عنه ما كان قوله حجة على من هو من الصحابة أجل وأعلم منه، وهم عمر و عثمان و علي و ابن مسعود و ابن عمر وغيرهم، انتهى.

وقد أجاب ابن القيم عن ذلك فقال بعد عرضه لهذا المسلك (إغاثة اللهفان ١/٢٩٥-٢٩٦): وهذا أفسد من جميع ما تقدم، ولا ترد أحاديث الصحابة وأحاديث الأئمة الثقات بمثل هذا، فكم من حديث تفرد به واحد من الصحابة لم يروه غيره وقبلته الأمة كلهم فلم يردده أحد منهم، وكم من حديث تفرد به من هو دون طائوس بكثير ولم يردده أحد من الأئمة ولا نعلم أحداً من أهل العلم قديماً ولا حديثاً قال: إن الحديث إذا لم يروه إلا صحابي واحد لم يقبل، وإنما يحكى عن أهل البدع ومن تبعهم في ذلك أقوال لا يعرف لها قائل من الفقهاء.

قد تفرد الزهري بنحو ستين سنة، لم يروها غيره، وعلمت بها الأمة ولم يردوها بتفرده هذا مع أن عكرمة روى عن ابن عباس رضي الله عنهما حديث ركانة وهو موافق لحديث طائوس عنه، فإن قدح في عكرمة أبطل وتناقض، فإن الناس احتجوا بعكرمة، وصحح أئمة الحفاظ حديثه، ولم يلتفتوا إلى قدح من قدح فيه.

فإن قيل: فهذا هو الحديث الشاذ، وأقل أحواله أن يتوقف فيه ولا يجزم بصحته عن رسول الله ﷺ قيل: ليس هذا هو الشاذ، وإنما الشذوذ: أن يخالف الثقات فيما روه فيشذ عنهم بروايته، فأما إذا روى الثقة حديثاً منفرداً به، لم يرو

الثقات خلافه فإن ذلك لا يسمى شاذًا. وإن اصطلاح على تسميته شاذًا بهذا المعنى، لم يكن هذا الاصطلاح موجباً لرده، ولا مسوغاً له.

قال الشافعي: "وليس الشاذ أن ينفرد الثقة برواية الحديث، بل الشاذ أن يروى خلاف ما رواه الثقات" قاله في مناظرته لبعض من رد الحديث بتفرد الراوى به... ثم إن هذا القول لا يمكن أحداً من أهل العلم، ولا من الأئمة، ولا من أتباعهم طرده، ولو طردوه لبطل كثير من أقوالهم وفتاويهم. والعجب أن الرادين لهذا الحديث بمثل هذا الكلام قد بنوا كثيراً من مذاهبهم على أحاديث ضعيفة، انفرد بها رواتها لا تعرف عن سواهم وذلك أشهر وأكثر من أن يعد.

وبعد ما ذكر الشيخ محمد الأمين الشنقيطى كلاماً يتفق مع ما سبق ذكره عن ابن القيم قال (أضواء البيان ١/ ١٩٣-١٩٥): نعم لقائل أن يقول: إن خبر الآحاد إذا كانت الدواعى متوفرة إلى نقله ولم ينقله إلا واحد ونحوه، أن ذلك يدل على عدم صحته، ووجهه أن توفر الدواعى يلزم منه النقل تواتراً والإشهار، فإن لم يشتهر دل على أنه لم يقع، لأن انتفاء اللازم يقتضى انتفاء الملزوم، وهذه قاعدة فى الأصول أشار إليها فى مراقى السعود بقوله عاطفاً على ما يحكم فيه بعدم صحة الخبر "وخبر الآحاد فى السنن".

حيث دواعى نقله تواتر نرى له لو قاله تقرراً

وجزم بها غير واحد من الأصوليين، وقال صاحب جمع الجوامع عاطفاً على ما يجزم فيه بعدم صحة الخبر والمنقول آحاداً فيما تتوفر الدواعى إلى نقله خلافاً للرافضة. ١ هـ منه بلفظه.

ومرادُه أن مما يجزم بعدم صحته الخبر المنقول آحاداً مع توفر الدواعى إلى نقله، وقال ابن الحاجب فى مختصره الأصولى مسألة: إذا انفرد واحد فيما يتوفر الدواعى إلى نقله وقد شاركه خلق كثير، كما لو انفرد واحد بقتل خطيب

على المنبر في مدينة فهو كاذب قطعاً خلافاً للشيعة ١ هـ. محل الغرض منه بلفظه.
وفي المسألة مناقشات وأجوبة عنها معروفة في الأصول.

قال مقيده عفا الله عنه : ولا شك أنه على القول بأن معنى حديث طاؤس المذكور أن الثلاث بلفظ واحد كانت تجعل واحدة على عهد النبي ﷺ و أبي بكر وصدر من خلافة عمر ثم أن عمر غير ما كان عليه رسول الله ﷺ والمسلمون في زمن أبي بكر وعامة الصحابة أو جلهم يعلمون ذلك، فالدواعي إلى نقل ما كان عليه رسول الله ﷺ والمسلمون من بعده متوفرة توافراً لا يمكن إنكاره لأن (قوله "لأن" كذا بالأصل المطبوع) يرد بذلك التغيير الذي أحدثه عمر فسكوت جميع الصحابة عنه، وكون ذلك لم ينقل منه حرف عن غير ابن عباس، يدل دلالة واضحة على أحد أمرين:

أحدهما :

أن حديث طاؤس الذي رواه عن ابن عباس ليس معناه أنها بلفظ واحد بل بثلاثة ألفاظ في وقت واحد كما قدمنا، وكما جزم به النسائي وصححه النووي والقرطبي وابن سريج. وعليه فلا إشكال، لأن تغيير عمر للحكم مبنى على تغيير قصدهم، والنبي ﷺ قال: "إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرئ ما نوى"، فمن قال: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، ونوى التأكيد فواحدة، وإن نوى الاستئناف بكل واحدة فثلاث، واختلاف محامل اللفظ الواحد لا يختلف نيات اللافظين به لا إشكال فيه لقوله ﷺ "وإنما لكل امرئ ما نوى".

والثاني :

أن يكون الحديث غير محكوم بصحته لنقله آحاداً مع توفر الدواعي إلى نقله. والأول أولى وأخف من الثاني، وقال القرطبي في المفهم في الكلام على حديث طاؤس المذكور: وظاهر سياقه يقتضي النقل عن جميعهم أن معظمهم

كانوا يرون ذلك، والعادة في مثل هذا أن يفشو الحكم وينتشر فكيف ينفرد به واحد عن واحد؟ قال: فهذا الوجه يقتضى التوقف عن العمل بظاهره إن لم يقتض القطع بطلانه. ١ هـ منه بواسطة نقل ابن حجر في فتح الباري عنه وهو قوى جداً بحسب المقرر في الأصول كما ترى. انتهى...

الجواب التاسع :

أن الحديث مضطرب، نقل هذا الجواب ابن حجر عن القرطبي (فتح الباري ٣٦٤/٩) وذكر ابن القيم هذا الجواب وناقشه فقال: وسلك آخرون في رد الحديث مسلكاً آخر فقالوا هو حديث مضطرب لا يصح، ولذلك أعرض عنه البخارى، وترجم في صحيحه على خلافه فقال: "باب فيمن جوز الطلاق الثلاث في كلمة لقوله تعالى: (الطلاق مرتان): ثم ذكر حديث اللعان وفيه فطلقها ثلاثاً قبل أن يأمره رسول الله ﷺ ولم يغير عليه النبي ﷺ وهو لا يقر على باطل". قالوا: ووجه اضطرابه: أنه تارة يروى عن طاؤس عن ابن عباس، وتارة عن طاؤس عن أبي الصهباء عن ابن عباس، وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس فهذا اضطرابه من جهة السند.

وأما المتن فإن أبا الصهباء تارة يقول: "ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة" وتارة يقول: "ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدر من خلافة عمر واحدة. فهذا يخالف اللفظ الآخر وهذا المسلك من أضعف المسالك ورد الحديث به ضرب من التعنت ولا يعرف أحد من الحفاظ قدح في هذا الحديث ولا ضعفه، والإمام أحمد لما قيل له: بأى شيء ترده؟ قال: برواية الناس عن ابن عباس خلافه.

ولم يردّه بتضعيف ولا قدح في صحته، وكيف يتهىأ القدح في صحته، ورواته كلهم أئمة حفاظ، حدث به عبدالرزاق وغيره عن ابن جريج بصيغة

الإخبار، وحدث به كذلك ابن جريج عن ابن طاؤس، وحدث به ابن طاؤس عن أبيه، وهذا إسناد لا مطعن فيه لطاعن، وطاؤس من أخص أصحاب ابن عباس، ومذهبه: أن الثلاث واحدة وقد رواه حماد بن زيد عن أيوب عن غير واحد عن طاؤس، فلم ينفرد به عبدالرزاق ولا ابن جريج، ولا عبدالله بن طاؤس فالحديث من أصح الأحاديث، وترك رواية البخاري له لا يوهنه وله حكم أمثاله من الأحاديث الصحيحة التي تركها البخاري لثلاث يطول كتابه فإنه سماه: الجامع المختصر الصحيح، ومثل هذا العذر لا يقبله من له حظ من العلم.

وأما رواية من رواه عن أبي الجوزاء فإن كانت محفوظة فهي مما يزيد الحديث قوة وإن لم تكن محفوظة وهو الظاهر فهي وهم في الكنية انتقل فيها عبدالله بن المؤمل عن ابن أبي مليكة عن أبي الصهباء، إلى أبي الجوزاء، فإنه كان سيء الحفظ، والحفاظ قالوا "أبو الصهباء" وهذا لا يوهن الحديث، وهذه الطريق عند الحاكم في المستدرک وأما رواية من رواه مقيداً "قبل الدخول" فإنه تقدم أنه لا تناقض رواية الآخرين على أنها عند أبي داود عن أيوب عن غير واحد ورواية الإطلاق عن معمر عن ابن جريج عن ابن طاؤس عن أبيه، فإن تعارضاً فهذه الرواية أولى، وإن لم يتعارضاً فالأمر واضح.

وحديث داود بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس عن النبي ﷺ صريح في كون الثلاث واحدة في حق المدخول بها وعامة ما يقدر في حديث أبي الصهباء أن قوله: "قبل الدخول" زيادة من ثقة فيكون الأخذ بها أولى، وحينئذ فيدل أحد حديثي ابن عباس على أن هذا الحكم ثابت في حق البكر، وحديثه الآخر على أنه ثابت في حكم الشب أيضاً، فأحد الحديثين يقوى الآخر ويشهد بصحته، وبالله التوفيق.

الجواب العاشر :

أن حديث ابن عباس معارض بالإجماع والإجماع أقوى من خبر الواحد كما ذكر ذلك الشافعي، وغيره وقد سبق استدلال الجمهور بالإجماع مع ذكر أدلتهم لمذهبهم وبيان من قال به ومناقشة ابن القيم له، فاكتفى بذلك عن الإعادة هنا.

الدليل الثاني :

ما رواه الإمام أحمد في المسند قال: حدثنا سعد بن إبراهيم حدثنا أبي عن محمد بن اسحاق قال حدثني داود بن الحصين عن عكرمة - مولى ابن عباس - عن ابن عباس قال: "طلق ركانة ابن عبد يزيد - أخو بني المطلب - امرأته ثلاثاً في مجلس واحد، فحزن عليها حزناً شديداً، قال: فسأله رسول الله ﷺ "كيف طلقته؟" قال: طلقته ثلاثاً قال فقال: "في مجلس واحد؟" قال: نعم، فقال: "فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت" قال: فارجعها فكان ابن عباس يرى الطلاق عند كل طهر.

قال ابن القيم (أعلام الموقعين ٣/ ٤٠) وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد وحسنه، فقال في حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن النبي ﷺ رد ابنته على ابن أبي العاص بمهر جديد، ونكاح جديد "هذا حديث ضعيف أو قال واه لم يسمعه الحجاج عن عمرو بن شعيب وإنما سمعه من محمد بن عبد الله العزرمي، والعزرمي لا يساوي حديثه شيئاً والحديث الذي رواه أن النبي ﷺ أقرها على النكاح الأول وإسناده عنده هو إسناد حديث ركانة بن عبد يزيد؟ هذا وقد قال الترمذي فيه ليس بإسناده بأس فهذا إسناد صحيح عند أحمد وليس به بأس عند الترمذي فهو حجة ما لم يعارضه ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده ما هو نظيره أو أقوى منه؟ ثم ساق رواية أبي داود وستأتي وهي الدليل الثالث ثم قال ابن

القيم: قال شيخنا رضى الله عنه: وأبوداؤد لما لم يرو في سننه الحديث الذى فى مسند أحمد يعنى الذى ذكرناه آنفاً فقال: حديث البتة أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً لأنهم أهل بيته ولكن الأئمة الأكابر العارفين بعلم الحديث والفقه كالإمام أحمد و أبى عبيد والبخارى ضعفوا حديث البتة وبينوا أنه رواية قوم مجاهيل لم تعرف عدالتهم وضبطهم وأحمد أثبت حديث الثلاث وبين أنه الصواب وقال حديث ركانة لا يثبت أنه طلق امرأته البتة وفى رواية عنه: حديث ركانة فى البتة ليس بشيء لأن ابن اسحاق يرويه عن داؤد بن الحصين عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله عنه أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً وأهل المدينة يسمون الثلاث البتة. قال الأثرم: قلت لأحمد حديث ركانة فى البتة فضعه. انتهى.

وقد سبق الكلام على رواية الإمام أحمد لحديث ركانة وكذلك رواية الزبير بن سعيد، ورواية نافع بن عجير عند الكلام على الدليل الخامس لمذهب الجمهور فى المسألة الثانية.

الدليل الثالث :

قال أبوداؤد حدثنا أحمد بن صالح، قال حدثنا عبدالرزاق أخبرنا ابن جريج، قال أخبرنى بعض بنى أبى رافع، مولى النبى ﷺ عن عكرمة مولى ابن عباس، قال: "طلق يزيد أبوركانة وإخوته أم ركانة ونكح امرأة من مزينة فجاءت النبى ﷺ فقالت: ما يغنى عنى إلا كما تغنى هذه الشعرة لشعرة أخذتها من رأسها ففرق بينى وبينه فأخذت النبى ﷺ حمية فدعى بركانة وإخوته، ثم قال لجلسائه: "أترون فلاناً يشبه منه كذا وكذا من عبد يزيد وفلاناً لأبنة الآخر يشبه منه كذا وكذا؟" قالوا نعم. فقال النبى ﷺ لعبد يزيد "طلقها" ففعل فقال "راجع امرأتك أم ركانة وإخوته" فقال: إني طلقته ثلاثاً يا رسول الله، قال: وتلا "يا أيها النبى إذا

طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن" ... (الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١)

وقد سبقت مناقشة رواية أبي داود عند الكلام على الدليل الخامس

لمذهب الجمهور في مسألة الثانية فاكفى بما هناك عن إعادته هنا.

الدليل الرابع :

ما جاء فى بعض روايات حديث ابن عمر من أنه طلق امرأته فى الحيض

ثلاثاً فاحتسب بواحدة وقد سبقت مناقشة حديث ابن عمر برواياته وأن الصحيح

أنه إنما طلقها واحدة وذلك عند الكلام على الدليل السادس فاكفى بما ذكر هناك

عن إعادته هنا.

وأما الأجماع فممن ذكره شيخ الإسلام ابن تيمية و ابن القيم وغيرهما

من العلماء فقد بينوا أن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد واحدة فى

عهد أبى بكر وثلاث سنين من خلافة عمر ويمكن أن يجاب عنه بما ورد من الآثار

عن بعض الصحابة فى أن الثلاث بلفظ واحد تكون ثلاثاً وقد سبقت.

وأما القياس فقد قال ابن القيم (إغاثة اللهفان ٢٨٩/١): وأما القياس فإن

الله سبحانه وتعالى قال: (والذين يرمون أزواجهم ولم يكن لهم شهود إلا أنفسهم

فشهادة أحدهم أربع شهادات بالله... الآية الكريمة من سورة النور: ٦). ثم قال:

(ويدراً عنها العذاب أن تشهد أربع شهادات بالله... الآية الكريمة من سورة

النور: ٨) فلو قال: أشهد بالله أربع شهادات أنى صادق، وقالت أشهد بالله أربع

شهادات أنه كاذب كانت شهادة واحدة ولم تكن أربعاً، فكيف يكون قوله أنت

طالق ثلاثاً ثلاث تطليقات وأى قياس أصح من هذا؟ وهكذا كل ما يعتبر فيه العدد

من الإقرار ونحوه ولهذا لو قال المقر بالزنا: إنى أقر بالزنا أربع مرات كان ذلك

مرة واحدة، وقد قال الصحابة لما عز: "إن أقررت أربعاً رجعت رسول الله

ﷺ". فلو قال: أقربه أربع مرات كان مرة واحدة فهكذا الطلاق سواء.

وقد أجاب الشيخ محمد الأمين الشنقيطى عن هذا القياس فقال (أضواء البيان ١/ ١٩٥-١٩٦): وقياس أنت طالق ثلاثاً على أيمان اللعان فى أنه لو حلفها بلفظ واحد لم تجز، قياس مع وجود الفارق، لأن من اقتصر على واحدة من الشهادات الأربع المذكورة فى آية اللعان أجمع العلماء على أن ذلك كما لو لم يأت بشيء منها أصلاً، بخلاف الطلقات الثلاث فمن اقتصر على واحدة منها اعتبرت إجماعاً وحصلت بها البينة بانقضاء العدة إجماعاً.

وأما الآثار فما جاء عن الصحابة فى ذلك، فقد روى طاؤس وعكرمة عن ابن عباس الإفتاء بذلك ورواية طاؤس عند أبى جعفر النحاس فى الناسخ والمنسوخ ورواية عكرمة عند أبى داؤد من رواية حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس، وحكى ابن وضاح وعنه ابن مغيث الإفتاء بكون الطلاق الثلاث فى كلمة واحدة واحدة عن على و ابن مسعود والزبير و عبدالرحمن بن عوف، وجاء عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه. ما رواه الحافظ أبوبكر الاسماعيلى فى مسند عمر قال: أخبرنا أبويعلى حدثنا صالح بن مالك، حدثنا خالد بن يزيد بن أبى مالك عن أبيه قال قال عمر رضى الله تعالى عنه: ما ندمت على شيء ندامتى على ثلاث أن لا أكون حرمت الطلاق، وعلى أن لا أكون أنكحت الموالى، وعلى أن لا أكون قتلت النوائح، وكذلك ما نقل من الآثار عن أهل البيت.

ويضاف إلى هذه الآثار ما سبق ذكره من الآثار مما لم يذكر هنا وذلك فى الكلام على رد استدلال الجمهور بالإجماع. وأجيب عن تلك الآثار بما يأتى:

أما ما روى طاؤس عن ابن عباس أن من قال لامرأته: أنت طالق ثلاثاً إنما تلزمه طلاقاً واحدة فقد اعتبره أبو جعفر النحاس من مناكير طاؤس التى خولف فيها

طاؤس (الناسخ والمنسوخ: ٧١) قال: وطاؤس وإن كان رجلاً صالحاً فعنده عن ابن عباس مناكير يخالف عليها ولا يقبلها أهل العلم، منها أنه روى عن ابن عباس أنه قال في رجل قال لإمرأته أنت طالق ثلاثاً إنما تلزمه واحدة ولا يعرف هذا عن ابن عباس إلا من روايته، والصحيح عنه وعن علي ابن أبي طالب رضي الله عنهما أنها ثلاث كما قال الله تعالى (فإن طلقها فلا تحل له من بعد... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) أي الثالثة.

وأما ما روى حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس أنه قال "إذا قال أنت طالق ثلاثاً بفم واحد فهي واحدة" فقد تعقبه أبو داود في سننه بقوله: ورواه اسماعيل بن إبراهيم عن أيوب عن عكرمة هذا قوله ولم يذكر ابن عباس وجعله قول عكرمة، وعلى فرض ثبوتها فقد رجع ابن عباس عن ذلك كما صرح أبو داود قال (سنن أبي داود بشرح عون المعبود ٢/٢٢٦-٢٢٧) وصار قول ابن عباس فيما حدثنا أحمد بن صالح و محمد بن يحيى وهذا حديث أحمد قال: نا عبد الرزاق عن معمر عن الزهري عن أبي سلمة بن عبد الرحمن بن عوف و محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان عن محمد بن إياس أن ابن عباس وأبا هريرة و عبد الله بن عمر و بن العاص سئلوا عن البكر يطلقها زوجها ثلاثاً فكلهم قال: لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره: قال أبو داود وروى مالك عن يحيى بن سعيد عن بكير بن الأشج عن معاوية بن أبي عياش أنه شهد هذه القصة حين جاء محمد بن إياس بن البكير إلى ابن الزبير وعاصم بن عمر فسألتهما عن ذلك فقالا: إذهب إلى ابن عباس و أبي هريرة فإنني تركتهما عند عائشة رضي الله عنها ثم ساق هذا الخبر قال أبو داود وقول ابن عباس هو أن الطلاق الثلاث تبين من زوجها مدخولاً بها أو غير مدخول بها لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. هذا مثل خبر الصرف قال فيه ثم إنه رجع عنه يعني ابن عباس. ١هـ.

وقد ساق في الباب الذي أورد فيه ذلك وهو باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث آثاراً عن سائر أصحاب ابن عباس بخلاف ما ذكر عن طاؤس وعكرمة حيث قال: حدثنا حميد بن مسعدة، نا اسماعيل أنا أيوب، عن عبد الله بن كثير عن مجاهد قال: كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال: إنه طلق امرأته ثلاثاً قال فسكت حتى ظننت أنه رادها إليه ثم قال: ينطلق أحدكم فيركب الحموقة ثم يقول: يا ابن عباس! يا ابن عباس وإن الله قال: (ومن يتق الله يجعل له مخرجاً...) الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) وإنك لم تتق الله فلا أجد لك مخرجاً عصيت ربك وبانت منك امرأتك وإن الله تعالى قال: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن في قبل عدتهن الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) قال ابوداؤد: روى هذا الحديث حميد الأعرج وغيره عن مجاهد عن ابن عباس ورواه شعبة عن عمرو بن مرة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس، وأيوب و ابن جريح جميعاً عن عكرمة بن خالد عن سعيد ابن جبير عن ابن عباس و ابن جريح، عن عبد الحميد بن رافع عن عطاء عن ابن عباس، ورواه الأعمش عن مالك بن الحارث، عن ابن عباس و ابن جريح عن عمرو بن دينار عن ابن عباس كلهم قالوا في الطلاق الثلاث: إنه أجازها، قال: وبانت منك، نحو حديث اسماعيل عن أيوب عن عبد الله بن كثير... ١هـ.

وقال الباجي بخصوص ما نقل عن ابن عباس من فتواه بأن الثلاث بفم واحد واحدة (المنتقى ٤/٤) ما نصه: قد رجع ابن عباس إلى قول الجماعة وانعقد به الاجماع. ١هـ.

وأما ما نقله أبو جعفر أحمد بن محمد بن مغيث الطليطلي عن ابن وضاح، من أن علي بن أبي طالب والزبير ابن العوام وعبد الرحمن بن عوف و عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنهم قد أفتوا بأن من طلق ثلاثاً في كلمة واحدة لا يلزمه

سوى طلقة واحدة، فيتوقف الاستدلال به على ثبوت السند إليهم بذلك ولم يثبت.

وقد تعقبه أبوبكر بن العربي في كتابه الناسخ والمنسوخ ونقله عنه ابن القيم قال (مختصر سنن أبي داود ومعه التهذيب والمعالم ج ٣ ص ١٢٨). قال تعالى: الطلاق مرتان (الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) "زل قوم في آخر الزمان فقالوا: إن الطلاق الثلاث في كلمة واحدة لا يلزم وجعلوه واحدة ونسبوه إلى السلف الأول فحكوه عن علي والزبير و عبد الرحمن بن عوف و ابن مسعود و ابن عباس، وعزوه إلى الحجاج ابن أرطاة الضعيف المنزلة المغموز المرتبة ورووا في ذلك حديثاً ليس له أصل، وغوى قوم من أهل المسائل فتبعوا الأهواء المبتدعة فيه وقالوا: إن قوله أنت طالق ثلاثاً كذب لأنه لم يطلق ثلاثاً كما لو قال: طلقت ثلاثاً ولم يطلق إلا واحدة وكما لو قال: أحلف ثلاثاً كانت يميناً واحدة. ومر أبوبكر بن العربي إلى أن قال: وما نسبوه إلى الصحابة كذب بحث لا أصل له في كتاب ولا رواية له عن أحد وقد أدخل مالك في موطئه عن علي أن الحرام ثلاث لازمة في كلمة فهذا في معناها فكيف إذا صرح بها وأما حديث الحجاج بن أرطاة فغير مقبول بن أرطاة فغير مقبول في الملة ولا عند أحد من الأئمة.

قال ابن العربي لم يعرف في هذه المسألة خلاف إلا عن قوم انحطوا عن رتبة التابعين وقد سبق العصران الكريمان بالاتفاق على لزوم الثلاث، فإن رووا ذلك عن أحد منهم فلا تقبلوا منهم إلا ما يقبلون منكم، نقل العدل عن العدل ولا تجد هذه المسألة منسوبة إلى أحد من السلف أبداً. ١هـ.

في الاصل فرجة مصححه :

ابن القيم ذلك في إغاثة اللهفان ص ١٧٩ بقوله: "لعله إحدى الروايتين عنهم وإلا

فقد صح بلا شك عن ابن مسعود وعلى و ابن عباس الإلزام بالثلاث إن أوقعها جملة وصح عن ابن عباس أنه جعلها واحدة ولم نقف على نقل صحيح عن غيرهم من الصحابة بذلك، فلذلك لم نعد ما حكى عنهم في الوجوه المبينة للنزاع وإنما نعد ما وقفنا عليه في مواضعه ونعزوه إليها، وبالله التوفيق“ ١ هـ. كلام ابن القيم.

وقال البيهقي في السنن الكبرى في عز و ذلك إلى أمير المؤمنين على بن أبى طالب رضى الله تعالى عنه (السنن الكبرى ج ٧/ض: ٣٣٩-٣٤٠) أخبرنا أبو سعد أحمد بن محمد الماليني، أنا أبو أحمد عبد الله بن عدى الحافظ، ثنا محمد بن عبد الوهاب ابن هشام نا على بن سلمة اللبقي، ثنا أبو أسامة عن الأعمش قال: كان بالكوفة شيخ يقول سمعت على بن أبى طالب رضى الله تعالى عنه يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً فى مجلس واحد فإنه يرد إلى واحدة والناس عنقاً واحداً إذ ذلك يأتونه ويسمعون منه قال فأتيته فقرعت عليه الباب فخرج إلى شيخ فقلت له: كيف سمعت على بن أبى طالب رضى الله تعالى عنه يقول: فيمن طلق امرأته ثلاثاً فى مجلس واحد؟ قال سمعت على بن أبى طالب يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً فى مجلس واحد فإنه يرد إلى واحدة، قال فقلت له: أين سمعت هذا من على رضى الله تعالى عنه؟ قال: أخرج إليك كتاباً فأخرج فإذا فيه: بسم الله الرحمن الرحيم، هذا ما سمعت على بن أبى طالب رضى الله تعالى عنه يقول: إذا طلق الرجل امرأته ثلاثاً فى مجلس واحد فقد بانت منه ولا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره. قال: فقلت ويحك هذا غير الذى تقول، قال: الصحيح هو هذا ولكن هؤلاء أرادوني على ذلك“ ١ هـ.

وأما ما روى أبو يعلى عن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه من قوله: “ما ندمت على شيء ندامتى على ثلاث: أن لا أكون حرمت الطلاق“ الخ فلا يصلح الاحتجاج به على أن عمر قد ندم آخر حياته على امضاء الثلاث لأمرين:

أحدهما أن يزيد بن أبي مالك لم يدرك عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه وقد قال الحافظ الذهبي في (ميزان الاعتدال) في يزيد بن أبي مالك: صاحب تدليس وإرسال عمن لم يدرك. وذكره الحافظ بن حجر في "تعريف أهل التقديس بالموصوفين بالتدليس" وقال وصفه أبو مسهر بالتدليس.

الثاني أن خالد بن يزيد أبي مالك وهاه ابن معين وقال أحمد: ليس بشيء، وقال النسائي: غير ثقة وقال الدارقطني: ضعيف، وقال ابن عدي عن ابن عصمة عن أحمد بن أبي يحيى: سمعت أحمد بن حنبل يقول: خالد بن يزيد بن أبي مالك ليس بشيء، وقال ابن أبي الحواري سمعت ابن معين يقول بالعراق: كتاب ينبغي أن يدفن: كتاب الديات لخالد بن يزيد بن أبي مالك، لم يرض أن يكذب على أبيه حتى كذب على الصحابة، قال أحمد بن أبي الحواري: سمعت هذا الكتاب من خالد ثم أعطيته العطار فأعطى الناس فيه حوائج. وفي "تهذيب التهذيب" للحافظ بن حجر، قال ابن حبان: كان صدوقاً في الرواية ولكنه كان يخطيء كثيراً وفي حديثه مناكير لا يعجبني الاحتجاج به إذا انفرد عن أبيه، وقال أبو داود: ضعيف وقال مرة: متروك الحديث، وذكره ابن الجارود والساجي والعقيلي في الضعفاء. ١ هـ.

وأجيب عما نقل عن أهل البيت النبوي في اعتبار الطلاق الثلاث في كلمة واحدة، واحدة بما رواه البيهقي (السنن الكبرى ٣٤٠/٧) قال: أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، نا أبو عمر و عثمان بن أحمد بن السمان ببغداد، نا حنبل بن اسحاق بن حنبل، نا محمد بن عمران بن محمد بن عبد الرحمن بن أبي ليلى، نا مسلمة بن جعفر الأحمسي، قال: قلت لجعفر بن محمد: إن قوماً يزعمون أن من طلق ثلاثاً بجهالة رد إلى السنة يجعلونها واحدة يروونها عنكم؟ قال معاذ الله ما يذا من قولنا "من طلق ثلاثاً فهو كما قال" وأخبرنا أبو عبد الله، نا أبو محمد

الحسن بن سليمان الكوفي ببغداد، نا محمد بن عبد الله الحضرمي، نا اسماعيل بن بهرام، نا الأشجعي عن بسام الصيرفي قال: سمعت جعفر بن محمد يقول: من طلق امرأته ثلاثاً بجهالة أو علم فقد بانت منه. ١هـ. ونقل السيافى عن صاحب الآمالى أنه قال (الروض النضير ٣٨٧/٤): حدثنا أبو كريب عن حفص بن غياث قال: سمعت جعفر بن محمود يقول: من طلق ثلاثاً فهي ثلاث وهو قولنا أهل البيت "ثم ذكر رواية البيهقي عن شيخه الحاكم المتقدمة. وقال السياغى من الروض النضير فى وقوع الطلاق باننا بإرساله ثلاثاً بلفظ واحد قال (الروض النضير ٣٧٩/٤): وهو مذهب جمهور أهل البيت كما حكاه محمد بن منصور عنهم فى الآمالى بأسانيد، وروى فى الجامع الكافى عن الحسن بن يحيى قال رويناه عن النبى ﷺ وعن على رضى الله عنه وعلى بن الحسين، وزيد بن على، ومحمد بن على الباقر، ومحمد بن عمر بن على، وجعفر بن محمد وعبد الله بن الحسن، ومحمد بن عبد الله وخيار آل رسول الله ﷺ ثم قال الحسن أجمع آل الرسول على أن الذى يطلق ثلاثاً فى كلمة واحدة أنها قد حرمت عليه سواء كان قد دخل بها الزوج أو لم يدخل ورواه فى (البحر) عن ابن عباس و ابن عمر وعائشة و أبى هريرة و عن على رضى الله عنه والناصر والمؤيد بالله وتخريجه، والإمام يحيى والفريقين ومالك وبعض الأمامية، قال ابن القيم: وهو قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة ١هـ. وذهب إليه ابن حزم فى المحلى وأطال الاحتجاج عليه. ١هـ. المراد من الروض النضير.

المذهب الثالث :

يقع فى المدخول بها ثلاثاً وبغير المدخول بها واحدة، وذكر ابن القيم أنه أخذ بالحديث الوارد فى التفرقة: اسحاق بن راهويه وخلق من السلف جعلوا الثلاث واحدة فى غير المدخول بها.

وهذا المذهب مبني على ما رواه أبو داود في سننه أن رجلاً يقال له أبو الصهباء وكان كثير السؤال لابن عباس قال: أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من إمارة عمر رضي الله تعالى عنهما فقال ابن عباس: بلى كان الرجل إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من إمارة عمر رضي الله تعالى عنهما. فلما رأى الناس قد تتابعوا فيها قال: أجيروهن عليهم.

قال ابن القيم: رأى هؤلاء أن إلزام عمر بالثلاث هو في حق المدخول بها، وحديث أبي الصهباء في غير المدخول بها قالوا ففي هذا التفريق موافقة المنقول من الجانبين وموافقة القياس. انتهى.

وقد سبقت مناقشة هذا الدليل في الجواب الثالث من الأجوبة على حديث ابن عباس وهو الدليل الأول للمذهب الثاني...

المذهب الرابع :

عدم وقوع الطلاق مطلقاً لأن إيقاع الطلاق على ذلك الوجه بدعة محرمة فهو مردود لحديث: "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد". وقد حكى هذا القول للإمام أحمد فأنكره وقال: هو قول الرافضة، كما نص عليه ابن القيم في زاد المعاد وذكر بأن القول بعدم الوقوع جملة هو مذهب الإمامية، قال: وحكوه عن جماعة من أهل البيت وذكر شيخ الإسلام ابن تيمية في رسالة الفرق بين الطلاق الحلال والحرام أن القول بعدم الوقوع محدث مبتدع، قاله بعض المعتزلة والشيعة ولا يعرف عن أحد من السلف. ١هـ.

وقال ابن رجب في كتابه جامع العلوم والحكم في شرحه لحديث: "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد". قال الإمام أحمد في رواية أبي الحارث وسئل

عن قال لا يقع الطلاق المحرم لأنه يخالف ما أمر به فقال: هذا قول سوء ردى ثم ذكر قصة ابن عمر وأنه احتسب بطلاقه في الحيض، وقال أبو عبيد: الوقوع هو الذى عليه العلماء مجمعون فى جميع الأمصار حجازهم وتهامهم، ويمنهم وشامهم، وعراقهم، ومصرهم، وحكى ابن المنذر ذلك عن كل من يحفظ قوله من أهل العلم إلا ناساً من أهل البدع لا يعتد بهم. ١هـ.

وفيما يلى كلام مجمل لابن تيمية فى المسألتين :

قال (مجموع الفتاوى ج ٣٣/ ٨١-٩٨): "الأصل الثانى" أن الطلاق المحرم الذى يسمى "طلاق البدعة" إذا أوقعه الإنسان هل يقع، أم لا؟ فيه نزاع بين السلف والخلف. والأكثرون يقولون بوقوعه مع القول بتحريمه. وقال آخرون: لا يقع مثل طاؤس، وعكرمة، وخلاس، و عمر، و محمد بن إسحاق، وحجاج بن ارطاة، وأهل الظاهر كداؤد وأصحابه. وطائفة من أصحاب أبى حنيفة ومالك وأحمد، ويروى عن أبى جعفر الباقر، وجعفر بن محمد الصادق، وغيرهما من أهل البيت، وهو قول أهل الظاهر: داؤد وأصحابه. لكن منهم من لا يقول بتحريم الثلاث. ومن أصحاب أبى حنيفة ومالك وأحمد من عرف أنه لا يقع مجموع الثلاث إذا أوقعها جميعاً، بل يقع منها واحدة.

ولم يعرف قوله فى طلاق الحائض ولكن وقوع الطلاق جميعاً قول طوائف من أهل الكلام والشيعة. ومن هؤلاء من يقول: إذا أوقع الثلاث جملة لم يقع به شىء أصلاً، لكن هذا قول مبتدع لا يعرف لقائله سلف من الصحابة والتابعين لهم بإحسان، وطوائف من أهل الكلام والشيعة، لكن ابن حزم من الظاهرية لا يقول بتحريم جمع الثلاث، فلذا يوقعها، وجمهورهم على تحريمها وأنه لا يقع إلا واحدة.

ومنهم من عرف قوله فى الثلاث ولم يعرف قوله فى الطلاق فى الحيض،

كمن ينقل عنه من أصحاب أبي حنيفة ومالك. و ابن عمر روى عنه من وجهين أنه لا يقع، وروى عنه من وجوه أخرى أشهر وأثبت أنه يقع. وروى ذلك عن زيد...

وأما "جمع الثلاث" فأقوال الصحابة فيها كثيرة مشهورة: روى الوقوع فيها عن عمر، وعثمان، وعلي، و ابن مسعود، و ابن عباس، و ابن عمر، و أبي هريرة و عمران بن الحصين وغيرهم. وروى عدم الوقوع فيها عن أبي بكر، وعن عمر صدرا من خلافته، وعلي بن أبي طالب و ابن مسعود، و ابن عباس أيضاً، وعن الزبير، و عبدالرحمن بن عوف رضى الله تعالى عنهم اجمعين.

قال أبو جعفر أحمد بن محمد بن مغيث فى كتابه الذى سماه: "المقنع فى أصول الوثائق وبيان ما فى ذلك من الدقائق": وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثاً فى كلمة واحدة، فإن فعل لزمه الطلاق... ثم اختلف أهل العلم بعد إجماعهم على أنه مطلق كم يلزمه من الطلاق؟ فقال على بن أبى طالب، و ابن مسعود رضى الله تعالى عنهما: يلزمه طلبة واحدة، وكذا قال ابن عباس رضى الله تعالى عنهما وذلك لأن قوله: "ثلاثاً" لا معنى له، لأنه لم يطلق ثلاث مرات: لأنه إذا كان مخبراً عما مضى فيقول: طلقت ثلاث مرات، يخبر عن ثلاث طلقات أتت منه فى ثلاثة أفعال كانت منه، فذلك يصح. ولو طلقها مرة واحدة فقال: طلقها ثلاث مرات لكان كاذباً.

وكذلك لو حلف بالله تعالى ثلاثاً يردد الحلف كانت ثلاثة أيمان، وأما لو حلف بالله تعالى فقال: أحلف بالله تعالى ثلاثاً لم يكن حلف إلا يميناً واحدة، والطلاق مثله. قال: ومثل ذلك قال الزبير بن العوام، وعبدالرحمن بن عوف روينى ذلك كله عن ابن وضاح يعنى الإمام محمد بن وضاح الذى يأخذ عن طبقة أحمد بن حنبل و ابن أبى شيبه ويحيى بن معين، وسحنون بن سعيد، وطبقتهم قال، وبه قال من شيوخ قرطبة ابن زنباع شيخ هدى، ومحمد بن عبدالسلام الخشنى فقيه

عصره، و ابن بقى بن مخلد، وأصبع بن الحباب، وجماعة سواهم من فقهاء قرطبة، وذكر هذا عن بضعة عشر فقيهاً من فقهاء طليطلة المتعبدین علی مذهب مالك بن أنس.

قلت: وقد ذكره التلمساني رواية عن مالك، وهو قول محمد بن مقاتل الرازي من أئمة الحنفية حكاها عن المازني وغيره، وقد ذكر هذا رواية عن مالك، وكان يفتي بذلك أحياناً الشيخ أبو البركات ابن تيمية، وهو وغيره يحتجون بالحديث الذي رواه مسلم في صحيحه وأبوداؤد وغيرهما عن طاؤس، عن ابن عباس أنه قال: كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر رضي الله تعالى عنهما طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر بن الخطاب: إن الناس قد استعجلوا أمراً كان لهم فيه أناة، فلو أمضيته عليهم، فأمضاه عليهم. وفي رواية: أن أبا الصهباء قال لابن عباس هات من هنالك ألم يكن طلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر واحدة؟ قال: قد كان ذلك، فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فأمضاه عليهم وأجازه.

والذين ردوا هذا الحديث تأولوه بتأويلات ضعيفة، وكذلك كل حديث فيه: أن النبي ﷺ ألزم الثلاث بيمين أوقعها جملة، أو أن أحداً في زمنه أوقعها جملة فالزمه بذلك: مثل حديث يروى عن علي، وآخر عن عبادة بن الصامت، وآخر عن الحسن عن ابن عمر، وغير ذلك، فكلها أحاديث ضعيفة باتفاق أهل العلم بالحديث، بل هي موضوعة، ويعرف أهل العلم بنقد الحديث أنها موضوعة، كما هو مبسوط في موضعه.

وأقوى ما ردوه به أنهم قالوا: ثبت عن ابن عباس من غير وجه أنه أفتى بلزوم الثلاث. وجواب المستدلين أن ابن عباس روى عنه من طريق عكرمة أيضاً أنه كان يجعلها واحدة، وثبت عن عكرمة عن ابن عباس ما يوافق حديث طاؤس

مرفوعاً إلى النبي ﷺ وموقوفاً على ابن عباس، ولم يثبت خلاف ذلك عن النبي ﷺ فالمرفوع "أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً، فردها عليه النبي ﷺ" قال الإمام أحمد بن حنبل في مسنده: حدثنا سعيد بن ابراهيم، حدثنا أبي: عن ابن إسحاق، حدثني داود بن الحصين، عن عكرمة مولى ابن عباس، قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو بن المطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد، فحزن عليها حزناً شديداً قال: فسأله رسول الله ﷺ: "كيف طلقته؟" قال: فقال: طلقته ثلاثاً، قال: "في مجلس واحد؟" قال: نعم قال: فإنها تلك واحدة فأرجعها إن شئت" قال: فراجعها، وكان ابن عباس يقول: إنما الطلاق عند كل طهر.

قلت وهذا الحديث قال فيه ابن اسحاق حدثني داود، وداود من شيوخ مالك ورجال البخاري، وابن اسحاق إذا قال: حدثني، فهو ثقة عند أهل الحديث، وهذا إسناد جيد، وله شاهد من وجه آخر رواه أبو داود في السنن، ولم يذكر أبو داود هذا الطريق الجيد، فلذلك ظن أن تطليقة واحدة بائناً أصح، وليس الأمر كما قاله، بل الإمام أحمد رجح هذه الرواية على تلك وهو كما قال أحمد. وقد بسطنا الكلام على ذلك في موضع آخر.

وهذا المروى عن ابن عباس في حديث ركانة من وجهين، وهو رواية عكرمة عن ابن عباس من وجهين عن عكرمة، وهو أثبت من رواية عبد الله بن علي بن يزيد بن ركانة، ونافع بن عجير: أنه طلقها البتة، و"أن النبي ﷺ استحلفه، فقال: "ما أردت إلا واحدة؟" فإن هؤلاء مجاهيل لا تعرف أحوالهم، وليسوا فقهاء، وقد ضعف حديثهم أحمد بن حنبل وأبو عبيد وابن حزم وغيرهم. وقال أحمد بن حنبل: حديث ركانة في البتة ليس بشيء. وقال أيضاً: حديث ركانة لا يثبت أنه طلق امرأته البتة لأن ابن اسحاق يرويه عن داود بن الحصين، عن عكرمة، عن ابن عباس "أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً" وأهل المدينة يسمون "ثلاثاً" البتة. فقد

استدل أحمد على بطلان حديث البتة بهذا الحديث الآخر الذي فيه أنه طلقها ثلاثاً، وبين أن أهل المدينة يسمون من طلق ثلاثاً طلق البتة، وهذا يدل على ثبوت الحديث عنده، وقد بينه غيره من الحفاظ هذا الإسناد وهو قول ابن إسحاق: حدثني داؤد بن الحصين، عن عكرمة، عن ابن عباس: هو إسناد ثابت عن أحمد وغيره من العلماء.

وبهذا الإسناد روى: أن النبي ﷺ "رد ابنته زينب على زوجها بالنكاح الأول" وصح ذلك أحمد وغيره من العلماء و ابن إسحاق إذا قال: حدثني. فحديثه صحيح عند أهل الحديث إنما يخاف عليه التدليس إذا عنعن، وقد روى أبو داؤد في سننه هذا عن ابن عباس من وجه آخر، وكلاهما يوافق حديث طاؤس عنه، وأحمد كان يعارض حديث طاؤس بحديث فاطمة بنت قيس أن زوجها طلقها ثلاثاً، ونحوه.

وكان أحمد يرى جمع الثلاث جائزاً، ثم رجع أحمد عن ذلك، وقال: تدبرت القرآن فوجدت الطلاق الذي فيه هو الرجعي. أو كما قال. واستقر مذهبه على ذلك، وعليه جمهور أصحابه، وتبين من حديث فاطمة أنها كانت مطلقة ثلاثاً متفرقات، لا مجموعة، وقد ثبت عنده حديثان عن النبي ﷺ: أن من جمع ثلاثاً لم يلزمه إلا واحدة. وليس عن النبي ﷺ ما يخالف ذلك، بل القرآن يوافق ذلك، والنهي عنده يقتضي الفساد. فهذه النصوص والأصول الثابتة عنه تقتضي من مذهبه أنه لا يلزمه إلا واحدة، وعدوله عن القول بحديث ركانة وغيره كان أولاً لما عارض ذلك عنده من جواز جمع الثلاث، فكان ذلك يدل على النسخ، ثم إنه رجع عن المعارضة، وتبين له فساد هذا المعارض، وأن جمع الثلاث لا يجوز: فوجب على أصله العمل بالنصوص السالمة عن المعارض، وليس يعل حديث طاؤس بفتيا ابن عباس بخلافه، وهذا علمه في إحدى الروايتين عنه، ولكن ظاهر

ملهمه الذى عليه أصحابه أن ذلك لا يقدح فى العمل بالحديث، لا سيما وقد بين ابن عباس عذر عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه. فى الإلزام بالثلاث. وابن عباس عذره هو العذر الذى ذكره عن عمر رضى الله تعالى عنه، وهو أن الناس لما تتابعوا فيما حرم الله تعالى عليهم استحقوا العقوبة على ذلك فعوقبوا بلزومه، بخلاف ما كانوا عليه قبل ذلك، فإنهم لم يكونوا مكثرين من فعل المحرم.

وهذا كما أنهم لما أكثروا شرب الخمر واستخفوا بحدها كان عمر يضرب فيها ثمانين، وينفى فيها، ويحلق الرأس، ولم يكن ذلك على عهد النبى ﷺ وكما قاتل على بعض أهل القبلة ولم يكن ذلك على عهد النبى ﷺ والتفريق بين الزوجين هو مما كانوا يعاقبون به أحياناً: إما مع بقاء النكاح، وإما بدون. فالنبى ﷺ فرق بين الثلاثة الذين خلفوا وبين نسائهم حتى تاب الله عليهم من غير طلاق، والمطلق ثلاثاً حرمت عليه امرأته حتى تنكح زوجاً غيره عقوبة له ليمنع عن الطلاق.

وعمر بن الخطاب ومن وافقه كما لك و أحمد فى إحدى الروايتين حرموا المنكوحة فى العدة على النكاح أبداً، لأنه استعجل ما أحله الله فعوقب بنقيض قصده، والحكمان لهما عند أكثر السلف أن يفرقا بينهما بلا عوض إذا رآيا الزوج ظالماً معتدياً، لما فى ذلك من منعه من الظلم ودفع الضرر عن الزوجة ودل على ذلك الكتاب والسنة والآثار، وهو قول مالك وأحد القولين فى مذهب الشافعى وأحمد، والإزام عمر بالثلاث لما أكثروا منه: إما أن يكون رآه عقوبة تستعمل وقت الحاجة، وإما يكون رآه شرعاً لازماً، لاعتقاده أن الرخصة كانت لما كان المسلمون لا يوقعونه إلا قليلاً.

وهكذا كما اختلف كلام الناس فى نهيه عن المتعة: هل كان نهى اختيار، لأن أفراد الحج بسفرة والعمرة بسفرة كان أفضل من التمتع، أو كان قد نهى عن

الفسخ، لا اعتقاده أنه كان مخصوصاً بالصحابة؟ وعلى التقديرين فالصحابة قد نازعوه في ذلك، وخالفه كثير من أئمتهم من أهل الشورى وغيرهم: في المتعة وفي الإلزام بالثلاث. وإذا تنازعوا في شيء وجب رد ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول. كما أن عمر كان يرى أن المبتوتة لا نفقة لها ولا سكنى، ونازعه في ذلك كثير من الصحابة، وأكثر العلماء على قولهم. وكان هو و ابن مسعود يريان أن الجنب لا يتيمم، وخالفهما عمار و أبو موسى و ابن عباس وغيرهم من الصحابة، وأطبق العلماء على قول هؤلاء، لما كان معهم الكتاب والسنة. والكلام على هذا كثير مبسوط في موضع آخر. والمقصود هنا التنبيه على ما أخذ الناس به.

والذين لا يرون الطلاق المحرم لازماً يقولون: هذا هو الأصل الذي عليه أئمة الفقهاء: كمالك، والشافعي وأحمد، وغيرهم، وهو: أن إيقاعات العقود المحرمة لا تقع لازمة: كالبيع المحرم، والنكاح المحرم، والكتابة المحرمة، ولهذا أبطلوا نكاح الشغار، ونكاح المحلل، وأبطل مالك وأحمد البيع يوم الجمعة عند النداء، وهذا بخلاف الظهار المحرم، فإن ذلك نفسه محرم، كما يحرم القذف وشهادة الزور، واليمين الغموس، وسائر الأقوال التي هي في نفسها محرمة: فهذا لا يمكن أن ينقسم إلى صحيح وغير صحيح، بل صاحبها يستحق العقوبة بكل حال، فعوقب المظاهر بالكفارة، ولم يحصل ما قصده به من الطلاق، فإنهم كانوا يقصدون به الطلاق وهو موجب لفظه، فأبطل الشارع ذلك، لأنه قول محرم، وأوجب فيه الكفارة.

وأما الطلاق فجنسه مشروع: كالنكاح والبيع، فهو يحل تارة، ويحرم تارة فينقسم إلى صحيح وفساد، كما ينقسم البيع والنكاح. والنهي في هذا الجنس يقتضى فساد المنهى عنه، ولما كان أهل الجاهلية يطلقون بالظهار فأبطل الشارع ذلك، لأنه قول محرم: كان مقتضى ذلك أن كل قول محرم لا يقع

به الطلاق، وإلا فهم كانوا يقصدون الطلاق بلفظ الظهار، كلفظ الحرام، وهذا قياس أصل الأئمة مالك، والشافعي وأحمد.

ولكن الذين خالفوا قياس أصولهم في الطلاق خالفوه لما بلغهم من الآثار. فلما ثبت عندهم عن ابن عمر أنه اعتد بتلك التطليقة التي طلق امرأته وهي حائض قالوا: هم أعلم بقصته، فاتبعوه في ذلك. ومن نازعهم يقول: ما زال ابن عمر وغيره يروون أحاديث ولا تأخذ العلماء بما فهموه منها، فإن الاعتبار بما رواه، لا بما رأوه وفهموه. وقد ترك جمهور العلماء قول ابن عمر الذي فسر به قوله: "فاقدروا له" وترك مالك و أبو حنيفة وغيرهما تفسيره لحديث "البيعين بالخيار" مع أن قوله هو ظاهر الحديث. وترك جمهور العلماء تفسيره لقوله تعالى: (فأتوا حرثكم أنى شئتم... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٣) وقوله نزلت هذه الآية في كذا. وكذلك إذا خالف الراوى ما رواه، كما ترك الأئمة الأربعة وغيرهم قول ابن عباس: أن بيع الأمة طلاقها، مع أنه روى حديث بريرة وأن النبي ﷺ خيرها بعد أن بيعت وعتقت، فإن الاعتبار بما رواه، لا ما رأوه وفهموه.

ولما ثبت عندهم عن أئمة الصحابة أنهم ألزموا بالثلاث المجموعة قالوا: لا يلزمون بذلك إلا وذلك مقتضى الشرع، واعتقد طائفة لزوم هذا الطلاق وأن ذلك إجماع، لكونهم لم يعطوا خلافاً ثابتاً، لا سيما وصار القول بذلك معروفاً عن الشيعة الذين لم ينفردوا عن أهل السنة بحق.

قال المستدلون: هؤلاء الذين هم بعض الشيعة وطائفة من أهل الكلام يقولون جامع الثلاث لا يقع به شيء، هذا القول لا يعرف عن أحد من السلف، بل قد تقدم الإجماع على بعضه وإنما الكلام هل يلزمه واحدة؟ أو يقع ثلاث؟ والنزاع بين السلف في ذلك ثابت لا يمكن رفعه، وليس مع من جعل ذلك شرعاً لازماً للأمة حجة يجب اتباعها: من كتاب، ولا سنة، ولا إجماع، وإن كان بعضهم

قد احتج على هذا بالكتاب، وبعضهم بالسنة، وبعضهم بالإجماع، وقد احتج بعضهم بحجتين أو أكثر من ذلك، لكن المنازع يبين أن هذه كلها حجج ضعيفة، وأن الكتاب والسنة والاعتبار إنما تدل على نفي اللزوم، وتبين أنه لا إجماع في المسألة، بل الآثار الثابتة عمن ألزم بالثلاث مجموعة عن الصحابة تدل على أنهم لم يكونوا يجعلون ذلك مما شرعه النبي ﷺ لامتة شرعاً لازماً، كما شرع تحريم المرأة بعد الطلقة الثالثة، بل كانوا مجتهدين في العقوبة بالزام ذلك إذا كثرت ولم ينته الناس عنه..

وقد ذكرت أن الألفاظ المنقولة عن الصحابة تدل على أنهم ألزموا بالثلاث لمن عصى الله تعالى بإيقاعها جملة، فأما من كان يتقى الله فإن الله يقول: (ومن يتق الله يعجل له مخرجاً. ويرزقه من حيث لا يحتسب... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢-٣) فمن لا يعلم التحريم حتى أوقعها، ثم لما علم التحريم تاب والتزم أن لا يعود إلى المحرم فهذا لا يستحق أن يعاقب، وليس في الأدلة الشرعية: الكتاب، والسنة، والإجماع، والقياس، ما يوجب لزوم الثلاث له، ونكاحه ثابت بيقين، وامراته محرمة على الغير بيقين، وفي التزامه بالثلاث إباحتها للغير مع تحريمها عليه وذريعة إلى نكاح التحليل الذي حرمه الله ورسوله.

و "نكاح التحليل" لم يكن ظاهراً على عهد النبي ﷺ وخلفائه، ولم ينقل قط أن امرأة أعيدت بعد الطلقة الثالثة على عهدهم إلى زوجها بنكاح تحليل، بل: "لعن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم المحلل والمحلل له": و "لعن آكل الربا، وموكله، وشاهديه وكاتبه" ولم يذكر في التحليل الشهود ولا الزوجة ولا الولي، لأن التحليل الذي كان يفعل كان مكتوماً بقصد المحلل، أو يتواطأ عليه هو والمطلق المحلل له. والمرأة ووليها لا يعلمون قصده ولو علموا لم يرضوا أن

يزوجوه، فإنه من أعظم المستقبحات والمنكرات عند الناس، ولأن عاداتهم لم تكن بكتابة الصداق في كتاب، ولا إشهاد عليه، بل كانوا يتزوجون ويعلنون النكاح، ولا يلتزمون أن يشهدوا عليه شاهدين وقت العقد، كما هو مذهب ملك وأحمد في إحدى الروايتين عنه وليس عن النبي ﷺ في الإشهاد على النكاح حديث صحيح. هكذا قال أحمد بن حنبل وغيره.

فلما لم يكن على عهد عمر رضى الله تعالى عنه تحليل ظاهر، ورأى في إنفاذ الثلاث زجراً لهم عن المحرم: فعل ذلك باجتهاده - أما إذا كان الفاعل لا يستحق العقوبة، وإنفاذ الثلاث يفضى إلى وقوع التحليل المحرم بالنص وإجماع الصحابة، والاعتقاد وغير ذلك من المفاسد، لم يجز أن يزال مفسدة حقيقية بمفاسد أغلظ منها، بل جعل الثلاث واحدة في مثل هذا الحال كما كان على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر أولى، ولهذا كان طائفة من العلماء مثل أبى البركات يفتون بلزوم الثلاث في حال دون حال، كما نقل عن الصحابة. وهذا: إما لكونهم رأوه من "باب التعزير" الذى يجوز فعله بحسب الحاجة، كالزيادة على أربعين فى الخمر والنفى فيه، وحلق الرأس. وإما لاختلاف اجتهادهم: فأروه تارة لازماً وتارة غير لازم.

وبالجملة فما شرعه النبي ﷺ لأُمَّته "شرعاً لازماً" إنما لا يمكن تغييره لأنه لا يمكن نسخ بعد رسول الله ﷺ ولا يجوز أن يظن بأحد من علماء المسلمين أن يقصد هذا، لا سيما الصحابة، لا سيما الخلفاء الراشدون، وإنما يظن ذلك فى الصحابة أهل الجهل والضلال: كالرافضة والخوارج الذين يكفرون بعض الخلفاء أو يفسقونه، ولو قدر أن أحداً فعل ذلك لم يقره المسلمون على ذلك. فإن هذا إقرار على أعظم المنكرات والأمة معصومة أن تجتمع على مثل ذلك، وقد نقل عن طائفة: كعيسى ابن أبان وغيره من أهل الكلام والرأى من

المعتزلة وأصحاب أبي حنيفة ومالك: أن الاجماع ينسخ به نصوص الكتاب والسنة.

وكنا نتأول كلام هؤلاء على أن مرادهم أن الاجماع يدل على نص ناسخ، فوجدنا من ذكر عنهم أنهم يجعلون الاجماع نفسه ناسخاً، فإن كانوا أرادوا ذلك فهذا قول يجوز تبديل المسلمين دينهم بعد نبيلهم، كما تقول النصارى من: أن المسيح سوغ لعلمائهم أن يحرموا ما رأوا تحريمه مصلحة، ويحلوا ما رأوا تحليله مصلحة، وليس هذا دين المسلمين ولا كان الصحابة يسوغون ذلك لأنفسهم. ومن اعتقد في الصحابة أنهم كانوا يستحلون ذلك فإنه يستتاب كما يستتاب أمثاله، ولكن يجوز أن يجتهد الحاكم والمفتي فيصيب فيكون له أجران، ويخطى فيكون له أجر واحد.

وما شرعه النبي ﷺ "شرعاً معلقاً بسبب" إنما يكون مشروعاً عند وجود السبب: كإعطاء المؤلف قلوبهم، فإنه ثابت بالكتاب والسنة، وبعض الناس ظن أن هذا نسخ، لما روى عن عمر: أنه ذكر أن الله أغنى عن التألف، فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر، وهذا الظن غلط، ولكن عمر استغنى في زمنه عن إعطاء المؤلف قلوبهم، فترك ذلك لعدم الحاجة إليه، لا لنسخه، كما لو فرض أنه عدم في بعض الأوقات ابن السبيل، والغارم ونحو ذلك.

و "متعة الحج" قد روى عن عمر أنه نهى عنها، وكان ابنه عبد الله بن عمر وغيره يقولون: لم يحرمها، وإنما قصد أن يأمر الناس بالأفضل، وهو أن يعتمر أحدهم من دويرة أهله في غير أشهر الحج، فإن هذه العمرة أفضل من عمرة المتمتع والقارن باتفاق الأئمة، حتى أن مذهب أبي حنيفة وأحمد منصوص عنه: أنه إذا اعتمر في غير أشهر الحج وأفرد الحج في أشهره: فهذا أفضل من مجرد التمتع والقرآن، مع قولهما بأنه أفضل من الأفراد المجرد... ومن الناس من قال:

إن عمر أراد فسخ الحج إلى العمرة. قالوا: إن هذا محرم به لا يجوز، وأن ما أمره به النبي ﷺ أصحابه من الفسخ كان خاصاً بهم، وهذا قول كثير من الفقهاء: كأبي حنيفة، ومالك، والشافعي، وآخرون، من السلف والخلف قبلوا هذا، وقالوا بل الفسخ واجب، ولا يجوز أن يحج أحد إلا متمتعاً: مبتدئاً، أو فاسخاً، كما أمر النبي ﷺ أصحابه في حجة الوداع، وهذا قول ابن عباس وأصحابه ومن اتبعه من أهل الظاهر والشيعة. و"القول الثالث": أن الفسخ جائز وهو أفضل. ويجوز أن لا يفسخ، وهو قول كثير من السلف والخلف: كأحمد بن حنبل وغيره من فقهاء الحديث، ولا يمكن لانس أن يحج حجة مجمعة عليها إلا أن يحج متمتعاً ابتداءً من غير فسخ.

فأما حج المفرد والقارن: ففيه نزاع معروف بين السلف والخلف كما تنازعوا في جواز الصوم في السفر، وجواز الإتمام في السفر، ولم يتنازعوا في جواز الصوم والقصر في الجملة.

وعمر لما نهى عن المتعة خالفه غيره من الصحابة كعمران بن حصين، وعلى بن أبي طالب، وعبد الله ابن عباس، وغيرهم، بخلاف نهيه عن متعة النساء، فإن علياً وسائر الصحابة وافقوه على ذلك، وأنكر على ابن عباس إباحة المتعة. قال: إنك امرؤ تائه، إن رسول الله ﷺ حرم متعة النساء، وحرم لحوم الحمر الأهلية عام خبير، فأنكر على بن أبي طالب على ابن عباس إباحة الحمر، وإباحة متعة النساء، لأن ابن عباس، كان يبيح هذا وهذا. فأنكر عليه على ذلك. وذكر له: أن رسول الله ﷺ حرم المتعة، وحرم الحمر الأهلية: "ويوم خبير كان تحريم الحمر الأهلية... وأما تحريم المتعة، فإنه عام فتح مكة، كما ثبت ذلك في الصحيح، وظن بعض الناس أنها حرمت، ثم أبيحت، ثم حرمت فظن بعضهم أن ذلك ثلاثاً. وليس الأمر كذلك.

فقول عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه: إن الناس قد استعجلوا فى أمر كانت لهم فيه أناة " فلو أنفذناه عليهم فأنفذه عليهم: هو بيان أن الناس احدثوا ما استحقوا عنده أن ينفذ عليهم الثلاث. فهذا إما أن يكون كالنهي عن متعة الفسخ، لكون ذلك كان مخصوصاً بالصحابة وهو باطل، فإن هذا كان على عهد أبى بكر رضى الله تعالى عنه ولأنه لم يذكر ما يوجب اختصاص الصحابة بذلك، وبهذا أيضاً تبطل دعوى من ظن ذلك منسوخاً كنسخ متعة النساء، وإن قدر أن عمر رأى ذلك لازماً فهو اجتهاد منه اجتهد في المنع من فسخ الحج لظنه أن ذلك كان خاصاً.

وهذا قول مرجوح قد أنكره غير واحد من الصحابة، والحجة الثابتة هي مع من أنكره. وهكذا الإلزام بالثلاث. من جعل قول عمر فيه شرعاً لازماً قيل له: فهذا اجتهداه قد نازعه فيه غيره من الصحابة، وإذا تنازعوا فى شيء وجب رد ما تنازعوا فيه إلى الله والرسول، والحجة مع من أنكر هذا القول المرجوح.

وإما أن يكون عمر جعل هذا عقوبة تفعل عند الحاجة، وهذا أشبه الأمرين بعمر، ثم العقوبة بذلك يدخلها الاجتهاد من "وجهين" من جهة أن العقوبة بذلك: هل تشرع؟ أم لا؟ فقد يرى الإمام أن يعاقب بنوع لا يرى العقوبة به غيره، كتحريق على الزنادقة بالنار، وقد أنكره عليه ابن عباس، وجمهور الفقهاء مع ابن عباس. ومن جهة أن العقوبة إنما تكون لمن يستحقها فمن كان من "المتقين" استحق أن يجعل الله له فرجاً ومخرجاً، لم يستحق العقوبة، ومن لم يعلم أن جمع الثلاث محرم، فلما علم أن ذلك محرم تاب من ذلك اليوم أن لا يطلق إلا طلاقاً سنياً فإنه من "المتقين". فمثل هذا لا يتوجه إلزامه بالثلاث مجموعة بل يلزم بواحدة منها وهذه المسائل عظيمة وقد بسطنا الكلام عليها فى موضع آخر من مجلدين وإنما نبهنا عليها هنا تنبيهاً لطيفاً.

والذى يحمل عليه أقوال الصحابة أحد أمرين: إما أنهم رأوا ذلك من باب التعزير الذى يجوز فعله بحسب العادة: كالزيادة على أربعين فى الخمر. وإما لاختلاف اجتهادهم فأروه لازماً، وتارة غير لازم، وإما القول بكون لزوم الثلاث شرعاً لازماً، كسائر الشرائع: فهذا لا يقوم فيه دليل شرعى. وعلى هذا القول الراجح لهذا الموقع أن يلتزم طلبة واحدة ويراجع امرأته، ولا يلزمه شيء لكونها كانت حائضاً، إذا كان ممن اتقى وتاب من البدعة.

الخلاصة

اتفق الفقهاء على أن طلاق السنة بالنسبة لعدد الطلاق، أن يطلق الرجل زوجته طليقة واحدة مدخولاً بها أم غير مدخول بها، ثم له أن يمسك المدخول بها فيراجعها ما دامت فى العدة وله أن يتركها، فلا يراجعها حتى تنقضى عدتها فتبين منه وهذا هو التسريح لها بإحسان، واتفقوا أيضاً على أنه إذا عاد إلى مطلقة برجة أو عقد ثم طلقها طليقة واحدة فطلاقه طلاق سنة، ولو فعل مثل هذا مرة ثالثة كان طلاقه طلاق سنة باتفاق.

واختلفوا فيما لو طلق امرأته ثلاثاً بأن قال لها: أنت طالق ثلاثاً مثلاً هل هو طلاق بدعة أو لا؟ واختلفوا أيضاً فيما لو طلق المدخول بها طليقة ثم أتبعها أخرى فى نفس الطهر أو الطهر الثانى أو الثالث قبل أن يراجعها، هل هو طلاق بدعة أو لا؟ ومحل البحث ما لو قال لها فى لفظ واحد: أنت طالق ثلاثاً مثلاً، هل هو بدعة ممنوعة أو لا؟ وهل يعتد به أو لا؟ فهاتان مسألتان فى كل منهما خلاف بين العلماء، وفيما يلى خلاصة القول فيهما:

المسألة الأولى :

في حكم الإقدام على جمع الثلاث بكلمة واحدة "وفيه قولان".

١- القول الأول : أنه بدعة ممنوعة، وهو قول الحنفية والمالكية وإحدى الروايتين عن أحمد وقول ابن تيمية و ابن القيم، وقد استدلوا لذلك بأدلة من الكتاب والسنة والإجماع والمعنى والقياس.

أما القرآن :

فمنه قوله تعالى: (فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) إلى قوله: فإذا بلغن أجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف (الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) قيل المراد الأمر بتفريق الطلقات الثلاث على أطهار العدة الثلاثة، والأمر بالتفريق نهى عن الجمع نهى تحريم أو نهى كراهة، فكان جمع الثلاث في طهر واحد بدعة ممنوعة (ص من البحث).

وذكر ابن تيمية أن الله لم يبح في هذه الآية إلا الطلاق الرجعي لقوله تعالى: (لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) والأمر هو الندم على الطلاق، والرغبة في الرجعة، ولقوله تعالى: (فإذا بلغن أجلهن فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) فخير سبحانه بين الرجعة قبل انقضاء العدة دون مضارة للزوجة وبين تركها حتى تنقضى عدتها فتبين منه، وأنه سبحانه لم يبح فيها إلا الطلاق للعدة، فأرداف الطلاق للطلاق في العدة ولو في طهر آخر ممنوع لقوله تعالى (فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) إذا المعنى الأمر بطلاقهن مستقبلات عدتهن، ومن طلق زوجته الطلقة الثانية في طهرها الثاني، والثالثة في طهرها الثالث بنت مطلقته على ما مضى من عدتها ولم تستأنف العدة للثاني وللثالث، فلم يكن طلاقاً للعدة، فكان غير مشروع (ص من البحث).

ومنه قوله تعالى: (الطلاق مرتان ... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) ووجه الاستدلال أن هذه الجملة خبرية لفظاً طلبية معنى، لتلا يلزم الخلف في خبره تعالى، ولهذا نظائر في الكتاب والسنة ولغة العرب، فالمعنى إذا عزمتم الطلاق فطلقوا مرة بعد مرة، إذ لا يقال لمن دفع درهمين لإنسان دفعة أنه أعطاه مرتين إلى غير هذا من النظائر، والأمر بالتفريق نهى عن الجمع فكان ممنوعاً (ص من البحث).

فإن قيل: إذا كان كل الطلاق في دفعتين كان الواقع منه في دفعة طلقتين، وفي الأخرى طلقة، فكان الجمع بين طلقتين مشروعاً، وإذا يكون الجمع بين الثلاث مشروعاً، إذ لا فرق.

فالجواب أن الآية أمرت بتفريق الطلقتين من الثلاث لا بتفريق الثلاث بدليل ما ذكر بعد من مشروعية الرجعة (ص من البحث). وفي معناه ما قيل: من أن المراد أوقعوا الطلاق الرجعي المذكور في قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) مرة بعد مرة، ومن طلق ثلاثاً أو طلقتين دفعة لم يفعل ما أمر به فكان مبتدعاً في طلاقه، كما أن من قال: سبحان الله ثلاثاً وثلاثين والحمد لله ثلاثاً وثلاثين والله أكبر ثلاثاً وثلاثين عقب المكتوبات مكتفياً بذكر اسم العدد عن تكرار كل من التسبيح والتحميد والتكبير ثلاثاً وثلاثين مرة لم يكن آتياً بما أمر به كما أمر، فكان مبتدعاً.

وقيل في وجه الاستدلال بالآية: إن المراد الإخبار عن صفة الطلاق الشرعي، والألف واللام في الطلاق للحصر فيقتضى ذلك المنع من الطلاق على غير هذه الصفة، لكونه بدعة مخالفة للشرع.

فإن قيل: المراد الإخبار عن أن الطلاق الرجعي طلقتان، وما زاد فليس برجعي، يدل عليه قوله بعد ذلك (فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية

الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) أوجب بأنه لو كان المراد ما ذكرتم لقال: الطلاق طلقان، سواء أوقعهما الزوج مجتمعين أم مفترقين، فلما قال: مرتان اقتضى إيقاعه مفترقاً، وثبت أن المراد الإخبار عن صيغة إيقاعه.

فإن قيل: لفظ التكرار إذا علق باسم أريد به تضعيف العدد دفعة دون تكرار الفعل كما في قوله تعالى: (نؤتها أجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) ونحوها، فإن المراد تضعيف العدد لا تفريق الأجر. أوجب بأن المراد نؤتها أجرها مرة بعد مرة كما روى عن بعض السلف، وعلى تقدير أن المراد في الآية تضعيف العدد دفعة يقال: إن الأصل فيما ذكر تكرار الفعل، إلا إذا دل دليل على إرادة تضعيف العدد فيعدل إليه استثناء، كما في آية (نؤتها أجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) وما عداه يبقى على الأصل، على أنه لو أريد بقوله تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) تضعيف العدد دفعة، لمنع الزوج من إيقاع طلبة مفردة، وهذا باطل بإجماع (ص من البحث)

وأوجب أيضاً بأن الفرق معلوم بين ما يكون مرتين في الزمان، فلا يتصور فيه الجمع كآية الطلاق، وبين ما يكون مثلين وجزأين ومرتين في المضاعفة فيتصور فيه الجمع كما في آية (نؤتها أجرها مرتين... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٣١) وآية (سنعذبهم مرتين... الآية الكريمة من سورة التوبة: ١٠١) ونحوهما.

ومنه قوله تعالى: (وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٢)، وهذا إنما يكون فيما دون الثلاث، وهو يعم كل طلاق، لوقوعه في حيز الشرط، فعلم أن جمع الثلاث غير مشروع (ص من البحث)

ومن السنة حديث "تزوجوا ولا تطلقوا" الخ. قيل نهى عن الطلاق لأمر ملازم له لا لعينه، لأنه بقي معتبراً شرعاً في حق الحكم بعد النهي، والمراد والله أعلم الجمع بين طلقتين أو أكثر في طهر والطلاق في الحيض، ولكن هذا الحديث ضعيف فلا يشتغل بمناقشته (ص من البحث، ذكره السيوطي في الجامع الصغير وضعفه)

ومنها ما روى مخرمة بن بكير عن أبيه: قال سمعت محمود بن لبيد قال أخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً، فقال: "فعلته لاعباً" ثم قال: "تلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم" حتى قام رجل، فقال يا رسول الله ألا أقتله؟ واسناده على شرط مسلم، ودلالة متنه على المنع ظاهرة. واعترض عليه أولاً: بأن مخرمة لم يسمع من أبيه وإنما هو كتاب، وعورض ذلك بقول من قال سمع من أبيه، ومعه زيادة علم وإثبات فيقدم، وعلى تقدير أنه لم يسمع من أبيه، وإنما رواه من كتابه وكان كتاب أبيه عنده محفوظاً مضبوطاً، فقد انعقد الإجماع على قبول الكتاب والعمل به إذا صح عند رواية أنه من كتاب شيخه، بل الرواية من الكتاب المصون أوثق، فإن الحفظ يخون والنسخة الثابتة المحفوظة لا تخون، وقد أطال ابن القيم الكلام على توثيق مخرمة واعتبار الرواية من الكتاب وصحة الاحتجاج بها (ص - من البحث)

واعترض ثانياً بأن محمود بن لبيد وإن كان صحابياً إلا أنه لم يثبت له سماع من النبي ﷺ فروايته عنه مرسلة، وأجيب بأن مرسل الصحابي مقبول، فصح الاحتجاج بالحديث.

ومنها حديث عبادة بن الصامت: أن قوماً جاءوا إلى النبي ﷺ فقالوا: إن أبانا طلق امرأته ألفاً فقال: "بانت إمرأته بثلاث في معصية لله وبقي تسعمائة وسبعة وتسعون وزراً في عنقه إلى يوم القيامة" وأجيب بأن في سنده رجالاً

مجهولين وضعفاء، فلا يصلح للاحتجاج به (ص من البحث)

ومنها حديث على قال: سمع النبي ﷺ رجلاً طلق البتة فغضب، وقال "اتخذون آيات الله هزواً أو دين الله هزواً أو لعباً، من طلق البتة الزمناه ثلاثاً لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره" فدل غضبه على المنع من جمع الثلاث بلفظ صريح أو كناية، وأجاب الدارقطني بأن في سنده اسماعيل بن أمية القرشي، وهو ضعيف، وقال ابن القيم في سنده مجاهيل وضعفاء، فلا يصح الاحتجاج به.

ومنها أن ابن عمر لما طلق امرأته في الحيض وأمره النبي ﷺ بمراجعتها قال: أرأيت لو طلقته ثلاثاً أكانت تحل لي، قال: "لا، بانت منك، وهي معصية" وأجيب بأن في سنده شعيب ابن رزيق وقد تكلموا فيه، وتفرد في هذا الحديث عن الثقات بزيادة قوله: أرأيت لو طلقته ثلاثاً. الخ... فلم يأت أحد منهم في روايته لهذا الحديث بما أتى به، ولذا لم يرو حديثه هذا أحد من أصحاب الصحاح ولا السنن (ص - من البحث)

وأما الاجماع فقد أندر عمر من يأتيه وقد طلق امرأته ثلاث تطليقات مجموعة بأن يوجعه ضرباً، وحكم كثير من الصحابة بأن من يطلق ثلاثاً مجموعة أو أكثر فقد عصى ربه واستنكروا ذلك من فاعله وجعلوه متعدياً لحدود الله، وانتشر ذلك عنهم دون نكير، فكان إجماعاً على المنع من جمع ثلاث طلاقات فأكثر دفعة.

وأما المعنى فمن وجهين: الأول أن النكاح عقد مصلحة، والطلاق إبطال له، فكان مفسدة، والله لا يحب الفساد.

الثاني: أن النكاح عقد مسنون بل واجب، وفي الطلاق قطع للسنة أو تفويت للواجب، فكان الأصل فيه الحظر أو الكراهة، إلا أنه رخص فيه للدواعي الطارئة كتوقع مفسدة من استمرار النكاح أشد من مفسدة الطلاق. فيرتكب

أخف المفسدتين تفادياً لأشدهما (ص - من البحث) لكن يقتصر من ذلك على طلقة واحدة، إذ بها تندفع المفسدة، وما زاد عليها فيبقى على الأصل، وهو المنع ويشهد لكون الأصل في الطلاق الحظر حديث: "أيما امرأة سألت زوجها الطلاق من غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة".

رواه أحمد وأبو داود والترمذي وحسنه. وأما القياس فلأن التطليق ثلاثاً دفعة فيه تحريم البضع من غير حاجة فأشبهه الظهار، فكان ممنوعاً، ولأن فيه ضرراً وإضراراً بنفسه وبامراته، فأشبهه الطلاق في الحيض فكان ممنوعاً.

القول الثاني : أن جمع الطلاق الثلاث في كلمة ليس بمحرم ولا بدعة، وبه قال الشافعي وأبو ثور وأحمد في إحدى الروايتين عنه، وجماعة من أهل الظاهر، واستدلوا لذلك بالكتاب والسنة والآثار والمعنى.

أما الكتاب فقوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠). وقوله تعالى: (إذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها... الآية الكريمة من سورة الأحزاب: ٤٩) وقوله تعالى: (وللمطلقات متاع بالمعروف... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٤١) فهذه تعم إباحة الثلاث والاثنتين فإنه تعالى لم يخص مطلقة طلقة واحدة من مطلقة ثلاثاً، فليس لأحد أن يخصها إلا بدليل. ويمكن أن يقال: إن المقصود في الجمل الشرطية الحكم بما تضمنه الجواب على تقدير تحقق فعل الشرط، بقطع النظر عن كون فعل الشرط مطلوب الحصول أو مباحاً أو ممنوعاً، وعلى هذا يكون القصد من آية (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣٠) الحكم بتحريم الزوجة على زوجها الذي طلقها المرة الثالثة حتى تنكح زوجاً غيره، وقد يكون طلاقها المرة الثالثة مأذوناً فيه كما لو طلقها في طهر

لم يمسه فيها طلقة، وقد يكون محرماً كما لو طلقها المرة الثالثة في حيض مثلاً، ويكون القصد من آية (إذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن فما لكم عليهن من عدة تعتدونها... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٤١) عدم وجوب العدة على تقدير حصول الطلاق قبل الدخول، أما كون طلاقها مباحاً أو محرماً فيفهم من أمر آخر، وأما آية (وللمطلقات متاع بالمعروف حقاً على المتقين... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٤١) فالقصد منها إثبات المتعة للمطلقة، وجوباً أو ندباً، لا بيان حكم الطلاق، فقد يكون محرماً وتثبت لها المتعة وقد يكون مباحاً كما تقدم.

وبهذا يتبين أن الآيات الثلاث ليست أدلة في محل النزاع.

وأما السنة فمنها حديث فاطمة بنت قيس، وفيه أن زوجها طلقها ثلاثاً أو طلقها البتة وهو غائب وبعث إليها وكيلة بشعر نفقة لها، فسخطته، فقال: والله ما لك علينا من شيء، فذكرت ذلك للنبي ﷺ فقال "ليس لك عليه نفقة". فلم يعب ﷺ الثلاث مع الإجمال فيما بلغه من خبر الطلاق ولم يستفسر عن كفيته، ولفظ البتة هنا مراد به الثلاث، وإلا لم تسقط نفقتها ولا سكتها. وأجيب برواية الزهري هذا الخبر عن أبي سلمة وفيه ذكرت أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات وبرواية الزهري أيضاً عن عبيد الله بن عبد الله بن مسعود أن زوجها أرسل إليها بتطليقة كانت بقيت لها من طلاقها، فذكر الخبر وفيه أن مروان أرسل إليها قبيصة بن ذؤيب فحدثته وذكر باقي الخبر، فكان هذا تفسيراً لما في الثلاث أو البتة من الإجمال، وأن ذلك لم يكن مجموعاً، وأعل ابن حزم الرواية الثانية بالانقطاع، لعدم التصريح بالتحديث أو السماع، ويمكن أن يقال: إن ظاهرها الإتصال، لأنها في حكم الرواية بها لمتعته ونحوها، فصلحت تفسيراً للإجمال، وقال ابن حزم أيضاً: إن كلا الخبرين ليس فيهما أن النبي ﷺ أخبر بذلك،

ويمكن أن يقال: إن الأصل بيان السائل الثقة الورع لواقع أمره، وخاصة الصحابة مع النبي ﷺ وذلك لتطمئن النفس إلى موافقة الجواب للواقع، وعلى تقدير الاحتمال في حديث فاطمة، فحمله على ما كان شائعاً كثيراً، وهو إفراد الطلاق أولى من حمله على النادر وهو جمع الثلاث في كلمة، ومنها حديث تلا عن عويمر وامراته، وفيه أنه طلقها ثلاثاً بعد اللعان قبل أن يأمره النبي ﷺ فلو كان جمع الثلاث ممنوعاً لبين له النبي ﷺ أنه عاص بجمع الثلاث، وعلمه الطلاق المشروع.

وأجيب بأنه لما لم يصادف طلاقه محلاً لم ينكر عليه، فإنها صارت أجنبية منه لا تحل له أبداً بتمام اللعان لا بالطلاق الثلاث وإلا لحلت له بعد أن تنكح زوجاً آخر، وقد أيد ذلك فيما سبق في حديث محمود بن لبيد من إنكاره ﷺ على من طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً وبهذا يجمع بين خبري الإنكار والسكوت بحمل أحدهما على طلاق صادم محلاً والآخر على ما إذا لم يصادف محلاً، وأما قول سهل: فأنفذه رسول الله ﷺ وقوله: فمضت السنة بعد في المتلاعنين أن يفرق بينهما. فسيأتى الكلام عليه في موضعه من المسألة الثانية.

ومنها حديث المرأة التي طلقها زوجها ثلاثاً، والأخرى التي بت زوجها طلاقها وقد تزوجت كلا منهما بعد ذلك ثم طلقت قبل أن يجامعها، وأرادت أن ترجع إلى زوجها الأول فقال النبي ﷺ "لا. حتى تذوقى عسيلته ويذوق عسيلتك" فدل عدم نقل الإنكار من النبي ﷺ طلاق الرجل امرأته ثلاثاً أو بت طلاقها على جواز الجمع بين الثلاث، إذ لو كان ممنوعاً لأنكره، ولو أنكره لنقل. أجيب أن اللفظ محتمل أن تكون الثلاث مجتمعة وأن تكون مفرقة، ولفظ البتة يعبر به عن الثلاث، وقد ثبت أن كلا منهما قد طلقها زوجها آخر ثلاث تطليقات، فليس في ذلك دليل لجواز جمع الثلاث.

وأما الآثار: فمنها ما روى أن عمر رضى الله عنه استفتى فيمن طلق امرأته البتة، فاستحلفه عما أراد فحلف أنه أراد واحدة فردها إليه، ولم يقل له لو أردت ثلاثاً لعصيت ربك. وأجيب بأن عمر أنكر عليه بقوله: ما حملك على هذا، وبتلاوة قوله تعالى: (ولو أنهم فعلوا ما يوعظون به لكان خيراً لهم وأشدّ تثبيتاً... الآية الكريمة من سورة النساء: ٦٦) ورد الجواب بأنه أنكر عليه عدوله في الطلاق عن اللفظ الصريح إلى لفظ مشكل محتمل وهو البتة.

ومنها أن عثمان لم ينكر على عبدالرحمن بن عوف طلاقه امرأته ثلاثاً. ومنها أن أبا هريرة و ابن عباس و عبدالله بن عمر، وعائشة و عبدالله بن الزبير لم ينكروا على من استفتى في طلاق الثلاث ولم يعيبوا عليه ذلك ولم يقل أحد منهم لمن استفتاه في ذلك بئس ما صنعت، وما روى من إنكار ابن عباس وغيره من الصحابة على من طلق امرأته مائة أو ألفاً فإنما إنكاره لما زاد عما جعل إليه من الثلاث، وروى ما يوافق ذلك عن شريح والشعبي وغيرهما من التابعين (ص - من البحث) وقد يقال: يرد هذا ما روى عن عمر و ابن عمر و ابن عباس و عمران بن حصين أنهم أئتموا من طلق ثلاثاً، وقالوا: إنه عصى ربه، وتوعدوا من يطلق ثلاثاً في مجلس واحد بالأذى كما روى عنهم ذلك فيمن تجاوز الثلاث في طلاقه، وإذا فليس الإنكار خاصاً بما زاد على الثلاث (ص - من البحث)

وأما المعنى فإن الشرع قد جعل الطلاق إلى الزوج يمضى منه ما شاء ويبقى ما شاء، دون أن يكون عليه في ذلك حرج، كما أنه لا يحرم عليه أن يعتق ما شاء من عبده ويتصدق بما شاء من ماله، ويبقى من ذلك ما شاء بل أن يأتي على ذلك كله، وأجيب بأن الأصل فيما ذكر أنه من القربات، فله أن يفعل من ذلك ما شاء ويؤجر عليه ما لم يضر بنفسه، بخلاف الطلاق فإن الأصل فيه الحظر لما تقدم، ولأنه أبغض الحلال إلى الله وقد شرع على صفة معينة، فينبغى التزامها في إيقاعه.

المسألة الثانية : فيما يترتب على إيقاع

الطلاق الثلاث بلفظ واحد وفيه مذاهب

المذهب الأول :

أنه يقع ثلاثاً، وهو مذهب جمهور العلماء من الصحابة والتابعين ومن بعدهم. وقد استدلوا لذلك بأدلة من الكتاب والسنة والآثار والإجماع والقياس.

أما الكتاب :

فمنه قوله تعالى : (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) فإنه يدل على أنه إذا قال الزوج لامرأته: أنت طالق، أنت طالق، في طهر لزمه اثنتان، وإذا فيلزمه اثنتان إذا أوقعهما معاً في كلمة واحدة (ص - من البحث) لأنه لم يفرق بين ذلك أحد، وأيضاً حكم الله بتحريمها عليه بعد الثالثة في قوله: (فإن طلقها الآية) ولم يفرق أحد بين إيقاعها في طهر أو أطهار، فوجب الحكم بإلزامه بالجميع على أى وجه أوقعه، مباح أو محظور، واعترض بأن المراد بالآية الطلاق المأذون فيه، وإيقاع الثلاث معاً غير مأذون فيه، فكيف يستدل بها في الإلزام بطلاق وقع على غير الوجه المباح وهي لم تتضمنه؟

وأجيب بأنها دلت على الأمر بتفريق الطلاق، ولا مانع من دلالتها على الإلزام به من جهة أخرى إذا وقع على غير الوجه المأمور به.

واعترض أيضاً بأن قوله تعالى: (فطلقوهن لعدتهن) بين المراد من آية الاستدلال، وأن الطلاق إنما يكون للعدة، فمتى خالف ذلك لم يقع طلاقه.

وأجيب بأنها ثبت حكم كل من الآيتين فنثبت بآية (فطلقوهن لعدتهن) أن الطلاق المسنون ما كان للعدة، ونثبت بآية (الطلاق مرتان) أن من طلق لغير العدة

أو جمع بين الثلاث لزمه ما فعل، وبذلك نكون قد أخذنا بحكم كل من الایتن على أن آخر آية الطلاق للعدة وهو قوله تعالى: (وتلك حدود الله... الآية) يدل على وقوع الطلاق لغير العدة، فإنه لو لم يلزمه لم يكن ظالمًا لنفسه بإيقاعه ولا بطلاقه، كما أن قوله تعالى: (ومن يتق الله يجعل له مخرجًا... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) يدل على ذلك، وسيأتى لهذا زيادة بيان في الدليل الثانى إن شاء الله. واعترض أيضًا بأن الزوج لو وكل من يطلق طلاقًا مفرقًا على الأطهار فجمع الثلاث فى طهر لم يقع لكونه غير مأمور به فكذا الزوج. وأجيب بالفرق بينهما، فإن الزوج يملك الطلاق الثلاث، وإيقاعه على غير الوجه المشروع لا يمنع من الزامه به كالظهار والردة، أما الوكيل فلا يملك من الطلاق إلا ما ملكه موكله ولا يملك إيقاعه إلا على الوجه الذى وصفه له موكله، إذ هو معبر عن موكله وتلزمه حقوق ما يوقعه (ص - من البحث) وسيأتى لهذا مزيد بحث. واستدل أيضًا بعموم قوله تعالى فى الآية: (أو تسريح بإحسان) على أنه يتناول إيقاع الثلاث دفعة، وأجيب عن وجوه الاستدلال بالآية:

أولاً: بأن تسريح المطلقة طلاقًا رجعيًا بإحسان تركها بلا مضارة لها حتى تنقضى عدتها، لا طلاقها مرة أخرى قبل رجعتها، وما روى مرفوعًا من تفسير التسريح بالإحسان بطلاقها الثالثة فمرسل.

ثانيًا: بأن من العلماء من فرق بين إيقاع الطلاق مفرقًا فى طهر أو مجموعًا وبين إيقاعه مفرقًا فى أطهار دون سبق رجعة، وإيقاعه مفرقًا فى أطهار مع سبق كل رجعة، فدعوى عدم الفرق مخالفة للواقع.

ثالثًا: بأن الله جعل الطلاق إلى الزوج لكن على أن يوقعه مفرقًا مرة بعد مرة على صفة خاصة، ولم يشرع سبحانه إيقاع الطلاق ثلاثًا جملة حكمة فى تشريعه ورحمة بعباده، فإيقاعه ثلاثًا مجموعة مخالف لأمر الله وشرعه، وأما قياس

الثلاث مجموعة على الظهار فيبطل قولكم ويثبت قول مخالفيكم، فإن الله لم يلزم المظاهر بما التزم من تحريم زوجته وجعلها كأمة أو أخته مثلاً بل لم تنزل زوجته، وعاقبه بشيء آخر على جريمة الظهار هو الكفارة، فإذا أدى ما شرع من الكفارة حلت له مماستها، فمقتضى قياسكم أن لا يلزم بشيء من الثلاث ويعاقب بأمر آخر على جريمة الجمع بين الثلاث، وكذا القول في قياسكم جمع الثلاث على الردة، وإذا ليست الآية دليلاً على إلزام الثلاث أو الثنتين إذا وقعها مجموعة، بل تدل على خلافه.

ومنه قوله تعالى: (ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) ومن طلق ثلاثاً مجموعة فقد تعدى حدود الله، لإيقاعه الطلاق على غير الوجه المشروع، وظلم نفسه بتعجله فيما كانت له فيه أناة، وحرمانه من رجعة زوجته، إذ لو لم يلزم بالثلاث من طلق ثلاثاً مجموعة لم يكن ظالماً لنفسه ولا محروماً من زوجته، لتمكنه من رجعتها.

ويؤيده أن ابن عباس أفتى بإلزام الثلاث من طلق ثلاثاً. وعاب على من جمع الثلاث ورماه بالحماقة، واستشهد بالآية، وأجيب بمنع دلالة الآية على الإلزام بالثلاث، لأن ركانة لما طلق امرأته ثلاثاً أمره النبي ﷺ أن يراجعها، وتلا هذه الآية، ولو كانت دليلاً على إلزام الثلاث من طلق ثلاثاً مجموعة لما استدل بها ﷺ، وستأتى مناقشة حديث ركانة.

وكما روى عن ابن عباس الإلزام بالثلاث والاستشهاد بالآية روى عنه اعتبارها واحدة (ص - من البحث)

ويمكن أن يقال: بحمل تعدى حدود الله في الآية وظلم المطلق لنفسه على الطلاق لغير العدة وإخراج الزوج مطلقته طلاقاً رجعيّاً من بيتها الذي كانت

تسكنه قبل الطلاق وخروجها منه أيام العدة، دون الطلاق الثلاث، وقد يساعد على هذا سابق الكلام ولا حقه، وفي هذا أيضاً جمع بين الأدلة.

ومنه قوله تعالى: (ولا تتخذوا آيات الله هزواً... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٣١) ذكر عن الحسن أنها نزلت فيمن كان يطلق ويزوج ابنته ويعتق عبده، ويدعى أنه كان لاعباً، فقال رسول الله ﷺ "ثلاث من قالهن لا عباً جائزات: العتاق والطلاق والنكاح" وأجيب بأنه لا دليل في الآية ولا في الحديث على المطلوب، لأنه لم يذكر فيهما طلاق الثلاث أصلاً، وإنما فيهما النهي عن اللعب في الطلاق ونحوه على أن ما ذكر من مراسيل الحسن.

وأما السنة فأولاً :

حديث تلاعن عويمر العجلاني وامراته، فإن النبي ﷺ فرق بينهما بإنفاد الطلاق الثلاث لا باللعان، يؤيد هذا قول سهل: فطلقها ثلاث تطليقات عند رسول الله ﷺ فأنفذها رسول الله ﷺ... الخ. وبهذا يعلم أن طلاق عويمر اعتبر ثلاثاً، وبانت منه امراته بذلك، ثم أكد ذلك بتأييد تحريمها عليه في اللعان خاصة، وقد يقال: بأن إنفاذ الطلاق الثلاث دفعة على الملاعن خاص باللعان لما فيه من تأييد التحريم بخلاف غيره، بدليل حديث محمود بن لبيد. ويجاب بأن حديث محمود بن لبيد وإن صح ليس فيه إنفاذ الثلاث ولا عدم إنفاذها، وحديث اللعان فيه إنفاذها فيقدم بل قيل إن حديث محمود بن لبيد دليل على اعتبار إيقاع الثلاث دفعة ثلاثاً، لأن الزوج طلق ثلاثاً يظنها لازمة له فلو كانت غير لازمة لبين له ﷺ لعدم جواز تأخير البيان عن وقت الحاجة (ص - من البحث).

وقد أجيب عن أصل الاستدلال بأن النبي ﷺ أنفذ تطليقات عويمر على الوجه الذي كان معروفاً في عهده من اعتبارها واحدة رجعية، ثم حرمها عليه تحريماً أبدياً بدليل قوله في الحديث: فمضت السنة بعد في المتلاعنين أن يفرق

بينهما، فإن التفريق يتأتى مع بقاء النكاح بخلاف ما إذا اعتبرت تطليقات عويمر ثلاثاً فإنها تكون أجنبية منه بذلك محرمة عليه حتى تنكح زوجاً غيره (ص - من البحث) وكذلك يقال فيما أمضاه على المطلق في حديث محمود بن لبيد، فإن حمله على ما كان معروفاً في عهده عليه السلام أقرب من حمله على الثلاث بل هو المتعين.

ثانياً :

حديث من طلقها زوجها ثلاثاً وأبى النبي عليه السلام أن يبيحها لزوجها الأول حتى يطأها الثاني، قالوا: الظاهر أنه طلقها ثلاثاً مجموعة فأمضاها عليه النبي عليه السلام وإلا لحلت للأول دون أن تذوق عسيلة الثاني، وأجيب بأنه ورد في بعض الروايات أن الأول طلقها آخر ثلاث تطليقات، وعلى تقدير تعدد القصة وأن هذه الرواية كانت في إحداهما فكل منهما ليس فيها ما يدل على أن التطليقات كانت مجموعة، لجواز أن تكون متفرقة، بل في الحديث ما يدل على تفرقها فإنه لا يقال طلق ثلاثاً إلا لمن فعل ذلك مرة بعد مرة كما يقال: سلم ثلاثاً، وسبح ثلاثاً، ومع هذا فقد كان المشهور في عهد النبي عليه السلام إيقاع الطلاق متفرقاً، أما إيقاعه مجموعاً فقد كان قليلاً ومنكراً، وحمل اللفظ على الكثير الحق أقرب من حمله على القليل المنكر (ص - من البحث)

ثالثاً :

حديث فاطمة بنت قيس، فإن زوجها طلقها ثلاثاً مجموعة، وقد تقدم الكلام فيه وفي مثله توجيهاً وإجابة، إلا أنه ذكر هنا زيادة في رواية مجالد بن سعيد عن الشعبي أن زوجها طلقها ثلاثاً جميعاً، وأجيب عنها بأنها قد تفرد بها مجالد عن الشعبي وهو ضعيف، وعلى تقدير الصحة فكلمة جميع في الغالب لتأكيد العدد فالمعنى حصول الطلاق الذي يملكه جميعه لا اجتماعه كما في قوله تعالى: (ولو شاء ربك لآمن من في الأرض كلهم جميعاً... الآية الكريمة من سورة

يونس: ٩٩) فالمراد حصول الإيمان من جميعهم لا حصوله منهم في وقت واحد (ص - من البحث) وذكر بعضهم أن تعبير فاطمة بنت قيس عن كيفية طلاقها مختلف الصيغة ولم يفرق بينها الصحابة في الحكم وإلا لا ستفسروا عما فيها من إجمال، وأجيب بأن الأجمال زال برواية طلقها آخر ثلاث تطليقات، ورواية أرسل إليها بطلقة كانت بقيت لها (ص - من البحث)

رابعاً :

حديث ركانة فإنه طلق امرأته سهيمة البتة، واستفسره النبي ﷺ عما أراد، واستحلفه عليه فحلف ما أراد إلا واحدة، فردها عليه، فدل على أنه لو أراد أكثر لأمضاه عليه، إذ لو لم يفترق الحكم لما استفسره ولا استحلفه، وهذا الحديث وإن تكلم فيه من أجل الزبير ابن سعيد فقد صححه بعض العلماء، وحسنه بعضهم وذكر الحاكم له متابعا من بيت ركانة.

وأجيب بأن الإمام أحمد ضعف حديث طلاق ركانة زوجته البتة من جميع طرقه، وضعفه البخاري وقال مضطرب فيه، تارة قيل فيه ثلاثاً، وتارة قيل فيه واحدة، وعلى ذلك ترك الروايتان المتعارضتان، ويرجع إلى غيرهما. هذا وقد روى حديث تطليق ركانة امرأته ثلاثاً وجعلها واحدة من طريقين إحداهما: عند الإمام أحمد من طريق سعد بن إبراهيم بسنده إلى ابن عباس مرفوعاً، والثانية: في سنن أبي داود من طريق ابن صالح بسنده إلى ابن عباس مرفوعاً فوجب المصير إلى ذلك، وأجيب عن الأولى بأنها لا تقوم بها الحجة لمخالفتها فتياً ابن عباس وستأني مناقشة ذلك، وأجيب عن الثانية بأن في سندها مقالاً لأن ابن جريج روى هذا الحديث عن بعض بني أبي رافع، ولأبي رافع بنون ليس فيهم من يحتج به إلا عبيد الله، وسائرهم مجهولون وقد رجح أبو داود في سننه رواية نافع بن عجير في طلاق ركانة زوجته البتة على رواية بعض بني أبي رافع أن عبد يزيد طلق امرأته

ثلاثاً لذلك، ولفظ ابن جريج في تسمية المطلق عبد يزيد مع أن عبد يزيد لم يدرك الإسلام، ولأن أهل بيت ركانة أعلم بحاله.

وقد أجاب ابن القيم بما خلاصته: سقوط رواية كل من نافع بن عجير وبعض بني أبي رافع لجهالة كل منهما، أما أن يرجع أحداً المجهولين أو من هو أشد جهالة على الآخر فكلاً، ويعدل إلى رواية الإمام أحمد من طريق سعد بن إبراهيم بسنده إلى ابن عباس لسلامته، فإن أحمد وغيره احتجوا به في مسائل النكاح والعرايا وغيرها، وقد ذكر فيه أن ركانة طلق امرأته سهيمة ثلاثاً فجعلها عليها السلام واحدة (ص - من البحث) وستأتي لهذا زيادة بحث إن شاء الله.

خامساً :

حديث ابن عمر في تطليق زوجته في الحيض وفي آخره "فقلت يا رسول الله أرأيت لو طلقته ثلاثاً أكان يحل لي أن أراجعها، قال: "لا، كانت تبين منك وتكون معصية". فإنه ظاهر في إمضاء الثلاث مجموعة، وأجيب أولاً: بأن في سنده شعيب بن زريق الشامي عن عطاء الخرساني وقد وثق الدارقطني شعيباً، وذكره ابن حبان في الثقات وحكى عنه ابن حجر أنه قال: يعتبر بحديثه من غير روايته عن عطاء الخرساني، وقال الأزدي: فيه لين، وقال ابن حزم: ضعيف، أما عطاء الخرساني فقد ذكره البخاري في الضعفاء، وقال ابن حبان كان رديء الحفظ يخطيء ولا يعلم فبطل الاحتجاج به. ووثقه ابن سعد و ابن معين و أبو حاتم، ومع ذلك فقد انفرد شعيب عن الأئمة الأئمة بالزيادة فإنه لم يعرف عن أحد منهم ذكرها.

سادساً :

حديث عبادة بن الصامت في تطليق بعض آبائه امرأته ألفاً، فلما سأل بنوا النبي عليه السلام قال: "بانت منه بثلاث على غير السنة وتسعمائة وسبعة وتسعون إث

في عنقه" وأجيب بأن في سنده رواية مجهولين وضعفاء.

سابعاً :

بحديث : "من طلق للبدعة واحدة أو اثنتين أو ثلاثاً الزمناه بدعته"

وأجيب بأن في سنده اسماعيل بن أمية الذراع، وقد قال فيه الدارقطني بعد روايته لهذا الحديث ضعيف متروك الحديث.

ثامناً :

حديث على أن النبي ﷺ سمع رجلاً طلق امرأته البتة فأنكر ذلك وقال :

"من طلق البتة الزمناه ثلاثاً لا تحل له حتى تنكح زوجاً غيره" وأجيب بأن في سنده اسماعيل ابن أمية القرشي، قال فيه الدارقطني : كوفي ضعيف، وقال ابن القيم في إسناده هذا الحديث مجاهيل وضعفاء (ص - من البحث).

وأما الإجماع : فقد نقل كثير من العلماء الإجماع على إمضاء

الثلاث في الطلاق الثلاث بكلمة واحدة منهم : الشافعي وأبو بكر الرازي وابن العربي والباجي وابن رجب وقالوا : إنه مقدم على خبر الواحد، قال الشافعي : الإجماع أكثر من الخبر المنفرد، وذلك أن الخبر مجوز الخطأ والوهم على راويه بخلاف الإجماع فإنه معصوم، وأجيب بأنه قد روى عن جماعة من الصحابة والتابعين ومن بعدهم القول برد الثلاث المجموعة إلى الواحدة منهم : أبو بكر وعمر صدر من خلافته، وعلي وابن مسعود وابن عباس، والزبير، وعبد الرحمن بن عوف، وطاؤس، والحسن البصري، وسعيد بن جبير، وعطاء بن أبي رباح، ومحمد بن اسحاق، وابن تيمية المجد، وأصبغ بن الحباب، ومحمد بن بقي، ومحمد بن عبد السلام الخشني، وعطاء بن يسار وابن زباع، وخلاس بن عمرو، وأهل الظاهر، وخالفهم في ذلك ابن حزم، وغاية الأمر أن يقال : أن بعض من نقل عنهم الإلزام بالثلاث إذا كانت مجموعة نقل عنهم أيضاً جعلها واحدة فيكون لهم

في المسألة قولان. والقصد أن الخلاف في الإلزام بها مجموعة لم يزل قائماً ثابتاً، وممن حكى الخلاف في ذلك عن السلف والخلف أبو الحسن علي بن عبد الله اللخمي، وأبو جعفر الطحاوي في تهذيب الآثار وغيرهم، وبهذا يتبين أنه ليس في المسألة إجماع (ص - من البحث).

وأما الآثار : المروية عن الصحابة وغيرهم في إمضاء الثلاث على من طلق زوجته ثلاثاً في مجلس واحد فكثيرة منها: ما روى عن عمر وعثمان وعلي وابن عباس وابن مسعود وابن عمر وعمران بن الحصين وأبي هريرة وغيرهم، فإن سلم اعتبارها في الاحتجاج لكونها أقوال صحابة ثبت المطلوب، وخاصة أن فيهم ثلاثة من الخلفاء: عمر الملهم وعثمان وعلي وحبر الأمة ابن عباس رضي الله عنهم وإلا فالحجة في إجماعهم، فإن فتواهم اشتهرت عنهم، ولم يعرف عمن لم يفت بذلك إنكار لفتواهم به، فكان إجماعاً وقد تقدم.

وأجيب بان عمر رضي الله عنه أمضى عليهم الثلاث عقوبة لهم لما رآه من المصلحة في زمانه ليكفوا عما تتابعوا فيه من جمع الطلاق الثلاث، ويرجعوا إلى ما جعل الله لهم من الفسحة والأناة رحمة منه بهم، ولما علم الصحابة منه حسن سياسته لرعيته وافقوه على ذلك وأفتوا به رعاية لما رآه من المصلحة، ولذا صرحوا لمن استفتاهم في هذا الأمر بأنه عصي ربه ولم يتقه فلم يجعل له مخرجاً، ولم يجعل ذلك الإمضاء شرعاً لازماً مستمراً لأنه مما تتغير الفتوى به بتغير الزمان والأحوال بل جعل العقوبة به تقريراً لمن خالف ما أمر به كالنفي، ومنعه ﷺ المخلفين الثلاثة من نسائهم مدة من الزمن، والضرب في الخمر، ونحو هذا مما يختلف التعزير فيه باختلاف الزمان والأحوال وكان هذا من الخليفة اجتهداً (ص من البحث)

وأما القياس : فهو أن النكاح ملك للزوج فتصح إزالته مجتمعاً كما صحت إزالته متفرقاً وأن الله جعله بيده يزيل منه ما شاء ويبقى ما شاء، كالتعق

وعقد النكاح. وأجيب بأنه قياس مع الفارق فإن الطلاق جعل إليه ليوقعه متفرقاً على كيفية معينة، ومنعه من جمعه لما تقدم في المسألة الأولى فلا يصح قياس جمعه على تفريقه، ولا على العتق، ولا عقد النكاح على أكثر من واحدة وما أشبهها، مما شرع له إيقاعه مجتمعاً ومتفرقاً (ص - من البحث)

المذهب الثاني

أن الطلاق الثلاث دفعة واحدة يعتبر طلاقاً واحدة، دخل بها الزوج أم لا. وهو قول أبي بكر و عمر، صدر من خلافته، وعلى و ابن مسعود و ابن عباس والزبير بن العوام وعبد الرحمن بن عوف، وكثير من التابعين ومن بعدهم كطاؤس وخلاس بن عمرو و محمد بن اسحاق، وداؤد الظاهري، وأكثر أصحابه، وهو اختيار ابن تيمية، و ابن القيم (ص - من البحث)، واستدل لهذا المذهب بالكتاب والسنة والآثار، والإجماع، والقياس.

أما الكتاب فأولاً قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) إلى قوله تعالى: (حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) وبيانه أن الألف واللام في قوله: (الطلاق مرتان.... ايضاً) للعهد والمعهود هو الطلاق المفهوم من قوله تعالى: (والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) وهو رجعى لقوله تعالى: (وبعولتهن أحق بردهن في ذلك... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٨) فالمعنى الطلاق من الذي يكون للزوج فيه حق الرجعة مرتان، مرة بعد مرة، ولا فرق في اعتبار كل مرة منهما واحدة بين أن يقول في كل مرة... طلقتك واحدة أو ثلاثاً أو ألفاً. فكل مرة منهما طلاقاً رجعية لها سبق، ولقوله تعالى بعد: (فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان.... الآية الكريمة

من سورة البقرة: (٢٢٩) وأما قوله تعالى: (فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره.... أيضاً) فالضمير المرفوع والمنصوب فيه عائدان إلى المطلق والمطلقة فيما سبق لئلا يخلو الكلام عن مرجع لهما، ولأن الطلاق وقع بعد الشرط والحل بعد النفي فدل على العموم، فلو كانت هذه الجملة مستقلة عما قبلها للزم تحريم كل مطلقة ولو طلقة أو طلقتين حتى تنكح زوجاً آخر، وهو باطل بإجماع. وإذا فمعنى الآية: فإن طلقها مرة ثالثة بلفظ واحد طلقة أو ثلاثاً فلا تحل له حتى تتزوج غيره. وبهذا يدل عموم الآية على اعتبار الثلاث بلفظ واحد طلقة، وقد سبقت مناقشة هذا الدليل (ص - من البحث).

ثانياً : قوله تعالى: (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) إلى قوله: (فأمسكوهن بمعروف أو فارقوهن بمعروف... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) وبيانه أن الجمهور استدلوا بها من وجوه على تحريم جمع الثلاث، وإذا فلا يقع منها مجموعة إلا ما كان مشروعاً وهو الواحدة (ص - من البحث) وأجيب بأن التحريم لا يناقض إمضاء الثلاث فكم من عبادة أو عقد مشروع ارتكب فيه مخالفة فليل لصاحبه عصي وصحت عبادته ومضى عقده وعلى تقرير المناقضة فهو يمنع من إمضاء الواحدة أيضاً، لوقوع الطلاق على خلاف ما شرع الله وذلك ما لا يقول به أحد من الجمهور.

وأما السنة : فمنها - أولاً ما رواه مسلم في صحيحه من طريق ابن طاؤس عن أبيه عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر رضي الله عنه: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيها عليهم فأمضاه عليهم. وأجيب عن الاستدلال به بما يأتي:

أولاً : أنه حديث منسوخ، لأن ابن عباس أفتى بخلافه، فدل ذلك على أنه علم ناسخاً له فاعتمد عليه في فتواه، ونوقش بأنه يمكن أن يكون اجتهد فوافق اجتهاده اجتهاد عمر رضي الله عنهما في إمضاء الثلاث تعزيراً للمصلحة كما تقدم، وأيضاً لو علم ناسخاً لذكره، مع وجود الدواعي إليه ولم يكتف بمثل ما كان يعلل به في فتواه، وأيضاً الصواب أن العبرة بما رواه الراوى لا بقوله، قالوا أيضاً يدل على نسخ الحديث ما ذكر في سبب نزول قوله تعالى: (الطلاق مرتان...) الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) من أن المطلق كان له الحق في الرجعة ولو طلق ألف مرة، ما دامت مطلقته في العدة. فأنزل الله الآية منعاً لهم من الرجعة بعد المرة الثالثة حتى تنكح زوجاً آخر، ونوقش أولاً: بأنه روى مرسلاً من طريق عروة بن الزبير ومتصلاً من طريق عكرمة عن ابن عباس لكن في سنده على بن حسين بن واقد وهو ضعيف، وثانياً: بأنه استدلال في غير محل النزاع فإنه ليس فيه الإلزام بالثلاث في لفظ واحد.

وقالوا أيضاً يدل على نسخه حديث امرأة رفاعة وحديث اللعان، وحديث فاطمة بنت قيس وقد سبق الاستدلال بها ومناقشتها (ص - من البحث)

وقالوا أيضاً: يدل على نسخه إجماع الصحابة زمن عمر رضي الله عنهم على إمضاء الثلاث، فإنه لا يكون إلا عن علم بالناسخ، ونوقش بأنه لا يتأتى مع قول عمر: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم، فلو كان اعتمادهم على العلم بالناسخ لذكروه ولم يعلل عمر بذلك. وأيضاً كيف يستمر العمل بالمنسوخ في عهده عليه السلام وفي عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر رضي الله عنهما؟ مع كون الأمة معصومة في إجماعها عن الخطأ، ونوقش استمرار العمل بالمنسوخ في العهود الثلاثة بأنه إنما فعله من لم يبلغه النسخ، فلما كان زمن عمر انتشر العلم بالناسخ فأجمعوا على إمضاء الثلاث كما حصل في

متعة النكاح سواء (أيضاً). ونوقش بأن متعة النكاح كان الخلاف فيها مستمراً بين الصحابة لعدم معرفة بعضهم بالناسخ المنقول نقلاً صحيحاً إلى أن أعلمهم به عمر في خلافته، ونهاهم عنها، بخلاف جعل الثلاث في لفظ واحد طلاقاً واحداً فإنه ثابت في عهده عليه السلام ولم يزل العمل عليه عند كل الصحابة في خلافة الصديق إلى سنتين أو ثلاث من خلافة عمر رضي الله عنهما إما فتوى أو إقراراً أو سكوتاً ولهذا ادعى بعض أهل العلم أنه إجماع قديم، لم تجمع الأمة على خلافه بعد، بل لم يزل في الأمة من يفتي بجعل الثلاث واحدة (أيضاً). ولم ينقل حديث صحيح يصلح أن يعتمد عليه في نسخ حديث ابن عباس ويكون مستنداً لما ذكر من الإجماع بل الذي روى في ذلك إما في غير الموضوع وإما في الموضوع لكنه ضعيف أو مكذوب، ومع هذا فقد ثبت عن عكرمة عن ابن عباس ما يوافق حديث طاؤس مرفوعاً وموقوفاً على ابن عباس، فالمرفوع هو أن ركابة طلق امرأته ثلاثاً فردها عليه النبي عليه السلام ولم يثبت ما يخالفه مرفوعاً، وقد سبقت مناقشة حديث ركابة وستأتي بقيتها (أيضاً) ولا نكارة في إمضاء عمر للثلاث باجتهاده، ولا على غيره من الصحابة ممن وافق اجتهادهم اجتهاده في إمضائها، وقد بين عمر و ابن عباس وغيرهما وجه ذلك بأن الناس لما تابعوا فيما حرم الله عليهم من تطليقهم ثلاثاً مجموعة وكثر منهم ذلك على خلاف ما كانوا عليه قبل الزموا بالثلاث عقوبة لهم، ونظير هذا كلما تتغير فيه الفتوى بتغير الأحوال والأزمان والأمكنة كالعقوبة في الخمر، والتفريق بين الذين خلفوا ونسائهم، وقتال عليٍّ لبعض أهل القبلة متاولاً، ولم يكن الإمضاء شرعاً مستمراً إنما كان رهن ظروفه (ص - من البحث).

والجيب ثانياً: بتأويل حديث طاؤس عن ابن عباس بأن الطلاق الذي كان الناس يوقعونه واحدة في عهده عليه السلام وعهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر اعتادوا إيقاعه بعد ذلك ثلاثاً، ويشهد لهذا قول عمر رضي الله عنه: إن الناس قد

استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة: الخ.

ونوقش بأنه تأويل يخالف الواقع في العهود الثلاثة الأولى، فإن الطلاق ثلاثاً جملة قد وقع فيها من الصحابة كما تقدم في حديث محمود بن لبيد، وحديث اللعان، وكما يأتي في حديث ركانة، وأيضاً يمنع منه ما ورد في بعض روايات الحديث من أنها جعلت واحدة أو ردت إلى الواحدة (ص - من البحث) وأجيب ثالثاً: بحمل الحديث على غير المدخول بها بدليل ذكر ذلك في الرواية الأخرى فإن الزوج إذا قال لها: أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، بانت بالأولى، فكان الثلاث واحدة ونوقش هذا ولم يزل ماضياً ولم يتقيد بعهد ولا زمان، وما نحن فيه تغير حكمه في أيام عمر رضي الله عنه عما كان عليه قبل، وقد وجه بعضهم الجواب بتوجيه آخر، وهو أن زوجها إذا قال لها: أنت طالق ثلاثاً بانت بقوله أنت طالق، ولغى قوله: ثلاثاً، ونوقش بأنه كلام متصل، فكيف يفصل بعضه من بعض ويحكم لكل بحكم؟

ونوقش أصل الجواب بأن حديث طاؤس نفسه عن ابن عباس مطلق ليس فيه ذكر لغير المدخول بها، وجواب ابن عباس في الرواية الأخرى وارد على سؤال أبي الصهباء عن تطليق غير المدخول بها ثلاثاً، فخص ابن عباس غير المدخول بها ليطابق الجواب السؤال، ومثل هذا ليس له مفهوم مخالفة (ص - من البحث) وأجيب رابعاً: بأن جعل الثلاث واحدة لم يكن عن علم منه ﷺ ولا عن أمره وإلا ما استحل ابن عباس أن يفتي بخلافه.

ونوقش بأن جماهير المحدثين على أنه ما أسنده الصحابي إلى عهده ﷺ له حكم، فإنه على تقدير أن النبي ﷺ لم يحكم بذلك يستبعد أن يفعله الصحابة وهم خير الخلق، ولا يعلمه ﷺ والوحي ينزل، ثم كيف يستمر العمل من الأمة على خطأ في عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر، والأمة معصومة من

إجماعها على الخطأ (ص - من البحث).

وأجيب خامساً : بحمل الحديث على صورة تكرير لفظ الطلاق فإنه يعتبر واحدة مع قصد التوكيد، وثلاثاً مع قصد الإيقاع، وكان الصحابة خياراً أمناء فصدقوا فيما قصدوا فلما تغيرت الأحوال وفشا إيقاع الثلاث جملة بلفظ واحد ألزمهم عمر الثلاث في صورة التكرار إذ صار الغالب عليهم قصدها.

ونوقش بأن حمل الحديث على ذلك خلاف الظاهر، فإن الحكم لم يتغير في صورة التكرار فيما بعد عما كان عليه في حياة النبي ﷺ وفي عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر، بل الأمر لم يزل على اعتباره واحدة في هذه الصورة عند قصد التوكيد، ومن ينويه لا يفرق بين بر وفاجر وصادق وكاذب، ومن لا ينويه في الحكم لا يقبل منه مطلقاً برّاً أم فاجراً، وأيضاً قول عمر: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة. الخ. يرد حمل الحديث على هذه الصورة، فإن معناه أن الناس استعجلوا فيما شرعه الله لهم متراخياً بعضه عن بعض رحمة منه بهم، فأوقعوه بلفظ واحد، فهذا يدل على أن لفظ الثلاث في الحديث مراد به جمع الثلاث دفعة، وإن كان في نفسه محتملاً (ص - من البحث).

وأجيب سادساً : بمخالفة فتوى ابن عباس لروايته، فإنه لم يكن ليروى حديثاً ثم يخالفه إلى رأى نفسه، ولذلك لما سئل أحمد بأى شيء تدفع حديث ابن عباس قال برواية الناس عنه من وجوه خلافه، ونوقش بأن الصواب من القولين في مخالفة الراوى لروايته أن الحديث الصحيح المعصوم لا يترك لمخالفة روايه، وهو غير معصوم، إذ من الممكن أن ينسى الراوى الحديث أو أنه لا يحضره الحديث وقت الفتيا، أو لا يتفطن لدلالته على المسألة التي خالفه فيها أو يتأول فيه تأويلاً مرجوحاً، أو يقوم في ظنه ما يعارضه ولا يكون معارضاً له في الواقع، أو يقلد غيره في فتواه بخلافه، لثقته به واعتقاده أنه إنما خالفه لدليل أقوى منه، وعلى هذا

الأصل بنى المالكية والشافعية والحنابلة فروعاً كثيرة حيث قدموا العمل برواية الراوى على فتواه، وأيضاً كما نقل عن ابن عباس إمضاء الثلاث، وروى عنه اعتبار الثلاث مجموعة طلبة واحدة، وإذا تعارضت الروايتان عدل عنهما إلى الحديث، لكن هذه المناقشة مردودة بأمرين الأول أن رواية الراوى إنما تقدم على قوله إذا كانت صريحة أو ظاهرة فى معنى قال بخلافه، وإلا قدم قوله، لأنه يدل على أن الاحتمال الذى خالفه قوله غير مراد من الحديث، وحديث ابن عباس هنا محتمل أن يكون فى الطلاق ثلاثاً بلفظ واحد، وأن يكون مفرقاً كما فى الصورة التى فى الجواب الخامس عن الحديث، فدلّت فتواه على إرادة صورة التفريق لا صورة الاجتماع. الثانى: أن ما رواه حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة أن ابن عباس قال: إذا قال أنت طالق ثلاثاً بفم واحد فهى واحدة معارض بما رواه اسماعيل بن ابراهيم عن أيوب عن عكرمة أن ذلك من قول عكرمة لا من قول ابن عباس، ورواية اسماعيل مقدمة لموافقة الثقة فى أن ابن عباس يجعلها ثلاثاً لا واحدة. (ص - من البحث)

وقد يقال فى الأمر الأول: إن لفظ الطلاق الثلاث فى الحديث ظاهر فيها مجموعة، وإلا لم يقل عمر رضى الله عنه. إن الناس استعجلوا فى أمر كانت لهم فيه أناة. الخ - اعتذاراً منه فى الحكم على خلاف ظاهره، وبه اعتذر ابن عباس وغيره فى إمضاء الثلاث، وقد سبق الكلام فى هذا عند مناقشة الجواب عن الحديث بالنسخ.

ويقول فى الأمر الثانى: أنه لا مانع من ثبوت القول بجعل الثلاث بلفظ واحدة عن كل من ابن عباس وعكرمة. وعلى تقدير تعارض الروايتين بالنفى والإثبات، فالمثبت مقدم على النافى، على أن حماد بن زيد أثبت فى أيوب من كل من روى عن أيوب كما قال يحيى بن معين، فيقدم على اسماعيل بن ابراهيم

(تهذيب التهذيب).

وأجيب سابقاً: بأن المراد بالطلاق الثلاث في الحديث لفظ البتة لا شهرها في الثلاث عند أهل المدينة، فرواه بعض زواته بالمعنى فعبر بالثلاث بدلاً من البتة وفي هذا جمع بين الروايات، وكان يراد بها واحدة كما أراد بها ركانة، فلما تتابع الناس في إرادة الثلاث بها ألزمهم إياها عمر رضي الله عنه ونظيره زيادته الضرب في شرب الخمر حين تتابع الناس فيه (ص - من البحث).

وقد يقال: إن هذا تأويل على خلاف الظاهر بلا دليل، وأيضاً تقدم في كلام الشافعي أن كلمة البتة مستحدثة (ص - من البحث).

وعلى ذلك لا يجوز حمل لفظ الطلاق الثلاث في الحديث عليها.

وأجيب ثامناً: بأنه حديث شاذ، لانفراد طاؤس به عن ابن عباس، وانفراد الراوى بالحديث وإن كان ثقة - علة توجب التوقف فيه إذا لم يرو معناه من وجه يصح (ص - من البحث).

ونوقش بأن مجرد انفراد الثقة برواية الحديث ليس علة توجب رده أو التوقف، ولا يسمى هذا شذوذاً عند علماء الحديث إنما الشذوذ الذي يكون علة في رد الحديث هو أن يخالف الثقة الثقة مخالفة لا يمكن معها الجمع ولم يخالف طاؤس في رواية هذا الحديث أحداً من الرواة الثقة عن ابن عباس في هذا الموضوع، وإنما وقعت المخالفة بين ما رواه وما أفتى به، وقد مضى الكلام في ذلك (ص - من البحث). لكن لقائل أن يقول: إن استمرار العمل في زمن النبي ﷺ وفي عهد أبي بكر وصدر من خلافة عمر بجعل الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلبة واحدة وتغيير عمر لذلك على علم من الصحابة مما تتوفر الدواعي على نقله، فنقله آحاداً يوجب رده، اللهم إلا أن يحمل الحديث على ما تقدم من أن الطلاق كان على وجه التكرار مع قصد التأكيد أو قد كان بلفظ البتة فاختلف

الحكم فيه لاختلاف النية (ص - من البحث).

وقد يناقش ألا يراد بمنع أن يكون ما ذكر مما تتوفر الدواعي على نقله، وأنه على تقدير أن يكون من ذلك، فللمستدل أن يقول: إن الحديث قد اشتهر نقله وصح سنده ولم يجرؤ أحد على تكذيبه أو تضعيفه بوجه يعتبر مثله كما اشتهر نقل مخالفة فتوى عمر و ابن عباس لظاهره، ويشهد لهذا اشتغال العلماء سلفاً وخلفاً بالأمرين، فبعضهم يؤول الحديث ليتفق مع الفتاوى، وبعضهم يذهب إلى بيان وجه مخالفة الفتاوى له ويبقيه على ظاهره، ويعتذر عن الفتوى بخلافه، وبعضهم يعارضه بفتوى ابن عباس ويقدم العمل بها عليه، إلى غير هذا مما يدل على شهرة النقل للأمرين، وعلى تقدير عدم الشهرة فكم من أمر تتوفر الدواعي على نقله قد نقل آحاداً وعمل به جمع من أئمة الفقهاء ورده آخرون بهذه الدعوى.

وأجيب تاسعاً: بأن الحديث مضطرب سنداً ومتناً، أما اضطراب سنده فلروايته تارة عن طاؤس عن ابن عباس، وتارة عن طاؤس عن أبي الصهباء عن ابن عباس، وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس، وأما اضطراب متنه فإن أبا الصهباء تارة يقول: ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة؟ وتارة يقول: ألم تعلم أن الطلاق الثلاث كان على عهد رسول الله ﷺ وصدر من خلافة عمر واحدة؟

ونوقش بأن الإضطراب إنما يحكم به على الحديث إذا لم يمكن الجمع ولا الترجيح وكلاهما ممكن فيما نحن فيه، فإن الرواية عن أبي الجوزاء وهم فيها عبد الله بن المؤمل، حيث انتقل في روايته الحديث عن ابن أبي مليكة عن أبي الصهباء إلى أبي الجوزاء، وقد كان سيء الحفظ فلا تعارض بها رواية الثقة عن أبي الصهباء، وأما روايته عن طاؤس عن ابن عباس وعن طاؤس عن أبي الصهباء

وعن ابن عباس فكلاهما ممكن فلا تعارض ولا اضطراب، وأما اختلاف المتن فتقدم بيان الجمع بين الروايتين فلا اضطراب (ص - من البحث).

وأجيب عاشرًا: بمعارضته بالإجماع والإجماع معصوم فيقدم. وقد تقدمت مناقشة ذلك (ص - من البحث). ومن السنة أيضًا ما رواه الإمام أحمد في مسنده عن سعد بن إبراهيم، حدثنا أبي عن محمد بن اسحاق قال: حدثني داود بن الحصين عن عكرمة مولى ابن عباس عن ابن عباس قال: طلق ركانة بن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثًا في مجلس واحد فحزن عليها حزنًا شديدًا، قال: فسأله رسول الله ﷺ "كيف طلقته؟" قال: طلقته ثلاثًا، قال: فقال: "في مجلس واحد؟" قال: نعم، قال: "فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت"، قال: فارجعها، فكان ابن عباس يرى الطلاق عند كل طهر. وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد واستدل بما روى به في رد ابنته عليها السلام على زوجها ابن أبي العاص بالنكاح الأول وقدمه على ما يخالفه فهو حجة ما لم يعارضه ما هو أقوى منه فكيف إذا عضده نظيره أو ما هو أقوى منه، ودلالة متنه ظاهرة في اعتبار الطلاق ثلاثًا في مجلس واحد واحدة.

ونوقش بأن المراد بالطلاق الثلاث في الحديث لفظ البتة لاشتغالها في الثلاث عند أهل المدينة فرواه بعض رواة بالمعنى فعبر بالثلاث بدلًا من البتة، وفي هذا جمع بين الروايات، وكانت يراد بها واحدة أولاً، فلما تتابع الناس في إرادة الثلاث ألزمهم أياها عمر رضي الله عنه، ونظيره زيادة الضرب في شرب الخمر ونحوه. مما تغير فيه الحكم لتغير أحوال الناس وقد تقدم هذا في الجواب السابع عند الاستدلال بحديث طاؤس عن ابن عباس في جعل الثلاث المجموعة واحدة مع مناقشة.

ونوقش أيضًا بأن لفظ طلقته ثلاثًا يحتمل أن يكون بلفظ واحد، وأن

يكون مفرقاً، وأجيب بأن احتمال تفريقه خلاف الظاهر، لقوله في الحديث في مجلس واحد، والغالب فيما كان كذلك أن يكون بلفظ واحد.

ونوقش أيضاً بمعارضته للإجماع، وقد تقدم مناقشة الإجماع عند الكلام على الاستدلال به على إمضاء الثلاث.

ونوقش أيضاً بمعارضته لحديث نافع بن عجير في إمضائه ثلاثاً، وأجيب بترجيح هذه الرواية على رواية نافع بن عجير لسلامتها وضعف نافع، وقد سبق شرح ذلك، إلى غير هذا من المناقشات التي سبقت عند الإجابة عن الاستدلال بحديث ابن عباس في اعتبار الثلاث واحدة.

ومن السنة أيضاً حديث بعض بنى أبي رافع عن عكرمة عن ابن عباس أن يزيداً أبا ركانة وإخوته طلق أم ركانة وتزوج امرأة أخرى فشكت ضعفه إلى رسول الله ﷺ فأمره بطلاقها فطلقها، وقال له "راجع أم ركانة"، فقال: إني طلقها ثلاثاً، فقال: "قد علمت، راجعها". وقد سبق نص الحديث مع مناقشته.

ومن السنة أيضاً حديث ابن عمر وفيه أنه طلق امرأته ثلاثاً وهي حائض فردها النبي ﷺ إلى السنة. ورد أولاً: بأن رواية هذا الحديث شيعية، وثانياً: بأن في سنده ظريف بن ناصح وهو شيعي لا يكاد يعرف، وثالثاً: بأنه مع ما ذكر مخالف لما رواه الثقات الأثبات: أن ابن عمر طلق امرأته في الحيض تطليقة واحدة، فهو حديث منكر (ص - من البحث).

واستدلوا بالإجماع، قالوا: إن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد واحدة، إلى ثلاث سنين من خلافة عمر.

ويمكن أن يجاب بما ورد من الآثار عن بعض الصحابة من أن الثلاث بلفظ واحد تمضي ثلاثاً (ص - من البحث). وقد سبق ذكرها في استدلال من يقول بإمضاء الثلاث. لكن للمستدل أن يقول: إن الآثار التي وردت فيها الفتوى

بخلاف هذا الدليل بدأت في عهد عمر بضرب من التأويل، يدل على تأخير بدئها
ظاهر حديث طاؤس عن ابن عباس، وقد تقدم مع المناقشة.

واستدلوا بالقياس، قالوا: كما لا يعتبر قول الملاعن وقول الملاعنة:
أشهد بالله أربع شهادات - بكذا، أربع شهادات - لا يعتبر قول الزوج لامراته: أنت
طالق ثلاثاً بلفظ واحد ثلاث تطليقات وكذا كل ما يعتبر فيه تكرار القول أو الفعل
من تسبيح وتحميد وتكبير وتهليل وإقرار.

ونوقش بأنه قياس مع الفارق، للإجماع على اعتبار الطلقة المفردة في
الطلاق، وبينونة المعتدة منها بانتهاء العدة، وعدم اعتبار الشهادة الواحدة من
الأربع في اللعان (ص - من البحث).

وللمستدل أن يقول: هذا الفارق مسلم، ومعه فوارق أخرى بينهما، انفرد
كل من الطلاق واللعان بشيء منها، لكنها ليست في مورد قياس المستدل هنا،
فإنه وارد فيما يعتبر فيه تكرار الفعل أو القول، ولا يعتد فيه بالاكتفاء بذكر اسم
العدد، وليس من شرط سلامة القياس اشتراك المقيس والمقيس عليه في جميع
صفاتهم، بل إن اعتبار هذا لا يتأتى معه قياس، لأن كل شيئين لا بد أن ينفرد كل
منهما عن الآخر بخاصة أو خواص، وإلا كان عينه.

واستدلوا بما روى من الآثار في الإفتاء بذلك عن ابن عباس وعلی و ابن
مسعود والزبير وعبدالرحمن ابن عوف وغيرهم من الصحابة ومن بعدهم (ص -
من البحث).

ونوقش بأن ما روى من ذلك عن طاؤس عن ابن عباس مردود، فإن
لطاؤس عن ابن عباس مناكير منها روايته هذه الفتوى عن ابن عباس، وأجيب بأن
طاؤس بن كيسان قد وثقه ابن معين، وسئل أيهما أحب إليك طاؤس أم سعيد بن
جبير؟ فلم يخير بينهما، وقال قيس بن سعد: كان طاؤس فينا مثل ابن سيرين

بالبصرة، وقال الزهرى: لو رأيت طاووساً علمت أنه لا يكذب، وروى له أصحاب الكتب الستة فى أصولهم (تهذيب التهذيب).

فعلى من ادعى روايته للمناكير عن ابن عباس أن يثبت ذلك بشواهد من رواياته عنه فى غير هذه المسألة أما فيما رواه فى هذه المسألة فهو مجرد دعوى فى محل النزاع، وما ذكر من مخالفة غيره له فى هذه المسألة فغايتها أن يكون لابن عباس فيها قولان، روى كل من الفريقين عنه قولاً منهما، ولذلك قدرتم رجوعه عنها على تقدير صحة روايتها، ثم أن عكرمة تابع طاووساً فى روايته هذا الأثر عن ابن عباس وهو من رجال السنة.

ونوقش بأن رواية حماد بن زيد عن أيوب عن عكرمة عن ابن عباس معارضة برواية اسماعيل بن ابراهيم عن أيوب أن هذا الأثر من قول عكرمة وأجيب أولاً: بأنه لا معارضة لجواز أن يكون روى عن كل منهما وثانياً: أنه على تقدير المعارضة فرواية حماد بن زيد مقدمة على رواية اسماعيل بن ابراهيم، فإن حماداً أثبت فى الرواية عن أيوب من كل من روى عنه (تهذيب التهذيب).

المذهب الثالث :

أن الطلاق الثلاث يمسى ثلاثاً فى المدخول بها وواحدة فى غير المدخول بها، واستدلوا لمذهبهم فى المدخول بها بما استدل به الجمهور، وقد تقدم مع مناقشته، واستدلوا لمذهبهم فى غير المدخول بها بحديث أبى الصهباء الذى قال فيه لابن عباس: أما علمت أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة على عهد رسول الله ﷺ وأبى بكر وصدر من إماراة عمر، قال: بلى. وقد تقدم الحديث قالوا: إن التفصيل بين المدخول بها وغير المدخول بها فيه جمع بين الروايات وإثبات حكم كل منها فى حال، وقد سبقت مناقشة هذا الدليل (ص - من البحث)

المذهب الرابع :

أنه لا يعتد به مطلقاً، لأن إيقاعه ثلاثاً بلفظ واحد بدعة محرمة، فكان غير معتبر شرعاً، لحديث "من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد" ورد بأنه لا يعرف القول به عن أحد من السلف، وأن أهل العلم في جميع الأمصار مجمعون على اعتباره والاعتداد به، وإن اختلفوا فيما يمضى منه، ولم يخالف فيه إلا ناس من أهل البدع ممن لا يعتد بهم في انعقاد الإجماع.

وقد يستدل لهم أيضاً بأنه كالظهار فإنه لما كان محرماً لم يعتبر طلاقاً مع قصد المظاهر الطلاق فكذا الطلاق ثلاثاً مجسوة، وأجيب بالفرق، فإن الظهار محرم في نفسه على كل حال، فكان باطلاً ولزمت فيه العقوبة على كل حال. بخلاف الطلاق فإن جنسه مشروع كالنكاح والبيع، ولذا امتنع في حال دون حال، وانقسم إلى صحيح وباطل أو فاسد (ص - من البحث).

هذا ما تيسر إعداده، وبالله التوفيق، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم...

حرر في ١٩/٩/١٣٩٣ هـ

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضد

عضد

نائب الرئيس

رئيس اللجنة

عبد الله بن سليمان بن منيع ، عبد الله بن عبد الرحمن بن نديان ، عبد الرزاق عثيفي ، إبراهيم بن محمد آل الشيخ

مصادر بحث الطلاق الثلاث بلفظ واحد

- ١ - تفسير القرطبي طبع مطبعة دار الكتب المصرية عام ١٣٥٤ هـ.
- ٢ - أحكام القرآن لأحمد بن علي الرازي "الجصاص" طبع بمطبعة البهية المصرية سنة ١٣٤٧ هـ.
- ٣ - أضواء البيان.
- ٤ - صحيح البخاري و معه فتح الباري طبع المطبعة السلفية بترقيم عبد الباقي وإشراف محي الدين الخطيب.
- ٥ - عمدة القاري للعيني طبع المطبعة المنيرية.
- ٦ - صحيح مسلم وعليه النووي الطبعة الأولى طبع بالمطبعة الأزهرية سنة ١٣٤٧ هـ.
- ٧ - مختصر سنن أبي داود ومعها المعالم للخطابي وتهذيبها لابن القيم طبع مطبعة أنصار السنة المحمدية عام ١٣٦٧ هـ.
- ٨ - جامع الترمذي.
- ٩ - عارضة الأحوذى على الترمذي لابن العربي.
- ١٠ - شرح الزرقاني على الموطأ طبع بمطبعة الاستقامة بالقاهرة سنة ١٣٧٣ هـ.
- ١١ - مسند الإمام أحمد بتعليق أحمد شاكر طبع دار المعارف سنة ١٣٦٩ هـ.
- ١٢ - مستدرک الحاكم وعليه تلخيصه للذهبي الطبعة الأولى سنة ١٣٤٠ هـ. طبع بمطبعة حيدرآباد.
- ١٣ - نيل الأوطار طبعة حلبية الطبعة الثانية عام ١٣٧١ هـ.
- ١٤ - جامع العلوم والحكم طبعة حلبية عام ١٣٨٢ هـ الطبعة الثالثة.
- ١٥ - سنن ابن ماجه الطبعة الأولى بالمطبعة النازية.
- ١٦ - سنن سعيد بن منصور.
- ١٧ - سنن الدارقطني طبع دار المحاسن للطباعة طبع عام ١٣٨٦ هـ.

١٨- السنن الكبرى للبيهقي الطبعة الأولى بمطبعة حيدر آباد.

١٩- المنصف لعبد الرزاق الطبعة الاولى.

٢٠- شرح المواهب اللدنية للزرقاني المالكي الطبعة الأولى بالمطبعة الأزهرية

سنة ١٣٢٥ هـ.

٢١- شرح معاني الآثار طبع مطبعة الأنوار المحمدية.

٢٢- المنتقى للباجي طبع مطبعة السعادة الطبعة الأولى عام ١٣٣٢ هـ.

٢٣- الجرح والتعديل الطبعة الأولى بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية
بحيدرآباد الدكن عام ١٣٧١ هـ.

٢٤- تهذيب التهذيب الطبعة الأولى بمطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية
بحيدرآباد الدكن عام ١٣٢٧ هـ.

٢٥- خلاصة تهذيب تهذيب الكمال الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية عام ١٣٢٣ هـ.

٢٦- الإصابة ومعها الاستيعاب طبع بمطبعة مصطفى محمد.

٢٧- المستفاد من جهات المتن والإسناد طبع مطابع الرياض.

٢٨- بدائع الصنائع للكاساني طبع بمطبعة الجمالية بمصر الطبعة الأولى عام
١٣٢٨ هـ.

٢٩- المبسوط للسرخسي طبع بمطبعة السعادة بجوار محافظة مصر الطبعة الأولى.

٣٠- فتح القدير لابن الهمام الطبعة الأولى بالمطبعة الكبرى الأميرية عام ١٣١٥ هـ.

٣١- المدونة الطبعة الأولى بالمطبعة الخيرية سنة ١٣٢٤ هـ ومعها المقدمات.

٣٢- المقدمات لابن رشد ومعها المدونة.

٣٣- مواهب الجليل للحطاب ملتزم الطبع مكتبة النجاح: ليبيا.

٣٤- الأم الطبعة الاولى بالمطبعة الخيرية عام ١٣٣١ هـ.

٣٥- المنهذب الطبعة الحلبيه.

٣٦- المغنى والشرح الكبير الطبعة الأولى بمطبعة المنار سنة ١٣٤٦ هـ.

- ٣٧- الكافي الطبعة الأولى سنة ١٣٨٢ هـ طبع المكتب الاسلامي.
- ٣٨- الإنصاف طبع بمطبعة السنة المحمدية عام ١٣٧٧ هـ.
- ٣٩- مجموع فتاوى شيخ الإسلام.
- ٤٠- زاد المعاد طبع مطبعة أنصار السنة المحمدية.
- ٤١- أعلام الموقعين الطبعة المنيرية.
- ٤٢- إغاثة اللهفان طبعة حلبية عام ١٣٥٧ هـ.
- ٤٣- مسودة آل تيمية.
- ٤٤- سيرالحوادث إلى علم الطلاق الثلاث ليوסף بن حسن بن عبدالرحمن بن عبدالهادي طبعه محمد نصيف ضمن مجموعة رأس الحسين.
- ٤٥- المحلى لابن حزم الطبعة الأولى.
- ٤٦- التجريد في أسماء الصحابة للذهبي الطبعة الأولى في مطبعة دائرة المعارف النظامية بحيدرآباد الدكن.
- ٤٧- الناسخ والمنسوخ لابن النحاس الطبعة الأولى.

القرار

بعد الأطلاع على البحث المقدم من الأمانة العامة لهيئة كبار العلماء والمعد من قبل اللجنة الدائمة للبحوث والإفتاء في موضوع "الطلاق الثلاث بلفظ واحد".

وبعد دراسة المسألة وتداول الرأي واستعراض الأقوال التي قيلت فيها ومناقشة ما على كل قول من إيراد توصل المجلس بأكثرية إلى اختيار القول بوقوع الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثاً، وذلك لأمر أهمها ما يلي:

أولاً :

لقوله تعالى (يا أيها النبي إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ١) إلى قوله تعالى: (وتلك حدود الله ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه. لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك أمراً... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢). فإن الطلاق الذي شرعه الله هو ما يتعقبه عدة وما كان صاحبه مخيراً بين الإمساك بمعروف والتسريح بإحسان، وهذا منتف في إيقاع الثلاث في العدة قبل الرجعة فلم يكن طلاقاً للعدة وفي فحوى هذه الآية دلالة على وقوع الطلاق لغير العدة إذ لو لم يقع لم يكن ظالماً لنفسه بإيقاعه لغير العدة ولم ينسد الباب أمامه حتى يحتاج إلى المخرج الذي أشارت إليه الآية الكريمة (ومن يتق الله يجعل له مخرجاً... الآية الكريمة من سورة الطلاق: ٢) وهو الرجعة حسبما تأوله ابن عباس رضي الله عنه حين قال للسائل الذي سأله وقد طلق ثلاثاً. أن الله تعالى يقول: (ومن يتق الله يجعل له مخرجاً) وإنك لم تتق الله فلم أجد لك مخرجاً عصيت ربك وبانت منك امرأتك ولا خلاف في أن من لم يطلق للعدة بأن طلق ثلاثاً مثلاً فقد ظلم نفسه فعلى القول بأنه إذا طلق ثلاثاً فلا يقع من طلاقه إلا واحدة فما هي التقوى التي بالتزامها يكون المخرج واليسر وما هي

عقوبة هذا الظالم نفسه المتعدى لحدود الله حيث طلق بغير العدة فلقد جعل الشارع على من قال قولاً منكراً لا يترتب عليه مقتضى قوله المنكر عقوبة له على ذلك كعقوبة المظاهر من امرأته بكفارة الظهار فظهر والله أعلم أن الله تعالى عاقب من طلق ثلاثاً بإفادها عليه وسد المخرج أمامه حيث لم يتق الله فظلم نفسه وتعدى حدود الله.

تابع

ما في الصحيحين عن عائشة رضي الله عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلعت فسل النبي ﷺ أتحل للأول؟ قال: لا حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول. فقد ذكره البخاري رحمه الله تحت ترجمة "باب من أجاز الطلاق ثلاثاً" واعترض على الاستدلال به بأنه مختصر من قصة رفاعه بن وهب التي جاء في بعض رواياتها عند مسلم أنها طلقها زوجها آخر ثلاث تطليقات، ورد الحافظ بن حجر رحمه الله الاعتراض، بأن غير رفاعه قد وقع له مع امرأته نظير ما وقع لرفاعة فلا مانع من التعدد. فإن كلا من رفاعه القرظي ورفاعة النضري وقع له مع زوجة له طلاق فتزوج كلا منهما عبدالرحمن بن الزبير فطلقها قبل أن يمسهما ثم قال: وبهذا يتبين خطأ من وحد بينهما ظناً منه أن رفاعه بن سموء ل هو رفاعه بن وهب. ١ هـ. وعند مقابلة هذا الحديث بحديث ابن عباس الذي رواه عنه طاؤس "كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة الخ فإن الحال لا تخلوا من أمرين: إما أن يكون معنى الثلاث في حديث عائشة و حديث طاؤس أنها مجتمعة أو متفرقة، فإن كانت مجتمعة فحديث عائشة متفق عليه فهو أولى بالتقديم وفيه التصريح بأن تلك الثلاث تحرمها ولا تحل إلا بعد زوج، وإن كانت متفرقة فلا حجة في حديث طاؤس على محل النزاع في وقوع الثلاث بلفظ واحد واحدة. وأما اعتبار الثلاث في حديث عائشة مفرقة وفي حديث طاؤس مجتمعة فلا وجه له ولا دليل عليه.

ثالثاً :

لما وجه به بعض أهل العلم كابن قدامه رحمه الله حيث يقول: ولأن النكاح ملك يصح إزالته متفرقاً فصح مجتمعاً كسائر الأملاك. والقرطبي رحمه الله حيث يقول: وحجة الجمهور من جهة اللزوم من حيث النظر ظاهرة جداً وهو أن المطلقة ثلاثاً لا تحل للمطلق حتى تنكح زوجاً غيره، ولا فرق بين مجموعها ومفرقها لغة وشرعاً وما يتخيل من الفرق صوري ألغاه الشارع اتفاقاً في النكاح والعق والأقارير. فلو قال المولى أنكحتك هؤلاء الثلاث في كلمة واحدة انعقد كما لو قال أنكحتك هذه وهذه وهذه، وكذلك في العتق والإقرار وغير ذلك من الأحكام. ١هـ، وغاية ما يمكن أن يتجه على المطلق بالثلاث لومه على الإسراف يرفع نفاذ تصرفه.

رابعاً :

لما أجمع عليه أهل العلم إلا من شذ في إيقاع الطلاق من الهازل استناداً إلى حديث أبي هريرة وغيره مما تلقته الأمة بالقبول، من أن ثلاثاً جدهن جد وهزلهن جد: الطلاق والنكاح والرجعة. ولأن قلب الهازل بالطلاق عمد ذكره كما ذكر ذلك شيخ الإسلام ابن تيمية رحمه الله في تعليقه القول بوقوع الطلاق من الهازل حيث قال: ومن قال لا لغو في الطلاق فلا حجة معه بل عليه لأنه لو سبق لسانه بذكر الطلاق من غير عمد القلب لم يقع به وفاقاً وأما إذا قصد اللفظ به هازلاً فقد عمد قلبه ذكره. ١هـ. فإن ما زاد على الواحدة لا يخرج عن مسمى الطلاق بل هو من صريحه، واعتبار الثلاث واحدة إعمال لبعض عدده دون باقيه بلا مسوغ، اللهم إلا أن يكون المستند في ذلك حديث ابن عباس ويأتي الجواب عنه إن شاء الله.

خامساً :

إن القول بوقوع الثلاث ثلاثاً قول أكثر أهل العلم فلقد أخذ به عمر و

عثمان و علي و العبادلة ابن عباس و ابن عمر و ابن عمرو و ابن مسعود وغيرهم من أصحاب رسول الله ﷺ وقال به الأئمة الأربعة: أبو حنيفة ومالك والشافعي وأحمد و ابن أبي ليلى والأوزاعي و ذكر ابن عبد الهادي عن ابن رجب رحمه الله بقوله: أعلم أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة ولا من التابعين ولا من أئمة السلف السعد بقولهم في الفتاوى في الحلال والحرام شيء صريح في أن الطلاق الثلاث بعد الدخول يحسب واحدة إذا سيق بلفظ واحد. ١هـ. وقال شيخ الإسلام ابن تيمية في معرض بحثه الأقوال في ذلك: الثاني - أنه طلاق محرم ولازم وهو قول مالك و أبي حنيفة و أحمد في الرواية المتأخرة عنه، اختارها أكثر أصحابه وهذا القول منقول عن كثير من السلف من الصحابة والتابعين. ١هـ. وقال ابن القيم: واختلف الناس فيها، أي في وقوع الثلاث بكلمة واحدة - على أربعة مذاهب أحدها: أنه يقع وهذا قول الأئمة الأربعة وجمهور التابعين وكثير من الصحابة. ١هـ. وقال القرطبي: قال علماؤنا - واتفق أئمة الفتوى على لزوم إيقاع الطلاق الثلاث في كلمة واحدة وهو قول جمهور السلف. وقال ابن العربي في كتابه النسخ والمنسوخ ونقله عنه ابن القيم رحمه الله في تهذيب السنن: قال تعالى: (الطلاق مرتان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) زل قوم في آخر الزمان فقالوا إن الطلاق الثلاث في كلمة واحدة لا يلزم، وجعلوه واحدة ونسبوه إلى السلف الأول فحكوه عن علي والزبير وعبد الرحمن بن عوف و ابن مسعود و ابن عباس، وعزوه إلى الحجاج ابن أرطاة الضعيف المنزلة والمغموز المرتبة ورووا في ذلك حديثاً ليس له أصل - إلى أن قال: وما نسبوه إلى الصحابة كذب بحت لا أصل له في كتاب ولا رواية له عن أحد. إلى أن قال: وإما حديث الحجاج بن أرطاة فغير مقبول في الملة ولا عند أحد من الأئمة. ١هـ.

سادساً :

لتوجه الإيرادات على حديث ابن عباس رضي الله عنه كان الطلاق على

عهد رسول الله ﷺ وخلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة إلى آخر الحديث مما يضعف الأخذ به والاحتجاج بما يدل عليه، فإنه يمكن أن يجاب عنه بما يلي:

ما قيل من أن الحديث مضطرب سنداً ومتناً أما اضطراب سنده فلروايته تارة عن طاؤس عن ابن عباس وتارة عن طاؤس عن أبي الصهباء عن ابن عباس وتارة عن أبي الجوزاء عن ابن عباس، وأما اضطراب متنه فإن أبا الصهباء تارة يقول: ألم تعلم أن الرجل كان إذا طلق امرأته ثلاثاً قبل أن يدخل بها جعلوها واحدة. وتارة يقول: ألم تعلم أن الطلاق الثلاث كان على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر واحدة.

قد تفرد به عن ابن عباس طاؤس و طاؤس متكلم فيه من حيث روايته المناكير عن ابن عباس قال القاضي اسماعيل في كتابه "أحكام القرآن" طاؤس مع فضله وصلاحه يروى أشياء منكورة منها هذا الحديث. وعن أيوب أنه كان يعجب من كثرة خطأ طاؤس. وقال ابن عبد البر شذ طاؤس في هذا الحديث. وقال ابن رجب وكان علماء أهل مكة ينكرون على طاؤس ما ينفرد به من شواذ الأقاويل. ونقل القرطبي عن ابن عبد البر أنه قال: رواية طاؤس وهم وغلط لم يعرج عليها أحد من فقهاء الأمصار بالحجاز والشام والمغرب.

ما ذكره بعض أهل العلم من أن الحديث شاذ من طريقين: أحدهما تفرد طاؤس بروايته وأنه لم يتابع عليه. قال الإمام أحمد في رواية ابن منصور: كل أصحاب ابن عباس رووا عنه خلاف ما روى طاؤس. وقال الجوز جاني هو حديث شاذ: وقال ابن رجب ونقله عنه ابن عبد الهادي: وقد عنيت بهذا الحديث في قديم الدهر فلم أجد له أصلاً.

الثاني ما ذكره البيهقي فإنه ساق الروايات عن ابن عباس بلزوم الثلاث ثم

نقل عن ابن المنذر أنه لا يظن بابن عباس أنه يحفظ عن النبي ﷺ شيئاً ويفتي بخلافه، وقال ابن الترمذاني وطائوس يقول إن أبا الصهباء مولاة سأله عن ذلك ولا يصح ذلك عن ابن عباس لرواية الثقات عنه خلافه، ولو صح عنه ما كان قوله حجة على من هو من الصحابة أجل وأعلم منه وهم عمر و عثمان و علي و ابن مسعود و ابن عمر وغيرهم. ١هـ.

فلما في هذا الحديث من الشذوذ فقد أعرض عنه الشيخان الجليلان أبو عبد الله أحمد بن حنبل فقد قال للأثرم و ابن منصور بأنه رفض حديث ابن عباس قصداً لأنه يرى عدم الاحتجاج به في لزوم الثلاث بلفظ واحد، لرواية الحفاظ عن ابن عباس ما يخالف ذلك، والإمام محمد بن اسماعيل البخاري ذكر عنه البيهقي أنه ترك الحديث عمداً لذلك الموجب الذي تركه من أجله الإمام أحمد ولا شك أنهما لم يتركاها إلا لموجب يقتضي ذلك.

إن حديث ابن عباس يتحدث عن حالة اجتماعية مفروض فيها أن تكون معلومة لدى جمهور معاصريها، وتوفر الدواعي لنقلها بطرق متعددة مما لا ينبغي أن يكون موضع خلاف، ومع هذا لم تنقل إلا بطريق آحادي عن ابن عباس فقط ولم يروها عن ابن عباس غير طائوس الذي قيل عنه بأنه يروي المناكير. ولا يخفى ما عليه جماهير علماء الأصول من أن خبر الآحاد إذا كانت الدواعي لنقله متوفرة ولم ينقله إلا واحد ونحوه أن ذلك يدل على عدم صحته. فقد قال صاحب جمع الجوامع عطفاً على ما يجزم فيه بعدم صحة الخبر: والمنقول آحاداً فيما تتوفر الدواعي إلى نقله خلافاً للرافضة. ١هـ. وقال ابن الحاجب في مختصره الأصولي: إذا انفرد واحد فيما تتوفر الدواعي إلى نقله وقد شاركه خلق كثير كما لو انفرد واحد بقتل خطيب على المنبر في مدينة فهو كاذب قطعاً خلافاً للشيعة. ١هـ. فلا شك أن الدواعي إلى نقل ما كان عليه رسول الله ﷺ والمسلمون بعده في خلافة أبي بكر وصدر من خلافة عمر من أن الطلاق الثلاث كانت تجعل

واحدة متوفرة توافراً لا يمكن إنكاره. ولا شك أن سكوت جميع الصحابة عنه حيث لم ينقل عنهم حرف واحد في ذلك غير ابن عباس يدل دلالة واضحة على أحد أمرين: إما أن المقصود بحديث ابن عباس ليس معناه بلفظ واحد، بل بثلاثة ألفاظ في وقت واحد، وإما أن الحديث غير صحيح لنقله آحاداً مع توفر الدواعي لنقله. ما عليه ابن عباس رضي الله عنه من التقى والصلاح والعلم والاستقامة والتقى بالافتداء والقوة في الصدع بكلمة الحق التي يراها، يمنع القول بانقياده إلى ما أمر به عمر رضي الله عنه من إمضاء الثلاث والحال أنه يعرف حكم الطلاق الثلاث في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر من أنه يجعل واحدة. فلا يخفى خلافه مع عمر رضي الله عنهما في متعة الحج وبيع الدينار بالدينارين وفي بيع أمهات الأولاد وغيرها من مسائل الخلاف فكيف يوافق في شيء يروى عن النبي ﷺ فيه خلافه، وإلى قوته رضي الله عنه في الصدع بكلمة حق التي يراها، تشير كلمته المشهورة في مخالفته عمر في متعة الحج وهي قوله: يوشك أن تنزل عليكم حجارة من السماء أقول قال رسول الله وتقولون قال أبو بكر وعمر.

وعلى فرض صحة حديث ابن عباس فإن ما عليه أصحاب رسول الله ﷺ من التقى والصلاح والاستقامة وتامم الاقتداء بما عليه الحال المعتمدة شرعاً في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر يمنع القول بانقيادهم إلى أمر عمر رضي الله عنه في إمضاء الثلاث، والحال أنهم يعرفون ما كان عليه أمر الطلاق الثلاث في ذلك العهد. ومع هذا فلم يثبت بسند صحيح أن أحداً منهم أفتى بمقتضى ما عليه الأمر في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وصدر من خلافة عمر حسبما ذكره ابن عباس في حديثه.

ز - ما في حديث ابن عباس من الدلالة على أن عمر أمضى الثلاث عقوبة

للناس لأنهم قد استعجلوا أمرا كان لهم فيه أناة، وهذا مشكل ووجه الإشكال كيف يقرر عمر رضى الله عنه وهو هو تقي وصلاحا وعلما وفقها - بمثل هذه العقوبة التي لا تقتصر آثارها على من استحقها وإنما تتجاوزها إلى طرف آخر ليس له نصيب في الإجمام، ونعني بالطرف الآخر الزوجات حيث يترتب عليها إحلال فرج حرام على طرف ثالث، وتحريم فرج حلال بمقتضى عقد الزواج، وحقوق الرجعة، مما يدل على أن حديث طاؤس عن ابن عباس فيه نظر، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

وجهة نظر المخالفين

نرى أن الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة، وقد سبقنا إلى القول بهذا ابن عباس في رواية صحيحة ثابتة عنه، وأفتى به الزبير بن العوام و عبد الرحمن بن عوف وعلى بن أبي طالب وعبد الله بن مسعود من الصحابة في رواية عنهم وأفتى به عكرمة و طاؤس وغيرهما من التابعين وأفتى به ممن بعدهم محمد بن اسحاق وخلاس ابن عمرو والحارث العكلي، والمجد بن تيمية، وشيخ الإسلام أحمد بن عبد الحليم بن تيمية، وتلميذه شمس الدين ابن القيم وغيرهم... وقد استدل على ذلك بما يأتي:

الدليل الأول :

قوله تعالى: (الطلاق مرتان فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان... الآية الكريمة من سورة البقرة: ٢٢٩) وبيانه: أن الطلاق الذي شرع للزوج فيه الخيار بين أن يسترجع زوجته أو يتركها بلا رجعة حتى تنقضي عدتها فتبين منه. مرتان مرة بعد مرة، سواء طلق في كل مرة منهما طلقة أو ثلاثا مجموعة، لأن الله تعالى قال: (مرتان) ولم يقل طلقان. ثم قال تعالى في الآية التي تليها: (فإن طلقها فلا

تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره... الآية الكريمة من سورة البقرة: (٢٣٠) فحكم بأن زوجته تحرم عليه بتطليقه إياها المرة الثالثة حتى تنكح زوجاً غيره، سواء نطق في المرة الثالثة بطلقة واحدة أم بثلاث مجموعة، فدل على أن الطلاق شرع مفرقاً على ثلاث مرات، فإذا نطق بثلاث في لفظ واحد كان مرة واعتبر واحدة.

الدليل الثاني :

ما رواه مسلم في صحيحه من طريق طاؤس عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة، فقال عمر رضي الله عنه: إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة، فلو أمضيته عليهم، فأمضاه عليهم "وفي صحيح مسلم أيضاً عن طاؤس عن ابن عباس أن أبا الصهباء قال لابن عباس هات من هناتك، ألم يكن الطلاق الثلاث على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر واحدة، قال: قد كان ذلك، فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فأجازهم عليهم". فهذا الحديث واضح الدلالة على اعتبار الطلاق الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة وعلى أنه لم ينسخ لاستمرار العمل به في عهد أبي بكر وسنتين من خلافة عمر، ولأن عمر علل إمضاءه ثلاثاً بقوله: "إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة" ولم يدع النسخ ولم يعلل الإمضاء به، ولا بظهوره بعد خفائه، ولأن عمر استشار الصحابة في إمضاءه ثلاثاً، وما كان عمر ليستشير أصحابه في العدول عن العمل بحديث علم أو ظهر له أنه منسوخ... وما أجيب به عن حديث ابن عباس فهو إما تأويل متكلف، وحمل للفظه على خلاف ظاهره بلا دليل، وإما طعن فيه بالشذوذ والاضطراب وضعف طاؤس وهذا مردود بأن مسلماً رواه في صحيحه وقد اشترط ألا يروى في كتابه إلا الصحيح من الأحاديث. ثم إن الطاعنين فيه قد احتجوا بقول عمر في آخره "إن الناس قد استعجلوا في أمر كانت لهم فيه أناة فلو

أمضيته عليهم، فأمضاه عليهم“ فكيف يكون آخره حجة مقبولة ويكون صدره مردوداً لا اضطرابه وضعف راويه، وأبعد من هذا ما ادعاه بعضهم من أن العمل كان جارياً على عهد النبي ﷺ بجعل الطلاق الثلاث واحدة لكنه ﷺ لم يعلم بذلك، إذ كيف تصح هذه الدعوى والقرآن ينزل والوحي مستمر، وكيف تستمر الأمة على العمل بالخطأ في عهده وعهد أبي بكر وسنتين أو ثلاث من خلافة عمر، وكيف يعتذر عمر في عدوله عن ذلك إلى إمضائه عليهم بما ذكر في الحديث من استعجال الناس في أمر كانت لهم فيه أناة، ومن الأمور الواهية التي حاولوا بها رد الحديث معارضته بفتوى ابن عباس على خلافه، ومن المعلوم عند علماء الحديث وجمهور الفقهاء أن العبرة بما رواه الراوي متى صحت الرواية لا برأيه وفتواه بخلافه لأمر كثيرة استندوا إليها في ذلك، وجمهور من يقول بأن الطلاق الثلاث بلفظ واحد يعتبر ثلاثاً يقولون بهذه القاعدة، وينون عليها الكثير من الفروع الفقهية وقد عارضوا الحديث أيضاً بما ادعوه من الإجماع على خلافه بعد سنتين من خلافة عمر رضي الله عنه مع العلم بأنه قد ثبت الخلاف في اعتبار الثلاث بلفظ واحد ثلاثاً واعتباره واحدة بين السلف والخلف، واستمر إلى يومنا، ولا يصح الاستدلال على اعتبار الطلاق الثلاث بلفظ واحد ثلاثاً بحديث عائشة رضي الله تعالى عنها في تحريم الرسول ﷺ زوجة رفاعة القرظي عليه حتى تنكح زوجاً غيره لتطليقه إياها ثلاثاً، لأنه ثبت أنه طلقها آخر ثلاث تطليقات، كما رواه مسلم في صحيحه فكان الطلاق مفرقاً ولم يثبت أن رفاعة بن وهب النضري جرى له مع زوجته مثل ما جرى لرفاعة القرظي حتى يقال بتعدد القصة، وأن أحدهما كان الطلاق فيها ثلاثة مجموعة ولم يحكم ابن حجر بتعدد القصة بل قال: إن كان محفوظاً يعني حديث رفاعة النضري فالواضح تعدد القصة، واستشكل ابن حجر تعدد القصة في كتابه الإصابة حيث قال: لكن المشكل

اتحاد اسم الزوج الثاني عبد الرحمن بن الزبير.

الدليل الثالث :

ما رواه الإمام أحمد في مسنده، قال: حدثنا سعد بن إبراهيم حدثنا، أبي عن محمد بن إسحاق، قال حدثني داود بن الحصين عن عكرمة مولى ابن عباس، عن ابن عباس قال: طلق ركانة ابن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثاً في مجلس واحد، فحزن عليها حزناً شديداً، قال: فسأله رسول الله ﷺ: "كيف طلقته"، قال: طلقته ثلاثاً قال: فقال: "في مجلس واحد" قال: نعم، فقال: "فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت"، قال: فارجعها، قال: فكان ابن عباس يرى أن الطلاق عند كل طهر قال ابن القيم في كتابه أعلام الموقعين: "وقد صحح الإمام أحمد هذا الإسناد و حسنه"، وضعف أحمد و أبو عبيد والبخارى ما روى من أن ركانة طلق زوجته بلفظ البتة.

الدليل الرابع :

بالإجماع، وبينه ابن تيمية و ابن القيم وغيرهما بأن الأمر لم يزل على اعتبار الثلاث بلفظ واحد طلقة واحدة في عهد أبي بكر وسنتين أو ثلاث من خلافة عمر، وأن ما روى عن الصحابة من الفتوى بخلاف ذلك فإنما كان من بعضهم بعدما أمضاه عمر ثلاثاً تعزيراً وعقوبة، لما استعجلوا أمراً كان لهم فيه أناة، ولم يرد عمر بامضاء الثلاث أن يجعل ذلك شرعاً كلياً مستمراً وإنما أراد أن يلزم به ما دامت الدواعي التي دعت إليه قائمة كما هو الشأن في الفتاوى التي تتغير بتغير الظروف والأحوال وللإمام أن يعزر الرعية عند إساءة التصرف في الأمور التي لهم فيها الخيار بين الفعل والترك بقصرهم على بعضها ومنعهم من غيره، كما منع النبي ﷺ الثلاثة الذين خلفوا من زواجاتهم مدة من الزمن عقوبة لهم على تخلفهم عن غزوة تبوك مع أن زوجاتهم لم يسئن، وكالزيادة في عقوبة شرب

الخمر، وتحديد الأسعار عند استغلال التجار مثلاً للظروف وتواطئهم على رفع الأسعار دون مسوغ شرعى إقاسة للعدل، وفى معنى هذا تنظيم المرور، فإن فيه منع الناس من المرور فى طرق قد كان مباحاً لهم السير فيها من قبل محافظة على النفوس والأموال، وتيسيراً للسير مع أمن وسلام.

الدليل الخامس :

قياس الطلاق الثلاث على شهادات اللعان قالوا كما لا يعتبر قول الزوج فى اللعان: أشهد بالله أربع شهادات أنى رأيتها تزنى إلا شهادة واحدة لا أربعاً، فكذا لو قال لزوجته: أنت طالق ثلاثاً لا يعتبر إلا طلقة واحدة لا ثلاثاً، ولو قال: أقرب الزنا أربعاً مكتفياً بذكر اسم العدد عن تكرار الإقرار لم يعتبر إلا واحدة عند من اعتبر التكرار فى الإقرار، فكذا لو قال لزوجته: أنت طالق ثلاثاً مكتفياً باسم العدد عن تكرار الطلاق لم يعتبر إلا واحدة، وهكذا كل ما يعتبر فيه تكرار القول لا يكفى فيه عن التكرار ذكر اسم العدد كالتسبيح والتحميد والتكبير عقب الصلوات المكتوبة، والله ولى التوفيق، وصلى الله على نبينا محمد وآله وسلم...

حرر فى ١٢/١١/٩٣ هـ

قد تم الجزء الخامس من خير الفتاوى والحمد لله أولاً وآخراً
وقد فرغت من تبييضه وترتيبه فى يوم الجمعة ١٣-٦-١٤٢٠ من الهجرة
النبوية وأسأل الله من صميم قلبى أن يتقبله الله منى ومن كل من
اعاننى فيه فى ترتيبه وجميع أموره وأسأل الله أن يرزقنى شهادة فى
سبيله ودفناً ببلدة حبيبته والله على كل شئ قدير وبالاجابة جدير
وأنا العبد الفقير بالتراب البوالمساكين محمد انور عفا الله عنه
مفتى وخادم الحديث بجامعة خير المدارس - ملتان